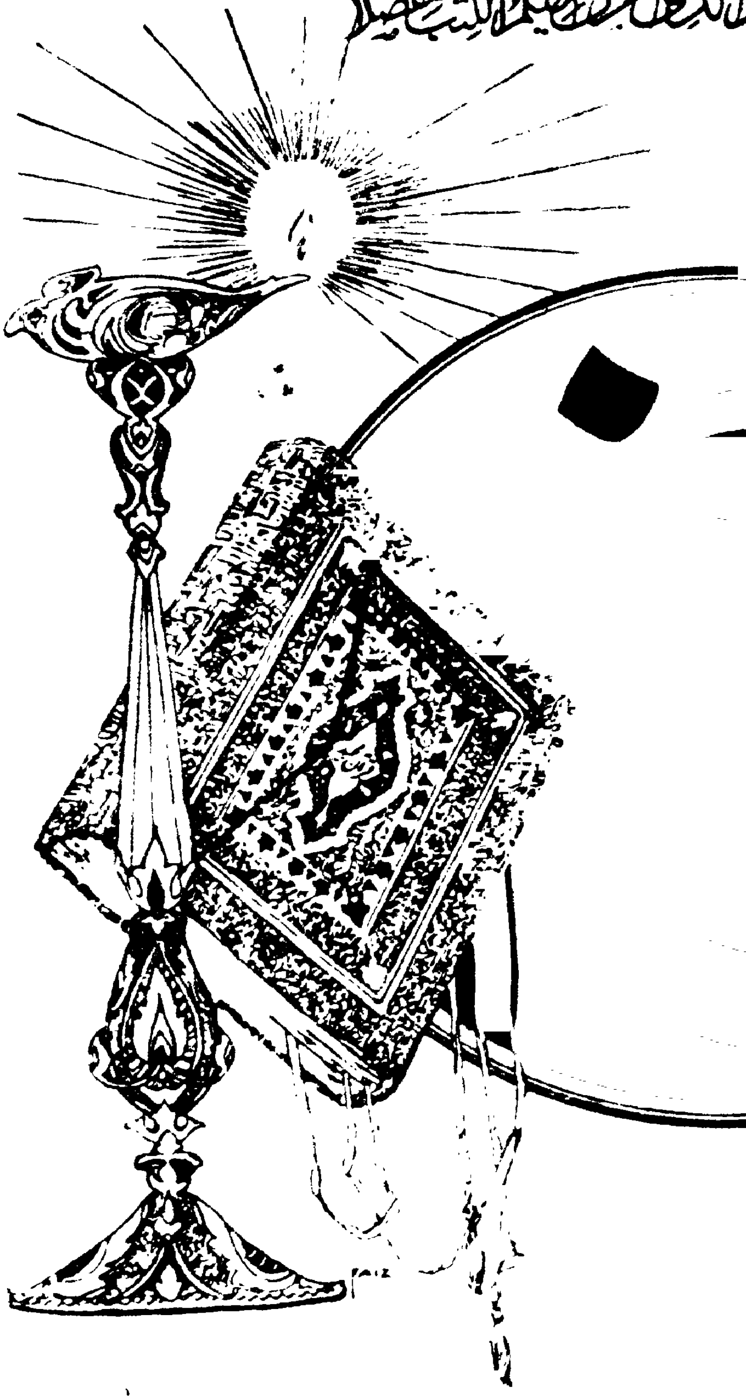
أفغير الله أبتغي حكما وهو الذي أنزل إليكم الكتب مفصلا



برہان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۱۴ : ۵۲)

بلاغ

فہرست مضامین

جلد ۱۴ - امرتسر ماہ محرم ۱۳۵۶ھ مطابق اپریل سنہ ۱۹۳۷ء نمبر ۴

شذرات

(از عرشی)

قرآن میں یاایہا الناس کا پرشکوہ خطاب قریباً بیس مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ پھر کسی قوم کو کیا حق ہے کہ وہ اس عالم آرا کتاب کو صرف اس بنا پر اپنے لئے مختص کرے کہ وہ صرف زبانی طور پر اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے، اور پھر ظلم پر ظلم یہ کہ اس قوم کی تمام چھوٹی چھوٹی ٹولیاں اُس کو اپنی اپنی گروہ بندانہ ذہنیت میں محصور کر کے دوسری ٹولیوں کو کافر و مرتد قرار دیکر بیشمار دنیاؤں اور لاتعداد زمانوں کے خدا کو صرف اپنے ڈیڑھ اینٹ کے مسجد نما مندر کا دیوتا قرار دے لیں۔ ہندی مسلمان کا وجود قرآن کے لئے ننگ اور اسلام کے لئے عار ہے جب تک اس کے گلے میں فرقہ پرست ملاّ کا طوق اور پاؤں میں جہالت فروش پیر کی زنجیر ہے اس کے سر پر نیک بختی کا آفتاب کبھی طلوع نہیں ہو سکتا۔ "بیان للناس" کے مطالعہ نے جن سعید ارواح کو اس طوق و زنجیر سے آزاد کیا، قرآن کی قدر ان سے پوچھو ایک گریجوایٹ نے مطالعہ تفسیر کے دوران میں اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی کہ "اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن انسان کو صحیح معنی میں انسان بنانا چاہتا ہے۔ لیکن عام تفاسیر و کتب اس کو انسانیت کی بلندی سے اُتار کر وہابیت و حنفیت و شافعیت و مالکیت وغیرہ گڑھوں میں گرجانے کو کہتی ہیں"۔ ایک دوسرے صاحب کے الفاظ یہ تھے کہ میں نے بیان للناس کے دوران مطالعہ میں

محسوس کیا کہ ہر صفحہ کو دیکھنے کے بعد میری آنکھوں پر سے آہنیں پردے کٹ کٹ کر گر رہے ہیں ۔
ایک ہندو صاحب ذوق نے بلاغ فروری نمبر کو پڑھکر کہا کہ اگر "اسلام" یہی ہے جو اس رسالہ میں پیش
کیا جا رہا ہے تو یقیناً یہ تمام مذاہب کا باپ ہے۔ لیکن جب عام مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرتے تو ہم
اس کو اصلی اسلام کیوں کر مان لیں گے۔ ایسا ہی ایک قول برناڈ شا کے قلم سے نکلا تھا کہ "قرآن کو دیکھ
کر انس و رغبت پیدا ہوتی ہے مگر موجودہ مسلمانوں کو ملکر نفرت و حقارت بڑھتی ہے"۔ کیا اس سے یہ
ثابت نہیں کہ ہمارا رواجی مذہب اور قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا
محبت اور عداوت میں، کتنا سچ کہا ہے کہنے والے نے

گر مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد
وائے گر از پسِ امروز بود فردائے

مُسلم ہال، وہ خطہ زمین جو اللہ کے ذکر کی برکت سے ایک مقدس مقام بننے والا ہے، جہاں سے
نبی عربی صلعم کے بے آمیزش پیام کا غلغلہ دوبارہ بلند ہونے والا ہے۔ جہاں فرقہ بندی کی سفاکیوں سے
تنگ آئی ہوئی انسانیت کو پناہ ملنے والی ہے، جہاں انسانی عظمتوں کے شائبہ سے پاک خالص
توحید الٰہی کی پکار سننے کے لئے خدا کے بندے دُور و نزدیک سے آئیں گے۔ جس کا پُر تقدیس او
شاندار مستقبل میری چشم تصور کے سامنے ہے ــــ آج بروز جمعہ ۳؍۴؍۱۹ کو اُس کی تعمیر کا کام شرو
کر دیا گیا، سردست ارادہ ہے کہ دو کوٹھڑیاں اور ایک کمرہ دفتر کے لئے بنا لیا جائے اور جیسے جیسے
توفیق خداوندی یاری کرے، عمارت کا کام بڑھتا جائے۔ ہم اپنے جیب و امن کو دیکھتے ہیں تو کوئی
اُمید نہیں بندھتی۔ یہاں تہی دامنی اور تہی دستی کے سوا کوئی سرمایہ نہیں، کوئی حکومت پشت پر
نہیں جس کی طرف دست استعانت دراز کیا جائے، لیڈری کے فن سے آگاہی نہیں کہ گرما گرم
تقریریں کر کے پبلک سے چندہ کے لئے اپیل کریں، عقیدت کیش مریدوں کی جماعت نہیں کہ اُن کو
فرمان واجب الاذعان بھیجکر جو چاہیں طلب کر لیں۔ چند غریب مزدور ہیں، چند عاجز و نادار
ہیں، جن کے سینوں میں تو نے اے زمین و آسمان کے خزانوں کے مالک یہ تڑپ ڈال دی ہے کہ تیرا
مقدس نام بلند ہو، اے آفتاب حقیقت تیرے ہوتے ہوئے فنا پذیر شبنم کی پرستش نہ کی جائے
اے نور السمٰوٰت والارض تجھ سے آنکھیں میٹ کر تاریکی کی پناہ نہ ڈھونڈھی جائے ــــ اس
گھر کی تعمیر کا مقصد تو ہے، منتہا تو ہے، مراد تو ہے، غیر ذی زرع (بے کھیتی) زمین کے گھر کو آبا

کرنے والے! نیک بخت اور دردمند ابراہیمؑ کی دعاؤں کو قبول کرنے والے تو نے اُس بنجر زمین کو ہری بھری اور شاداب زمینوں پر فوقیت دی، تو نے عجز و بے مائگی کو قبول کیا، تو نے تمدن و تہذیب کے مقابلے میں صحرائیت و بدویت کو پسند فرمایا۔ تو نے جاہ وحشم اور مال و دولت والوں کی طرف نگاہ نہ کی اور ٹوکری اُٹھانے والے، دیواریں بنانے والے دو مزدوروں پر اپنی ابدی رحمتوں کے دروازے کھول دئے، سلام ہو ابراہیمؑ پر، سلام ہو اسمٰعیلؑ پر، سلام اُن کے سپوت میرے سردار محمدؐ پر ابدالآباد تک ——— آج بھی تو وہی ہے، آج بھی تیرے ملک غنا اور خزانہ دولت میں کوئی کمی نہیں۔ بڑی سے بڑی ہستی ماضی کے پردے میں چھپ گئی، مگر تیرے لئے کوئی ماضی نہیں۔ اے موجود! اے دائم الوجود! اے قائم الحال!!! ابراہیمؑ کے پیغام کو دہرانے کے لئے۔ محمدؐ کی آواز کو بلند کرنے کے لئے۔ اپنے پاک نام کی خاطر، اپنی توحید کے واسطے ——— اس زمین کے ٹکڑے کو قبول فرما، چند عاجزوں کی طرف سے، مسکینوں کی طرف سے، جن کو تو نے ہی اس کی توفیق دی۔ اے سب زمینوں اور آسمانوں کے مالک! اس کی تعمیر ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تیرے بندے یہاں جمع ہو کر تیرے نام کا ذکر کریں اور آرام پائیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ یہ کیونکر ہوگا، اتنے کثیر سامان کہاں سے آئیں گے میں ہزاروں سال کے بعد پھر ان لفظوں کو دہراتا ہوں جن پر تیری تصدیق کی مُہر لگ چکی ہے۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ ؂۱ اے رب اس مقام کو ایک امن والا شہر بنالے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق عنایت فرما۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ ؂۲ پس کچھ انسانوں کے دلوں کو اُنکی طرف مائل کر۔

جب پہلی مرتبہ یہ آواز اُس بے آب و گیاہ سرزمین میں گونجی اسوقت پوسٹر، اخبارات، رسائل وغیرہ نشر و اشاعت کے ذرائع نہ تھے۔ سفر کی سہولتیں نہ تھیں، وعظ اور لیکچر کا فن نہ تھا۔ پوری بے سامانیوں کے باوجود یہ "صدائے صحرا" صدا بہ صحرا ثابت نہ ہو سکی بلکہ اقصائے عالم میں پھیلی، زن و مرد اور پیر و جوان نے سُنی۔ جلیل القدر شاہنشاہوں کو، عظیم المرتبت فلسفیوں کو، دولتوں کو، پھلوں کو، نعمتوں سے لدے ہوئے اونٹوں، جہازوں اور ریلوں کو وہاں کھینچ لائی، یہ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے ایک طالب دلیل کے لئے کافی ہے کہ تو موجود ہے، تو سمیع و مجیب ہے، تو اخلاص کے چھوٹے سے بیج کو بے اندازہ و بے حساب پھل دینے والا ہے ——— آج تک کتنے کثیر سامانوں

؂۵ بعض دوست ارادہ کر رہے ہیں کہ متصلہ زمین خرید کر وہاں اپنے لئے سکونتی مکان بنالیں۔ اس صورت میں کون جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کیا کچھ ہے۔ منہ

محسوس کیا کہ ہر صفحہ کو دیکھنے کے بعد میری آنکھوں پر سے آہنیں پردے کٹ کٹ کر گر رہے ہیں۔ ایک ہندو صاحب ذوق نے بلاغ فروری نمبر کو پڑھکر کہا کہ اگر "اسلام" یہی ہے جو اس رسالہ میں پیش کیا جا رہا ہے تو یقیناً یہ تمام مذاہب کا باپ ہے۔ لیکن جب عام مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرتے تو ہم اس کو اصلی اسلام کیوں کر مان لیں "۔ ایسا ہی ایک قول برناڈ شا کے قلم سے نکلا تھا کہ "قرآن کو دیکھ کر انس و رغبت پیدا ہوتی ہے مگر موجودہ مسلمانوں کو ملکر نفرت و حقارت بڑھتی ہے"۔ کیا اس سے ثابت نہیں کہ ہمارا رواجی مذہب اور قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا محبت اور عداوت میں، کتنا سچ کہا ہے کہنے والے نے

گر مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد
وائے گر از پسِ امروز بود فردائے

مُسلم ہال، وہ خطہ زمین جو اللہ کے ذکر کی برکت سے ایک مقدس مقام بننے والا ہے، جہاں نبی عربی صلعم کے بے آمیزش پیام کا غلغلہ دوبارہ بلند ہونے والا ہے۔ جہاں فرقہ بندی کی سفاکیوں سے تنگ آئی ہوئی انسانیت کو پناہ ملنے والی ہے، جہاں انسانی عظمتوں کے شائبہ سے پاک خالص توحید الٰہی کی پکار سننے کے لئے خدا کے بندے دُور و نزدیک سے آئیں گے۔ جس کا پُرتقدس شاندار مستقبل میری چشم تصور کے سامنے ہے — آج بروز جمعہ ۳ اپریل ۱۹۳۶ کو اُس کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا، سردست ارادہ ہے کہ دو کوٹھڑیاں اور ایک کمرہ دفتر کے لئے بنا لیا جائے اور جیسے جیسے توفیق خداوندی یاری کرے، عمارت کا کام بڑھتا جائے۔ ہم اپنے جیب و دامن کو دیکھتے ہیں تو کوئی اُمید نہیں بندھتی۔ یہاں تہی دامنی اور تہی دستی کے سوا کوئی سرمایہ نہیں، کوئی حکومت پشت پر نہیں جس کی طرف دست استعانت دراز کیا جائے، لیڈری کے فن سے آگاہی نہیں کہ گرما گرم تقریریں کرکے پبلک سے چندہ کے لئے اپیل کریں، عقیدت کیش مریدوں کی جماعت نہیں کہ اُن کو فرمان واجب الاذعان بھیجکر جو چاہیں طلب کر لیں۔ چند غریب مزدور ہیں، چند عاجز و نادار ہیں، جن کے سینوں میں تو نے اے زمین و آسمان کے خزانوں کے مالک یہ تڑپ ڈال دی ہے کہ تیرا مقدس نام بلند ہو، اے آفتاب حقیقت تیرے ہوتے ہوئے فنا پذیر شبنم کی پرستش نہ کی جائے، اے نور السمٰوٰت والارض تجھ سے آنکھیں میٹ کر تاریکی کی پناہ نہ ڈھونڈھی جائے — اس گھر کی تعمیر کا مقصد تو ہے، منتہا تو ہے، مراد تو ہے، غیر ذی زرع (بے کھیتی) زمین کے گھر کو آ

کرنے والے! نیک بخت اور دردمند ابراہیمؑ کی دعاؤں کو قبول کرنے والے تو نے اُس بنجر زمین کو ہری بھری اور شاداب زمینوں پر فوقیت دی، تو نے عجز و بے مائگی کو قبول کیا، تو نے تمدن و تہذیب کے مقابلے میں صحرائیت و بدویت کو پسند فرمایا۔ تو نے جاہ و حشم اور مال و دولت والوں کی طرف نگاہ نہ کی اور ٹوکری اُٹھانے والے، دیواریں بنانے والے دو مزدوروں پر اپنی ابدی رحمتوں کے دروازے کھول دیئے، سلام ہو ابراہیمؑ پر، سلام ہو اسمٰعیلؑ پر، سلام اُن کے سپوت میرے سردار محمدؐ پر ابدالآباد تک ـــــ آج بھی تو وہی ہے، آج بھی تیرے ملک غنا اور خزانہ دولت میں کوئی کمی نہیں۔ بڑی بڑی سے بڑی ہستی ماضی کے پردے میں چھپ گئی، مگر تیرے لئے کوئی ماضی نہیں۔ اے موجود! اے دائم الوجود! اے قائم الحال!!! ابراہیمؑ کے پیغام کو دہرانے کے لئے۔ محمدؐ کی آواز کو بلند کرنے کے لئے۔ اپنے پاک نام کی خاطر، اپنی توحید کے واسطے ـــ اس زمین کے ٹکڑے کو قبول فرما، چند عاجزوں کی طرف سے، مسکینوں کی طرف سے، جن کو تو نے ہی اس کی توفیق دی۔ اے سب زمینوں اور آسمانوں کے مالک! اس کی تعمیر ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تیرے بندے یہاں جمع ہو کر تیرے نام کا ذکر کریں اور آرام پائیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ یہ کیونکر ہو گا، اتنے کثیر سامان کہاں سے آئیں گے میں ہزاروں سال کے بعد پھر ان لفظوں کو دہراتا ہوں جن پر تیری تصدیق کی مُہر لگ چکی ہے۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ ۱؎ اے رب اس مقام کو ایک امن والا شہر بنا لے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق عنایت فرما۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ ۲؎ پس کچھ انسانوں کے دلوں کو اُنکی طرف مائل کر۔

جب پہلی مرتبہ یہ آواز اُس بے آب و گیاہ سرزمین میں گونجی اسوقت پوسٹر، اخبارات، رسائل وغیرہ نشر و اشاعت کے ذرائع نہ تھے۔ سفر کی سہولتیں نہ تھیں، وعظ اور لیکچر کا فن نہ تھا۔ پوری بے سامانیو کے باوجود یہ "صدائے صحرا" صدا بہ صحرا ثابت نہ ہو سکی بلکہ اقصائے عالم میں پھیلی، زن و مرد اور پیر و جوان نے سُنی۔ جلیل القدر شاہنشاہوں کو، عظیم المرتبت فلسفیوں کو، دولتوں کو، پھلوں کو، نعمتوں سے لدے ہوئے اونٹوں، جہازوں اور ریلوں کو وہاں کھینچ لائی، یہ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے ایک طالب دلیل کے لئے کافی ہے کہ تو موجود ہے، تو سمیع و مجیب ہے، تو اخلاص کے چھوٹے سے بیج کو بے اندازہ و بے حساب پھل دینے والا ہے ـــ آج تک اتنے کثیر سامانوں

سنہ بعض دوست ارادہ کر رہے ہیں کہ متصلہ زمین خرید کر وہاں اپنے لئے سکونتی مکان بنا لیں۔ اس صورت میں کون جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے علم میں کیا کچھ ہے۔ منہ

کے باوجود بے اخلاص دنیا کوئی دوسرا کعبہ نہ بنا سکی

اَللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ

ہمارے ایک دوست سینما کے بہت رسیا تھے، شاید ہی اُن کا کوئی دن سینما دیکھے بغیر گذرتا ہوگا لیکن اس کے ساتھ ان کو قرآن مجید کا ذوق بھی روز اوّل سے چلا آتا تھا۔ مسجد سے بُعدِ مسافت کے باوجود جمعہ کا ناغہ نہیں کرتے تھے، جب ہم نے ارکان اُمت مسلمہ کی باقاعدہ تنظیم کی، عہدوں کی سپردگی اور چندوں کی ذمہ داری عائد کی' اور کام کو جو پہلے صرف ماہنامہ بلاغ تک محدود تھا' منظم تصانیف اور دیگر اُمور کی صورت میں وسیع تر کر دیا' مصارف روز بروز بڑھنے لگے' ان صاحب نے یہ صورت حال دیکھکر اپنے سینما کے خرچ میں کمی کر دی اور ادھر دست امداد بڑھایا' یہانتک کہ اب وہ عرصہ سے سینما کو بائیکاٹ کر چکے ہیں۔ اور مستقل پانچ روپیہ ماہوار خزانہ خداوندی میں محفوظ کرا لیتے ہیں ــــ اللہ تعالےٰ نباہنے کی توفیق دے۔ ایک اور دوست ہیں جو باہر رہتے ہیں۔ وہ فرمایا کرتے ہیں کہ "میں جب کوئی کتاب یا رسالہ خریدنا چاہتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہی پیسے تبلیغ قرآن میں صرف ہوں اور یہ شوق کسی سے مانگ کر پورا کر لوں' اسی طرح ہر شوقیہ خرچ کے وقت مجھے بلاغ یاد آ جاتا ہے اور میں وہ پیسے بچا لیتا ہوں" ــــ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ میں جب کبھی اُن کو ملنے جاؤں یا وہ امرتسر آئیں تو دس۔ بیس تیس روپیہ جو ہو سکے دیکر جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن کو فراخی دے۔

ایسے ہی ہمارے بعض اور بھائی ہیں جو اپنی شادی' بیاہ' عقیقہ' وغیرہ کسی موقعہ پر خدا کے حصہ کو نہیں بھلاتے۔ چنانچہ قرطاس حساب سے ہر ماہ واضح ہوتا رہتا ہے' جزاہم اللہ۔

اس بیان سے میرا مطلب کھلے لفظوں میں یہ ہے کہ اگر آپ تبلیغ قرآن کی مبارک تحریک کو قائم رکھنا اور وسیع کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو یقین کر لینا چاہیے کہ موجودہ حالات میں جہاد کا قائم مقام یہی عمل تبلیغ ہے' سب سے بڑی عبادت یہی عمل ہے۔ تمہاری زکوٰۃ صدقات اور نفقات کا بڑا حقدار یہی عمل ہے' پس اپنے ضروری خرچ کا اندازہ کرو اور غیر ضروری خرچ سے پرہیز کرو اور مستقل ماہوار چندوں سے ادارہ اُمت مسلمہ کی بنیادوں کو مستحکم کرو ــــ میری یہ پکار تمہاری بقا و حیات کا موجب ہوگی۔ کاش تم سمجھو۔ (عرشی)

دنیا کے تمام مدبر۔ دنیا کے تمام ریفارمر اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ زمانہ سلف کے مسلمان اپنے اندر کوئی ایسا نیک اور مخلصانہ جذبہ لیکر نکلے کہ اُنھوں نے معدودے چند ہونے کے باوجود ہزاروں پر فتح پائی، قصرِ قیصر و کسریٰ کو متزلزل کردیا۔ اور حدود بخارا سے قیروان تک اور اقصائے یمن سے حدود قسطنطنیہ تک اور حجاز، یمن، شام، مصر، عراق، آذربائیجان، روم، فارس، خراسان، سیستان، کابل، غزنی غرضیکہ بعد المشرقین کو اپنی روحانیت سے تسخیر کرلیا اور دشمنوں پر اپنی شجاعت کا ایسا سکہ جمادیا کہ آج بھی اُن کے نام سے مخالفین اسلام کے پتھر دل لرزجاتے ہیں، تاریخ سے شغف رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ عہد فاروقی میں مسلمانوں نے کفار پر غلبہ پایا اور اُس زمانہ میں جبکہ مسلمان شام میں قیصر سے معروف جنگ تھے تو دوسری طرف عراق میں کسریٰ سے برسرپیکار تھے — یہ تمام ترقیاں اُنھوں نے صرف روح اسلام کے اتحاد، دینی قوتوں اور توحید کی وجہ سے کیں، کیونکہ اُن کا مقصد اسلام کے ابتدائی اصول کی تبلیغ کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ لیکن اُن کے اخلاف جن کے کندھوں پر نہ تو بار مملکت ہے، نہ اسلحہ بند ہوکر دشمن سے برسرپیکار رہونا ہے، صرف ایک کام، اور وہ بھی اپنی ہی فلاح دینی و دنیوی کے لئے، یعنی صرف اشاعت قرآن مجید — مگر افسوس ہے ہم مسلمانی کا دعویٰ کرنے والوں پر۔ حیف ہے کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ کے پڑھنے والوں پر کہ اس بار خفیف کے متحمل ہوسکنے کے باوجود مسلسل تساہل سے کام لے رہے ہیں — میرے بزرگو! ہم سے لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ کی شان والے خدا نے زمین کی بادشاہت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنیکا اقرار کیا۔ چنانچہ اُس نے ہمیں بادشاہت بھی دی، دولت سے مالامال بھی کیا، احتشام وشکوہ سے سرفراز بھی فرمایا، مگر ہم میں وہ اوصاف نہ رہے، ہم میں وہ عمل قرآنی نہ رہا، جو قرنِ اوّل کے مسلمانوں میں تھا، یہی وجہ ہے کہ آج ہم حاکم ہونے کے باوجود محکومانہ اور غلامانہ زندگی بسر کررہے ہیں — دنیا کی تمام قومیں قعرپستی سے نکل کر اوج بام عرش پر پہنچنے میں مصروف جہد ہیں، اُن کی راہ سفر اختتام پر ہے، اگر اُن کے انہماک کی یہی روش رہی تو یقیناً وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائینگی، لیکن کس قدر مقام حیرت ہے کہ ہم جو تمام دنیا پر بھاری تھے، جن کے ڈنکے سے زمین وآسمان گونجتے تھے، خواب غفلت میں کچھ ایسے سرشار ہوئے کہ جاگنے کا نام تک نہیں لیتے ع

ہمیں لے چلا ہے عدم تلک یہ خرام رجعتِ قہقری

غفلت کی چادر اوڑھکر ہلاکت انجام نیند میں سونے والو! اُٹھو، جاگو، مشعل راہ (قرآن) ہاتھ میں لو اور دوبارہ عزم سفر کرو — اگر تمہیں پہلے سے تزک وعروج کی ضرورت ہے۔ اگر تم پہلے کی طرح دوبارہ شاہانہ اور آزادانہ زندگی بسر کرنے کے متمنی ہو تو یہ قرآن جو "خضرراہ" اور

"مشعل راہ" کا حکم رکھتا ہے۔ تمہاری ہر طریق سے رہنمائی کریگا۔ بشرطیکہ اس کو عملاً حرز جان بنالو
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا۔　　　　　(شوخ لاہوری)

سید حسرت صاحب بی۔ اے مسانوی نے کتبخانہ اُمت مسلمہ کے لئے چند کتابیں عنایت فرمائی ہیں جو عربی صرف و نحو، منطق فارسی تصوف اور شعر و ادب پر مشتمل ہیں، ان میں ایک قلمی نسخہ ابوالفضل ۹۹۶ھ ۲۰ ربیع الاول کا لکھا ہوا ہے جو غالباً علامی ابوالفضل کے اپنے ہاتھ کا نوشتہ ہے، ابتدائی چند صفحات ضائع ہو چکے ہیں، اس عطیہ کے لئے ہم سید صاحب کے شکرگزار ہیں۔ اور متوقع ہیں کہ دیگر علم دوست احباب بھی کتبخانہ امت مسلمہ کو یاد رکھیں گے　(منیجر)

کتابت کی بوالعجبیاں:۔ بلاغ جنوری ۳۷ء کے صفحہ ۱۶ کے حاشیہ کی سطر ۲ میں "بعوض کا عُضو" اور "بعیر" کا "عبیر" لکھا گیا ہے۔ اسی طرح بلاغ مارچ ۳۷ء میں جناب عرشی کے مضمون "تبلیغ توحید کرو" کے اواخر میں لفظ "گھڑی" کا "گدائی" لکھا گیا ہے۔ قارئین بلاغ ان دونوں الفاظ کی تصحیح فرمالیں۔　　(منیجر)

ہر قدم جو تم اللہ کی راہ میں اُٹھاتے ہو، اُس کا نتیجہ تمہاری خواہش کے مطابق ہو یا نہ ہو، اس کا اجر تمہیں ضرور ملیگا۔ اور ہر وہ لفظ جو تم اللہ کے لئے اپنی زبان سے نکالتے ہو، اس کا اثر سننے والے پر ہو یا نہ ہو، وہ یقیناً تمہارے نیک اعمال میں شمار کیا جائیگا۔ پس تبلیغ قرآن کے لئے، فلاح عباد کے لئے قدم اُٹھاؤ اور زبان کو حرکت میں لاؤ۔　"لاہوتی"

تواتر

(از عرشی)

جب کوئی شخص غضبناک ہوکر اپنے دعوے پر اجماع و تواتر کو بطور دلیل پیش کر کے خاموش ہو جاتا ہے تو میں یقین کر لیتا ہوں کہ اس کے ترکش میں اب کوئی تیر باقی نہیں، وہ اپنے عقیدہ و عمل کو مفید معقول ثابت کرنے سے عاجز آچکا ہے ـــــ

اُمت مسلمہ (امرتسر) کی طرف سے ۴ سال سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے کہ مروجہ قربانی کی قرآن حمایت نہیں کرتا، عقل تائید نہیں کرتی، تجربہ شہادت نہیں دیتا ـــــ اس کے جواب میں سب سے اونچی پکار جو اس وقت تک محراب و منبر سے بلند ہوئی ہے وہ یہی ہے "وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا" ہمارے بزرگ اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں، کیا وہ سب کے سب غلطی پر اجماع کر سکتے ہیں؟ ـــ ایک عامی دماغ کو واقعی یہ دلیل سخت اپیل کرتی ہے ـــ لیکن علم و حکمت کی لیبوریٹری (معمل) میں اس کا کوئی وزن نہیں، ذرا تفصیل سے سنئے۔ اگر تواتر محض بشرط تواتر دلیل و برہان کا مرتبہ رکھتا ہے تو دو اور دو چار کی طرح ہر قوم و ملت کا تواتر مسلّم ہونا چاہئے، ہمارا تواتر کوئی سونے کی کان تو نہیں ہے کہ اس کو دلیل سمجھیں اور دیگر اقوام عالم کے تواتر کو ٹھکرا دیں۔ اقوام ہند و یونان و روما وغیرہ ممالک کثیرہ کا تواتر بت پرستی کی حمایت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے علماء و حکماء اس کے موید گزرے ہیں۔ سنا جاتا ہے کہ سنیکا وغیرہ ایسے مقدسین کا دامن بھی اس سے کلیۃً پاک نہیں۔ اس عقیدہ کو اتنی قدامت، عالمگیری اور دوام حاصل ہے کہ اس روشن زمانہ کے بڑے بڑے مدبرین گاندھی سا وغیرہ اس کے حامی ہیں۔ کیا ہم اس کو تسلیم کر لیں؟

دہریت کا عقیدہ بھی کوئی نئی چیز نہیں، آج مہذب ممالک میں اس کی نشر و اشاعت کے لئے باقاعدہ سوسائٹیاں بن چکی ہیں جو مذہب کو مہلک انسانیت کہکر دنیا کی نجات لامذہبی میں سمجھتی ہیں ہمارے ملّا چھوٹی چھوٹی لغو باتوں میں لڑ رہے ہیں یعنی خس و خاشاک کے لئے مسلح ہو رہے ہیں، او دہریت کا سیلاب آرہا ہے کہ عقائد و اعمال کے بڑے بڑے محلوں کو بہالے جائے۔ کیا اچھا کہا تھا ایک صحبت میں حضرت علامہ سر اقبال نے جبکہ ایک گرم اہلحدیث صاحب فروع صلوٰۃ پر بگڑ رہے تھے، آپ نے فرمایا "تم رکعتوں کی گنتی پر لڑتے ہو، مجھ کو سرے سے نماز کا وجود ہی خطرے میں نظر

آتا ہے۔ ایسی باتوں پر لڑنا جھگڑنا اس بات کی علامت ہے کہ اس قوم میں اللہ والے لوگ نہیں رہے"۔
بہرحال دہریت کا عقیدہ بھی بہت پرانی چیز ہے اور ہر زمانے میں موجود رہا ہے۔ عہد جاہلیت کا مشہور شعر ہے ؎

حیاۃ ثم موت ثم بعث - حدیث خرافۃ یا ام عمرو

(جینا پھر مرنا پھر اس کے بعد جی اٹھنا۔ اے ام عمرو یہ بات منجملہ خرافات ہے)
قرآن مجید بھی ایسے لوگوں کا عقیدہ بیان کرتا ہے مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (سوائے دنیا کی زندگی کے اور کچھ نہیں۔ زمانہ کی تاثیر سے خود بخود ہی ہم مر جاتے ہیں اور خود بخود ہی پیدا ہو جاتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی مار دیتا ہے) پھر کیا اس کی قدامت وہمہ گیری کو دیکھتے ہوئے اس کے آگے گردن جھکا دیں؟ چلو ان لوگوں کو چھوڑو یہ کسی آسمانی مذہب کے مدعی نہیں، اس لئے ان کی بات کا کچھ اعتبار نہیں، اہل کتاب کو دیکھیں۔
عیسائی عشائے ربانی، کفارہ اور ابنیت مسیح کو ہمیشہ سے مانتے چلے آئے ہیں۔ مسیح کا اپنے جسم کو خود ریزہ ریزہ کر کے مریدوں میں تقسیم کرنا، اُن کا اسے کھالینا۔ مسیح کا پھر جوں کا توں موجود رہنا، کیا کوئی اسے مان سکتا ہے، لیکن کروڑوں عقلمند عیسائی اسے تسلیم کرتے رہے ہیں، کیا ہم بھی اسے قبول کرلیں؟

ان کو بھی جانے دو کیونکہ یہ عوام ہیں، میں ذرا اور آگے بڑھنے کی جرات کرتا ہوں۔ انبیاء علیہم السلام کی پاکی طہارت میں کس کو شک ہے، اولیاء و اتقیاء اور فلاسفہ و حکماء سب ان کے نیچے ہیں۔ کیا صحف انبیاء اور توریت مجید بہ نص صریح شہادت نہیں دیتی کہ آدم علیہ السلام کے عہد سے لیکر اکابر انبیاء بنی اسرائیل کے زمانہ تک ہزارہا سال سوختنی قربانیاں کی گئیں، لیکن آخری وحی نے اس تواتر انبیا کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں کہ تواتر محض بشرطِ تواتر عوام کا ہو یا حکما کا، اولیا کا ہو یا انبیا کا وحی الٰہی کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔
اب ذرا اپنے داخلی تواتر بھی سن لیجئے۔ شیعوں کے بعض امتیازی عقائد کی داغ بیل حضور علیہ السلام کی آنکھیں بند ہوتے ہی پڑ چکی تھی جبکہ جنابہ فاطمۃ الزہرا نے ترکہ پدری کا مطالبہ کیا اور بقول رواۃ جناب صدیق نے دینے سے انکار کر دیا۔ اسی دن سے اس شجر منحوس کی شاخیں پھوٹنا شروع ہوئیں اور اب اس کی وسعت وعالمگیری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ قیامت کبریٰ سے پہلے اس سے بچ نکلنے کی کوئی امید نہیں ــــ قبر پرستی کے تواتر و تعامل کی داستان طویل بھی کچھ کم الم انگیز

نہیں۔ شیعہ سنی سب اس مرض کا شکار ہیں۔ اسمٰعیل شہید اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسے بزرگ مُردوں سے استمداد کے قائل ہیں۔ دیکھو کتاب صراط مستقیم اور تفسیر عزیزی پارہ عم

عزیزان من! ہم زمانہ نبوت سے ۱۳½ صدیاں ادھر آ چکے ہیں۔ اس عرصہ میں دینی روح فنا ہو گئی ہمارے تمام اقوال و اعمال بدل گئے۔ تم ایک قربانی کو روتے ہو، یہاں سب کچھ حج، زکواۃ، صلوٰۃ، صوم وغیرہ اپنی اصلیت کو کھو چکے ہیں، صرف میں نہیں کہتا۔ تمہارے بڑے بڑے اکابر یہی کہتے ہیں۔ نظامی گنجوی نے آٹھ سو برس پہلے آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے کہا تھا ؎ دین ترا درپے آرائش اند۔ در پئے آرائش و پیرائش اند۔
آج مولانا ابوالکلام بھی یہی کہتے ہیں :-

"حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کوئی خاص اسلامی عمل ہی ترک نہیں کر دیا ہے بلکہ اُن کی پوری زندگی غیر اسلامی ہو گئی ہے، اُن کی فکری حالت غیر اسلامی ہے، اُن کی عملی افتاد غیر اسلامی ہے اُن کا دینی زاویہ نگاہ غیر اسلامی ہو گیا ہے۔ وہ اگر اسلامی احکام پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں تو غیر اسلامی طریقہ سے۔ یہ دینی تنزل کی انتہا ہے۔ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۳۵)

تواتر سے سنا رہا ہوں کہ امرتسری بزرگوار نے ہم کو قربانی کی حمایت میں ایک آیت کی طرف توجہ دلائی [illegible] رسالہ تحقیق قربانی کے دوران تحریر میں قدرتاً ہماری نظر سے چھوٹ گئی۔ آپ نے اپنے رسالہ کا سرورق اسی آیت سے مزین کیا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً۔ اس کا مطلب آپ کے الفاظ میں یہ ہے "اس آیت میں گائے کا ذبح کرنا بحکم الٰہی ثابت ہوتا ہے" [illegible] مجھے کچھ نہیں لکھنا چاہیئے اس آیت کا مقام سورہ بقرہ پارہ اوّل رکوع ۸ ہے۔ ہر شخص با ترجمہ قرآن مجید کھول کر اس مقام کو خود دیکھے اور آیت کے سیاق و سباق پر نظر کر کے فیصلہ کرے کہ حقیقت کیا ہے — ہاں اتنی بات کہے بغیر میں نہیں رہ سکتا کہ رسالہ مذکورہ کے مصنف کے علم و نیت پر مجھے ہمیشہ حسن ظن رہا ہے۔ لیکن آج میں حیران ہوں کہ اس حسن ظن کو کس طرح محفوظ رکھوں — مجھے ان بزرگوار سے مومنانہ ہمدردی ہے، میں درد بھرے دل سے اُن کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میری یا میرے کسی ہم خیال کی مخالفت میں خدا اور قرآن کے احترام کو نہ بھولیں اور اس دن کو یاد رکھیں جس کے متعلق کہا گیا ہے يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا

ان سطور کے لکھے جانے کے بعد "تحقیق قربانی" کے خلاف بعض تحریریں دیکھنے میں آئیں، جن کے محترم محررین میں سے بعض اپنے معتقدات کی محبت میں خاکسار کی نیت پر حملہ آور ہوئے ہیں۔

[redacted]

آتا ہے۔ ایسی باتوں پر لڑنا جھگڑنا اس بات کی علامت ہے کہ اس قوم میں اللہ والے لوگ نہیں رہے"۔

بہرحال دہریت کا عقیدہ بھی بہت پرانی چیز ہے اور ہر زمانے میں موجود رہا ہے۔ عہد جاہلیت کا مشہور شعر ہے ؎

حیاۃ ثم موت ثم بعث - حدیث خرافۃ یا ام عمرو

(جینا پھر مرنا پھر اس کے بعد جی اٹھنا۔ اے ام عمرو یہ بات منجملہ خرافات ہے)

قرآن مجید بھی ایسے لوگوں کا عقیدہ بیان کرتا ہے مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (سوائے دنیا کی زندگی کے اور کچھ نہیں۔ زمانہ کی تاثیر سے خود بخود ہی ہم مر جاتے ہیں اور خود بخود ہی پیدا ہو جاتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی مار دیتا ہے) پھر کیا اس کی قدامت و ہمہ گیری کو دیکھتے ہوئے اس کے آگے گردن جھکا دیں؟ چلو ان لوگوں کو چھوڑو یہ کسی آسمانی مذہب کے مدعی نہیں، اس لئے ان کی بات کا کچھ اعتبار نہیں، اہل کتاب کو دیکھیں۔

عیسائی عشائے ربانی، کفارہ اور ابنیت مسیح کو ہمیشہ سے مانتے چلے آئے ہیں۔ مسیح کا اپنے جسم کو خود ریزہ ریزہ کرکے مریدوں میں تقسیم کرنا، اُن کا اسے کھا لینا۔ مسیح کا پھر جوں کا توں موجود رہنا، کیا کوئی اسے مان سکتا ہے، لیکن کروڑوں عقلمند عیسائی اسے تسلیم کرتے رہے ہیں، کیا ہم بھی اسے قبول کرلیں؟

ان کو بھی جانے دو کیونکہ یہ عوام ہیں، میں ذرا اور آگے بڑھنے کی جرات کرتا ہوں۔ انبیاء علیہم السلام کی پاکی طہارت میں کس کو شک ہے، اولیاء و اتقیاء اور فلاسفہ و حکماء سب ان کے نیچے ہیں۔ کیا صحف انبیاء اور توریت مجید بہ نص صریح شہادت نہیں دیتی کہ آدم علیہ السلام کے عہد سے لیکر اکابر انبیاء بنی اسرائیل کے زمانہ تک ہزارہا سال سوختنی قربانیاں کی گئیں، لیکن آخری وحی نے اس تواتر انبیاء کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں کہ تواتر محض بشرطِ تواتر عوام کا ہو یا حکما کا، اولیا کا ہو یا انبیا کا وحی الٰہی کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

اب ذرا اپنے داخلی تواتر بھی سن لیجئے۔ شیعوں کے بعض امتیازی عقائد کی داغ بیل حضور علیہ السلام کی آنکھیں بند ہوتے ہی پڑ چکی تھی جبکہ جناب فاطمۃ الزہرا نے ترکہ پدری کا مطالبہ کیا اور بقول رواۃ جناب صدیق نے دینے سے انکار کر دیا۔ اسی دن سے اس شجر منحوس کی شاخیں پھوٹنا شروع ہوئیں اور اب اس کی وسعت و عالمگیری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ قیامت کبریٰ سے پہلے اس سے بچ نکلنے کی کوئی اُمید نہیں [illegible]

نہیں، شیعہ سنی سب اس مرض کا شکار ہیں۔ اسمٰعیل شہید اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسے بزرگ مُردوں سے استمداد کے قائل ہیں۔ دیکھو کتاب صراط مستقیم اور تفسیر عزیزی پارہ عم

عزیزانِ من! ہم زمانہ نبوت سے ۱۳½ صدیاں ادھر آ چکے ہیں۔ اس عرصہ میں دینی روح فنا ہو گئی ہمارے تمام اقوال و اعمال بدل گئے۔ تم ایک قربانی کو روتے ہو، یہاں سب کچھ حج، زکوٰۃ، صلوٰۃ، صوم وغیرہ اپنی اصلیت کو کھو چکے ہیں، صرف میں نہیں کہتا۔ تمہارے بڑے بڑے اکابر یہی کہتے ہیں۔ نظامی گنجوی نے آٹھ سو برس پہلے آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے کہا تھا ؎ دین ترا در پئے آرائش اند۔ در پئے آرائش و پیرائش اند۔۔۔ آج مولانا ابوالکلام بھی یہی کہتے ہیں[۵]:-

"حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کوئی خاص اسلامی عمل ہی ترک نہیں کر دیا ہے بلکہ اُن کی پوری زندگی غیر اسلامی ہو گئی ہے، اُن کی فکری حالت غیر اسلامی ہے، اُن کی عملی افتاد غیر اسلامی ہے، اُن کا دینی زاویہ نگاہ غیر اسلامی ہو گیا ہے۔ وہ اگر اسلامی احکام پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں تو غیر اسلامی طریقہ سے۔ یہ دینی تنزل کی انتہا ہے۔ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۳۵)

تواتر سے متذکرہ ایک محترم بزرگوار نے ہم کو قربانی کی حمایت میں ایک آیت کی طرف توجہ دلائی ہے جو رسالہ تحقیق قربانی کے دوران تحریر میں قدرتاً ہماری نظر سے چھوٹ گئی۔ آپ نے اپنے رسالہ کا سرِ ورق اسی آیت سے مزین کیا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً۔ اس کا مطلب آپ کے الفاظ میں یہ ہے "اس آیت میں گائے کا ذبح کرنا بحکم الٰہی ثابت ہوتا ہے"۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھنا چاہتا۔ اس آیت کا مقام سورہ بقرہ پارہ اول رکوع ۸ ہے۔ ہر شخص باترجمہ قرآن مجید کھول کر اس مقام کو خود دیکھے اور آیت کے سیاق و سباق پر نظر کر کے فیصلہ کرے کہ حقیقت کیا ہے —— ہاں اتنی بات کہے بغیر میں نہیں رہ سکتا کہ رسالہ مذکورہ کے مصنف کے علم و نیت پر مجھے ہمیشہ حُسنِ ظن رہا ہے۔ لیکن آج میں حیران ہوں کہ اس حسنِ ظن کو کس طرح محفوظ رکھوں —— مجھے ان بزرگوار سے مومنانہ ہمدردی ہے، میں درد بھرے دل سے اُن کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میری یا میرے کسی ہم خیال کی مخالفت میں خدا اور قرآن کے احترام کو نہ بھولیں اور اس دن کو یاد رکھیں جس کے متعلق کہا گیا ہے يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا

ان سطور کے لکھے جانے کے بعد "تحقیق قربانی" کے خلاف بعض تحریریں دیکھنے میں آئیں، جن کے محترم محررین میں سے بعض اپنے معتقدات کی محبت میں خاکسار کی نیت پر حملہ آور ہوئے ہیں۔

اور ساتھ ہی اُنھوں نے عام ارکان اُمت مسلمہ کے متعلق بھی اسی قسم کے خیالات ظاہر فرمائے ہیں جنکا اصل بحث سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس کا جواب تو میرے پاس وہی ہے جو آج سے چند صدی پیشتر ایک بزرگ نے اپنے محبوب کی گرم گفتاری پر عرض کیا تھا ؎

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی

مگر بات یہ بھی ہے کہ میں اس "نیش" کو "نوش" ہی کیوں نہ سمجھوں جبکہ قاعدین جامدین کی طرف سے راہ تحقیق کے سالکوں کو ہمیشہ یہی تحفہ پیش کیا گیا ہے اور اُنھوں نے اس کو برضا و رغبت قبول کیا ہے۔ البتہ ان بزرگوں کے مضامین کا وہ حصہ جو نسبتاً سنجیدگی کا حامل ہے، ضرور مستحق توجہ ہے، اس کے لئے آئندہ فرصت کا انتظار کرنا چاہئے وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

تعلیمات قرآن

مرتبہ جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری اُستاذ تاریخ جامعہ ملیہ دہلی۔ یہ کتاب اس نقطۂ نظر کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہے کہ قرآن کریم مکمل کتاب ہے اور اپنی شرح آپ ہے۔ کسی خارجی شے کا اپنی تفسیر میں محتاج نہیں ہے۔ یہ کتاب اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ آج تک کسی زبان میں قرآن کریم کی ترتیب پر اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ کتابت طباعت اور کاغذ اعلیٰ قیمت دو روپے

برہان القرآن قیمت ۸/
اصیل مطاع قیمت ۶/

یہ دونوں کتابیں اُن دو مباحث کو شامل ہیں جو مولانا ابو الوفا ثناء اللہ مدیر اہل حدیث اور حضرت خواجہ احمد الدین صاحب کے درمیان ہوئے ہیں اہل حدیث پر ابد تک کے لئے اتمام حجت کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بے غلط مطاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں

ریحان القرآن مولوی حبیب الرحمن مئوی کے رسالہ نصرت الحدیث، مولوی قاسمی کفریہ اور مولوی عبد اللہ کے "عقائد بے حدیثہ" وغیرہ کا مکمل جواب

تذکرۃ العباد حضور سرور کائنات کے عہد کے برگزیدہ غلاموں اُسامہ۔ بلال۔ زید۔ سالم۔ صہیب اور عمار رضی اللہ عنہم کے سبق آموز سوانح ہر تذکرہ سے پہلے ایک نظم بھی درج کی گئی ہے قیمت ۱۲/

شہید زندہ ہیں

(از جناب شوخ لاہوری)

پیش نظر مکالمہ دلچسپی کے علاوہ افادات کا بھی حامل ہے، یاران بلاغ کو چاہئے کہ خود پڑھکر دوسروں کو سنائیں۔ ممکن ہے کہ بھولے بھالے مسلمانوں کے لئے ہدایت کا موجب ہو جائے۔

شاگرد:۔ اُستاد جی! ہر قوم اپنے سال کے نوروز خوشیاں مناتی ہے مگر مسلمانوں میں اسلامی نوروز کا خیر مقدم نالہ و بکا سے کیوں کیا جاتا ہے؟

اُستاد:۔ اسلامی نوروز یکم محرم کو ہوتا ہے۔ محرم کی دسویں تاریخ کو جناب حسینؓ معرکۂ کربلا میں شہید ہوئے۔ اس واسطے حضرات شیعہ نے اس خوشی کے مہینہ کو غم و ماتم کا مہینہ قرار دے لیا ہوا ہے۔

شاگرد:۔ جب بقول آپ کے جناب حسینؓ کی شہادت عاشورہ کے دن واقع ہوئی تو پھر نو دن پہلے ہی رونا پیٹنا شروع کر دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

اُستاد:۔ اس کی عالمگیر وجہ یہ ہے کہ اسلامی سال حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قائم کردہ ہے، اور حضرات روافض کو حضرت عمرؓ سے اس قدر عناد ہے کہ وہ روز شہادت عمرؓ عید شجاع مناتے ہیں اور اس دن کو نیک تصور کرتے ہیں (تحفۃ العوام صہ ۹۲) حالانکہ یکم محرم کو جناب حسینؓ ابھی وارد کربلا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ بخیر و عافیت تھے۔ مگر حضرات شیعہ نوروز پہلے ہی ماتم برپا کر دیتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو حضرت عمرؓ کا قائم کردہ نوروز نہ منانے دیا جائے، محرم میں بیاہ شادی نہ کرنا اور اجتناب سنت ختنہ اور اس کو ماتم کا مہینہ قرار دینا محض حضرات شیعہ کی ایجاد اور علمائے اہل اسلام کے تبلیغی تساہل کا خطرناک نتیجہ ہے۔ اگر شریعت اسلامیہ میں کسی مہینہ کو ماتم کا مہینہ قرار دینا جائز ہوتا تو سب سے پہلے رسول اللہ صلعم اور چار یار کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور شہدائے بدر و احد وغیرہم کے دنوں کو غم و ماتم کے لئے چن لیا جاتا مگر چونکہ ایسا غم و ماتم جائز نہیں اس لئے اسلامی دنیا میں کہیں بھی اس کا رواج نہیں۔ شیعوں سے جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ "قبل از مرگ واویلا چہ معنی دارد" تو وہ اس کو امور شرعیہ میں سے قرار دیتے ہیں حالانکہ جناب حسینؓ سے ماسوا باقی سولہ سترہ ائمہ اہل تشیع بھی اُن کی روایات کے مطابق دوسروں کے ظلم کا نشانہ بن کر دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ مگر کسی کے روز شہادت سے نوروز پہلے اور چالیس دن بعد تک گریہ و ماتم نہیں کیا جاتا

چنانچہ امام حسن عسکری کی شہادت کے دوسرے دن بعد "عید شجاع" اور امام مسلم کی شہادت سے ۹ دن بعد "عید غدیر" منائی جاتی ہے۔

شاگرد:- عید غدیر سے کیا مراد ہے؟

استاد:- حضرت عثمان ذوالنورینؓ، جن کا مذہب کی خاطر تمام سود و زیاں وقف تھا۔ اور جن کی تمام تر زندگی دینی خدمات میں گزری، اُن کے یوم شہادت پر "عید غدیر" منائی جاتی ہے اور روز شہادت عثمان سعد سمجھا جاتا ہے (تحفۃ العوام ص۱۴۲)

شاگرد:- شیعہ حضرات بھی تو آخر کوئی نوروز مناتے ہونگے؟

استاد:- ہاں مجوسیوں کے بہاری نوروز کو خواہ مخواہ حضرت علیؓ کے روز خلافت کی طرف منسوب کر کے خوشیاں مناتے ہیں۔ لیکن اس بات کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں کہ جب تمام "اسلامی تہواروں" کے لئے "چاند کی تاریخیں" مقرر ہیں تو حضرت علیؓ کی خلافت کا دن مجوسیوں کے نوروز کیوں منایا جاتا ہے۔

شاگرد:- جب شیعوں کو ہمارے بزرگوں کے ساتھ اس قدر عداوت ہے کہ وہ اسلامی نوروز کی بجائے مجوسیوں کا نوروز منانا گوارا کرتے ہیں تو پھر ہمیں بھی ان کے ماتمی جلوسوں میں شمولیت روا نہیں۔

استاد:- اگر اُن کا بزرگوں کے ساتھ عناد مبدل بعقیدت بھی ہو جائے تو بھی ان بدعی اور غیر شرعی جلوسوں میں شامل ہونا جائز نہیں۔

شاگرد:- میں تو سنتا ہوں کہ یہ رسم ماتم ہمیشہ سے مروج ہے۔ مگر آپ نے اس کو غیر شرعی مراسم اور بدعات سے تعبیر فرمایا ہے۔

استاد:- محرم کی بدعات منکرہ کا وجود نہ زمانۂ نبوت میں تھا، نہ خلافت راشدہ میں۔ نہ بعد کی جماعتِ مسلمین میں سابقہ زمانۂ جاہلیت میں نوحہ وغیرہ کرنا زنانہ فعل تھا جو افسوس کہ اب مردوں نے اختیار کر لیا۔

شاگرد:- ہمارے شہر میں جو پانی یا شربت پلانے کے لئے سبیلیں لگائی جاتی ہیں اُن کے لئے کیا حکم ہے؟

استاد:- صحابۂ کرام کے دشمنوں اور جناب حسینؓ کی توہین کرنے والوں کو شربت یا پانی پلا کر خلاف شریعت ماتم کرنے کی قوت دینا گناہ ہے۔ سبیل اس جگہ لگانا ثواب ہے جہاں پانی کمیاب ہو اور پیاسے مسافر سیراب ہوں، شہروں میں بے فائدہ پانی ضائع کرنا بیسود ہے۔ محرم میں میلوں

کو سجانا بھی کوفیوں کے اظہار مسرت کا سماں پیدا کرنے کا حکم رکھتا ہے۔ مسلمانوں کو اس سے پرہیز لازم ہے

شاگرد:۔ شیعوں کی مجالس میں جانا اور مرثیہ پڑھنا یا سننا جائز ہے یا ناجائز؟

اُستاد:۔ بدعتیوں کی مجلسوں میں جانا اور اُن کو رونق دینا ہرگز جائز نہیں۔ ایسا ہی اُن کے مرثیوں کا حکم ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت سے کوسوں دُور ہوتے ہیں اور اُن کی کوئی بات صداقت پر مبنی نہیں ہوتی۔ شیعوں کو جناب حسینؓ سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے وہ تو حُب کی آڑ میں بے گناہوں کو کوستے ہیں اور اپنے بھائی شیعوں کو جو گناہ قتل کے ذمہ دار تھے (جلاء العیون) مجرم نہیں گردانتے۔ بلکہ یزید سے بڑھتے بڑھتے حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ تک جا پہنچتے اور کہہ دیتے ہیں کہ حسین کشتہ شد در سقیفہ[1]۔ حالانکہ خود ہی قاتل ہیں اور خود ہی رونے پیٹنے والے ؏

ماتم ہے اُسی کا جسے خود قتل کیا ہے

شاگرد:۔ کیا تعزیے وغیرہ بنانا بھی ناجائز ہے؟

اُستاد:۔ تعزیے۔ گھوڑا۔ ماتم سب کچھ شریعت اسلامیہ کے خلاف اور ہنود کی رسوم دسہرہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہ افعال آل نبی کے ساتھ محبت کے نہیں بلکہ اُن کے دین کی عداوت کے مترادف ہیں۔

شاگرد:۔ اگر ان ماتمی جلوسوں کی رونق دسہرہ۔ جھانکیاں وغیرہ سمجھکر محض سیر و تماشا کی غرض سے دیکھ لی جائے تو کیا مضائقہ ہے؟

اُستاد:۔ شفیع اللہ! تم کس قدر بیوقوف واقع ہوئے ہو کہ ذرا سی بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ اے بھائی! ہندو اپنے بزرگوں کی فتح کی یادگار مناتے ہیں۔ لیکن شیعہ مسلمانوں کے بزرگوں کی شکست کی۔ ان بزرگوں کے ساتھ ہمارا روحانی تعلق ہے مگر ہندوؤں کے بزرگوں کے ساتھ ہمارا ایسا تعلق نہیں۔

شیعہ روتے پیٹتے ہیں کہ ہائے "حسینؓ شکست کھا گئے" ہم کہتے ہیں کہ وہ شہید ہو کر ارشاد خداوندی کے مطابق زندہ جاوید ہو گئے بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ[2]۔ شہدا کو مردہ کہنا تو

---

[1] سقیفہ اُس مقام کا نام ہے جہاں مسلمانوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت کر کے آپ کو خلیفۃ الرسولؐ منتخب کیا۔ چنانچہ روافض کے نزدیک حضرت صدیق اکبرؓ کا انتخاب عمل میں آنا ہی شہادت حسینؓ کی معنوی بنیاد ہے اور ان کا خیال ہے کہ اگر ان کی بجائے حضرت علیؑ خلیفہ ہوتے تو یہ خلافت بصورت ملوکیت اور خلاف جمہوریت بسلسلہ تواتر جناب حسینؓ تک پہنچتی اور انھیں معرکہ کربلا پیش نہ آتا۔ منہ

[2] بلکہ وہ زندہ ہیں اللہ کے پاس رزق دئے جاتے ہیں۔ منہ

ورکنار اُن کو مردہ گمان کرنا بھی از روئے قرآن کریم منع ہے دیکھو وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ [۱] دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ [۲] پس جن کو نہ فقط ہم مسلمان بلکہ خود خدائے خالقِ ارض وسماء زندہ فرمائے اُن کا ماتم اور نوحہ گری و زنجیر زنی وسینہ کوبی سے مظاہرہ کرنا یا بطیب خاطر اُن میں شرکت کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ پس میں خود تمہیں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا جناب حسینؓ کا بیوفا شیعان کوفہ سے لڑ کر شہید ہو جانا قابلِ فخر فعل ہے یا قابلِ افسوس؟

شاگرد:- قابلِ فخر۔

اُستاد:- کیا جناب حسینؓ شہید ہو کر زندہ ہو گئے یا مر گئے؟

شاگرد:- زندہ ہو گئے۔

اُستاد:- کیا جناب حسینؓ شہادت کے بعد جنت کی نعمتوں سے لذت یاب ہو رہے ہیں یا (معاذ اللہ) رنج وعذاب میں مبتلا ہیں؟

شاگرد:- وہ زندہ ہیں اور بنص قرانی فَرِحِيْنَ (خوش وخرم رہنے والوں) میں شامل ہیں۔

اُستاد:- پھر فخر کے کام پر دائمی زندوں پر (جن کو خدا بھی خوش وخرم بتائے) ماتم کرنا اور اس ماتم میں شریک ہونا کس عقل کی رو سے روا ہے؟ اور جب ایک شخص چند روز دشمنوں کی قید میں رہکر رہا ہو جائے اور عیش وآرام کی زندگی بسر کر رہا ہو، اگر تم اس کے سامنے جا کر یہ کہتے ہوئے رونے پیٹنے لگ جاؤ کہ "ہائے تمہیں دشمنوں نے پکڑ لیا تھا۔ بھوکا پیاسا رکھا تھا، مار ڈالا تھا۔ تم مصیبت زدہ ہو۔ بینوا اور بے یار ومددگار ہو"۔ تو کیا وہ تمہیں یہ نہ کہیگا کہ تم میرے دشمن ہو جو گئی گزری اور بھولی بسری مصیبت کی یاد دلا کر میرے آرام میں خلل ڈالنا چاہتے ہو۔ لہذا میری آنکھوں سے دُور ہو جاؤ۔

شاگرد:- شیعہ کہتے ہیں کہ ہم تو ایذا رسانیوں کا مظاہرہ کرتے ہیں جو دشمنوں کی طرف سے جناب حسینؓ کو پہنچیں۔

اُستاد:- فرض کیا کہ جناب حسینؓ کی (معاذ اللہ) توہین ہوئی اور اُن کے اہلبیت کو (معاذ اللہ) تکلیفیں دی گئیں۔ لیکن کیا دشمنوں کی اُن ایذا رسانیوں اور رذالت کینیوں کی آج نقلیں

---

[۱] اور جو اللہ کی راہ میں قتل (شہید) کئے جائیں اُنھیں مرے ہوئے مت کہو۔ منہ

اُتار کر غیر مسلم دنیا کو دکھانا خیر خواہانہ فعل ہے؟ کیا تم گوارا کرو گے کہ تمہارے ماں باپ کی ذلت کی سرِعام برسی منائی جائے اور تم اُسے بنظر ثواب دیکھو۔

شاگرد:۔ قطعاً نہیں۔

اُستاد:۔ تو کیا جنابِ حسینؑ اور اُن کے اہلبیت ہی ایسے درماندہ ہیں کہ اُن کی توہین کی نقلیں کی جائیں اور تم اُنھیں دُور دُور سے چل کر دیکھنے آؤ! اور اگر شیعہ ایک گھوڑے کو جناب حسینؑ کا دُلدل (رنجر) کہدیں تو تم اُن کے ساتھ۔ اگر وہ لکڑیوں کا ڈھانچ کھڑا کرکے کہدیں کہ یہ امام شہید کا روضہ ہے تو تم آمنا کہنے کو تیار۔ اگر وہ ایک تختہ کو امام حسنؑ کا تابوت بنا دیں تو تم اُس کی زیارت کو آمادہ۔ تم تو دوسری قوموں ہنود وغیرہ کو بُت پرستی کا طعن دیتے ہو۔ کیا یہ تمام باتیں اس سے کم حیثیت رکھتی ہیں؟ برخوردار تم ایسے ماتمی جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہونے کی بجائے شجاعت حسینؑ سے سبق سیکھو کہ جناب حسینؑ نے جان پر کھیل کر دنیا کو آزادی کا سبق دیدیا۔ رونا ماتم کرنا شیوہ مردی نہیں۔ اب تو عورتیں بھی ایسے انداز ماتم رسینہ کوبی سے بیزار ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر واقعہ کربلا سے سبق مردانگی سیکھا جائے اور قیمتی وقت مصنوعی آہ و بکا اور ہزاروں روپیہ عزا خانوں کی آرائش پر خرچ کرنے کی بجائے فلاح و بہبودِ قوم پر لگایا جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہوشمند شیعوں کو بھی اس کا احساس ہو رہا ہے۔ چنانچہ سید شبیر حسین صاحب جوش ملیح آبادی نے اپنی پُرجوش نظم "ذاکر سے خطاب" میں خوب حق تبلیغ ادا کیا ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزا۔ سید صاحب کی نظم کا ایک بند درج ذیل ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

تو نہیں عزمِ شہیدِ کربلا سے بہرہ مند - تیرے شانوں پر تو زلفِ بزدلی کی ہے کمند
سخت استعجاب ہے اے پیشہ ور ماتم پسند - پیروِ ضیغم کے سینے میں ہو قلبِ گوسفند
ننگ کا موجب ہے یہ اہلِ وغا کیواسطے
یوں نہ کر ماتم شہیدِ کربلا کے واسطے

رباعی

مُلّا سے میں نے جلکے یہ پوچھا جو ایک دن - کہنا کسی کو کافر و مرتد ہے کیا روا؟

حساب آمد و خرچ امت مسلمہ امرتسر ماہ مارچ ۱۹۳۷ء

آمد

بقایا سابقہ	۹ پ	۱۳	۲۲۳
حاجی محمد اسحٰق محمد اسمٰعیل صاحبان	.	—	۵
بابو چراغ دین صاحب سدھو	.	—	۲
معرفت مستری تاجدین صاحب	.	—	۱
سید کشفی صاحب رنگون	.	۴	۳
عبدالحفیظ خوشنویس	.	—	۴
چوہدری رحیم بخش	.	—	۲
میاں فیمیلی	.	—	۱
محمد عمر صاحب ارائیں	.	—	۳
عبدالرحیم صاحب قریشی	.	—	۱
چوہدری فضل دین بی اے	—	—	۲
حکیم آغا محمد صاحب	.	—	۳
شیخ ظہور احمد بحرین	.	—	۱۰
شیخ محمد ابراہیم صاحب	.	—	۲۰
خواجہ ہدایت اللہ	.	—	۲
حافظ سردار احمد	.	—	۱
سید حیدر صاحب	.	۳	۳
میزان	۹	۴	۲۸۷

بقایا

آمد کل مدات	۹	۱۲	۳۷۹
خرچ کل	۹	۲	۳۳۶

آمد ہال فنڈ

لال دین صاحب پیکر	.	۸	.
خواجہ رحمت اللہ صاحب	.	.	۱۰
مہر بخش صاحب چاندیوالہ	.	.	۱۰
چراغدین صاحب دوکاندار	.	.	۱
متفرق	.	.	۵۰
میزان	.	۸	۷۱

فروخت کتب

. — ۵ — ۱۴

ماہواری چندہ وغیرہ

. — ۱۱ — ۶

خرچ دفتر بلاغ وغیرہ

۹ — ۳ — ۷۱

خرچ ہال فنڈ

. — ۱۵ — ۲۶۴

آمد کل مدات

بلاغ معہ بقایا سابقہ	۹	۴	۲۸۷
ہال فنڈ		۸	۷۱
فروخت کتب		۵	۱۴
ماہواری چندہ		۱۱	۶
میزان کل	۹	۱۲	۳۷۹

کل خرچ

اُستاذ فیلسوف علامہ طنطاوی جوہری کا خطاب

ڈاکٹر امید کار سے

ڈاکٹر امید کار[1] نے اپنے کسی بیان میں کہا تھا کہ "اسلام بہترین مذہب ہے، لیکن مسلمانوں کا اختلاف وتفریق مجھے شک میں ڈالے ہوئے ہے کہ میں اگر مسلم بنوں تو کس فرقے کا مسلم بنوں" یہ الفاظ مصری اخبارات میں بھی شائع ہوئے اور علامہ طنطاوی کی نظر سے گزرے، علامہ نے اس کا نہایت قابل قدر جواب دیا ہے۔ اسکا آزاد ترجمہ درج ذیل ہے (عرشی)

اختلاف رنگ } اگر کسی امر کا اختلاف اُس کے ترک کو لازم ہو تو زندگی دشوار ہو جائے، مثلاً (ا) انسانی رنگ سیاہ، سفید، سرخ، زرد وغیرہ کے اختلافات کو دیکھتے ہوئے زندگی ہی کو خیرباد کہہ دیا جائے۔

اختلاف احوال } (ب) جب ہم انسانی لباس، عادات، طرز رہائش وغیرہ کے اختلاف کو دیکھتے ہیں تو اس رائے میں اور تقویت ہو جاتی ہے، کیا اس کا یہ نتیجہ ہے کہ خودکشی کر لی جائے — ہمیں معلوم ہے کہ آج تک کسی نے اس کا اقدام نہیں کیا۔

اختلاف مذاہب } (ج) کوئی دین اختلاف سے خالی نہیں، لیکن ہم نے کسی بدھی، یہودی، یا عیسائی کو اسلئے ترک مذہب کرتے ہوئے نہیں دیکھا کہ اس میں اختلافات ہیں۔

اختلاف غذا } آج تک کوئی متفقہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ انسان کی حقیقی غذا کیا ہے؟ بڑے بڑے اہل علم نباتی غذا کے حق میں اور حیوانی غذا کے سخت مخالف ہیں۔ دوسری طرف بھی کچھ کم درجہ کے لوگ نہیں جو حیوانی غذا کے مؤید ہیں، لیکن اس اختلاف کے باوجود آج تک کسی نے غذا کو ترک نہیں کیا، اور اصل یہ ہے کہ نوع طعام کا یہ اختلاف انسانوں کے لئے رحمت ہے، تاکہ ہر شخص اپنے مزاج، صحت اور معلومات حیات کے مطابق غذا حاصل کرے۔

---

[1] اس مکتوب میں ڈاکٹر امید کار کی بجائے ہر ایسے محقق کا نام فرض کر لیا جاسکتا ہے جو مسلمانوں کے

خلاصہ اسلام — میں مسلمان ہوں مجھ پر لازم ہے کہ میں آپ کے سامنے دین اسلام کا خلاصہ پیش کر دوں تاکہ جزا کے دن تبلیغ میں کوتاہی کرنے کے جرم میں نہ پکڑا جاؤں۔

اسلام کیا ہے — اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ وسیع العلم ہیں اور آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلام کے پانچ رکن ہیں۔ کلمہ، نماز، زکواۃ، روزہ اور حج، ان میں سے ہر رکن کو قرآن نے بیان کر دیا ہے اور احادیث میں بھی اس کی وضاحت و بیان ہے۔

بیان توحید — دانشمند مسلم حقیقی معنی میں اسوقت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت کا حق ادا کرسکتا ہے جب اپنی عقل سے کائنات ارض وسما کا عرفان حاصل کرے۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیات میں آچکا ہے جو علوم طبیعی و ریاضی سے متعلق ہیں، اور آج یہ علوم تمام اقطاع عالم میں شائع ہو چکے ہیں —— پس یہ اسباب ہیں جن سے مرد مومن اللہ تعالےٰ کی محبت، معرفت اور یقین میں اضافہ محسوس کرتا ہے، اور خالص تعظیم الٰہی کے سبب ربانی ہوجاتا ہے —— لیکن عوام الناس کو ظاہری اسلام کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

سرّ نماز — نماز ایمان کے استحکام کا موثر ذریعہ ہے اور اس سے زمین و آسمان میں جمال الٰہی کا شعور اور توجہ حاصل ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے سورہ فاتحہ مختص ہے —— (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الخ) تربیت عالمین حاوی ہے تمام علوم حیوان، نبات، معدنیات، فلکیات اور اُن سے متعلقہ علوم ریاضی پر جن سے عجائبات عالم کا فہم حاصل ہوتا ہے۔

بیان زکواۃ وصیام — زکواۃ جو مسلم پر واجب ہے اس کی مقدار عموماً ۲½ روپے فیصدی ہوتی ہے اس کا مقصود عامۃ الناس کی امداد ہے جو فقرا و مساکین کے لئے اغنیاء پر واجب ہے، تمام مسلم ایک جسم کی مانند ہیں، جب ایک عضو کو تکلیف ہو تو تمام اعضاء متاثر و متالم ہوتے ہیں ——

چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

اور صیام رمضان نفس کو مطیع بنانے اور عزم و ارادہ کو قوی کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اس سے سعادت و برکت کا بلند مقام حاصل ہوتا ہے۔ آج یورپ و امریکہ میں روزہ صحت بدن اور سعادت حیات کا کامل ترین ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

نفوس اور حصول سعادت و کمال مقصود ہے ـــــ پس اے ڈاکٹر (امید کار) کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ متذکرہ صدر اساسی امور میں مسلمانوں کا اختلاف ہے؟ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ سنی شیعہ لوگوں میں سے کسی ایک مسلمان نے ان ارکان میں سے کسی ایک رکن کا بھی انکار کیا، حالانکہ یہی دونوں فرقے مسلمانوں کی اکثریت پر حاوی ہیں ـــــ کیا تمام مسلمان (جو مختلف فرقوں سے وابستہ ہیں) قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتے ـــــ کیا آپ نے دیکھا ہے کہ کوئی ان میں سے نماز کا منکر ہوں یا کعبہ کو چھوڑ کر کسی اور جہت کو قبلہ صلوٰۃ بنائے یا حج کا انکار کرے یا زکوٰۃ اور روزے کا مخالف ہو یا رمضان کے سوا کسی اور مہینے کے روزے رکھے۔ ہرگز نہیں ـــــ اے ڈاکٹر پھر وہ کونسی چیز ہے جو آپ کو اسلام کے متعلق شک میں ڈال رہی ہے؟

علومِ قرآن آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے پیش کئے ہوئے قرآن میں ۷۵۰ آیتیں ایسی ہیں جو سب کی سب زمانہ حال کے علوم کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے جمال اور صفات علم و حکمت کی پردہ کشائی کرتی ہیں کہ وہ خالق ہے، مصور ہے غفار ہے اور قہار ہے ـــــ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات ارض و سما کے اسرار کو جاننے والوں کو اپنا مقرب بناتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے: "اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ اُتارتا ہے آسمان سے پانی پھر (بصورت متکلم ارشاد ہے) ہم اس پانی سے مختلف قسم کے پھل پیدا کرتے ہیں اور (اسی طرح) پہاڑوں میں مختلف رنگتوں کے کچھ طبقے ہیں (بعض) سفید اور (بعض) لال اور (بعض) کالے سیاہ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چارپایوں کی رنگتیں بھی کئی کئی طرح کی ہیں۔ خدا سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (خدا کے آثار قدرت کا) علم رکھتے ہیں" ـــــ پس اس عالم ہستی کے قوانین کے عالم ہی تمام لوگوں سے بڑھکر اللہ کے مقرب ہیں، اور ایسے لوگ اس انتشار علوم کے زمانہ میں بکثرت ہیں۔

اخلاقِ قرآن قرآن میں قریباً ۹۰۰ آیتیں ایسی ہیں جو اخلاق حسنہ کی طرف شدید رغبت دلاتی ہیں مثلاً سچ بولنا، وعدہ پورا کرنا، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ، صبر، شجاعت، قریبیوں، ہمسایوں، مفلسوں اور عام لوگوں پر احسان الخ ـــــ کیا آپ نے کسی مسلمان کو دیکھا جو ان باتوں کا منکر یا تارک ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔

وہ شبہات جنہوں نے اے ڈاکٹر آپ کو مسلمانوں کے اختلاف کے متعلق شک میں ڈالا یا حیران کیا

نزدیک رحمت ہے، بعض لوگ سورہ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں بعض اس کو ترک کرتے ہیں۔ کیا اس سے اسلام کی بنیادیں ہل جاتی ہیں؟ شافعی اور مالکی صحت نماز کے لئے کپڑے کی پاکی و پلیدی میں اختلاف کرتے ہیں، کیا اس سے اسلام کو ضرر پہنچتا ہے؟ — شیعہ جو دس ملین سے زیادہ ہیں آل نبی کی تعظیم میں مبالغہ کرتے ہیں اور بعض اصحاب نبی سے اُنس نہیں رکھتے — یہ اختلاف اصحاب نبی اور اہل بیت کے تاریخی واقعات سے متعلق ہے، پھر کیا یہ چیز اصول اسلام میں داخل ہے، نہیں ہرگز نہیں۔ اہل سنت کی تعداد مسلمانوں میں سب سے زیادہ ہے جو سینکڑوں ملین تک پہنچتی ہے، جامع ازہر مصر، انہیں کی ایک درسگاہ ہے۔ اہل سنت کے چاروں فرقے وہاں تعلیم پاتے ہیں، اور سب اکٹھے نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، ان میں کوئی جدال نہیں، نفاق نہیں، خلاف نہیں۔ بلکہ محبت ہے، اخوت ہے اور پیار ہے ——

شاید آپ کو ہندوستان کی بعض چھوٹی چھوٹی ٹولیوں نے مبتلائے شک کر دیا ہے جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتی ہیں اور اپنے مذہبی لیڈروں کی بزرگی و برتری میں بہت مبالغہ کرتی ہیں اور اُن کو حق پر جان کر اپنے مخصوص عقائد میں تمام مسلمانوں کی مخالفت پر کمر باندھے ہوئے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ مسلمانوں پر حجت نہیں ہیں —— یاد رہے کہ جب کسی گروہ میں جہالت رونما ہو جائے تو اس میں عداوتیں چھپی جاتی ہیں، اور عداوت کی بنیاد ہی جہالت پر ہے، اور مسلمانوں میں علوم عصریہ کی اشاعت نے ان عداوتوں اور تفرقوں کو زائل کرنا شروع کر دیا ہے —— اور مسلمان مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان علوم کو پڑھنے کے لئے مجبور ہیں۔

اسلام میں تقلید نہیں } اسلام کورانہ تقلید کا دشمن ہے، اور عقل و تحقیق کا حامی ہے۔ (هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ) سے قوت برھان کی تائید ہوتی ہے اور اِذْ يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفٰٓؤُا الخ سے رد تقلید ثابت ہے۔

مساوات انسانی اور فضیلت تقویٰ } يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (مدد) اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے

[illegible]

جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے۔

اے ڈاکٹر میں آپ کو بہترین مذہب کی طرف بلاتا ہوں

میں مصری ہوں، اہل سنت سے ہوں سے اور روئے زمین کی اسلامی جماعتوں سے میرے تعلقات ہیں اپنے شیعہ بھائیوں سے بھی ربط و پیوند رکھتا ہوں، جو اہل ایران ہیں اور شیعیان عالم کی بڑی تعداد یہیں ہے، اُن کے بزرگ علمائے مذہب و سیاست سے دینی معاملات میں کامل اتحاد رکھتا ہوں۔ وہ اپنے جاہلوں کو اور ہم اپنے سنی جاہلوں کو نادان[1] بچے سمجھتے ہیں۔ ہر قوم کے جاہل کم عقل ہوتے ہیں، پس وہ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے جو اُن کے ملاؤں اور پیروں نے اُن سے کہدیا۔

اگر آپ چاہیں تو میں تمام عالم اسلامی کے اہل سنت اور برادران شیعہ ایران کی ایک جماعت کو مصر میں بلاؤں، جو اسلام کا ایک متفقہ و متحدہ خلاصہ لکھیں۔ اور وہ ان علما کے اتفاق سے آپ کو بھیج دیا جائے ——— اُسوقت آپ ۴ سو ملین مسلمانوں کی رفاقت حاصل کر سکیں گے۔ اور یہی ہیں جمہور مسلمین ——— یہ ہے میری رائے جو میں آپ کی طرف ارسال کر رہا ہوں۔

(میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں روشن دلیل سے، جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ "(اللہ) وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا، تاکہ اُس کو ہر دین پر غالب کرے اور اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو")

اللہ تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے سامنے وہ آیت پیش کروں جو اللہ کے رسولؐ نے قیصر شاہ روم اور کسریٰ شاہ ایران کے سامنے پیش کی تھی۔ فرمایا ہے، اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارا اور تمہارا مسلمہ ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور خدا کو چھوڑ کر ہم میں سے کوئی کسی کو رب نہ مانے ——— پھر اگر اس بات کو تسلیم نہ کریں تو (اے مسلمانو) کہدو، گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں۔"

قاہرہ (مصر) طنطاوی جوہری

(الرضوان)

ہمدردانِ بلاغ سے اُمید ہے کہ وہ اپنے احباب میں بلاغ کی اشاعت فرمانے کی سعی فرمائیں گے۔

---

[1] ہندوستان کے اکثر سیاسی و مذہبی رہنماؤں کی عقل ابھی نابالغ ہے، جو لڑنے لڑانے میں معروف

جہاد

(از علامہ سر اقبال)

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بیسود و بے اثر

تیغ و تفنگ دستِ مسلماں میں ہے کہاں
ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بیخبر

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اُسے کہ مسلماں کی موت مر!

تعلیم اس کو چاہیئے ترکِ جہاد کی
دُنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈُوب گیا دوش تا کمر

ہم پوچھتے ہیں شیخِ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر؟

فکرِ حکیم

حضرت علامہ سر اقبال کی "ضرب کلیم" کے چند اشعار پر تخمیس

(از عرشی)

نبوّت

وہ نبوّت ہے دیانت کو محلِ تشویش
وہ نبوّت ہے فقط بتکدۂ جبہ و ریش
وہ نبوّت ہے مسلماں کیلئے برگ حشیش
وہ نبوت ہے عزیزوں کے لئے شربتِ نیش
"جس نبوّت میں نہیں قوّت و شوکت کا پیام"

کتاب

نوکری کا ہے سبق اور نہ گدائی کا نصاب
نہ خوشامد کی کوئی فصل نہ تزویر کا باب
"اِن غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
آیتِ رقص ہے نے سورۂ تنویرِ شباب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق"

امام

علم و اخلاق ہے کیا امر و حکومت کیا ہے
سرِ تنظیم ہے کیا رمزِ سیاست کیا ہے
"قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے
وجہِ توقیر ہے کیا موجبِ عظمت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام"

جوا…

جان گلسوردی (ا…

ایک کاغذ پر لکھکر اپنی م…

میرے لئے جادہ … کروں۔

ہو سکے یا محبت و مہربانی جو میں ک…

کسی نیک کام کو کل پر رکھنا جائز نہیں اور اس بات کو سرسری نہیں سمجھنا چاہئے اس لئے کہ اس راہ سے گزرنے کی اجازت ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں" (مجلہ مہر فارسی)

قرآن فرماتاہے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۔ نیک کاموں میں جلدی کرو درنگ کا موقع نہیں۔

ہر عالی دماغ انسان ایک ایسے مسافر کی مانند ہے جو ایک بے آدم جزیرے میں رہتا ہو۔ جہاں بندروں کے سوا کوئی سکونت پذیر نہو۔ اور وہ کبھی کبھی دور سے کسی بندر کو دیکھ کر یہ ہو انسان خیال کر لیتا ہو۔

(شوپنہار)

بتے میگفت روزے با برہمن - خدائے من توئی اے بندۂ من
مرا بر صورت خود آفریدی - ولیکن صورت خود را نہ دیدی

امام ابو حامد خلقانی نے احمد بن حنبلؒ سے اشعار ذیل کی حلت و حرمت کے متعلق استفسار کیا

اذا ما قال لی ربی - اما استحییت تعصینی؟
وتخفی الذنب من خلقی - وبالعصیان تاتینی

جب میرا رب مجھے کہیگا، تجھ کو میری نافرمانی سے شرم نہ آئی؟ تو میری مخلوق سے گناہ چھپاتا اور میرے سامنے گناہ کرتا تھا۔

بیان

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے)

"قدر" اندازہ، ہر ایک شے کو اپنی ہستی کے قیام کے لئے جس شے کی ضرورت ہے وہ شے اس کو اسی مقدار سے ملتی ہے جتنی ضرورت ہو، "موزون" ارشاد الٰہی ہے :۔

وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (۱۴/۲)

کوئی شے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے ہاں نہ ہوں، اور ہم اُسے نازل فرماتے ہیں تو ایسی مقدار میں جو معلوم ہے۔

یہ آیت ہمیں صحیفہ فطرت کے مطالعے کی ہدایت فرماتی ہے، مشاہدہ سے یہ امر ثابت شدہ ہے [illegible] تعالٰے نے ہر ایک شے کی ہستی برقرار رکھنے کے لئے اُس کو مناسب "رزق" دے رکھا ہے، [illegible] حقیقت ہے کہ اس رزق کا خزانہ، اگرچہ یہ بھی مقررہ مقدار میں موجود ہے کبھی کم نہیں [illegible] رزق اللہ تعالیٰ ہر ایک شے کو مفت عطا فرماتا ہے، اس قانون فطرت کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں :۔

ہوا ہر ایک جاندار کے لئے ضروریات زندگی میں مقدم ہے، اس کے بغیر کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا اس لئے اللہ تعالےٰ کی حکمت کاملہ نے اس کو ہر جگہ مہیا کر رکھا ہے۔ آفرینش سے ہر ایک جاندار اس کو استعمال کر رہا ہے لیکن اس میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوئی، اگرچہ ہوا کے اور بھی بیشمار فائدے ہیں جن کا علم ہمیں ہو چکا ہے اور اور بھی ہونگے جن کا علم ہمیں تا حال نہیں، رفتہ رفتہ ہوتا جائیگا۔ لیکن مثالاً ہم صرف ایک ہی فائدہ کا ذکر کرتے ہیں کہ ہوا زندگی کے لئے ہر ایک شے سے مقدم ہے، لیکن باوجود اس امر کے کہ اس کا بہت بڑا خزانہ کرہ ہوا کی صورت میں موجود ہے مگر ہر ایک جاندار کو اس میں سے اتنا ہی ملتا ہے جتنا وہ ضرورت محسوس کرتا ہے، اور یہ ایک وقت میں بقدر ایک "سانس" ہے، جو ہمیں بلا ارادہ بلا محنت و مشقت ملتا ہے، اس سے کم و بیش ملے تو عرصۂ حیات تنگ ہو جائے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ کی شہادت ہے کہ ہم خود بخود اتنا ہی اس خزانہ سے لیتے ہیں جو ہمارے لئے کفایت کرتا ہے۔ اس موضوع پر مفصل بحث کی

جہاد

(از علامہ سر اقبال)

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بیسود و بے اثر

تیغ و تفنگ دستِ مسلماں میں ہے کہاں
ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بیخبر

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اُسے کہ مسلماں کی موت مر!

تعلیم اس کو چاہیئے ترکِ جہاد کی
دُنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر

ہم پوچھتے ہیں شیخِ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر؟

فکرِ حکیم

حضرت علامہ سر اقبال کی "ضربِ کلیم" کے چند اشعار پر تخمیس

(از عرشی)

نبوّت

وہ نبوّت ہے دیانت کو محلِ تشویش
وہ نبوّت ہے فقط بتکدۂ جبہ و ریش
وہ نبوّت ہے مسلماں کیلئے برگِ حشیش
وہ نبوت ہے عزیزوں کے لئے شربتِ عیش
"جس نبوّت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام"

کتاب

نوکری کا ہے سبق اور نہ گدائی کا نصاب
نہ خوشامد کی کوئی فصل نہ تزویر کا باب
"اِن غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
آیتِ قص ہے، نے سورۂ تنویرِ شباب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

امام

علم و اخلاق ہے کیا امر و حکومت کیا ہے
سرِ تنظیم ہے کیا رمزِ سیاست کیا ہے
"قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے"
وجہِ توقیر ہے کیا موجبِ عظمت کیا ہے
"اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام"

جواہر انتخاب

جان گلسوردی (John Galsworthy) کی زندگی کا دستور العمل یہ کلمات تھے جو اُس نے ایک کاغذ پر لکھکر اپنی میز پر چسپاں کئے ہوئے تھے تاکہ ہر وقت نظر کے سامنے رہیں:۔
"میرے لئے جادہ حیات سے گزرنے کا صرف ایک ہی موقع ہے اس لئے ہر نیک کام جو مجھ سے ہو سکے یا محبت و مہربانی جو میں کسی انسان یا حیوان سے کر سکوں، لازم ہے کہ اس میں تاخیر نہ کروں۔ کسی نیک کام کو کل پر رکھنا جائز نہیں اور اس بات کو سرسری نہیں سمجھنا چاہئے اس لئے کہ اس راہ سے گزرنے کی اجازت ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں" (مجلہ مہر فارسی)
قرآن فرماتا ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ نیک کاموں میں جلدی کرو درنگ کا موقع نہیں۔

ہر عالی دماغ انسان ایک ایسے مسافر کی مانند ہے جو ایک بے آدم جزیرے میں رہتا ہو۔ جہاں بندروں کے سوا کوئی سکونت پذیر نہو۔ اور وہ کبھی کبھی دُور سے کسی بندر کو دیکھ کر سہواً انسان خیال کر لیتا ہو۔ (شوپنہار)

بُتے میگفت روزے با برہمن ۔ خدائے من توئی اے بندۂ من
مرا بر صورتِ خود آفریدی ۔ ولیکن صورتِ خود را نہ دیدی

امام ابو حامد خلقانی نے احمد بن حنبلؒ سے اشعار ذیل کی حلت و حرمت کے متعلق استفسار کیا
اذا ما قال لی ربی ۔ اما استحییت تعصینی؟
وتخفی الذنب من خلقی ۔ وبالعصیان تاتینی
جب میرا رب مجھے کہیگا، تجھ کو میری نافرمانی سے شرم نہ آئی؟ تو میری مخلوق سے گناہ چھپاتا تھا اور میرے سامنے گناہ کرتا تھا۔

بیان

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے)

قدر "اندازہ" ہر ایک شے کو اپنی ہستی کے قیام کے لئے جس شے کی ضرورت ہے وہ شے اس کو اسی مقدار سے ملتی ہے جتنی ضرورت ہو "موزوں" ارشاد الٰہی ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۱۴/۲)

کوئی شے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے ہاں نہ ہوں، اور ہم اُسے نازل فرماتے ہیں تو ایسی مقدار میں جو معلوم ہے۔

یہ آیت ہمیں صحیفہ فطرت کے مطالع کی ہدایت فرماتی ہے، مشاہدہ سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شے کی ہستی برقرار رکھنے کے لئے اُس کو مناسب "رزق" دے رکھا ہے، اور یہ لطیف حقیقت ہے کہ اس رزق کا خزانہ، اگرچہ یہ بھی مقررہ مقدار میں موجود ہے، کبھی کم نہیں ہوتا۔ یہ رزق اللہ تعالیٰ ہر ایک شے کو مفت عطا فرماتا ہے، اس قانون فطرت کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں:۔

ہوا ہر ایک جاندار کے لئے ضروریات زندگی میں مقدم ہے، اس کے بغیر کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے اس کو ہر جگہ مہیا کر رکھا ہے۔ آفرینش سے ہر ایک جاندار اس کو استعمال کر رہا ہے لیکن اس میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوئی، اگرچہ ہوا کے اور بھی بیشمار فائدے ہیں جن کا علم ہمیں ہو چکا ہے اور اور بھی ہونگے جن کا علم ہمیں تاحال نہیں، رفتہ رفتہ ہوتا جائیگا۔ لیکن مثالاً ہم صرف ایک ہی فائدہ کا ذکر کرتے ہیں کہ ہوا زندگی کے لئے ہر ایک شے سے مقدم ہے، لیکن باوجود اس امر کے کہ اس کا بہت بڑا خزانہ کرہ ہوا کی صورت میں موجود ہے مگر ہر ایک جاندار کو اس میں سے اتنا ہی ملتا ہے جتنا وہ ضرورت محسوس کرتا ہے، اور یہ ایک وقت میں بقدر ایک "سانس" ہے، جو ہمیں بلا ارادہ بلا محنت و مشقت ملتا ہے، اس سے کم و بیش ملے تو عرصہ حیات تنگ ہو جائے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ کی شہادت ہے کہ ہم خود بخود اتنا ہی اس خزانہ سے لیتے ہیں جو ہمارے لئے کفایت کرتا ہے۔ اس موضوع (مقصد بحث) کی

جواہر انتخاب

جان گلسوردی (John Galsworthy) کی زندگی کا دستور العمل یہ کلمات تھے جو اُس نے ایک کاغذ پر لکھ کر اپنی میز پر چسپاں کئے ہوئے تھے تاکہ ہر وقت نظر کے سامنے رہیں :-

"میرے لئے جادہ حیات سے گزرنے کا صرف ایک ہی موقع ہے اس لئے ہر نیک کام جو مجھ سے ہو سکے یا محبت و مہربانی جو میں کسی انسان یا حیوان سے کر سکوں، لازم ہے کہ اس میں تاخیر نہ کروں۔ کسی نیک کام کو کل پر رکھنا جائز نہیں اور اس بات کو سرسری نہیں سمجھنا چاہئے اس لئے کہ اس راہ سے گزرنے کی اجازت ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں" (مجلہ مہر فارسی)

قرآن فرماتا ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ - نیک کاموں میں جلدی کرو درنگ کا موقع نہیں۔

ہر عالی دماغ انسان ایک ایسے مسافر کی مانند ہے جو ایک بے آدم جزیرے میں رہتا ہو۔ جہاں بندروں کے سوا کوئی سکونت پذیر نہ ہو۔ اور وہ کبھی کبھی دُور سے کسی بندر کو دیکھ کر سہواً انسان خیال کر لیتا ہو۔ (شوپنہار)

بُتے میگفت روزے با برہمن - خدائے من توئی اے بندۂ من
مرا بر صورتِ خود آفریدی - ولیکن صورتِ خود را نہ دیدی

امام ابو حامد خلقانی نے احمد بن حنبلؒ سے اشعار ذیل کی حلت و حرمت کے متعلق استفسار کیا

اذا ما قال لی ربّی - اما استحییت تعصینی؟
وتخفی الذنب من خلقی - وبالعصیان تاتینی

جب میرا رب مجھے کہیگا، تجھ کو میری نافرمانی سے شرم نہ آئی؟ تو میری مخلوق سے گناہ چھپاتا تھا اور میرے سامنے گناہ کرتا تھا۔

احمد بن حنبلؒ نے کہا پھر پڑھو۔ ابو حامد نے دوبارہ پڑھے۔ احمدؒ حجرے میں چلے گئے، اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ ابو حامد انتظار کے بعد حجرے کے دروازہ کے پاس گئے اور کان لگا کر سنا تو رونے کی آواز آتی تھی، اور امام ان اشعار کی تکرار کرتے تھے۔

بَیان

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔اے)

قَدَر "اندازہ" ہر ایک شے کو اپنی ہستی کے قیام کے لئے جس شے کی ضرورت ہے وہ شے اس کو اسی مقدار سے ملتی ہے جتنی ضرورت ہو "موزون" ارشاد الٰہی ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۱۴)	کوئی شے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے ہاں نہ ہوں، اور ہم اُسے نازل فرماتے ہیں تو ایسی مقدار

میں جو معلوم ہے۔

یہ آیت ہمیں صحیفہ فطرت کے مطالعہ کی ہدایت فرماتی ہے، مشاہدہ سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شے کی ہستی برقرار رکھنے کے لئے اس کو مناسب "رزق" دے رکھا ہے، اور یہ لطیف حقیقت ہے کہ اس رزق کا خزانہ، اگرچہ یہ بھی مقررہ مقدار میں موجود ہے، کبھی کم نہیں ہوتا، یہ رزق اللہ تعالیٰ ہر ایک شے کو مفت عطا فرماتا ہے، اس قانون فطرت کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں:۔

ہوا ہر ایک جاندار کے لئے ضروریات زندگی میں مقدم ہے، اس کے بغیر کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے اس کو ہر جگہ مہیا کر رکھا ہے۔ آفرینش سے ہر ایک جاندار اس کو استعمال کر رہا ہے لیکن اس میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوئی، اگرچہ ہوا کے اور بھی بیشمار فائدے ہیں جن کا علم ہمیں ہو چکا ہے اور اور بھی ہونگے جن کا علم ہمیں تاحال نہیں، رفتہ رفتہ ہوتا جائیگا۔ لیکن مثالاً ہم صرف ایک ہی فائدہ کا ذکر کرتے ہیں کہ ہوا زندگی کے لئے ہر ایک شے سے مقدم ہے، لیکن باوجود اس امر کے کہ اس کا بہت بڑا خزانہ کرہ ہوا کی صورت میں موجود ہے مگر ہر ایک جاندار کو اس میں سے اتنا ہی ملتا ہے جتنا وہ ضرورت محسوس کرتا ہے، اور یہ ایک وقت میں بقدر ایک "سانس" ہے، جو ہمیں بلا ارادہ بلا محنت و مشقت ملتا ہے، اس سے کم و بیش ملے تو عرصہ حیات تنگ ہو جائے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ کی شہادت ہے کہ ہم خود بخود اتنا ہی اس خزانہ سے لیتے ہیں جو ہمارے لئے کفایت کرتا ہے۔ اس موضوع پر مفصل بحث کی

۱؎ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ (۱۴)

گنجائش اس مقام پر نہیں۔

ضروریات زندگی میں سے دوسرے درجہ پر پانی ہے، یہ بھی ہوا کی طرح بہت بڑا خزانہ ہے، اور ایک بوند بھی آج تک کم نہیں ہوئی، ہوا کی طرح اس کا استعمال بھی عام اور کثرت سے ہے، یہ نعمت بھی اللہ تعالےٰ نے مفت عطا فرمائی ہے، لیکن ہوا تو ہمیں بلا ارادہ ہر ایک جگہ ملتی ہے اور بغیر محنت کے ملتی ہے مگر پانی پر کچھ محنت صرف کرنی پڑتی ہے، ہوا کی طرح یہ خود بخود ہمارے مُنہ میں نہیں آتا پیاسا خود اس کے پاس جاتا ہے، ہم اسے کنوؤں، تالابوں، ندی، نالوں اور نہروں میں سے لاتے ہیں، اور اس کے لئے کچھ محنت کرتے ہیں، گھروں میں گھڑوں میں بھر کر رکھتے ہیں تو یہ ہماری واحد ملکیت بلا شرکت غیرے ہو جاتی ہے، یہ نعمت بھی ہمیں مقررہ اندازہ پر ملتی ہے اور ایک وقت میں اس کا پیمانہ ہماری "پیاس" ہے۔ ہوا کی مقدار تو خود اللہ تعالےٰ نے بقدر ہمارے سانس کے مقرر فرمادی ہے، اگر مقرر نہ فرماتا تو زندگی وبال جان ہو جاتی، ہر ایک سانس پر پانی کی طرح اُس کو پیمائش کرتے رہتے، اور کب تک کرتے، تھک کر جان دیدیتے، لیکن پانی کی ضرورت ہمیں گاہے گاہے ہوتی ہے اور اس کے بغیر عرصہ تک ہر ایک جاندار زندہ رہ سکتا ہے، اور فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر ایک شے خود بخود کام کرے، اس موضوع پر مفصل بحث زیر لفظ "عبد" وغیرہ ملاحظہ ہو۔ بات تو معمولی ہے لیکن کارخانہ قدرت کے اندازہ اور انسانی اندازہ کا فرق دیکھو کہ آج تک کسی شخص نے اپنی صحیح پیاس کا کوئی پیمانہ صحیح نہیں بنایا، ہم کم و بیش پانی پیتے ہیں جو صحیح اندازہ کے قریب قریب ہوتا ہے لیکن بالکل صحیح نہیں ہوتا، اس موضوع پر بحث زیر لفظ "ہواء" ملاحظہ ہو۔

ضروریات زندگی میں سے تیسرے درجہ پر ہماری خوراک ہے، طبقہ نباتات کا نشوونما اسی خوراک سے ہوتا ہے لیکن اس کو خوراک اسی جگہ سے مل جاتی ہے جہاں نباتات ہوں۔ طبقہ حیوانات میں ادنےٰ درجہ کی مخلوق بھی کم و بیش اپنی خوراک نزدیک ہی پا لیتی ہے، پرندوں کو اللہ تعالےٰ نے پَر دے رکھے ہیں، اُن کے مناسب وہ دور و نزدیک سے خوراک کی تلاش میں اُڑتے ہیں۔ انسان کو اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے، لیکن یہ بھی اللہ تعالےٰ کا مفت انعام ہے ہم زمین کو جو اللہ تعالےٰ کی ہے آبپاشی کرتے ہیں، اس میں ہل چلاتے ہیں جس کا ہر ایک جزو لکڑی لوہا اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا ہے، پھر اس میں بیج بوتے ہیں جو اللہ تعالےٰ پیدا کرتا ہے۔ ہم پیدا نہیں کر سکتے پھر حسب ضرورت کھیت کو پانی سے سیراب کرتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کی مفت نعمت ہے پھر وقت مقررہ پر "گندم از گندم بروید جو ز جو" اللہ تعالےٰ ہمیں ہماری محنت کا پھل دیتا ہے۔ اس کا اندازہ

بھی مقررہ ہے اور یہ بقدر ہماری "بھوک" کے ہے۔ غلوں کے علاوہ بیشمار پھل ہیں جو محرّ حیات ہیں۔ اور اُن کے لئے ہم باغات کی طرح ڈالتے ہیں اور اس جنت ارضی میں خوش نصیب زندگی بسر کرتے ہیں، یہ ضروریات زندگی سے نہیں لیکن لطف زندگی کو دوبالا کرنے والی چیزیں ہیں۔

ضروریات زندگی کے بعد اسباب تعیش ہیں۔ مثلاً زر و زیور وغیرہ، اُن کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں بہت ہی محنت کرنی پڑتی ہے اور یہ ہیں بھی کم یاب۔

المختصر جتنی ضرورت زیادہ ہوگی اتنی محنت کم ہوگی، جتنی محنت زیادہ ہوگی اتنی ہی وہ شے گراں قدر ہوگی اور قیمت ہر ایک شے پر محنت کے مناسب ہوتی ہے۔

یہ امر واضح ہے کہ کائنات میں ہر ایک شے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور انسان کسی شے کو پیدا کر ہی نہیں سکتا، ہاں کم و بیش محنت کرتا ہے، اور ہر ایک شے کی فطرت میں یہ امر ودیعت ہے کہ وہ انسان کے کام آتی ہے، اس معما کو آج تک کسی نے حل نہیں کیا کہ کیوں ہر ایک شے ہمارے کام آتی ہے۔ زمین و آسمان میں جو شے ہے اور چند ہی اشیاء ہیں جو ہمارے قبضہ میں ہیں ورنہ تمام فضائی و آسمانی اجرام ہماری دسترس سے باہر ہیں وہ بھی ہمیں فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ سورج کو دیکھو اس سے کتنے فائدے ہیں، اس کرہ نار کی حرارت زمین پر جو انسانی مستقر ہے کتنی دور اور کتنے طبقات سے گزر کر پہنچتی ہے اور یہ بھی قانون قدر یا "تقدیر" کی شہادت دے رہی ہے۔ حرارت زندگی کے لئے کتنی ضروری شے ہے مگر اسی اندازہ اور قدر کے مطابق ہر ایک شے اپنی اپنی فطری استعداد کے مناسب اس سے بہرہ اندوز ہو رہی ہے۔

تمام کائنات اور کائنات کی ہر ایک شے اس قانون قدر یا تقدیر کے زیر اثر ہے، ہر ایک شے کا انحصار ہستی دوسری شے پر ہے اور کسی شے کی ہستی مستقل نہیں ہے یعنی کوئی شے قائم بالذات نہیں ہے، ہر ایک شے دوسری شے سے اپنی ضروریات زندگی کی محتاج ہے اور پرورش پاتی ہے اور ہر ایک شے بقا کے لئے جد و جہد میں لگی ہوئی ہے، اور اس جد و جہد میں کچھ اپنا کھوتی ہے اور کچھ دوسری شے سے حاصل کرتی ہے جو دوسری شے کھوتی ہے۔ جو کچھ ہم کھوتے ہیں فی الحقیقت ہمارے کام کی شے نہیں ہوتی لیکن دوسری شے کی ضرورت کو پورا کرتی ہے، اس لئے ہم کسی طرح نقصان میں نہیں رہتے اور اس لئے کوئی شے ضائع نہیں ہوتی، اور ہر ایک شے فائدہ میں رہتی ہے، یہ تغیر و تبدل جو زیر بحث "تقدیر" ہو رہا ہے، ارتقا کی طرف ہر ایک شے کو لئے جا رہا ہے۔

ہر ایک شے محدود ہے اور جو ہر ایک شے کی حدود قائم کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا قانون تقدیر ہے

انہی حدود سے ہر ایک شے کی شکل وصورت بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شے کو احسن صورت ہی دی ہے۔" کوئی صورت اپنے صورت گر کی بے صورت نہیں"۔ اسی ہمہ گیر قانون الٰہی کے تحت افراد کی شخصیت رو نما ہوتی ہے۔ قوانین بدل وانشقاق وطبق وغیرہا جن کی تشریح انہی الفاظ کے تحت مناسب مقام پر کی جائیگی اسی تقدیر کی مختلف صورتیں ہیں۔

قرآنی آیات ذیل میں جو فی الحقیقت صحیفہ فطرت کی آیات ہیں تدبر کرنا چاہیئے :-

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ الخ ۶/۱۰	تحقیق یہ ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہے جو گٹھلی اور دانہ کو پھاڑتا ہے اور مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ نکالتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے (یہ جانتے

ہوئے) تم کیوں اس سے پھرے جاتے ہو؛ وہ صبح کو نمودار فرماتا ہے اور رات کو آرام کے لئے بنا رکھا ہے، اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے، یہ قانون اسی زبردست حکمت والے کا ہے، اور اسی نے ستارے تمہارے لئے بنائے تاکہ خشکی وتری کی تاریکی میں تم گمراہ نہ ہو، یہ آیات ہم نے اہل علم کے لئے مبین کردی ہیں۔ وہی اللہ ہے جس نے تمہیں ایک نوع سے پیدا کیا اور تمہارے لئے (زمین) مستقر بنادی، یہ آیات اہل فکر کے لئے واضح کردی ہیں، وہی اللہ ہے جس نے بلندی سے بارش نازل فرمائی اور اس سے ہر ایک پودوں کے شگوفے اور پودوں سے سبز پتے اور غلوں کے گنجان پودے اور کھجور کے درخت اور اُن کے خوشے اور انگور کے باغات اور زیتون اور انار ایک دوسرے سے متشابہ اور غیر متشابہ ان کے پھلوں کو دیکھو جب خام وپختہ ہوتے ہیں، بلاشبہ ان میں آیات اہل ایمان کے لئے ہیں۔

ان آیات میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ صحیفہ فطرت کا صحیح مطالعہ صرف اہل ذکر وفکر ہی کرسکتے ہیں اور اس سے اُن کو علم وایمان حاصل ہوتا ہے، ان آیات میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ صحیح مشاہدہ سے ان قوانین فطرت کا علم ہوتا ہے جن کے ماتحت حیات وممات جو دونوں مخلوق ہیں ظہور میں آتی ہیں اور اشیاء کی پیدائش اور ان کا نشو ونما ہوتا ہے۔ اس موضوع پر مفصل بحث الفاظ "فلق" "حیات وموت" وغیرہم کے تحت ملاحظہ ہو۔ بروئے آیات قرآن "تقدیر" کا مفہوم تو یہی کچھ ہے جو ہم واضح کرچکے ہیں اور اس سے کسی اہل علم کو انکار نہ ہوگا۔ عام عقیدہ "پرالبدء" یا "فیٹ" کے متعلق جو کچھ ہے اس سے انسانی ارادہ واختیار کی نفی ہوتی ہے، اور انسانی اعمال "جبر" کے تحت آتے ہیں، اس کی تائید قرآن سے نہیں ہوتی۔ لفظ "Fate" لاطینی لفظ "Fatum" سے ماخوذ ہے۔ جس کا عربی ترجمہ "فتویٰ" ہے، یعنی وہ فتویٰ جو دیوتا صادر کرتے ہیں اس کے مطابق ظہور

ہوتا ہے، اگر دیوتاؤں سے مراد قوانین فطرت ہیں تو بحث تحصیل حاصل ہے۔ لیکن قرآن دیوتاؤں یا قوانین فطرت کو علم و شعور سے متصف نہیں کرتا۔ ہندی، ایرانی، مصری، یونانی، لاطینی اساطیر میں دیوتاؤں کو معبود تسلیم کیا گیا ہے اور اُن کے پجاری اب بھی اُن کی مورتوں کے روبرو پرارتھنا اور سجدے کرتے ہیں۔ قرآن انھیں کسی نفع و ضرر کا مالک نہیں مانتا۔ یہ قوانین ہیں اور اُن کا پوجنا بے معنی بات ہے۔

لیکن یہ قوانین خواہ اُن کو کسی نام سے تعبیر کیا جائے انسان کو محض مجبور نہیں بناتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسی قانون تقدیر کے تحت انسان نے ارادہ و اختیار حاصل کیا ہے اور ہمارے علم کی وسعت کے ساتھ وہ امور جو ناممکنات تصوّر کئے جاتے تھے، امکان کی حدود میں داخل ہو رہے ہیں۔ جن باتوں میں ہم مجبور پائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر ہماری اپنی جہالت کا نظریہ ہے۔ قانون تقدیر کے تحت ابھی انسان نے ارتقاء کے غیر محدود مراحل طے کرنے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ موجودہ مرحلہ میں تو اس نے "علم" کے دائرہ میں قدم ہی رکھا ہے۔ اس نے وہ کچھ مشاہدہ کرنا ہے جو آج محسوس نہیں کر سکتا۔ اس کے تمام حجاب رفتہ رفتہ اُٹھ جائیں گے اور اُس کی نگاہیں تیز اور تیز تر ہوتی جائینگی، اور اس کے ساتھ اس کے اختیار کا دائرہ بھی وسیع اور وسیع تر ہوتا جائیگا۔

کسی شے کی قدر یا موزونیت سے مراد یہ ہے کہ اس شے کا ہر ایک جزو ہے جو ایسی مناسبت سے ایک دوسرے سے وصل ہو کہ یہ شے اپنے کامل اعتدال پر ہو، اور اس میں افراط و تفریط نہ پائی جائے یعنی جس چیز کی اس شے کو کمال حاصل کرنے کے لئے ضرورت ہو وہ شے اس میں اتنی ہی پائی جائے جتنی ضرورت ہو اس سے کم و بیش نہ ہو، قانون قدر کا منشأ ہے کہ ہر ایک شے کامل اعتدال پر ہو اور یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بار بار توجہ دلائی گئی ہے کہ "عدل" کو قائم رکھو یہ تقویٰ کے اقرب ہے، اور اسی وجہ سے اُمت مسلمہ کو امت وسطیٰ کہا گیا ہے کہ خیر الامور اوسطھا، اعتدال ہر ایک امر کا وسط ہوتا ہے "تعدیل ہر امر کمال عرفاست" "نیکی جسے کہتے ہیں وہ اعتدال کا قائم رکھنا ہے، اور جسے "بدی" سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ افراط و تفریط میں پڑنا ہے۔ اعتدال پُل صراط ہے اور وہی جنت میں داخل ہونگے جو اس راستہ سے جو تلوار سے تیز تر اور بال سے باریک تر ہے صحیح و سلامت گذر جاتے ہیں" افراط و تفریط سے بچتے ہیں جو دو کنارے جہنم کے ہیں۔ قرآن میں بار بار ہدایت کی گئی ہے کہ میانہ روی اختیار کرو خواہ یہ ایسے امر کے متعلق کیوں نہ ہو جسے تم نیکی سمجھتے ہو۔ عبادت میں بھی اعتدال ملحوظ رکھنا چاہئے، بعض لوگوں نے اس میں یہاں تک غلو کیا کہ رہبانیت اختیار کی، اسلام دین الفطرت دین الحق ہے، رہبانیت فطرۃً مکروہ ہے، خیرات میں نہ تو بالکل ہاتھ بند کر لو کہ بخل کرنے لگو اور

نہ بالکل ہاتھ کھول رکھو کہ ملامت زدہ ہو کر بیٹھ رہو،

اللہ تعالٰے نے کل کائنات اور اُس کی ہر ایک شے کو اعتدال پر پیدا کیا ہے۔ کوئی شے اپنی ہستی قائم نہیں رکھ سکتی اگر اعتدال سے گر جائے، یہ عالم قائم نہ رہتا اگر اعتدال پر نہ ہوتا، یہی تقدیر قانون الٰہی ہے، چونکہ اللہ تعالٰے نے ہر ایک شے کو موزون پیدا کیا اور بنایا اور اس کے قوانین فطرت کا منشاء یہی ہے کہ ہر ایک شے موزونیت کو قائم رکھے اسلئے ہوائے نفس سے پرہیز کرنا چاہیئے جس کو اصطلاح میں تقویٰ کہتے ہیں۔ ہوائے نفس ہمیں افراط و تفریط کی طرف لے جاتی ہے اور جب توازن قائم نہیں رہتا تو یہ شے گر پڑتی ہے اور اس کمال کو حاصل نہیں کر سکتی جو اس کی زندگی کا فطرۃً منشا ہے۔ اعتدال کا قائم رکھنا مجاہدہ حاقہ اور ریاضت شاقہ ہے۔ انسان خوشی خوشی ہر ایک جسمانی تکلیف برداشت کر سکتا ہے، بلکہ اس میں بعض اوقات حظ نفس بھی پاتا ہے، رہبانیت سے وحشی بن سکتا ہے، لیکن اعتدال کا قائم رکھنا کارے دارد، یہ کمال انسانی ہے۔

<u>نفس انسانی کا فطرۃً تسویہ ہو چکا ہے۔ جب قلب انسانی فطری اعتدال پر ہو تو "روح القدس" کا نزول اس پر ہوتا ہے، اور اسوقت جو کچھ بھی قلبی کیفیت کا اظہار وہ کرتا ہے وہ کلام اللہ ہے</u>۔ وَ مَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ کا یہی مفہوم ہے۔ اسوقت یہ قلب سلیم ہر ایک تمنا سے خالی ہوتا ہے (ملاحظہ ہو لفظ تمنیٰ) اور فطرت کا آئینہ ہوتا ہے۔ قرآن عظیم کا نزول بھی رسول کریمؐ کے قلب مبارک پر اسی حالت میں ہوتا رہا اور ایسے وقت میں ہوتا رہا جس کو "لیلۃ القدر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ "قدر" کے ساتھ "لیلہ" کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے؟ یہ بحث نہایت دلچسپ ہے اور لفظ "اسریٰ" اور "لیل" کے تحت ملاحظہ ہو۔ بہرحال آیات صحیفہ فطرت کا مشاہدہ اسی "قدر" سے وابستہ ہے۔

"قدرت" کا مفہوم اگرچہ عظمت اور طاقت اور قوت صحیح ہے لیکن بالکل صحیح نہیں۔ "قدر" کا مفہوم ہم واضح کر چکے ہیں۔ قدرت کا مفہوم یہی کچھ ہے کہ اللہ تعالٰے ہر ایک شے کو "قدر معلوم" پر پیدا کر سکتا اور کرتا ہے اور اسلئے وہ قادر اور قدیر ہے اور یہ اسماء اسی کی ذات کے لئے خاص ہیں۔ اللہ تعالٰے قوی اور قدیر ہے۔ دونوں لفظوں کے مفہوم میں فرق ہے۔

المختصر کائنات اور اس کی ہر ایک شے "قدر معلوم" کے تحت ظہور میں آتی ہے اور قائم رہتی ہے۔ ہر ایک شے کی منتہی اسی قانون قدرت سے وابستہ ہے۔

مواعظ قرآن

(۱۹)

وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ
فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا
مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ
إِلَّا غُرُورًا أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا (۵)

(اور شیطان نے کہا کہ میں یقیناً تیرے بندوں میں اپنا مقررہ حصہ بھی لگاؤنگا۔ اُن کو بہکاؤنگا اور اُن کو بُتے دونگا اور اُن کو سکھلاؤنگا کہ جانوروں کے کان چیریں اور اُن کو سکھلاؤنگا کہ خدا کی بنائی ہوئی خلقت کو تبدیل کریں اور جو کوئی خدا کے سوا شیطان کو اپنا دوست بنا وے تو وہ بہت گھاٹے میں رہا۔ شیطان اُن سے وعدے کرتا ہے اور اُن کو اُمیدیں دلاتا ہے اور شیطان کا وعدہ تو وہ نرا فریب ہے۔ اور اس کی پیروی کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ ہے جہاں سے اُن کو بھاگ نکلنے کی راہ نہ ملیگی)

تم کو معلوم ہے کہ خدا کی خلقت کو تبدیل کرنے کے سب سے بڑے مجرم کون ہیں۔ ہندوستان کے شہروں میں ہجڑوں کی مکروہ و ملعون ہستی کس مذہب کا نام لیتے ہیں۔ سلطنت عثمانیہ میں محافظا حرمسرا کون لوگ تھے۔ حتیٰ کہ حرم نبوی کے مجاور کون سے مقدس ہستی ہیں۔ جب فرخ آباد کے شہر پر انگریزوں کا سب سے پہلے قبضہ ہوا تو وہاں کی ایک معتدبہ آبادی نوابین بنگش کی طفیل میں اس لعنت میں گرفتار پائی گئی جو بالکل وہی کام کرتے تھے جو عام طور سے عصمت فروشوں کا ہوتا ہے۔ اور اس صوبے کا پہلا قانون جو بنایا گیا وہ ان کے ہی تدارک کے لئے تھا۔ کیا یہ عجیب طرفہ تماشا نہیں کہ قرآن کے سوا کوئی دوسری الہامی کتاب ایسی ذرا ذرا سی بات پر اتنا سخت نوٹس نہیں لیتی۔ اور اس کام کے عامل ہمیشہ زیادہ تعداد میں وہی لوگ پائے گئے جو مسلمان ہوتے ہیں۔ قربانی جس کو تمام وحشی انسانوں نے مذہباً اس خیال سے کیا کہ انکا جانستاں اور خونخوار خدا خون پیکر چپ ہو جائے اور اُن کی جان نہ لے اسپر آج کوئی غیر مسلم قوم عامل نہیں حالانکہ اُن کی کتاب کا یہ ایک بہت بڑا منسک ہے۔ مگر قرآن جو مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ قربانی کا یہ خیال کہ خدا کو جانور کے گوشت و خون کی ضرورت ہے ایک عبث اور بیہودہ خیال ہے وہ ہر سال قربانی کو اسی شدومد کے ساتھ کرتے ہیں جو ایک جاہل ہندو کالی مائی کے سامنے کرتا ہے۔ ایسا

کام میں حوصلہ بڑھانے کے لئے حدیثیں وضع کی جاتی ہیں۔ ہر بکرے کے بال کے عوض ایک نیکی خدا سے ملتی ہے۔ قربانی کی سواری پل صراط میں کام آتی ہے۔ ومثل ھذا المزخرفات۔ حال کے بعض مفسرین نے جو ڈاڑھی کو یہود کی طرح ایک مذہبی فریضہ جانتے ہیں۔ انھوں نے اس آیت سے ڈاڑھی رکھنے کا بھی حکم نکال لیا ہے۔ اگر تبدیل کا ایسا ہی دروازہ کھولنا ہے تو مونچھ ترشوانا یا سر کے بال کٹوانا یا ناخن کٹوانا ختنہ کرنا وغیرہ پر بھی اس کو کیوں نہ بڑھا دیا جائے۔ دراصل قرآن کا یہ وعید ناک کان چھدانے سے لیکر خصی ہونے تک ہر اس چیز پر حاوی ہو سکتا ہے جو مستقل طور سے خلقت کو بدل دے مگر میرے نزدیک یہ ان ہیجڑوں کے لئے خاص کر کے موزون ہے جو آجکل بھی حرم نبوی میں مسلط ہیں۔ اور جہاں کہیں امراء و سلاطین اسلام عورتوں کا اسٹڈ قائم کرنے کے شائق نظر آتے ہیں وہاں اُن کی محافظت کے لئے ایسی جماعت تیار کی جاتی ہے۔ پس اس بات کو سمجھ لو کہ ہیجڑا بننا یا بنانا نہ صرف قانوناً جرم ہے بلکہ مذہباً اس کے لئے وہ وعید ہے کہ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا۔

میں نے ابھی ایک خبر پڑھی ہے کہ لکھنو میں ایک ہیجڑے صاحب کی شادی ایک مسلمان سقے کے ساتھ رچائی گئی ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ کیا مسلمانوں کو اس کا حوصلہ ہی نہیں رہا کہ ان ۔ ۔ ۔ ۔ کو قانونی شکنجے میں کھنچوائیں یا کم سے کم سوسائٹی کی طرف سے اُن پر ایسی سختی کی جائے کہ اُن کو پھر اسلام کا نام بدنام کرنے کا یارا نہ رہے۔ "حق گو"

میرے عہدِ طالب العلمی کے تاثرات

(۱)

(از جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

مجھے اپنی طالب العلمی کے حالات کو منظرِ عام پر لانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ صرف اس خیال سے اُن کو لکھ رہا ہوں کہ میرا یہ زمانہ اسلامی ہند میں ایک عظیم الشان مذہبی تحریک یعنی اہل حدیث کے آخری دور کی یادگار ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ ان دھندلے سے نقوش سے جن کو میں تحریر میں لا رہا ہوں اس تحریک کے تاریخ نگار کو کچھ مدد مل سکے۔

ہندوستان میں ترکِ تقلید کا خیال حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سے پیدا ہوا۔ وہ قرآن کریم پر غائر نظر رکھتے تھے۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ یہ کتاب سرتاسر ذہنی غلامی کے خلاف صدائے احتجاج ہے تو اہلِ علم کو تقلیدِ شخصی سے روکنے اور تحقیق کی طرف مائل کرنے کے لئے علمی کوشش شروع کی۔ کیونکہ اس ماحول میں جبکہ قرآن کے ترجمہ کرنے پر مسلمان تلواریں کھینچکر اُن کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے تقلید کے خلاف کوئی عملی قدم اُٹھانا سخت دشوار تھا۔

رفتہ رفتہ علماء میں سے کچھ لوگ اُن کی باتوں کی طرف توجہ کرنے لگے۔ یہانتک کہ اُن کے پوتے مولانا اسماعیل شہید علیہ الرحمہ کے زمانہ میں خالص کتاب وسنت کی حامل ایک جماعت تیار ہو گئی۔ ان لوگوں کے حوصلے بلند تھے اور اُنھوں نے پوری توجہ اعلاء کلمۃ الحق میں صرف کی۔

اس دور کے بعد جماعت کی بقا کے لئے علماء اہلحدیث نے علمی کوشش شروع کی جن میں شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین عرف "میاں صاحب" خاص طور پر ممتاز ہیں۔ اُنھوں نے دہلی میں حدیث کا درس دینا شروع کیا جو نصف صدی سے زیادہ تک مسلسل جاری رہا۔ اُن کے فیض سے ہندوستان میں ہزاروں علماءِ حدیث پھیل گئے جنھوں نے گوشہ گوشہ میں کتاب وسنت کی اشاعت کی اور تقلید کو مٹایا۔ میاں صاحب کے آخری زمانہ میں نواب صدیق حسن خاں نے بھوپال سے اس تحریک کی مالی اور علمی امداد کی جس سے اس کو عظیم الشان تقویت پہونچی۔

پہلے اس جماعت نے اپنا کوئی خاص نام نہیں رکھا تھا۔ مولانا شہید کے بعد جب مخالفوں نے اُن کو بدنام کرنے کے لئے وہابی کہنا شروع کیا تو یہ اپنے آپ کو "محمدی" کہنے لگے۔ پھر اس کو چھوڑ کر اہلِ حدیث کا لقب اختیار کیا جو آج تک چلا جاتا ہے۔

الغرض ہندوستان میں غیر مقلدی کا آغاز شاہ ولی اللہ سے ہوا۔ پھر مولانا شہیدؒ نے اس کی جماعت تیار کی جس کا امام سید احمد بریلوی کو بنایا۔ اس کے بعد صادقپوری علماء نے تبلیغی اور میاں صاحب نے علمی کوششوں سے اس کو مستحکم کیا اور فروغ دیا۔ اس کا آخری مرکز بھوپال تھا جہاں سے اُسکی اشاعت کا کام سرگرمی کے ساتھ ہوا۔

نواب صدیق حسن خان کی ذات اور نواب شاہجہان بیگم کی علمی قدردانی کی بدولت بھوپال اس زمانہ میں علماء و فضلاء کا مرکز تھا۔ نیز اقطاع ہند میں جو علماء مقلدوں کا مقابلہ اور کتاب وسنت کی اشاعت کرتے تھے ان میں سے اکثر بھوپال سے رابطہ رکھتے تھے اور بعضوں کو امداد بھی ملتی تھی۔ اسوجہ سے ہندوستان کے ہر حصہ سے اس جماعت کے اہل علم کی وہاں آمدورفت تھی۔ بلکہ نواب صاحب کی عربی تصانیف کی شہرت کی وجہ سے عراق۔ شام اور نجد وغیرہ کے علماء بھی کبھی کبھی وہاں آتے رہتے تھے

میرے والد مولانا سلامت اللہ مرحوم علماء بھوپال میں سلیقۂ گفتگو میں خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھے اور عربی نہایت صاف اور بے تکلف بولتے تھے۔ اسوجہ سے ان وفود سے گفتگو کے لئے بیشتر وہی بلائے جاتے تھے۔

نواب صاحب کے انتقال کے بعد سے جو ۱۳۰۷ھ میں ہوا بیرون ہند کے علماء کی آمد کا سلسلہ تو بہت کچھ بند ہو گیا تھا لیکن ہندوستان کے اہل علم شاہجہان بیگم کے عہد ۱۳۱۹ھ تک آتے رہے کیونکہ امداد کا سلسلہ اُن کی زندگی بھر جاری تھا۔

نواب صاحب کے بیٹوں کی زندگی امیرانہ تھی اور اُن کے دروازوں پر پہرے تھے جہاں علماء کا گزر مشکل تھا اسلئے وہ لوگ اکثر والد ہی کے پاس ٹھہرتے تھے۔ والد اس زمانہ میں ریاست کے محکمۂ تعلیمات کے مہتمم تھے اور واعظ شہر۔ سرکار کی طرف سے اُن کو رہنے کے لئے قدسیہ بیگم کا محل ملا ہوا تھا جو شہر کے معزز ترین حصہ میں صدر منزل، شیش محل اور موتی محل کے سامنے واقع ہے اور جس میں سینکڑوں آدمیوں کے رہنے کی گنجائش ہے۔ اسوجہ سے ہمارا گھر مقامی اور بیرونی علماء اہل حدیث کا مرجع تھا۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ان بزرگوں کی خدمت میں رہا اسوجہ سے مجھے اُن کے حالات دیکھنے اور اُن کے فیوض و برکات سے متمتع ہونے کے مواقع زیادہ نصیب ہوئے۔

بھوپال میں میری طالب العلمی کا زمانہ ۱۳۰۵ھ سے شروع ہو کر ۱۳۱۹ھ میں ختم ہو جاتا ہے یہ شاہجہان بیگم کی حکومت کا زریں عہد تھا جنکی دینداری، علمی قدردانی اور بے نظیر فیاضی کی بدولت شہر میں اسلامی شان اور خوشحالی نمایاں تھی اور علم و دین کا چرچا عام تھا۔ اس دراز مدت

میں بہت سے علماء و فضلاء کو دیکھنے اور اُن کی باتیں سننے کا اتفاق ہوا۔ میں نے اُن کو تحریر میں محفوظ نہیں رکھا۔ اب کہ ایک زمانہ گزر گیا ہے بہت تھوڑی باتیں میرے حافظہ میں باقی رہگئی ہیں۔ ان میں سے بھی صرف انھیں کو لکھونگا جنکا تعلق میرے تاثرات سے ہے۔ لیکن اس سے پہلے اپنی طالب العلمی کا حال نہایت اختصار کے ساتھ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

آغاز میری ولادت میرے وطن موضع جیراجپور ضلع اعظمگڈھ میں ۱۲۹۹ھ میں، ربیع الاول یوم جمعہ کو ہوئی۔ اسوقت میرے والد حج کو گئے ہوئے تھے۔ حجاج کا یہ قافلہ ہمارے دیار میں ابتک مشہور ہے۔ اس میں علاوہ دیگر نامور بزرگوں کے آٹھ مشہور علماء اہل حدیث تھے جن میں مولانا حکیم عبداللہ صاحب جیراجپوری۔ مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری بھی تھے۔ ان لوگوں نے علمائے حرمین شریفین سے حدیث کی سندیں حاصل کیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ واپسی میں دیر لگی۔

وطن واپس آنے کے بعد والد کو نواب صدیق حسن خاں نے بھوپال میں بلاکر مدرسہ وقفیہ کا صدر مدرس کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ مدرسہ سلیمانیہ کے نائب مہتمم ہوگئے۔ پھر جب مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی مہتمم مدرسہ مذکورہ کی تنخواہ مناصب میں منتقل ہوئی تو اُن کی جگہ والد مدرسہ سلیمانیہ اور ریاست کے صیغۂ تعلیمات کے مہتمم ہوگئے۔ وہ ہر سال کنوار کی تعطیل میں ایک ماہ کے لئے وطن آیا کرتے تھے۔ جب میری عمر پانچ سال کی ہوئی تو مجھ کو مکتب میں بٹھا دیا۔

یہ مکتب خاص ہمارے دروازہ پر تھا۔ اس میں ایک میاں جی مولوی شکر اللہ نامی ہمارے خاندان کے بچوں کو پڑھاتے تھے۔ ایسے جلاد کہ اپنی نشست کے سامنے ہمیشہ ایک رسّی لٹکائے رکھتے جس میں قصوروار لڑکوں کے ہاتھوں کو باندھ کر ان کی پیٹھوں پر چھڑیاں توڑا کرتے۔ لڑکے جسقدر اُن سے ڈرتے تھے دنیا کی کسی اور چیز سے نہیں ڈرتے تھے۔ لیکن والد نے اُن کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ میں اپنے بیٹے کو صرف مکتب میں بیٹھنے کی عادت ڈالنے کے لئے آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ سختی نہ کیجئے گا۔ چنانچہ اُنھوں نے مجھپر کبھی سختی نہیں کی اور وہی برتاؤ رکھا جس کی والد نے اُن کو ہدایت کی تھی۔ صبح کو جب میں مکتب میں جاتا تو مجھے سبق دیدیتے اور کہدیتے کہ جسوقت یاد کر کے سنا دوگے اسوقت چھٹی مل جائیگی۔ اس میں مجھے بڑی آسانی ہوئی۔ محنت کر کے تھوڑی دیر میں یاد کر لیتا اور سنا کر گھر چلا آتا۔ وہ اسقدر مہربان تھے کہ اگر کسی دن میرا جی پڑھنے کو نہ چاہتا تو چھٹی دیدیتے تھے۔

سال بھر میں قاعدہ اور تین پارے میں نے ختم کئے۔ دوسرے سال جب والد تعطیل میں مکان پر آئے تو مجھ کو معہ میری والدہ کے بھوپال لائے۔ اس زمانہ میں وہ محکمۂ تعلیمات کے مہتمم تھے۔

یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ میرے ایک حقیقی پھوپھی زاد بھائی عبدالاعلیٰ تھے جن کے والدین انتقال کر گئے تھے۔ اگرچہ ان کے دادا اور چچا موجود تھے مگر والد نے ان کی کفالت اپنے ذمہ لے لی تھی اور اُن کو اپنے ساتھ ہی رکھتے تھے۔ وہ سن میں مجھ سے دو سال بڑے تھے۔ جب میں بھوپال میں آیا ہوں وہ ڈھائی پارے حفظ کر چکے تھے۔ والد نے مجھے بھی حفظ قرآن میں لگایا۔

حفظِ قرآن

والد کے پیشکار سید مظہر حسین مرحوم بڑے متقی، باوضع اور جید حافظ تھے۔ ہم دونوں بھائی مدرسہ میں جا کر اُن سے سبق لیتے تھے۔ مکان پر ایک دوسرے حافظ جو پنجاب کے رہنے والے تھے صبح اور شام کو سبق یاد کرانے اور آموختہ سننے کے لئے ملازم تھے۔ ان کا نام عبدالکریم تھا لیکن حافظ "مینو" کہے جاتے تھے۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک دن تنہا بیٹھے ہوئے آنکھیں بند کر کے پنجابی میں ایک شعر گا رہے تھے جس کا پہلا مصرعہ یہ تھا

مینو تینو کہن وہابی اسوچ کی بُریائی

اسی دن سے ان کا لقب مینو پڑ گیا اور سب اسی نام سے ان کو پکارنے لگے یہاں تک کہ شہر کے لوگ بھی۔ وہ قرآن صحیح پڑھتے تھے اور قواعد قرأت سے واقفیت رکھتے تھے۔

والد نے ہمارے لئے مطبع نظامی کا چھپا ہوا کلام مجید منتخب کیا جس میں علاوہ اس کے کہ سوائے ایک نقطہ کے اور کوئی غلطی نہیں ہے یہ خوبی ہے کہ ایک پارہ کم وبیش چار ورق اور ایک رکوع نصف صفحہ میں تمام ہوتا ہے جس کا یاد کر لینا طبیعت پر بار نہیں گزرتا۔ ہم ہر مہینہ میں آسانی سے ڈیڑھ بلکہ دو پارے تک حفظ کر لیتے تھے۔ روزانہ پڑھائی کے صرف تین گھنٹے تھے باقی دن بھر آزادی۔

عبدالاعلیٰ کو والد نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور مجھ کو والدہ نے۔ ہم دونوں میں مقابلہ رہتا تھا۔ سبق ہمارے مختلف منزلوں سے ہوتے تھے۔ باوجودیکہ وہ ڈھائی پارے مجھ سے پہلے حفظ کر چکے تھے میرے ختم قرآن کے دن اُن کے چار پارے باقی تھے۔

مجھے ۲۴ مہینے یعنی دو سال پورا قرآن حفظ کرنے میں لگے جن میں سے تقریباً تین مہینے بیماری میں گزرے۔

یہ بیماری تپ محرقہ کی تھی۔ حکیم بھی تھے اور ڈاکٹر بھی مگر کسی کی دوا سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سر کے بال جھڑ گئے۔ اور کبھی کبھی غفلت کا غلبہ ہونے لگا۔ ایکدن سر شام ہی سے بالکل ہوش جاتا رہا اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ رات بھر والدہ میرے سرہانے بیٹھی رہیں اور والد اضطراب میں چارپائی کے سامنے صحن میں ٹہلتے رہے۔ پریشانی کی وجہ سے گھر میں کھانا بھی نہیں

پکا۔ فجر کے وقت جبکہ والد مسجد میں جماعت پڑھانے گئے تھے میں ایکدم اُٹھ بیٹھا اور لوٹے میں پانی مانگا والدہ نل میں سے لوٹا بھر رہی تھیں کہ سیڑھیوں پر والد کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ لپک کر گئیں اور کہا کہ لڑکا اُٹھ بیٹھا۔ والد اُلٹے پاؤں مسجد کو لوٹ گئے اور مقتدیوں کو جن کے ساتھ ملکر میری صحت کی دعا مانگی تھی یہ خبر سنائی۔ پھر گھر میں آئے۔ میں بشاش تھا اور مرض سے نجات پا چکا تھا۔

میرا ننھیال خاندان ہی میں ہے۔ بچپن سے مجھ کو میری نانی اور نانا نے پرورش کیا تھا۔ اسوجہ سے میں والدین سے زیادہ مانوس نہ تھا اور بھوپال آنے پر اُن کو کبھی کبھی تنگ کیا کرتا تھا۔ والدہ نے مجھسے ایک بار کہا تھا کہ دیکھو ایسی کوئی بات نہ کرنا جس سے تمہارے حق میں تمہارے ابا کی زبان سے کوئی بُرا کلمہ نکل جائے کیونکہ اللہ اُن کی بات سنتا ہے۔ میں نے کہا کہ کیا ہماری بات نہیں سنتا کہنے لگیں کہ سنتا تو سب کی ہے مگر اُن کی جلد مان لیتا ہے جو اُس کے ولی ہوتے ہیں۔ غالباً ٹھیک وہی وقت تھا جبکہ والد اُدھر نماز کے بعد دعا مانگ رہے تھے کہ اِدھر اللہ نے مجھکو دوبارہ زندہ کر دیا اسلئے مجھکو والدہ کی بات کا یقین آگیا۔

والدہ نے میرے صحت یاب ہونے پر اپنے زیوروں کو خیرات کر دینے کی منت مانی تھی۔ صبح کو ان سب کی ایک پوٹلی باندھ کر والد کے حوالہ کر دی۔ اُنھوں نے اُس کو طلبا کے مصرف کے لئے ابراہیم پورہ[۵] کی مسجد میں بھیجدیا۔ والدہ نے اس کے بعد سے پھر کبھی چاندی کا ایک چھلا بھی نہیں پہنا۔

یہاں بطور تحدیث نعمت الٰہی کے یہ بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ اس بیماری کے بعد سے آج تک کہ تقریباً پچاس سال ہوگئے اور مجھے ہمیشہ وطن سے باہر غربت ہی میں رہنا پڑا کبھی کسی

[۵] یہ مسجد وسط شہر میں واقع ہے جس میں اس زمانہ میں چالیس پچاس طالب علم رہتے تھے۔ ان میں سے اکثروں کو ۲۵ سیر گیہوں ماہانہ سرکار سے ملتے تھے باقیوں کے لئے دیگر وظائف کا بندوبست ہو جاتا تھا۔ وہ زمانہ چونکہ بھوپال میں عام خوشحالی کا تھا اسوجہ سے اکثر بلکہ روزانہ شادی۔ غمی۔ تیجا۔ چہلم وغیرہ کی دعوتیں ان طلبا کو نصیب ہوتی تھیں اور اُن کی پانچوں انگلیاں ہمیشہ گھی میں تر رہتی تھیں۔ یہ مشہور تھا کہ ابراہیم پورہ کی مسجد میں ایک چٹائی کی جگہ ایک اقلیم کے تخت کے برابر ہے۔ میں نے ایسی مثالیں بھی دیکھیں کہ لوگ یہاں سے پڑھکر اپنے وطن واپس گئے ایک مدت کے بعد پھر جب بھوپال کا پلاؤ زردہ یاد آیا دوبارہ آکر داخل ہو گئے۔ اس میں ایسے طلبا بھی تھے جن کو اپنے داخلہ کی تاریخ بھی یاد نہ تھی اور جن کی عمریں چالیس سال سے بھی زیادہ تھیں۔ یہ صرف بھوپال ہی کا حال نہیں بلکہ تمام اقطاع ہند میں عربی خواں طلبہ کے گزارہ کی شکل بیشتر اسی قسم کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم و فضل حاصل کر لینے کے بعد بھی بالعموم دناءت طبع اور پست خیالی ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔

سخت بیماری میں اللہ نے مبتلا نہیں کیا۔ اتفاقیہ طور پر اگر کبھی کوئی معمولی شکایت ہوجاتی ہے تو دوا کرتا ہوں مگر فوراً اطلاعی خط والدہ کو لکھ دیتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ کس دن ڈاکیہ میرے گاؤں میں جاتا ہے اُسی دن شفا کی اُمید رکھتا ہوں۔ کیونکہ جہاں خط پہنچا والدہ دونوں ہاتھ اُٹھا کر اللہ کے سامنے کھڑی ہوگئیں اور ادھر میں اچھا ہوا۔

حفظ قرآن کے بعد رمضان شریف میں صرف چند مہینے رہ گئے تھے۔ اور مجھے اس سال قرآن سنانا تھا اسوجہ سے روزانہ دس دس پارے حافظ جی کو سنانے شروع کردئے اور خوب رواں کر لیا۔ بالآخر ۱۳۰۰ھ میں جبکہ میری عمر کا نواں سال تھا میں نے پہلی محراب سنائی۔ روزانہ ایک پارہ آٹھ رکعتوں میں پڑھتا تھا لیکن دن بھر اُس کو رٹتا تھا اور شام کو حافظ جی کو سنالیتا تھا۔ میری قرأت قواعد کے مطابق اور صاف تھی۔ کہیں بھولتا نہ تھا۔ آواز بھی اسوقت اچھی تھی اسوجہ سے لوگ پسند کرتے تھے اور اہل حدیث دور دراز محلوں سے سننے کے لئے آتے تھے۔ شب قدر کے خیال سے ستائیسویں رات ختم کے لئے متعین ہوئی۔ اس دن مسجد آراستہ کی گئی۔ والد نے دن بھر مٹھائی تیار کرائی اور سرکار کی طرف سے چھ بورے بتاشے آئے اور کچھ روپے بھی جو اُن حافظ صاحب کو دئے گئے جنہوں نے میرے پیچھے کھڑے ہوکر قرآن سنا تھا۔

اسدن والدین کی خوشی دیکھکر مجھے اپنا گھر خوشی سے معمور نظر آتا تھا اور اس خیال سے اس میں اور بھی زیادتی ہوتی تھی کہ یہ میری بدولت حاصل ہوئی ہے۔

شام کے وقت والدہ نے مجھے وہ کرتہ اور پاجامہ پہنایا جس کو خود اپنے ہاتھ سے سی کر تیار کیا تھا ابتک مجھکو اس کرتے کا رنگ اور بوٹے یاد ہیں۔ اسوقت مجھ میں عقل نہیں تھی ورنہ اُس کو پیراہن یوسف کی طرح زندگی بھر کے لئے محفوظ رکھ لیتا۔

دوسرے دن صبح کو والد نے ایک نہایت قیمتی زرّیں دوشالہ جو ان کو اسی سال سرکار سے خلعت میں ملا تھا نکالا اور اسپر سو روپے رکھکر مجھے حکم دیا کہ اپنے اُستاد حافظ سید مظہر حسین کے سامنے لیجا کر پیش کرو۔ ایک آدمی کے سر پر مٹھائی کا ٹوکرا رکھکر ساتھ کردیا۔ حافظ صاحب موصوف نے خوش ہوکر اپنا متبرک ہاتھ میرے سر پر پھیرا اور مجھے دعائیں دیں جنکا اثر بحمداللہ آج تک میں دیکھ رہا ہوں۔

فارسی

حفظ قرآن کے بعد روزانہ صبح کو ایک منزل سنانے کا سلسلہ سالہا سال تک جاری رہا اسی کے ساتھ فارسی کے چھوٹے چھوٹے رسائل جو اس زمانہ میں عام طور پر پڑھائے جاتے تھے ہم نے گھر ہی میں پڑھے۔ حفظ قرآن کی بدولت محنت کی عادت پڑگئی تھی اور حافظہ قو

ہو گیا تھا۔ جو کچھ پڑھتے تھے چند بار دہرانے سے از بر ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ گلستاں اور بوستاں دونوں کتابیں پوری پوری یاد کر ڈالیں۔ ہر جمعرات کو اُن کے ایک ایک باب کا آموختہ کھڑے ہو کر زبانی سنا یا کرتے تھے۔ قواعد کی مشق لکھا کر کرائی گئی۔ چنانچہ اس نوشتہ کو "قواعد" اسلمیہ" کے نام سے میں نے اسی زمانہ میں سرکاری مطبع میں طبع کرا دیا تھا۔ ایک جز کا مختصر رسالہ سلیس فارسی زبان میں ہے۔

اس کے بعد مولانا احسن صاحب شاعرگر[۵] کے دو رسالے پنج سبق اور دہ سبق معہ تحریری مشق کے پڑھے جن سے صحیح فارسی لکھنے کا ڈھنگ آگیا۔ فارسی کی دیگر درسی کتب کی تعلیم والد نے مولوی فتح اللہ صاحب کے سپرد کر دی۔

مولوی صاحب موصوف نے ایکدن ظلمات اور آبحیات کے قصہ میں فرمایا کہ اس کی حقیقت بھی کچھ سمجھے؟ ظلمات سے مراد سیاہ حروف ہیں اور آبِ حیات سے معانی۔ جو شخص عبارت سے مطلب نکال لیتا ہے وہ گویا خضر ہے کہ ظلمات میں سے آبِ حیات لاتا ہے۔ اور یہ قدرت صرف مطالعہ کی قوت بڑھانے سے حاصل ہوتی ہے اور جو شخص ہر قدم پر اُستاد کا محتاج ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے جیسے سکندر کہ خضر کی رہنمائی سے بھی آبِ حیوان اس کو نصیب نہ ہو سکا۔ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ اسی دن سے میں نے آئندہ سبق کا مطالعہ لازم سمجھ لیا جس کی بدولت ہر کتاب آسان ہو گئی۔ اور فارسی کا درسی نصاب جلد ختم کر لیا۔ اس کے ساتھ بہت سی بالائی کتابیں مثلاً شاہنامہ فردوسی و دواوین اساتذہ و مثنویاں وغیرہ خود اپنے شوق سے دیکھ ڈالیں۔

اس زمانہ میں بھوپال میں فارسی کا چرچا عام تھا۔ میں اس میں شعر بھی کہنے لگا تھا مگر والد کو جب علم ہوا تو اُنھوں نے تضیعِ اوقات کے خیال سے منع کر دیا۔ فارسی کا کل مرحلہ چار سال کے اندر ہی ختم ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ریاضی بھی۔

ریاضی حساب۔ اقلیدس۔ مساحت اور جبر و مقابلہ پڑھانے کے لئے مولوی شاہ محمد صاحب جو بھوپال کے مشہور ریاضی دان تھے مقرر ہوئے۔ روزانہ ہمارے گھر آکر تعلیم دیتے تھے

[۵] مولانا احسن صاحب بلگرامی اپنے فن کے ایک ہی شخص تھے۔ اُنھوں نے ایک نقشۂ الف ترتیب دیا ہے جس سے ہر شخص بلا غور و فکر کی زحمت کے فارسی، اور اُردو شعر کہہ سکتا ہے[۵]۔ بھوپال میں یہ مشہور تھا کہ مولوی احسن کا سایہ بھی کسی پر پڑ جائے تو وہ شاعر ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کا لقب شاعر گر تھا۔ اُن کا یہ نقشہ اب بھی میرے پاس ہے لیکن مرموز ہے جس کو حل کرنے والا ابھی تک کوئی نہیں ملا۔ ۱۹۱۷ء میں بھوپال کا سفر اسی لئے میں نے کیا تھا۔ مگر اسوقت وہاں ان کا کوئی شاگرد جس نے ان سے یہ نقشہ پڑھا ہو نہیں مل سکا۔

دیکرین اُنھوں نے امتحان لیا۔ کسر ملتف کا سوال تھا۔ سب سے پہلے اس کا جواب میں نے دیا۔ اُنھوں نے سلیٹ کو دیکھا اور اُلٹ کر رکھدیا۔ اس کے بعد میرے اور ساتھیوں نے اپنی اپنی سلیٹیں دیں۔ وہ ان کو اسی ترتیب سے ایک دوسرے پر رکھتے گئے۔ جب سب کے جوابات آ گئے تو نہیں معلوم کیوں طیش میں آ کر بے ساختہ ایک تماچہ مجھ کو مار دیا۔ میری زندگی میں یہ بالکل نیا اور غیر متوقع واقعہ تھا اس لئے میں مضطرب ہوگیا اور میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے مگر خاموش بیٹھا رہا۔ جب اُنھوں نے اطمینان سے جوابات دیکھے تو کسی کا عمل غلط تھا اور کسی کا جواب۔ لیکن میرا جواب اور عمل دونوں ٹھیک نکلا۔ میں نے پوچھا کہ کیا غلطی ہوئی؟ کچھ نہیں بولے۔ میں اُٹھکر سیدھا اپنے کمرہ میں چلا آیا اور پلنگ پر لیٹ گیا۔ مجھے سخت رنج تھا کیونکہ میں ہر اُستاد کی عظمت کا لحاظ رکھتا تھا اور اُس کے ہر حکم پر اُس کی منشا کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ کبھی کسی اُستاد کو ناراض ہونے کا موقعہ نہیں دیا اور اُن کی طرف سے بھی سوائے شفقت اور محبت کے کوئی دوسری بات نہیں دیکھی۔ اس لئے اس واقعہ سے نہ صرف میری عزت نفس بلکہ اس اعتماد کو بھی صدمہ پہنچا جو میں اُستادوں پر رکھتا تھا۔ اگرچہ تسلّی کے لئے یہ بات کافی تھی کہ استاد اور ساتھیوں دونوں پر ظاہر ہوگیا تھا کہ میں بے قصور ہوں مگر پھر بھی قلق تھا کہ یہ بات ہی کیوں پیش آئی۔

مجھے معلوم نہیں کہ اس کے بعد واقعہ کی رفتار کیا ہوئی مگر پھر مولوی صاحب موصوف ہم کو پڑھانے کے لئے نہیں آئے بلکہ اُن کی جگہ مولوی محمد اکبر خاں صاحب جو مدرسہ جہانگیری میں ریاضی کے مدرس تھے آنے لگے۔

میرے نزدیک اُستاد اور شاگرد کا تعلق دماغی ہے۔ یہ نہ بیٹے اور باپ کا سا رشتہ ہے نہ بھائی اور بھائی کا سا۔ بلکہ افادہ اور استفادہ اور خوردی اور بزرگی کا ایک مصاحبانہ مگر مقدس تعلق ہے جس کا احترام شاگرد سے زیادہ خود استاد پر لازم ہے۔ کیونکہ اُستاد کی ذراسی بھی غلطی سے شاگرد کو بہت نقصان پہنچ جاتا ہے۔ بخلاف اس کے شاگرد کی غلطی اُستاد کے لئے زیادہ خطرناک نہیں ہے۔

ریاضی ختم کرنے کے بعد ایک ماسٹر صاحب مجھے انگریزی پڑھانے کے لئے اسی وقت میں آنے لگے۔

صرف و نحو ان کی تعلیم میں کتابوں کے بجائے اصل فن کے سکھانے پر نظر رکھی گئی۔ طریقہ یہ تھا کہ مولوی فتح اللہ صاحب دن کو سبق پڑھاتے اور شام کو بعد مغرب ہمارے یہاں آجاتے۔ ان کے مواجہہ میں والد مجھے حکم دیتے کہ جو کچھ تم نے پڑھا ہے اس کو بیان کرو۔ میں

روزانہ اپنے ہر ایک سبق کی صاف اور سلجھی ہوئی تقریر تیار کر رکھتا تھا۔ کھڑے ہو کر سنا دیتا۔ اگر کوئی اعتراض ہوتا تو اس کا بھی جواب دیتا۔ ہر مہینہ کے آخر میں اس مہینہ کی پوری پڑھائی اپنی عبارت میں لکھکر پیش کرنی پڑتی تھی۔ یہ سلسلہ فصول اکبری اور کافیہ تک رہا جو برزبان یاد کرائی گئی تھیں۔

بھوپال میں اسوقت صرف ونحو کے اچھے اچھے اُستاد تھے۔ جب اُن میں سے کوئی ہمارے یہاں آتا تو امتحان لیتا۔ میرے ساتھی اس کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن مجھے خوشی ہوتی تھی کیونکہ میں ہر سوال کا جواب دینے کو تیار تھا۔

جب شرح جامی شروع ہوئی تو میرے ساتھیوں کی تعداد ۱۲ تک پہونچ گئی۔ میں اپنا سبق مطالعہ کرکے ایسا تیار کر لیتا تھا کہ اُستاد سے کسی بات کے سمجھنے یا پوچھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔ اُن کو یہ بات معلوم تھی اسوجہ سے سبق کے وقت تقریر مجھ سے ہی کراتے تھے۔ تکرار[۱] میں میں اطمینان کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو سمجھاتا تھا۔ ان میں ایک شخص مولوی عبدالصمد صاحب سرحد کے رہنے والے تھے جن کی عمر تیس سال سے کم نہ تھی۔ وہ بارہا شرح جامی مختلف مدرسوں میں پڑھ چکے تھے بلکہ اُنھوں نے خود کافیہ کی ایک شرح فارسی میں لکھی تھی۔ تحریر سنبٹ اُن کو مستحضر تھی اس کے اعتراضات کرتے تھے۔ مگر وہ کتاب میرے پاس بھی تھی اس لئے میں جوابوں کے واسطے تیار ہو کر آتا تھا۔

فقہ و اصول مولوی فتح اللہ صاحب جسطرح صرف ونحو میں اچھے اُستاد سمجھے جاتے تھے اسی طرح فقہ اور اصول میں بھی اُن کی شہرت تھی۔ والد نے ان علوم کی تعلیم بھی انھیں کے سپرد کی۔ اہل حدیث کے نزدیک فقہ کی دینی اہمیت نہیں ہے اس کی تعلیم محض اتمام نصاب کے لئے دیجاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے اکثر مسائل سے ہماری روح بغاوت کرتی تھی۔

ایک بار قاضی شیخ محمد صاحب جعفری نے مجھ سے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ شرح وقایہ۔ پھر پوچھا کہ حدیث کی بھی کوئی کتاب پڑھی ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ کہنے لگے کہ تمہارے والد بہت دانشمند ہیں۔ وہ پہلے تاریکی کی سیر کراتے ہیں تاکہ روشنی کی قدر معلوم ہوسکے۔

اصول فقہ قیاسی علم ہے جس سے مجھ کو دلچسپی ہوسکتی تھی مگر نصاب میں جو کتابیں ہیں ان کا

---

[۱] یہ طلباء کا اصطلاحی لفظ ہے۔ اُستاد سے سبق پڑھ لینے کے بعد جماعت الگ بیٹھکر اسی سبق کو آپس میں مل کر دہراتی تھی اسی کا نام تکرار تھا۔ یہ اس زمانہ میں عام تھا اور بالخصوص ہماری تعلیم میں لازمی قرار دیا گیا تھا۔

علمی پہلو نہایت حقیر ہے۔ والد نے جب یہ شکایت سنی تو غزالی کی "المستصفیٰ" کے مطالعہ کا مشورہ دیا۔

سراجی میں جب حجب کا مسئلہ آیا اور معلوم ہوا کہ حافظ عبدالاعلیٰ محجوب الارث ہیں آن سے زیادہ مجھکو قلق ہوا میرا دل مطلقاً قبول نہیں کر سکا کہ یہ اسلام کی تعلیم ہو سکتی ہے کہ یتیم پوتا جملہ خاندانی ملکیت سے محروم کر کے گھر سے خارج کر دیا جائے۔ لیکن جسقدر اس کی تحقیق کی اسی قدر اس پر نہ صرف مذاہب اربعہ بلکہ جملہ ائمہ حدیث و علماء سلف کو متفق پایا۔ اور ساری اسلامی تاریخ میں ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جس نے اس کی مخالفت کی ہو۔ مگر دل میں یہ خلش برابر رہی۔ الحمدللہ کہ قرآن کریم نے رہنمائی کی اور سورج کی طرح واضح کر دیا کہ یہ مسئلہ صحیح نہیں ہے۔ آخر میں خواجہ احمدالدین صاحب امرتسری کے رسائل سے جو انھوں نے اس مسئلہ پر لکھے تھے مجھے مزید دلائل مل گئے۔ میں نے سالہاسال تک بہت سے اہل علم سے زبانی گفتگو کی اور جو اہل فتوے ہیں ان سے تحریری مناظرے کئے۔ مگر کسی کے پاس میری دلیلوں کے جواب نہ نکلے۔ اسوقت میں نے رسالہ محجوب الارث لکھکر شائع کیا جس میں ثابت کیا کہ قرآن اور حدیث تو خیر خود فقہ کی رو سے بھی یتیم اولاد محجوب نہیں ہو سکتی۔

اس مسئلہ کے علاوہ میراث کی تدوین میں متعدد بنیادی غلطیاں ہو گئی ہیں جن کو خواجہ احمدالدین صاحبؒ نے اپنے رسالہ معجزۂ قرآن میں تفصیل کے ساتھ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اُن کو علمی شکل میں ترتیب دیکر عربی زبان میں "الوراثۃ فی الاسلام" کے نام سے شائع کیا۔

منطق و فلسفہ والد نے خود صغرےٰ و کبرےٰ وغیرہ پڑھا کر منطق کے اصول ذہن نشین کرائے پھر تہذیب زبانی یاد کرائی۔ اس کے بعد شرح تہذیب اور ہدایت الحکمۃ ساتھ ساتھ پڑھائی۔ روزانہ دو سبق فقہ اور اصول کے مولوی فتح اللہ صاحب کے یہاں ہوتے تھے اور دو سبق منطق و فلسفہ کے والد کے یہاں۔ مطولات میں پہنچکر صرف تین سبق روزانہ رہ گئے۔ جن کو والد خود ہی پڑھاتے تھے۔ صدرا اور شمس بازغہ تک یہی سلسلہ رہا۔ حیاۃ میں تصریح اور شرح چغمنی بھی والد ہی نے پڑھائی۔

ادب والد نے پہلے زمخشری کی اطواق الذھب حفظ کرائی۔ پھر نفحۃ الیمن پڑھائی۔ ہمارے مکان سے ملا ہوا مکان مولانا عباس کا تھا جو صاحب نفحۃ الیمن احمد شروانی یمنی کے بیٹے تھے۔ میرا خیال تھا کہ باپ کی تصنیف بیٹے سے پڑھیں۔ لیکن والد کو اُن کی عربیت پر اعتماد نہ تھا صحابہ کرام کے رجزیہ و بعض دیگر اشعار کا ایک مختصر مجموعہ والد نے تیار کیا تھا۔ اس کو ہم سب نے نقل کر لیا اور سبقاً سبقاً پڑھکر یاد کیا۔ پھر مقامات زمخشری پڑھی اور سبعہ معلقہ ازبر کیا۔ حریری اور

ہمدانی کے مقامات اور دیوان متنبی و حماسہ کے انتخابات تقریباً نصف نصف جو خود والد نے کردیے تھے پڑھے حکیم معز الدین خان صاحب سابق افسر الاطباء بھوپال نے مطول کو محشّٰی کرکے نہایت خوبی کے ساتھ چھپوایا تھا۔ جس زمانہ میں میں اس کتاب کو شروع کرنے والا تھا اُنھوں نے ایک نسخہ والد کے لئے اور ایک نسخہ خاص میرے لئے بھیجدیا۔ اسوقت خوشی اور ممنونیت کا جو جذبہ میرے دل میں پیدا ہوا تھا آجتک یاد ہے۔

ادب کی تعلیم عربی ہی زبان میں دی جاتی تھی۔ اور ہر ہفتہ میں ایک قصہ عربی میں ترجمہ کرایا جاتا تھا۔ مطالعہ کے لئے واقدی کی فتوح الشام اور الف لیلہ کی جلدیں ملیں جن کو میں نے چند ہفتوں میں ختم کر ڈالا۔ پھر محاضرات اور تراجم ادبا کی کتابیں دیکھنی شروع کیں۔

حدیث سب سے پہلے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے رسائل کا مجموعہ جو دہلی سے شائع ہوا تھا اور جس میں کتاب التوحید اور کتاب الایمان وغیرہ ہیں سبقاً سبقاً پڑھایا گیا۔ اس کے بعد بلوغ المرام اور موطا امام مالک۔ اصول حدیث میں نخبہ و دیگر رسائل سے جملہ اقسام حدیث اور اس کے علل کے شجرے لکھا کر یاد کرائے گئے۔ آخر میں صحیح بخاری پڑھائی گئی پھر صحیح مسلم

میرا خیال تھا کہ کوئی ایک کتاب شیخ حسین عرب سے بھی پڑھ لیتے جو اسوقت حدیث کے جگت اُستاد تھے۔ مگر والد سند کے زیادہ قائل نہیں تھے وہ لیاقت پیدا کرانی چاہتے تھے۔

قرآن کریم والد نے کہا کہ میں قرآن پڑھاؤنگا۔ تم میں سے ہر ایک اپنے لئے ایک ایک الگ تفسیر منتخب کرے اور سبق اسی سے تیار کرکے لائے۔ میں تفسیر کبیر چاہتا تھا مگر اُس کو میرے عزیز ترین ہم سبق توقیر الحسن نے چُن لیا۔ کشاف کو عبدالغفور نے لیا۔ میں نے اپنے واسطے شیخ علی مہائمی کی تبصیر الرحمٰن رکھی جس میں آیات کا ربط دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اوروں میں سے کسی نے ابن کثیر کو لیا کسی نے جامع البیان کو کسی نے جلالین کو۔ والد کے سامنے معالم التنزیل رہتی تھی۔ میں اس کا بھی ایک نسخہ اپنے مطالعہ میں رکھتا تھا۔

یہ سبق روزانہ ظہر کے بعد کم و بیش دو گھنٹہ میں ہوتا تھا۔ ہر آیت بلکہ ہر لفظ کے متعلق تفسیری مباحث مختلف پہلوؤں سے درمیان میں آتے تھے۔

درسی نصاب جو علوم ہم کو پڑھائے جاتے تھے اُن کی غرض و غایت فنی حیثیت سے اگرچہ بیان کردی جاتی تھی مگر ہماری نگاہ میں صرف یہ بات تھی کہ ان کے جاننے والے معزز اور مولانا سمجھے جاتے ہیں اس لئے اُن کا جاننا ہی بجائے خود انسان کے لئے شرف ہے۔ اسوقت کسی

درسی علم کے ضروری یا غیر ضروری یا مفید یا غیر مفید ہونے کا کوئی خیال ہمارے ذہنوں میں نہ تھا۔ لیکن دو باتیں بالخصوص میری نگاہ میں اسوقت بھی کھٹکتی تھیں۔

ایک تو یہ کہ حدیث کے سوا باقی علوم میں خواہ وہ عقلی ہوں یا نقلی جو کتابیں داخل درس میں رکھی گئی ہیں وہ تقریباً تمام کی تمام شرحیں ہیں جن میں نہ صرف غیر ضروری بلکہ غیر متعلق اور لاطائل بحثیں بھری ہوئی ہیں میں سوچتا تھا کہ خود متون مثلاً شمسیہ۔ سلم العلوم، مسلم الثبوت اور وقایہ وغیرہ کیوں نہیں پڑھائے جاتے اور ان شروح کی تعلیم میں کیوں فضول وقت ضائع کیا جاتا ہے۔ مگر جب ان متون پر غور کیا تو اسقدر مغلق نظر آئے کہ پڑھانے کے قابل نہیں معلوم ہوئے کیونکہ ان کے مصنفوں کے نزدیک بڑا کمال یہ تھا کہ کم سے کم الفاظ میں مسائل کی طرف اجمالی اشارات کر دئے جائیں خواہ وہ معما ہی کیوں نہ بن جائیں۔

شروح اور متون کی ان خرابیوں کے متعلق اسی زمانہ میں میں نے ایک طالب العلمانہ غزل بھی لکھی تھی جس کے چند شعر یہ ہیں :-

چیستاں سُلّم، مُسلّم سر بسر ابہام ہے ۔ کچھ عبارت سے نہ حلِ عقدۂ باطن ہوا
ہو سکے شرحوں سے شرحِ صدر کی اُمید کیا ۔ شارحوں میں بحثِ لفظی کا مرض مزمن ہوا
ایک کا اجمال مہمل ایک کی تفصیل لغو ۔ علم تھا بیتناوہ نذرِ شارح و ماتن ہوا

بیشک ان سب میں سراجی ایسی ہے جس کو متن متین کہا جا سکتا ہے۔ اس کے مصنف نے نہ معلوم کس دقتِ نظر کے ساتھ اس کو لکھا ہے کہ بے کم و کاست سارا فن اس سے حل ہو جاتا ہے۔ ساری کتاب میں اگر کہیں ایک لفظ بھی بڑھایا یا گھٹایا یا بدلا جائے تو وہیں مطلب خبط ہو جائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس فن کی تدوین ہی میں اصولی غلطیاں ہوئی ہیں جن سے اس کے بہت سے مسائل قرآن کے خلاف پڑتے ہیں کیونکہ یہ مصنف کا قصور نہیں ہے۔

دوسری یہ کہ نہ صرف عقائد و اصول و فقہ بلکہ منطق و فلسفہ و حیاۃ وغیرہ پر بھی جو غیر شرعی علوم ہیں قدامت کے تقدس کا ایک غلاف چڑھا دیا گیا ہے۔ اور جو کچھ کتابوں میں لکھا جا چکا ہے اساتذہ کی نگاہوں میں آخری الفاظ بلکہ مسلمات ہیں جن میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ میری طبیعت میں کچھ تو فطرتاً تنقید کا مادہ ہے اور کچھ والد کی تعلیم نے اس سونے پر سہاگہ کا کام کیا جو بار بار یہ حقیقت ذہن نشین کرتے رہتے تھے کہ سوائے ان چیزوں کے جن پر تم ایمان لائے ہو ہر شے پر تم کو تنقید کا پورا حق حاصل ہے۔ اسی لیے میں ان مصنفوں کی بزرگی کا لحاظ رکھتے ہوئے بھی ان کی

جن باتوں کو غلط سمجھتا تھا اُن پر اعتراض کرتا تھا۔ میرے اُستاد اس رویہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ شرحِ عقائد نسفی پڑھتے وقت میں نے ملا عبدالحکیم کی ایک صحیح غلطی نکالی جو انھوں نے خیالی کی توضیح میں کی ہے۔ اُستاد نے باوجود اس کے کہ اُن کی مدافعت نہیں کر سکے اُن کو اعتراضات سے بالاتر قرار دیا۔ اُن کی شان میں یہ اشعار سنا کر مجھے خاموش کر دیا

خیالاتِ خیالی بس بلند است - درانجا جائے قل احمد نہ جند است[ؔ]

ولے عبدالحکیم خوش خصالی - کہ حل کردہ خیالات خیالی

یہ اُستاد غیر مقلد تھے مگر مقلد یا غیر مقلد کسی کی تخصیص نہیں، مسلمان من حیث القوم صدیوں سے ماضی پرستی میں مبتلا ہیں۔ اُن کی مثال مکہ کے اس نانبائی کی ہے جو باسی روٹی کو تازی سے زیادہ قیمت پر بیچتا تھا۔ کسی نے سبب پوچھا تو کہا کہ وہ اس سے مقدم اور عہدِ رسالت سے ایک رات قریب تر ہے اس لئے اس کے دام زیادہ ہیں۔

اب اگر پوچھئے تو ایک مدت تک غور و فکر کرنے اور نتائج کو دیکھنے کے بعد ان درسی علوم کی نسبت جو مشرقی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مردہ علوم کی لاشیں ہیں جن کو ہمارے اساتذہ صدیوں سے اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں اور جن کی عفونت سے عقل اور دین کوسوں بھاگتے ہیں۔

میں اس میں کسی تبدیلی یا ترمیم کا قائل نہیں ہوں بلکہ کلّی انقلاب چاہتا ہوں۔ میری رائے یہ ہے کہ طلباء کو عربی زبان پختہ طور پر پڑھا کر خالص قرآن و سنت متواترہ یعنی عمل بالقرآن کی تعلیم دینی چاہیئے اور بس۔ بقیہ علوم جس کا جی چاہے خود مطالعہ کرے۔ اس کے بعد اُن کو زندہ دنیاوی علوم سکھانے چاہئیں جن سے وہ روزی پیدا کر سکیں اور دین کو دنیا کمانے اور ملّت میں تفرقہ ڈالنے کا ذریعہ نہ بنائیں۔

مجھے اُمید ہے کہ اُمت میں جس دن مرکزیت آجائیگی اور اجتماعی مقاصد کی تشکیل ہو گی اس دن سوائے قرآن کریم کے کوئی دوسرا دینی نصاب ہمارا قرار نہ پا سکیگا۔ (باقی آئندہ)

ؔ مولانا جند اور قل احمد خیالی کے دو حاشیہ نگاروں کے نام ہیں۔

ریویوز

بلاغ الحق مصنفہ شمس العلما حافظ محب الحق صاحب صفحات ۲۰۰ تقطیع ۲۰×۲۶ کتابت، طباعت اور کاغذ عمدہ قیمت دو روپے۔ حضرت مصنف سے پُر فضا، پٹنہ کے پتے سے مل سکتی ہے۔

سلسلہ حقانیہ کی تین کتابیں پہلے شائع ہو کر ختم ہو چکی ہیں اور اب دوبارہ چھپ رہی ہیں اُن کی آخری کڑی "بلاغ الحق" ہے جو سب سے پہلے شائع ہو رہی ہے۔ مصنف نے اپنی دوسری کتب کی طرح اس کتاب میں قرآن مجید ہی کی طرف قوم کو متوجہ کیا ہے، آپ کی تحریر قرآن کے عشق اور مسلمانوں کے درد میں ڈوبی ہوئی ہے۔ آپ قوم کے تمام امراض کا چارہ عمل بالقرآن اور ترک ماسوی القرآن میں سمجھتے ہیں، اس بارے میں آپ کی روش نہایت معتدل ہے۔ آپ ہر اس بات کو قبول کرتے ہیں جو قرآن کے خلاف نہیں ہے خواہ زید کے مُنہ سے نکلے یا بکر کے قلم سے' اور ہر اس تعلیم کا صاف انکار کر دیتے ہیں جو قرآنی حدود سے متجاوز ہو، خواہ اسے ابراہیم خلیل اللہ کی طرف منسوب کیا جائے یا محمد رسول اللہؐ کے نام سے پیش کی جائے۔ خلاصہ کتاب بہ ترتیب ذیل ہے

کلام اللہ:۔ اس عنوان سے قرآن مجید کی مدلل عظمت و کاملیت کا بیان کیا ہے۔

حدیث:۔ شغف روایت کی بے اعتدالیاں اور اس کے مضرات پر سیر حاصل بحث کر کے اخیر میں خود حدیث کی زبان سے حدیث کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے تین حدیثیں لکھی ہیں:۔

(۱) لاتکتبوا عنی سوی القرآن فمن کتب عنی شیئاً فلیمحہ۔ مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھو اور جس نے کچھ لکھا ہو مٹا ڈالے۔

(۲) عَلَیْکُمْ بکتابِ اللہ وسترجعون الی قوم یحبون الحدیث عنی فایاکم و ایاکم۔ تم پر اللہ کی کتاب فرض ہے۔ عنقریب تم ایسی قوم پاؤ گے جن کو ہم سے حدیث روایت کرنی بہت محبوب ہو گی تو بچے رہنا بچے رہنا۔

(۳) ستکثر الاحادیث بعدی فاذا روی لکم حدیث عنی فاعرضوہ علی کتٰب اللہ فما وافقہ فاقبلوہ وما خالفہ فردوہ۔ عنقریب ہمارے بعد بہت سی حدیثیں روایت کی جائینگی تو جب کوئی حدیث روایت کی جائے کہ ہم نے یہ کہا ہے تو اس کو کتاب اللہ

کے آگے پیش کرو، اگر موافق ہو تو قبول کرو اور مخالف ہو تو رد کر دو ۔ از کتاب توضیح و تلویح مقام بحث سنت ۔ بخاری میں بھی یہ حدیث موجود ہے جیسا کہ توضیح و تلویح ہی میں لکھا ہے ۔

اُسوہ حسنہ :۔ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید ہی اسوہ حسنہ ہے ۔ پھر مسلمانوں کے حال پر ایک نظر ۔ "قرآن مجید کے ساتھ سلوک" ۔ "اطاعت رسول" ۔ "ایمان" کی تشریح کی ہے ۔ اس کے بعد عقائد، عبادات، معاملات ۔ حلال حرام ۔ قومی اور سیاسی پھوٹ، اتحاد عمل اور دعا پر کتاب کو ختم کیا ہے ۔

بہت زیادہ اتحاد خیال کے ساتھ ہم کو کہیں کہیں حضرت مصنف سے اختلاف بھی ہے مثلاً مروجہ صلواۃ کو قرآن سے ثابت کرنے میں آپ تکلف سے نہیں بچ سکے ۔ چنانچہ خود بھی اس تکلف کو محسوس کرتے ہیں ۔ ایک اور جگہ نیکوں کو نیکی کے واسطے اور بدوں کو بدی کے لئے مجبور ظاہر کرتے ہیں ۔ یہ مقام بھی زیادہ توجہ کا مستحق ہے ۔ جہنم کا اخیر میں اہل جہنم کے لئے آرام دہ ہو جانا بھی کچھ چسپاں معلوم نہیں ہوتا ۔ اللہ تعالیٰ مصنف محترم کو جزائے خیر دے اور مسلمانوں کو متمتع ہونے کی توفیق دے ۔ (ع)

جامع النحو } مولفہ جناب مولوی حکیم محمد احمد صاحب معلم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظمگڑھ ۔ کتابت و طباعت جاذب نظر ۔ کاغذ دبیز ۔ سائز ۲۰×۲۶/۸ ضخامت ۱۰۰ صفحہ ۔ قیمت ۸/ ۔ منگانے کا پتہ مولف موصوف

دیگر کتب صرف و نحو کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مصنفین نے اس فن کو جسقدر پیچیدہ گتھیوں اور اُلجھنوں کا مجموعہ بنا دیا ہے وہ ایک مبتدی اور کم استعداد کے لئے چاہِ تاریک سے کم نہیں ۔ تحصیل علم سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ دماغ ہلکا اور صاف ہو لیکن یہاں طرح طرح کے بوجھ پڑ جاتے ہیں اور سوائے تاریکی کے کچھ نظر نہیں آتا ۔ ہاں فاضل مولف جامع النحو نے ان تمام باتوں کو محسوس کرکے ہر مسئلہ نحو کو سلیس اور عام فہم بنانے کی حتی الوسع سعی فرمائی ہے ۔ توقع ہے کہ اس فن سے شغف رکھنے والے حضرات اس مفید کتاب کی قدر کرینگے ۔ (ش)

تندرستی } ایک ماہوار رسالہ ہے جس میں طبی مضامین کے علاوہ ادبی پُر از معلومات مضامین بھی شائع ہوتے ہیں ۔ کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز ۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب ۔ ورق رنگین آرٹ پیپر ۔ سائز ۲۰×۳۰/۸ چندہ سالانہ صرف ۱/ ۔ ملنے کا پتہ دفتر رسالہ تندرستی جالندھر شہر

(ش)

تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ
ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ
تو میرے ساتھ اسے شریک کرے جس کی کوئی سند نہیں اور جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو اُن کی
(صرف یہ) بات نہ مان (باقی تمام اُمور میں اُن کی اطاعت کو فرائض میں سمجھتے ہوئے فرمانبرداری کر)
اور دنیا میں اُن کا اچھی طرح ساتھ دے اور اُس شخص کے راستہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع
کرتا ہے (خواہ وہ کوئی ہو۔ کیونکہ یہ اس کا اپنا خود ساختہ راستہ نہیں بلکہ خدا کا بنایا ہوا راستہ ہے
بس اہل اللہ کا راستہ خدا کا راستہ ہے۔ اور یہی صراط مستقیم ہے۔ اسی پر گامزن ہو کر مقصود حاصل
ہوتا ہے۔ باقی تمام راستے جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔ اسلئے دوزخ کا راستہ اختیار کرنے
سے احتراز کر کیونکہ) پھر میری طرف تمہارا لوٹ کر آنا ہے۔ سو میں تمہیں اس کی خبر دونگا جو تم (دنیا
میں) عمل کرتے تھے۔

(۱۶) يٰبُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ
فِي السَّمٰوٰتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝
(سبحان اللہ حضرت لقمان کی کیسی پاکیزہ تعلیم ہے۔ نہ باپ نبی نہ بیٹا۔ مگر یہ سچی تعلیم۔
پُرحکمت باتیں اور معروف کام اُس سچے حکیم و خبیر کو کس قدر پسند آئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے
کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سب کو حق حاصل ہے۔ اس میں کسی کی خصوصیت نہیں
چنانچہ حضرت لقمان کے حکیمانہ و ناصحانہ اقوال کو خداوند تعالےٰ اپنے الفاظ اور مخصوص انداز میں اس
طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ) اے میرے (پیارے) بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو
پھر وہ کسی پتھر (شہاب ثاقب وغیرہ) میں بھی ہو، یا آسمانوں میں ہو، یا زمین میں، اللہ اُسے
(سامنے) لائیگا (وہ سب کچھ جانتا ہے۔ اس کے لئے غیب و شہادت یکساں ہے۔ کوئی انسان
بھی اُس سے اپنے اعمال پوشیدہ رکھکر پاداش عمل سے نہیں بچ سکتا کیونکہ) اللہ باریکیوں
سے واقف، خبردار ہے۔
(اور ہر چیز کا محاسب ہے۔ اپنے اور اُس کے درمیان بُعد سمجھکر سرکشی، اور گناہوں پر
دلیر ہونے والا آخرت میں ذلیل و خوار ہوتا ہے)

(۱۷) يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ
عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ اے میرے (پیارے) بیٹے!
نماز کو (خدا کے لئے) قائم کر اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دے (کیونکہ یہ بڑی خوبی والی اور قابل
تعریف بات ہے) اور برائی سے روک (اور لوگوں کو حسب استعداد لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
اِلَّا وُسْعَهَا اعلائے کلمۃ الحق کر۔ اگر تجھے نیکی کی تبلیغ کرتے کرتے کسی جابر سلطان یا کسی اور
ایذا رساں جماعت سے سابقہ پڑ جائے) اور (وہ مصائب میں پھنسا دیں تو) جو تجھے (بوجہ
اعلائے کلمۃ الحق) تکلیف پہنچے اس پر صبر کر (کیونکہ ایسے مواقع پر صبر کرنا) ہمت کے کاموں
میں سے ہے (اور تبلیغ صداقت کی خاطر نہایت استقلال سے ہدفِ مظالم بننا' اور حق سے
روگرداں نہ ہونا' بڑی جرأت و قوت ایمانی کا ثبوت ہے)

(۱۸) وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ اور تکبر اور نخوت) کے سبب لوگوں (کی طرف) سے منہ نہ
پھیر' اور نہ زمین پر اکڑتا ہوا چل (کیونکہ) اللہ تعالےٰ خود پسند اور شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا

(۱۹) وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ
الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ اور اپنی روش (یعنی ہر عمل اور ہر کام) میں میانہ روی
اختیار کر (کیونکہ افراط و تفریط دونوں ہی غیر مستحسن چیزیں ہیں) اور (چیخ چیخ کر باتیں کرنا اور شور
مچا کر دوسروں کو مرعوب کرنا اچھا نہیں بلکہ نرم کلامی سے کلام کی خوبیوں کو ذہن نشین کرانا
نہایت احسن اور نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ اس لئے) اپنی آواز کو نیچا رکھ (کیونکہ اونچی آواز گدھے
کی آواز سے مشابہ ہے اور) سب آوازوں سے بری گدھے کی آواز ہے (اس لئے بیٹا! انسان
ہو کر گدھا نہ بننا ورنہ نظروں سے گر کر خراب و رسوا ہو جائیگا۔ اور عقل و دانش سے خالی رہیگا۔ اس سے
اگلے دو رکوعوں میں توحید باری تعالےٰ اور انعامات خداوندی کا ذکر ہے)

رکوع سوم (۲۰) اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ؁ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے (فائدے کے) لئے مسخر کیا ہے (اور ستاروں وغیرہ سے جہاز رانی یا طول بلد وغیرہ ہزاروں قسم کے فائدے حاصل ہو رہے ہیں پھر ان ذرائع سے تمہیں ارتقا بخش کر درجہ انسانیت پر پہنچایا ہے) اور اس نے اپنی (ہر قسم کی) ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں (یعنی تمہیں عقل و شعور) اور قوت امتیاز و حافظہ سے نوازا اور خارج میں لاتعداد نعمتیں پیدا کر دیں مگر افسوس ہے کہ) لوگوں میں سے ایسے (بھی) ہیں جو (نہ تو فطری طور پر اور نہ ہی لقمان کی طرح عقل و حکمت سے کام لیتے ہیں اور) اللہ کے بارے میں بغیر علم کے (یعنی صحیفۂ فطرت کا مطالعہ کئے بغیر) جھگڑتے ہیں۔ اور نہ (ان کے پاس) ہدایت (ہوتی ہے) اور نہ کوئی روشن کتاب (ہی۔ صرف غیر مدلل اور غیر مستند اقوال الرجال کو پیش کر کے حقیقتِ درخشاں کو غبار اور کدورت سے آلودہ کرنا چاہتے ہیں کس قدر افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ انسانی کلاموں کو خدا کے کلام پر نہ صرف ترجیح دی جائے بلکہ اُن کو اس پر قاضی و حاکم ٹھہرایا جائے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ اس حالت میں جبکہ تم کتاب منیر سے بے نیاز ہو کر کتب تاریک کو ہاتھ میں لئے رہروِ منزل ہو، منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤ گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ قعرِ مذلت و ضلالت میں پڑے شبانہ روز خسر الدنیا والآخرۃ کا وظیفہ پڑھتے رہو گے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ علمی دلائل تمام تر قابل رد نہیں ہوتے۔ مگر اُن کو وحی الٰہی کا درجہ بھی نہیں دیا جا سکتا۔ ہاں البتہ وہ عقلی اور علمی دلائل جو مصدقہ الٰہی ہوں مشمول بہ مراتب وحی ہیں۔ اُن سے کوئی بھی راسخ الایمان مجازِ انکار نہیں ہو سکتا چنانچہ اسی بنا پر کفار تک سے علمی دلائل طلب کئے گئے لیکن وہ اہل تقلید سوائے خرافات کے کیا دلائل پیش کر سکتے تھے)

(۲۱) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ؁
اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز (قرآن) کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری

ہے) اور جو سراسر صداقت و دیانت، رشد و ہدایت اور بیّن دلائل و قاطع براہین کی حامل ہے تو) وہ (جواب میں) کہتے ہیں (نہیں بلکہ ہم اس چیز کی پیروی کرینگے جس پر ہم نے اپنے آباؤ (واجدا) کو پایا۔ اور کیا (یہ اندھے مقلد اور اسلاف پرست اپنے آباء و اجداد کی ضرور ہی پیروی کرینگے) اگرچہ انھیں شیطان جلتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف دعوت دیتا ہو؟ (پس یہ سلف پرستی چوتھے درجہ کی مہلک ترین بیماری ہے جو انھیں بتدریج عذاب النار کی طرف دھکیلے لئے جارہی ہے)

(۲۲) وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ (اللہ تعالیٰ علیمٌ بذاتِ الصدور ہے۔ ہر زمانہ ماضی ہو یا مستقبل اُس سے پوشیدہ نہیں اور نہ ہی اُسے اندرونی حالات جاننے کے لئے کسی پیر۔ ولی یا نبی وغیرہ کے توسّل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اُس نے کفار مقلدین کے ہونے والے اعتراض کہ "ممکن ہے تمہارا الہام بھی شیطانی ہو" کا پہلے ہی سے معقول اور ناقابل تردید اعلان فرمادیا کہ خدا کا پرستار اور انسانوں کا محسن در بدر پھرنے والوں اور متعدد معبودان باطل کی پرستش کرنیوالوں سے جدا اور ممتاز ہے۔ موحد یقیناً مطمئن ہوتا ہے اور توحید ہی اُس کے اطمینان اور سکون قلب کا باعث بن جاتی ہے) اور (اُس کے پائے استقلال میں کبھی تزلزل واقع نہیں ہوتا) جو اپنا چہرہ اللہ کو سونپ دے اور (مخلوق سے بھی) احسان کرنے والا ہو۔ پس اس نے مضبوط کڑا (قرآن مجید) پکڑ لیا (جیسے چاہِ ذخار میں گرے کا سہارا ڈوبنے سے بچاتا ہے بعینہ یہ کتاب بھی کفر و شرک کی دلدل میں دھنسنے سے نجات دیتی ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ دلدل میں پھنسا ہوا انسان دوسروں کو بھی تحریک غرقابی کرتا ہے۔ لیکن خدا پرست ہمیشہ امن و سلامتی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ پس تفکر و تدبر سے کام لو) اور (بنظر غور دیکھو کہ ایسی زریں اور پاکیزہ تعلیم کبھی شیطانی ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں، مگر تعصب کا کیا کیا جائے جو حق و صداقت کی طرف آنے میں حائل ہو جاتا ہے۔ خیر مضائقہ نہیں تابکے آخر) تمام کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے (وہ خود اُن سے نپٹ لیگا۔ تو اے نبیؐ ان سے کچھ واسطہ نہ رکھ اور اپنا کام یعنی تبلیغ کئے جا۔ تجھے ان کی روگردانی سے افسردہ خاطر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ تجھے اُن کی طرف سے جوابدہ نہیں ہونا ہے)

(۲۳) وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○ اور جو کفر کرے پس اُس کا کفر تجھے غمناک نہ بنائے (کیونکہ) اُن (سب) کی واپسی ہماری طرف ہے۔ سو جب وہ ہمارے پاس پہنچیں گے تو ہم اُنھیں بتائیں گے کہ کیا کچھ اُنھوں نے کیا (وہ ہم سے کچھ چھپا نہیں سکتے کیونکہ) اللہ بالیقین سینے کی باتوں کو (بھی) جانتا ہے۔

(۲۴) نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ○ (اس دنیوی زندگی میں) ہم اُنھیں تھوڑی دیر کے لئے فائدہ دینگے (لیکن اُنھیں ہماری اس بے نیازانہ ڈھیل پر غرّہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ) پھر ہم اُنھیں درشت عذاب کی طرف زبردستی لائیں گے (مگر کسی بُغض و حسد کی بنا پر نہیں بلکہ مقصود اُن کا علاج ہے)○

ہے مدِ نظر اصل میں اصلاحِ مفاسد
نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی بے مثل و یگانہ صنعتیں پیش کرکے استفسار فرماتا ہے کہ کون ہے؟ جو اِن کاموں میں میرا ساجھی رہا ہو۔ لیکن کوئی نہیں جو اس کے جواب میں اپنے آپ کو یا اپنے کسی پیشوا، مولوی، پیر، ولی، یا نبی کو پیش کرسکے، حتیٰ کہ مشرکین کو بھی یہ کام اکیلے خدا ہی کا نظر آتا ہے)

(۲۵) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ اور اگر تو ان سے پوچھے کہ زمین و آسمان کس نے پیدا کئے؟ تو وہ کہیں گے (کہ) اللہ (نے پیدا کئے)۔ لیکن باوجود اس اقرار کے یہ لوگ کفر سے باز نہیں آتے) تو کہہ (اللہ بے نیاز ہے) سب تعریفیں اللہ (تعالیٰ) کے لئے ہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے (پھر دوسروں سے جو کسی چیز کے بھی حقیقی مالک نہیں بلکہ اپنی حیات و ممات تک میں مجبور محض ہیں، توقعات اور اُمیدیں وابستہ رکھنا فعلِ عبث نہیں تو اور کیا ہے۔ درحقیقت خدا ہی سب مادی اور غیر مادی اشیاء کا مالکِ حقیقی ہے۔ اور سب کائنات اُس کے سامنے سرنگوں اور دست بستہ غلاموں کی طرح حاضر ہے کسی

کو بھی جرأتِ چون وچرا نہیں)

(۲۶) لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ جو کچھ آسمانوں اور زمین

میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے (لیکن اگر تمہیں تمہاری بدکرداریوں کے سبب بعجلت گرفت نہیں کرتا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ تم سزا سے بچ گئے۔ سزا ملیگی اور ضرور ملیگی۔ پیمانہ جب لبریز ہوگا تو یقیناً چھلک جائیگا۔ فی الحال اس نے تمہیں مہلت دے رکھی ہے کیونکہ) وہ اللہ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے (اسلئے تمہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی مہلت اور مہربانی سے جائز فائدہ اُٹھاؤ اور اُس کے فرمانبردار بندے بنکر سچی خوشیاں حاصل کرو۔ وفورِ مسرت میں اُس کی حمد گاؤ اور خوب گاؤ۔ اُس کی حمد کوئی ختم ہونیوالی چیز نہیں، وہ بحرِ ناپیداکنار ہے لیکن جس زبان سے اُس کی حمد کی جائیگی وہ بھی تو اُسی کی عنایت فرمائی ہوئی ہے پھر تعریف کیسی، کس چیز سے، ختم کیا، شروع ہی کیسے کی جائے۔ توفیق شکر بھی متقاضی شکر ہے۔ مگر کسطرح بنے سہ

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی - سچ تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

فی الواقع اُس کے محامد و کمالات بیان نہیں کئے جا سکتے۔ کیونکہ وہ خود ہی فرما رہا ہے کہ)

(۲۷) وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اور جتنے درخت زمین میں ہیں اگر وہ قلمیں بن جائیں اور سمندر (بطور سیاہی کے استعمال کئے جائیں) جس کے بعد سات اور سمندر اس کی مدد کرتے ہوں (پھر بھی) اللہ (تعالیٰ) کے کلمات (عجائبات قدرت اور حقائق و معارف) ہرگز ختم نہوں۔ بالیقین اللہ (تعالیٰ) زبردست حکمت والا ہے (کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہو۔ دنیا جہان کی تمام چیزیں ہر وقت اُس کے سامنے مؤدبانہ سر جھکائے کھڑی رہتی ہیں۔ وہ جو چاہے کرے کوئی مجاز مداخلت نہیں)

(۲۸) مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

بَصِيْرٌ ۝ (وہ ایسا زبردست خدا ہے کہ اُس کی قدرت و تصرف کی حد ہے نہ حساب۔ وہ زمانی ہے نہ مکانی۔ اُس کے لئے) تمہارا (مختلف اوقات اور مختلف اشکال میں) پیدا کرنا اور تمہیں (دوبارہ) اُٹھانا ایک نفس (کے پیدا کرنے اور دوبارہ اُٹھانے) کی مانند ہے (اُس کو جیسے ظاہر کا علم ہے ویسے ہی باطن کا — پھر غیر اللہ میں یہ اوصاف مانکر کیوں اُن کے لئے وجۂ ندامت پیدا کرتے ہو۔ اور اُخروی سود و زیاں اور جزا و سزا سے بے پرواہو کر اپنے لئے ظلم عظیم کا ارتکاب کر رہے ہو۔ کیا تم اپنی دانست میں یہ سمجھتے ہو کہ وہ ہماری بدکرداریوں سے واقف نہیں؟ غلط ہے۔ کیونکہ) بالیقین اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

(۲۹) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

(اگرچہ کائنات کے ذرہ ذرہ سے خدائے تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت مترشح ہے مگر نوع انسان میں بعض ایسے بھی ہیں جو اپنی کور باطنی کی وجہ سے بڑی جرأت کے ساتھ خدا تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دہر ہی بذات خود سب کچھ ہے۔ اس کا بنانے والا اور متصرف و محرک کوئی دوسرا نہیں۔ حالانکہ دہر محض زمانی اور مکانی دو ظرف ہیں جو خود موثر نہیں بلکہ اثر پذیر ہیں۔ چنانچہ یہ مسلم الثبوت ہے کہ مکان میں اشیاء ہمیشہ باہر سے آتی ہیں اور زمان میں افعال واقع ہوتے ہیں۔ پس یہ قیود فاعل مختار کی طرف سے ہیں۔ مکان و زمان جو خود متاثر ہو رہے ہیں دوسروں پر کیا اثر ڈال سکتے ہیں؟ اثر ڈالنے والی صرف ایک ہی ہستی ہے، جو خدا کے نام سے موسوم ہے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے کہ) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ (تعالیٰ) داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں (اور سردی گرمی کے تغیرات، کبھی رات بڑی، کبھی دن اور کبھی دن چھوٹا تو کبھی رات، غرضیکہ لاتعداد تغیرات معرض ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ یہ تمام قیود زمان پر خدا کی لگائی ہوئی ہیں یا زمان خود بخود مقید ہو کر دوسروں پر اثر ڈال رہا ہے۔ اگر تمام قیود زمان پر خدا کی لگائی ہوئی ہیں تو پھر کیونکر یہ مان لیا جائے کہ کسی دوسرے سے اثر لینے والا خود مؤثر یا فاعل مختار ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ فاعل مختار صرف ایک خدا ہی ہے جو زمان و مکان سے بے نیاز ہے۔ نہ اُسے احتیاج مکان ہے، نہ جستجوئے زمان، وہ تمام زمان و مکان پر محیط ہے۔

اور (یہ سب موجودات صُوَر علمیہ الٰہیہ ہیں۔ اُس نے) سورج اور چاند کو قابو کیا ہے (ان میں سے) ہر ایک معین وقت کی طرف چلتا ہے (چنانچہ انہی سورج چاند کے مختلف دوروں کی وجہ سے موسم میں تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ اسی طرح مکان و زمان بھی تغیرات سے خالی نہیں۔ لیکن باوجود اس کے اُنھیں کوئی علم نہیں کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ قائم بالذات رب العالمین جس کا نقش خانہ ہی سب کچھ جاننے والا ہے) اور یہ (امر واقع ہے) کہ اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ (اس سے کوئی چیز مخفی نہیں)

(۳۰) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ۠ یہ اس لئے کہ اللہ ہی اصل (ثابت شدہ) حق ہے اور یہ کہ جو تم (مشرکین وغیرہ) اس کے سوا (غیر اللہ کو) پکارتے ہو وہ (سب) باطل ہے (صرف خدائے تعالیٰ ہی زمانیات و مکانیات سے ارفع و اعلیٰ اور بے احتیاج ہے۔ ہم ہر حالت میں قائم بالغیر اور وہ قائم بالذات ہے) اور یہ کہ اللہ ہی (سب سے) بلند اور (سب سے) بڑا ہے۔

رکوع چہارم (۳۱) اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۠ (متصرف حقیقی کے کمالات اتنے وسیع اور غیر محدود ہیں کہ اُن کا مطالعہ چشمِ دل ہی سے ہو سکتا ہے۔ مادی آنکھیں صرف حدِ نظر تک کام کر سکتی ہیں۔ اس سے آگے نہیں۔ اگر مشاہدات قدرت سے لذت اندوز ہونا ہو تو دل کی آنکھیں کھول اور دیکھ کہ تمام کام خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے کس قدر بے غلط اور قابل تعریف ہیں) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ کی مہربانی سے سمندر میں کشتی چلتی ہے (اور تری سفر کے خطرات سے متصادم نہیں ہوتی۔ اگرچہ سمندروں میں کہیں بھنور۔ کہیں طوفان کہیں تلاطم ہوتا ہے۔ مگر وہ حافظ حقیقی اپنے انتہائی فضل و رحمت سے تمام حادثات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس میں کوئی شک و ریب نہیں کہ انسان موجد ہے اور اُس نے اکثر ایجادات عالم میں پیش کیں مگر خدا کی دی ہوئی عقل و ذکاوت سے، اُس کا فخر و تعلّی عبث ہے۔ کیونکہ صانع حقیقی وہی خدا ہے جس نے موجودات کو امکان سے وجود میں لاکر اپنی طاقت و قدرت کا

مشاہدہ کرایا، سمندر میں ناؤ اور خلاء یعنی جو سماء میں نجوم و سیارگان چلائے ہیں) تاکہ وہ (اللہ) تمہیں اپنی بعض نشانیاں دکھائے (سمندر کے دوران سفر میں معتد بہ اشیاء ایسی نظر آتی ہیں جو ہمارے لئے تعجب کا موجب ہوتی ہیں، شمال کی طرف نئے قسم کے سیارے نظر آتے ہیں تکالیف کا سامنا بھی ہوتا ہے، پس چاہیئے کہ ہر مصیبت کے وقت شیوہ صبر و تشکر کو حرز جان بنالیں۔ کیونکہ جزع فزع اور بیصبری خدا کی ناقدر دانی اور ناسپاسی کے مترادف ہے۔ اولوالعزم مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرکے اور نشانات قدرت سے استفادہ کرکے دوسروں کے لئے ناہموار راستہ صاف کر دیتے ہیں۔ اسلئے بوقت مصیبت نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اولوالعزمانہ مقابلہ کرنا چاہیئے کیونکہ) بالیقین اس میں ہر بہت صبر و شکر کرنیوالے کے لئے ضرور نشانات ہیں (مصیبت پر صبر کرنا بہ نسبت جزع فزع کے نہایت احسن وارفع ہے۔ مگر افسوس ہے مسلمانوں میں مومنین کی ایک جماعت پر، جن پر نہ خدا کا کوئی غضب نازل ہوا نہ سر پر پہاڑ گرا مگر وہ قرآن کے حکم صریح کے خلاف ہر سال خدا کے انعامات کا سینہ کوبی، زنجیر زنی اور نالہ و بکاء سے شکریہ ادا کرتے ہوئے بازاروں میں نظر آتے ہیں۔ خدا ہدایت وسعادت نصیب کرے)

(۳۲) وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ (تکالیف پر صبر اور انعامات کی قدر کرنا فعل پسندیدۂ الٰہی ہے بشرطیکہ یہ دائمی عادت ہو۔ مشرکوں کی طرح وقتی نہ ہو) جب اُن کو سمندر کی لہر شامیانے کی طرح ڈھانپ لیتی ہے تو (اُن مشرکوں کی ایسی خطرناک حالت ہوجاتی ہے کہ) وہ دین کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے (اور غیر اللہ کو دُور ہٹا کر صرف) اللہ کو پکارتے ہیں۔ مگر جب وہ اُنھیں خشکی کی طرف بچا کر لے جاتا ہے تو اُن میں سے (بعض اچھے لوگ) میانہ رو (یعنی اعتدال پسند) بن جاتے ہیں (اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے۔ لیکن بدعہد اور ناشکرے لوگ کفر و شرک ہی میں مبتلا رہتے ہیں کیونکہ) ہماری آیات سے سوائے ہر بدعہد اور ناشکرے کے اور کوئی انکار نہیں کرتا۔

(۳۳) یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ٘ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٚ وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۝ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اُس دن (یعنی یوم الحساب) کا خوف رکھو جبکہ باپ اپنے بیٹے کی کچھ کفایت نہیں کرتا اور نہ ہی بچہ اپنے والد کی کچھ کفایت کرنے والا ہے۔ بالیقین اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس دنیوی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالدے اور نہ ہی بڑا دغا باز (شیطان) تم کو اللہ کے بارے میں دھوکے میں ڈال دے (اِس آیت کریمہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آخرت میں باپ بیٹے جیسے عزیز ترین رشتہ دار بھی ایک دوسرے کے متکفل نہیں ہو سکیں گے مگر یہاں یہ حالت ہے کہ ؎

میرے گناہوں کو بخشوائیں گے حشر میں آپ ہی محمدؐ
عذاب دوزخ سے کیوں ڈروں میں کہ جب سہار محمدیؐ

سبحان اللہ! کیا یہ عقیدہ قرآن حکیم کے خلاف نہیں؟ کیا یہ شرک نہیں؟ یقیناً شرک اور خلاف قرآن ہے۔ بخدا اگر یہ شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اُن کے سامنے پڑھا جاتا تو وہ اس سے سخت بیزار ہوتے اور آئندہ اس شعر گو کی شکل تک دیکھنا پسند نہ فرماتے الّا بشرط توبہ)

(۳۴) اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۠۝ بالیقین اللہ ہی کے پاس مقررہ گھڑی کا علم ہے (معلق اور قطعی کا علم بھی اُسی کو ہے۔ اُسی نے معلق رکھا ہے اور اُسی نے قطعیت لگائی ہے معلق کو قطعی اور قطعی کو معلق جاننا خطرناک غلطی ہے جس سے عالم اختیار مساعیٔ اصلاح اور بنیاد ادیان کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ سو سب کچھ وہ جانتا ہے۔ وہی

فریادرس اور وہی متصرف حقیقی ہے جو ہماری ضرورتوں کے پیش نظر مناسب تصرفات سے ہمیں مستفید فرماتا رہتا ہے) اور وہی مینہ برساتا ہے (کسی دوسرے کے بس میں نہیں کہ جب چاہا امساک باراں کے موقعہ پر کسی بزرگ کو دھوپ میں کھڑا کر کے اس کے سر پر پانی کا مٹکا انڈھا دیا اور بارش اُتار لی۔ یہ مشرکانہ تدبیر تو یوسف علیہ السلام جیسے عظیم المرتبت پیغمبر کو بھی نہ سوجھی بلکہ انھوں نے بھی بادشاہ کے خواب کی یوں تعبیر فرمائی کہ کچھ کھاؤ اور کچھ پس انداز کرو تاکہ یہ اندوختہ ضرورت کے وقت تمہارے کام آئے۔ اور یہ بھی اُن کی قطعیت نہ تھی بلکہ صرف ایک تجویز تھی جو ہم ایسے گنہگاروں کی تجاویز سے بدرجہا اولیٰ بہترین تھی۔ پس بارشوں کا برسانا اُسی حکیم حقیقی کی حکمت عظمیٰ پر منحصر ہے) اور وہی عالم الغیب ہے کیونکہ) وہ جانتا ہے جو کچھ پیٹوں میں ہے (کسی اور کو علم نہیں ہو سکتا کہ میرے پیٹ میں لڑکی ہے یا لڑکا۔ چنانچہ مریم صدیقہ کی والدہ محترمہ جیسی نیک بی بی بھی اس کے جاننے سے قاصر رہیں۔ پس کامل، ناقص، وجیہہ، کریہہ وغیرہ کا کسی کو بھی علم نہیں۔ ہاں خدا ہی ہے جو علیم و خبیر عالم کل) اور (قادر مطلق ہے لیکن مخلوق بلا امتیاز انبیاء و غیر انبیاء اُس کے سامنے بے علم اور بے بس ہے۔ چنانچہ) کوئی نفس (چھوٹا ہو یا بڑا) یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کریگا۔ اور نہ ہی کوئی نفس (پیر ہو یا ولی۔ غوث ہو یا قطب) یہ جانتا ہے کہ وہ کس زمین میں مریگا (اور یہ جان لینا کہ وہ نفس کس وقت مریگا اور بھی انسانی علم سے بعید ہے۔ پھر ناقص العلم مخلوق کو بخیال خود درجۂ اُلوہیت دیکر اُن کے مقابر و آستانہ کی پرستش کرنا اور اُن سے مرادیں مانگنا اور اُن پر اپنی شفاعت و نجات کا مدار رکھنا جہالت کی انتہا ہے) بالیقین (صرف) اللہ ہی، باعلم و باخبر ہے (اُس کے سوا کوئی بھی لائق توکل نہیں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورۃ السجدہ

مضمون اور نظم و ربط

سورۂ گزشتہ میں دلیل وحدانیت اور ذکر حشر کا بیان ہے، اور انہیں دو باتوں پر سورۂ ختم ہوئی ہے، اس سورہ میں بیان رسالت سے آغاز کیا گیا ہے۔

توحید، رسالت اور حشر کا باہمی تعلق غیر منفک ہے، زمین و آسمان کی پیدائش، قیامت کے دن کسی عزیز و قریب کا کام نہ آنا، خدا کے سوا کوئی ولی و شفیع نہ ہونا، اہل تکبر کی سزا، تکبر کرنے والوں کا نیک بدلہ، جنت الماویٰ، جنت النعیم، مفید نباتات، (زوج کریم) کی پیداوار وغیرہ بہت سے مضامین باختلاف طرز ادا دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔ سورۂ لقمان کا مرکزی نقطہ حکیمانہ شکر ہے، اور سورہ سجدہ کی اصل بنیاد "سجدہ" ہے، باقی تمام مضامین اسی نقطہ کے گرد دائر و سائر ہیں۔ مقصد کتاب سجدہ ہے، فطرت کائنات سجدہ ہے، فلاح و ارتقاء کا باعث اور قرب باری کے حصول کا ذریعہ سجدہ ہے، قرون اولیٰ کی ہلاکت و جہنم رسی کا سبب عدم سجدہ ہے، اللہ تعالیٰ منزل کتاب ہے، خالق کائنات ہے، مدبر ارض و سما ہے، والی و شفیع ہے، عالم غیب و شہادت ہے، "خلق" کا شروع کرنے والا، خلق جدید پر قادر، اور جزائے اعمال کا مالک ہے، یہ تمام صفات جو اس سورہ میں آئیں گی مقتضی ہیں کہ سجدہ صرف اسی کو کیا جائے۔

سجدہ کیا ہے، یوں تو کائنات کا ذرہ ذرہ ساجد و مطیع ہے، کوئی بڑی سے بڑی ہستی ایک لمحہ کے لئے بھی ذاتی اختیار کا دعویٰ نہیں کر سکتی، لیکن اس سورہ مبارکہ میں کسی قدر اختیار یافتہ مخلوق یعنی انسان کے سجدہ کا ذکر ہے۔

سجود کی لغوی اصلیت تطامن و تذلل ہے اور لسان قرآن میں اس سے مراد تذلل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور پست و ذلیل ہو جانا اور اس کی اطاعت و حکمبرداری پر مطمئن رہنا، اور یہ حاوی ہے کل نبات، جماد، حیوان اور انسان پر، پھر اس کی دو قسمیں ہیں (۱) اختیاری، یہ خاص ہے انسان سے (۲) تسخیری، اس میں تمام مخلوقات داخل ہیں

کہ فرمایا وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا الخ وغیرہ ذالک من الآیات۔
سجدہ جو انسان سے متعلق ہے، اس سے مقصود ہے انسان کے تمام اعضا و قویٰ و ارواح کا اللہ کے حضور جھک جانا، بصورت نماز و امتثال اوامر و اجتناب نواہی ــــ سورہ مبارکہ سجدہ میں کتنے پیارے الفاظ میں، کس قدر ترغیب انگیز اور دلآویز طریق بیان سے اور کس درجہ نتیجہ خیز انداز میں فرمایا ہے
اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِھَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ۔ تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔

یقین کرو کہ ہماری آیات پر ایمان لانے کی حلاوت سے حقیقتاً وہی لوگ لذت یاب ہوتے ہیں جن کو ان آیات کے ذریعہ سے نصیحت دیجائے تو سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ اور اپنے رب کی حمد و تسبیح میں ماسوا کو فراموش کر دیتے ہیں ؎

تسبیح و دعا میں جس نے لذت پائی ۔ اس شخص نے دوجہاں کی دولت پائی

اور سجود کا سچا اثر اُن کی روحوں پر، اسطرح ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نفس و شیطان کے فریب سے بچ جاتے ہیں اور کبھی بھول کر بھی فخر و تعلّی نہیں کرتے۔ اُن کی یہ رقیق اور عابدانہ خو مجالس و مساجد سے بے نیاز ہوتی ہے، اُن کے پہلو راتوں کی تنہائیوں میں خوابگاہوں کی آسودگی سے الگ رہتے ہیں ؎

اللیل للعاشقین ستر ۔ یالیت اوقاتہ تدوم

وہ اسوقت جبکہ کائنات اپنے پورے سکوت و بے خبری میں مدہوش ہوتی ہے، اُٹھتے ہیں تمام خزانوں اور ساری قوتوں کے مالک کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اپنی کوتاہیوں پر لرزتے ہوئے، اپنی خطاؤں کو یاد کرکے کانپتے ہوئے، اپنی نیازمندیوں کا دامن پھیلائے ہوئے اسے پکارتے ہیں، اس سے مانگتے ہیں، کہ وہی وقت پکارنے اور سوال کرنے کا ہے، اسوقت سوالی بہت کم خالی ہاتھ لوٹتا ہے، اسوقت کا رونا قبول کیا جاتا ہے، آنسو رکھ لئے جاتے ہیں، آمین سن لی جاتی ہیں، اور یہ سب کچھ طویل اور لذیذ سجدوں میں ہوتا ہے۔ اس بلند ذات کو پالینے کے لئے بہت زیادہ پست ہو جانے کی ضرورت ہے۔ اسی پستی و سرنگونی میں روح

کو رفعت و سربلندی نصیب ہوتی ہے، اور یاد رہے کہ یہ خشوع وخضوع اور یہ دعا و نیاز اسوقت تک کوئی وقعت و اصلیت نہیں رکھتا جب تک اس کے عطا کئے ہوئے سامانوں، مال، قوت، وقت وغیرہ کو اُس کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے۔ چنانچہ سچے سجدہ گزار اپنے مسجود کی راہ میں ایثار و قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ پھر کون جان سکتا ہے اور کون تصوّر میں لا سکتا ہے ان لذتوں اور نعمتوں کو جو ان لوگوں کو ان کی سعی و عمل کے نتیجے میں حاصل ہونے والی ہیں۔ اے اللہ ہمیں اعمال صالحہ کی توفیق دے اور اپنے صالح بندوں میں شامل کر۔

احبّ الصّٰلحین ولستُ منھم ۔ لعل اللہ یرزقنی صلاحا[۱]

بعض بزرگوں نے ان دو آیتوں سے مومنین کے تین مختلف مراتب استنباط کئے ہیں (۱) خوف وطمع سے بے نیاز محض ذکر آیات سے سجدے میں گر پڑنے والے، اور یہ مرتبہ عالیہ ہے (۲) جو خوف کے سبب عبادت کرتے ہیں، اس شخص کی مانند جو کسی جبار بادشاہ کی خدمت کرتا ہے اس کے رعب و دبدبہ سے متاثر ہو کر (۳) جو شخص سخی بادشاہ کی خدمت کرتا ہے جلب منفعت کی بنا پر"

اصل یہ ہے کہ نہ سیاق آیات اس مفہوم کی تائید کرتا ہے نہ قرآن مجید کا عام اسلوب بیان اس کا مؤید ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اکابر انبیاء علیہم السلام تک ان تینوں صفات سجدہ تذکر، خوف اور طمع سے متصف تھے۔ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ ۳۳ (وہ یعنی پیغمبر لوگوں کو خدا کے پیغام پہنچاتے اور اس سے ڈرتے ہیں) حضرت خاتم صلعم کی زبانی ارشاد ہوتا ہے قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۶ (کہو کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھکو روز سخت کے عذاب سے ڈر لگتا ہے) ابوالانبیاء حضرت ابراہیم صلعم فرماتے ہیں اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۱۹ (مجھ کو توقع ہے کہ روز جزا کو میرے قصور معاف کر دیگا) پھر دوسری جگہ دامان طلب پھیلاتے ہیں وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۱۹ (اور جنت کے آرام کے وارثوں میں سے مجھکو بنا) پھر وہ کون ہے جو ان لوگوں سے اونچا ہو کر تصوف آبی کا دعوے کرے اور دوزخ سے بے خوف ہو کر بہشت سے بے پروا ہو کر خدا کی عبادت صرف بغرض عبادت کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو ان چیزوں سے بلند ہے وہ تو خود خدا ہے اس کو عبادت کی کیا ضرورت ہے۔ بندے کا شرف بندگی سے ہے اور بندگی

[۱] میں صالحین کو محبوب رکھتا ہوں اور خود صلاحیت سے عاری ہوں شاید اللہ میری اصلاح کر دے۔

خوف خدا اور طمع نعمت کے بغیر ناممکن ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

ترجمہ و تشریح

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ (شروع) ساتھ نام اللہ کے جو رحمان و رحیم ہے۔

(۱) الٓمّٓ ۝ (بیج کو خدا تعالیٰ ہی درخت کی صورت میں لاتا ہے۔ وہ باریک بین فاطر ہی جانتا ہے جو پردۂ راز میں ہے۔ اس کی تفسیر بھی اُسی کا کام ہے۔ ایسی تفسیر کسی بشر کے سپرد نہیں کی جا سکتی)

(۲) تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ اس کتاب (قرآن مجید) کا اُتارنا اللہ (تعالیٰ) کی طرف سے ہے (اس کتاب مجید کے ربانی ہونے کے لئے کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں خود اس کے داخلی کمالات، علوم، وقار، عدم اختلاف، اوّل سے آخر تک یکساں زور بیان، پیشگوئیوں کا پورا ہونا، وعدوں کا ایفا، تحفظ کلمات، فطرتِ بشری سے مطابقت، ہر عہد اور ہر ملک کی ضروریات سے اصولی موافقت عالم و عامی کے لئے سامان تسکین، تعلیم حریت و مساوات، تزکیہ اخلاق وغیرہ بیشمار خوبیاں ہیں جو کسی انسانی تصنیف   ہونا ناممکن ہیں، پس یہ قرآن اُسی خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے) جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے (اسی اللہ نے نوح و ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ اور داؤد و زکریا وغیرہم انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ توحید کے لئے مبعوث فرمایا، ان بزرگ انسانوں کا منشاء و مقصد صرف اشاعت توحید تھا۔ چنانچہ وہ خود بھی اسی پر عامل رہے اور دیگر بندگان خدا کو بھی اسی کی تلقین فرماتے رہے۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے خود انھیں کو معبود و حاجت روا قرار دے لیا۔ اور پھر یہاں تک ہی کفایت نہیں کی بلکہ اپنے ناقص اجتہادات و استنباطات سے انبیاء علیہم السلام کے مراتب و مدارج کا موازنہ بھی شروع کر دیا اور لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کو فراموش کر دیا۔ حالانکہ عہدۂ رسالت ایک ہی ہے جس میں کسی قسم کا فرق نہیں۔ مگر یہاں تو اقوام عالم میں جدہر نظر اُٹھا کر دیکھو حد نگاہ تک بزرگ بازی ہی دکھائی دیتی ہے، یہ تمام مصائب وحی الٰہی کے پس پشت ڈالنے کا نتیجہ ہیں، اگر تمام بنی نوع انسان اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی (قرآن) کو بصدق دل تھام کر

اس کے ارشادات و ہدایات کو اپنا دستور العمل بنالیں تو یقیناً دنیا بقعۂ امن بن سکتی ہے، مگر یہ جبھی ممکن ہوسکتا ہے کہ پیشہ ور احبار و رہبان اور شیخ و برہمن سے دست عقیدت کھینچ لیا جائے اور اپنی چشم بصیرت سے قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے، یہ کتاب الٰہی سرتا پا فطرت انسانی کے مطابق معقول، ممکن التعمیل، بلکہ میسر التعمیل ہے۔ لیکن اس کے باوجود)

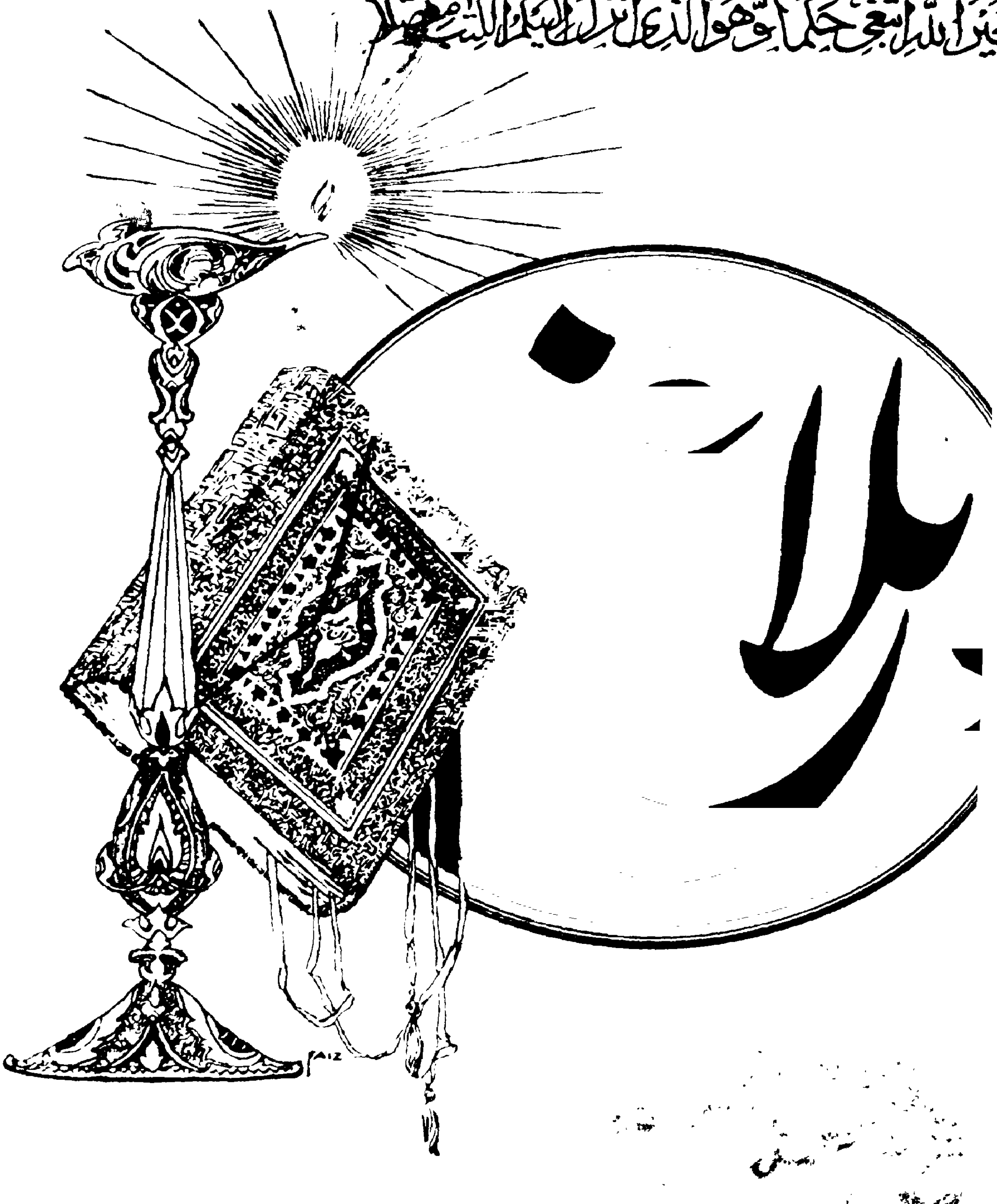
(۳) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ○ کیا یہ (لوگ) کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے؟ (نہیں۔ نہیں۔ ہرگز نہیں، کور باطن اور ذوق روحانیت سے بے بہرہ لوگوں کے غلط پروپیگنڈا سے حقیقت نہیں بدل سکتی ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم - چشمۂ آفتاب را چہ گناہ)

بلکہ یہ (قرآن) تو تیرے رب کی طرف سے اصل حق ہے (اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس دنیا کے لئے ہو یا دار آخرت سے متعلق، بشارت ہو یا نذارت یقیناً ہو کر رہیگا۔ اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں، اس کا سب سے پہلا تجربی فائدہ یہ ہے) کہ (اے پیغمبر) تو اس قوم کو (ناشائستہ اعمال کے نتائج سے) ڈرائے، جن کے پاس تیرے پہلے (ایک مدت دراز یعنی زمانہ اسمٰعیلؑ) سے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا (اور جب تعلیمات اسمٰعیلی یکسر فراموش ہوگئیں اور تمام اطراف و اکناف میں ایمان سوز حالات معرض ظہور میں آئے تو رحمت خداوندی جوش میں آئی اور اس نے دعائے خلیل و نوید مسیحا کے مطابق حضرت محمد صلعم کی وساطت سے ڈرانے والی کتاب بھیجی)، تاکہ وہ (مفسد و افترا پرداز لوگ) ہدایت یافتہ بن جائیں (اُن کی روحیں اپنے سچے محسن کو پہچانیں، اور ناپائدار جھوٹی ولائتوں اور شفاعتوں کے دھوکے سے بچیں اور کائنات ہستی کی محکومیت اور مخلوقیت پر غور کرکے اس کے حاکم و خالق کی طرف متوجہ ہوں)

(۴) اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ اللہ وہ ذات (پاک) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونو (زمین و آسمان) کے درمیان ہے (درجہ بدرجہ

فغیر اللہ ابتغی حکما وھو الذی انزل الیکم الکتب مفصلا



امّت مسلمہ امرتسر

ایڈیٹرز:۔
شہباز ایم۔ اے
مسٹر اصغر بی۔ اے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۱۴/۱۹

بلاغ

قیمت سالانہ ۳
فی پرچہ ۴ر

جلد ۱۴۔ امرتسر۔ ماہ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق مئی ۱۹۳۷ء نمبر ۵

فہرست مضامین

نذیر پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام ڈاکٹر چوہدری علم الدین پرنٹر و پبلشر چھپکر دفتر بلاغ چوک لاہوری دروازہ امرتسر سے شائع ہوا۔

شذرات

(از عرشی)

ہمارا ایک عالم و فاضل ہمعصر جو قرآن کریم کے اس حکم سے واقف ہے کہ "تنابزو[1] بالالقاب" قطعاً ممنوع ہے۔ ہماری نسبت لکھتا ہے کہ

"آئندہ کو ہماری اصطلاح ہوگی کہ ہم قرآن کے منکر کو کافر لکھا کریں گے اور حدیث کو حجیت شرعیہ نہ ماننے والے کو منکر حدیث لکھا کریں گے۔ اس میں اُن کو بُرا ماننے کی کوئی بات نہیں۔ یہ ہماری محض اصطلاح ہے۔ توہین یا ہتک منظور نہیں۔ باوجود اس کے اگر وہ انکار کی نسبت کو اپنے حق میں بُرا جانتے ہیں تو قائل ہو کر ہمیں اطلاع دیں۔ ہم بھی اُن کو قائل لکھا کریں گے (اہل حدیث امرتسر یکم مئی ۱۹۳۶ء)

قرآن کریم نے فرمایا ہے "جزاء سیئة سیئة مثلها" اسی اصول پر ہم بھی لکھتے ہیں کہ

"آئندہ کو ہماری اصطلاح ہوگی کہ ہم قرآن کے منکر کو کافر لکھا کریں گے اور قرآن کو کامل نہ ماننے والے کو منکر قرآن لکھا کریں گے۔ اس میں اُن کو بُرا ماننے کی کوئی بات نہیں۔ یہ ہماری محض اصطلاح ہے۔ توہین یا ہتک منظور نہیں۔ باوجود اس کے اگر وہ انکار کی نسبت کو اپنے حق میں بُرا جانتے ہیں تو قائل ہو کر ہمیں اطلاع دیں۔ ہم بھی اُن کو قائل لکھا کریں گے"۔

ہم خوش ہیں کہ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے "تواتر" کے اہم مبحث پر قلم اٹھایا زیر نظر رسالہ میں اُن کا پُر مغز مضمون نہایت اختصار و اجمال کا حامل ہے۔ لیکن ہمیں توقع دلائی گئی ہے کہ برادر محترم غلام احمد خاں صاحب پرویز سلمہٗ اس کی تفصیل و تشریح فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق رفیق ارزانی فرمائے ــــ مولانا کا ارشاد بالکل بجا ہے کہ "قرآنی لوگوں کا ہر شخص ایک فرقہ بنا ہوا ہے"۔ ــــ ہم اس اختلاف کو ایک خوفناک معصیت سمجھتے ہیں۔ ہم نے مختلف علاقوں اور متفاوت خیالات کے وابستگان قرآن سے مل کر اُن کے فروعی اختلافات کا ... کرتے ہوئے اُن کو ایک مرکز پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ فرقہ پرستی کی تنگنائے سے ابھی ابھی برآمد ہوئے ہیں۔ اب تک وہی ...

[1] [illegible]

خیال، اور ذوق تکفیر ان کے دماغوں میں گھر کئے ہوئے ہے، ہم نے بارہا اُن کی غیر اسلامی روش پر بلاغ میں ماتم کیا ہے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۳۶ء کے بلاغ صفحہ ۳۱ پر انہیں سے متعلق سطور ذیل لکھی گئی ہیں :-

"... ایک اور قوم ہے، جس نے الفاظ قرآنی کا جامہ اوڑھ رکھا ہے۔ اور پیغمبر کے پُرحکمت ارشادات سے بے پرواہ ہے اپنے قرآنی معلم صلعم کی بتائی ہوئی باتوں کو اس کی خواہش کے خلاف منشائے خداوندی سمجھ رہی ہے، اپنے الفاظ، تاویلات اور مزعومات سے ذرہ برابر اختلاف رکھنے والوں کو قطعی غیر مسلم خیال کرتی ہے، اُن کی حد سے بڑھی ہوئی تنگ خیالی نے اُن کو علم و عقل کی وسعتوں سے قطعاً محروم کر دیا، ان پر بہت زیادہ افسوس ہے جو مشعل کو ہاتھ میں لیکر سیدھی راہ سے بھٹک رہے ہیں ـــــ یہ اہل قرآن یا اہل الذکر و القرآن کہلاتے ہیں۔"

۱؎ مولانا عبداللہ چکڑالوی جو اپنے آپ کو بے غلط نہیں سمجھتے تھے

ان سے بدرجہا روشن ہیں وہ لوگ جو فرقوں سے نکل کر نہیں بلکہ لامذہبی کے صحراؤں میں سرگرداں ہو کر قرآن کی پناہ میں آ گئے ہیں۔ قرآن کی سچی قدر وہی شخص کر سکتا ہے جس کی نظر نہایت وسیع ہو جو علوم و مذاہب کی خوب سیر کر چکا ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ "تواتر" کے متعلق دونوں جانب سے مفصلاً اظہار خیال کیا جائے۔ ناظرین بلاغ سے جو صاحب چاہیں، قرآن کی مدد سے اسپر روشنی ڈالیں ہم شکریہ کے ساتھ اس کو شائع کرینگے اور سچی بات کو قبول کرنے کے لئے تیار رہیں گے۔

حضور سرکار عالی وقار نواب صاحب مانگرول (متع اللہ المسلمین بطول بقائہم) کی دینداری اور محبت قرآنی خادمان قرآن کی حوصلہ افزائی کے لئے ایک عطیۂ الٰہی ہے، الحمدللہ علیٰ ذالک۔ آپ نے بلاغ کی امداد کے لئے مبلغ پندرہ روپے ارسال فرمائے ہیں۔ غریب و مستمند بلاغ شکریہ کے ساتھ ایک قدیم شعر نذر حضور کرنے کی جرأت کرتا ہے

دُور دستاں را بہمت یاد کردن مردی است
ورنہ ہر نخلے ثمر در زیر پا می افگند

أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اپنے رب کے احسان بیان کر)

میں کسطرح اس نعمت کو شکر کے پیمانے سے ناپ سکتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنی کتاب کے خادموں کا محب و معتقد بنایا، اور اہل ثروت کے عالیشان محلات کے طواف کی ذلت سے محفوظ رکھا۔ لاہور امرا و مشاہیر کی بستی ہے لیکن میں صرف پروفیسر تبسم کے گھر کی راہ جانتا ہوں اور علامہ اقبال کی کوٹھی، مجھے کئی دفعہ علامہ سے تنہائی میں ملنے کا موقع ملا، میں نے آپ کی ذات میں علم و درویشی کو مجتمع پایا، میں ہمیشہ وہاں سے متاثر ہو کر نکلا، یہ دلچسپ داستان پھر کبھی تفصیل سے سناؤنگا انشاء اللہ۔ اسی طرح امرتسر بڑے بڑے لوگوں سے بھرا پڑا ہے، لیکن میں صرف فقیر دوست سیف الدین کچلو کو جانتا ہوں اور بس، میں کبھی کبھی اُن کے ہاں جاتا ہوں اور جانتا ہوں کہ اُنھیں بھی میرے جھونپڑے میں تشریف لانے سے عار نہیں، میرے نزدیک خدا کی بخشی ہوئی انسانیت کے شرف کو تباہ کرنے کا آسان ذریعہ یہ ہے کہ انسان امراء کی صحبت اختیار کرے، اُن کی ہر لغو و فضول بات پر آمنّا کہتا جائے اور اپنی دنیوی توقعات کو اُن کی چشم کرم سے وابستہ رکھے۔ ان فرعونوں اور نمرودوں سے جتنا قرب ہوگا اتنی ہی خدا سے دُوری ہوتی جائیگی۔

—— امرتسر کے بلند طبقہ میں میں نے ایک اور انسان دیکھا، جس کو بلندیٔ مقام نے گمراہ نہیں کیا، وہ کون ہے؟ رئیس اعظم امرتسر شیخ صادق حسن صاحب بار ایٹ لاء، شیخ صاحب مجھے نہیں پہچانتے اور نہ مجھے خدا کے فضل سے اسکی ضرورت ہے، مجھے آپ کی خدمت میں دو تین دفعہ اپنی مجلس کے "چندہ طلب" وفد کے ہمراہ جانے کا اتفاق ہوا، میں نے آپ کو انکسار و شرافت کا مجسمہ پایا، میں نے محسوس کیا کہ آپ جہاں بھی بوئے خلوص پاتے ہیں امداد و حوصلہ افزائی میں تاخیر نہیں کرتے، ہمارے قدیم جلسے میں بھی آپ نے اعانت کی تھی اور فی الحال ہال کے لئے اپنی جیب خاص سے پچیس روپے کی رقم عنایت فرمائی، میں جانتا ہوں کہ آپ اکثر قومی اُمور میں حصہ لینا پڑتا ہے، اسلامیہ کالج کی تو بنیاد ہی زیادہ تر آپ کی مساعی ہے، اس حالت میں دوسری مجالس کی ضروریات میں تھوڑا سا حصہ لینا بھی غنیمت لیکن اگر آپ پر اس روحانی کام کی اہمیت واضح کی جا سکتی تو بہت زیادہ توجہ کی توقع تھی جزاہم اللہ الجزاء

اس سلسلہ میں سب سے بڑی خوشخبری یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہماری بیکسی و بیچارگی پر رحم فرما کر "مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" کی راہ سے اپنے مبارک کام کے لئے معاون پیدا کردئے، سرِدست ان میں سے ایک صاحب الخیر خواجہ محمد عبداللہ صاحب داماد حضرت

مرحوم کے جذبہ خیر کا ذکر کرتا ہوں، آپ نے مسقف کنواں اور غسلخانے بنوانے کا کام اپنے تنہا صرف سے شروع کرا دیا ہے، یہ سب سے اہم و اقدم ضرورت تھی جس کو آپ نے محسوس فرمایا اللہ تعالےٰ جزائے خیر سے بہرہ یاب فرمائے — ضرورت ہے کہ اسی طرح ہر مستقل حصہ عمارت کو مختلف اصحاب اپنے اپنے ذمہ لیں۔ اس وقت ہمارے پیش نظر مندرجہ ذیل امور ہیں:۔

(۱) مسجد (۲) مسافروں کے چند کمرے۔ (۳) ریڈنگ روم (۴) مدرسہ تعلیم القرآن (متعدد کمرے) (۵) جلسوں کے لئے ایک وسیع ہال (۷) سٹور (۸) مالی کا کمرہ (۹) مدرسۃ البنات (۱۰) نعیس

جو صاحب کسی عمارت کے بلہ اخراجات برداشت کریں گے اُن کا نام پتھر پر کندہ کر کے اسی عمارت میں نصب کرا دیا جائیگا تاکہ آنیوالی نسلیں اُن کو اپنی دعائے خیر میں یاد رکھیں۔ انشاء اللہ العزیز۔ دفتر اور دو ملحقہ کمرے قریبًا تیار ہیں۔ درمیانی کمرے کی چھت اور دروازوں کے تختے ابھی خزانۂ غیب کے منتظر ہیں +

ختم نبوت نمبر کی اشاعت کا وقت مقرر کرنے سے پہلے ضرورت ہے کہ ناظرین کرام اپنے حلقہ اثر میں اس کی ضرورت کا احساس پیدا کریں۔ اس موضوع پر خالص قرآنی تحقیق ہی مخالف کے سحر کو باطل کر سکتی ہے اور یہ فرض تنہا بلاغ کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔

جریدہ الاصلاح ایجرہ کی اشاعت ۹ [illegible]

[illegible] کر انتہائی قلق ہوا ہے کہ [illegible]

[illegible] کے نام سے ہوشیار [illegible]

[illegible] تمام ہندوستان [illegible]

(۱) ہندو سکولوں میں تعلیم پانے والے مسلم [illegible]

[illegible] ہندو عورتیں اسلامی لباس میں مسلمان [illegible]

[illegible] ہندو مرد و عورتیں اسلامی لباس اور طور و طریقہ میں مسلمانوں [illegible]

اس طرح مسلمانوں کو آپس میں لڑایا جائے۔ [illegible]

[illegible] کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں۔ [illegible]

[illegible] عبارات کی [illegible]

آرمی" کے پردے میں کونسی قوت کار فرما ہے" اور غور کریں کہ اس کے دور رس نتائج ملک کو
کتنے عمیق جہنم میں دھکیل سکتے ہیں۔

آئندہ بلاغ میں علاوہ دیگر مضامین کے مندرجہ ذیل مضامین بھی ہونگے انشاء اللہ
(۱) فلسفہ کائنات عالم اور مذہب اسلام کی حقانیت سے متعلق چند استفسارات کے جواب از
آصغر بی۔ اے (۲) عقیدہ تحریف قرآن اور شیعہ از حضرت طالب صفوی، علیگڑھ۔ آگرہ اور
دہلی از عرشی

اُردو پریس کانفرنس علیگڈھ کی کارروائی کا خلاصہ۔
انجمن کا نام اُردو پریس ایسوسی ایشن ہوگا۔
مقاصد (ا) اردو اخبار نویسی اور اُردو مطابع کو ترقی دینا (ب) اخبارات اور مطابع کے
حقوق کی حفاظت (ج) اخبار نویسوں اور اہل مطابع میں باہم اتحاد قائم کرنا اور تعاون باہمی
کو ترقی دینا۔

ہر اردو اخبار نویس اور اہل مطبع جو مندرجہ بالا مقاصد سے اتفاق رکھتا ہو اس انجمن کا ممبر ہو سکتا
ہر ممبر کے لیے ایک روپیہ فیس داخلہ اور دو روپیہ سالانہ چندہ ادا کرنا ضروری ہوگا۔
اُردو پریس کانفرنس کی انتظامیہ کمیٹی کے ارکان علاوہ عہدہ داروں کے گیارہ ہوں گے۔
وقت جو ارکان منتخب کئے جاتے ہیں اُن کی مدت عہدہ ایک سال کے لئے ہوگی۔ یہ کمیٹی
طریقہ کار کے لیے ضمنی قواعد مرتب کریگی نیز سالانہ اجلاس کی تاریخ اور مقام کا تعین
ایک سال تک اس انجمن کا صدر دفتر علیگڈھ میں رہیگا۔ اس کے بعد دوبارہ اسپر غور کیا جا
ریزولیوشنوں کا خلاصہ جو کانفرنس کی طرف سے محکمہ ڈاک، تار، ریلوے، ارکان اسمبلی
گورنمنٹ ہند کو بھیجے گئے ہیں۔

اخبارات کے نشر ٹیلیفون میں رعایت۔ ریلوے بک سٹالوں میں اردو اخبارات و رسا
کی فروخت میں توسیع۔ پریس ٹیلیگرام ہندوستانی زبانوں اور رومن رسم الخط میں ہو۔ تار تاریخ اشاعت
پرچوں کے بھیجنے میں رعایتی شرح ڈاک کا لحاظ۔ موجودہ پریس ایکٹ میں ترمیم اور جدید آئین کے
ساتھ پبلک کی تحریر کی آزادی۔ اخبارات کے لئے ویلیو پے ایبل اور تار کا پتہ رجسٹری کرانے کی شرح فیس

ریویو

شہاب ماہانہ — مرتبہ محمد عبدالرزاق صاحب بسمل۔ کتابت۔ کاغذ۔ طباعت متوسط۔ صفحات ۸۰ قیمت چار روپے سالانہ۔ پتہ دفتر شہاب۔ بیرون [یر]پورہ۔ حیدرآباد دکن

پیش نظر نمبر میں صرف ایک ہی مضمون ہے "علم الالسنہ" جو ہمارے خواجہ [محمد] عباداللہ صاحب اختر بی۔ اے امرتسری کی سعی و کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس میں مختلف [ز]بانوں سنسکرت، عربی، عبرانی، فینقی، فارسی، یونانی وغیرہ کی قدامت، تغیرات [او]ر تجانس و توحد پر نہایت عمیق بحث کی ہے۔ حروف تہجی کی اصلیت، مواد الفاظ کی [ح]قیقت و تعداد، قوانین صرف و نحو کی تحقیق۔ اشتراک ضمائر السنہ، خاصیات حروف [وغ]یرہ مسائل پر تفصیل سے غائر نظر ڈالی گئی ہے۔ اس ضمن میں بعض دلچسپ قدیم تاریخی [ح]قائق بھی آ گئے ہیں۔ لفظ "وید" اور لفظ "برطانیہ" کے متعلق مفید معلومات [د]ئے گئے ہیں۔ مائی تھولوجی (دیوتاؤں کے قدیم افسانوں) سے نتائج اخذ کرنے کا [ط]ریق بھی واضح کیا ہے۔ ایک محقق الفاظ و لغات کے لئے یہ مختصر ذخیرہ کافی دلچسپی کا [ح]امل ہے۔

ایک بات ہمیں جناب مرتب یا مدیر رسالہ سے عرض کرنا ہے کہ ایسے علمی مضمون [ص]رف کاتب کے رحم پر چھوڑ دینا مصنف کے دماغ پر ظلم عظیم کا مترادف ہے [illegible] اغلاط سے پاک نہیں۔ بعض جگہ الفاظ و حروف تک چھوڑ دئے گئے ہیں [illegible] صاحب نے اپنی طرف سے الفاظ [illegible] [illegible] [illegible] کا مشاہدہ" چاہیے۔ صفحہ [illegible] "کی جگہ "تعبیر" [illegible] مطبع ہونا" چاہیے۔ صفحہ [illegible] براہ کرم اس مضمون [illegible] بحیثیت [illegible] اغلاط [illegible]

آرمی" کے پردے میں کونسی قوت کارفرما ہے، اور غور کریں کہ اس کے دُور رس نتائج ملک کو کتنے عمیق جہنم میں دھکیل سکتے ہیں ۔

آئندہ بلاغ میں علاوہ دیگر مضامین کے مندرجہ ذیل مضامین بھی ہونگے انشاء اللہ
(۱) فلسفہ کائنات عالم اور مذہب اسلام کی حقانیت سے متعلق چند استفسارات کے جواب از آصغر بی۔ اے (۲) عقیدہ تحریف قرآن اور شیعہ از حضرت طالب صفوی ۔ علیگڈھ۔ آگرہ اور دہلی از عرشی

اُردو پریس کانفرنس علیگڈھ کی کارروائی کا خلاصہ۔
انجمن کا نام اُردو پریس ایسوسی ایشن ہوگا۔
مقاصد (ا) اردو اخبار نویسی اور اُردو مطابع کو ترقی دینا (ب) اخبارات اور مطابع کے حقوق کی حفاظت (ج) اخبار نویسوں اور اہل مطابع میں باہم اتحاد قائم کرنا اور تعاون باہمی کو ترقی دینا۔
ہر اُردو اخبار نویس اور اہل مطبع جو مندرجہ بالا مقاصد سے اتفاق رکھتا ہو اس انجمن کا ممبر ہو سکتا ہے
ہر ممبر کے لئے ایک روپیہ فیس داخلہ اور دو روپیہ سالانہ چندہ ادا کرنا ضروری ہوگا۔
اُردو پریس کانفرنس کی انتظامیہ کمیٹی کے ارکان علاوہ عہدہ داروں کے گیارہ ہوں گے۔ اس وقت جو ارکان منتخب کئے جاتے ہیں اُن کی مدت عہدہ ایک سال کے لئے ہوگی۔ یہ کمیٹی اپنے طریقہ کار کے لئے ضمنی قواعد مرتب کریگی، نیز سالانہ اجلاس کی تاریخ اور مقام کا تعین کریگی۔
ایک سال تک اس انجمن کا صدر دفتر علیگڈھ میں رہیگا۔ اس کے بعد دوبارہ اسپر غور کیا جائیگا۔
ریزولیوشنوں کا خلاصہ جو کانفرنس کی طرف سے محکمہ ڈاک، تار، ریلوے، ارکان اسمبلی اور گورنمنٹ ہند کو بھیجے گئے :۔

اخبارات کے لئے شرح ٹیلیفون میں رعایت۔ ریلوے بک سٹالوں میں اُردو اخبارات و رسائل وکتب کی فروخت میں توسیع ۔ پریس ٹیلیگرام ہندوستانی زبانوں اور رومن رسم الخط میں ہو۔ تاریخ اشاعت کے بعد پرانے پرچوں کے بھیجنے میں رعایتی شرح ڈاک کا لحاظ۔ موجودہ پریس ایکٹ میں ترمیم اور جدید آئین کے اجرا کے ساتھ ساتھ پریس کی تدریجی آزادی۔ اخبارات کے لئے ونڈو ڈیلیوری اور تار کا پتہ رجسٹری کرانے کی شرح فیس میں نصف

ریویو

شہاب ماہانہ } مرتبہ محمد عبدالرزاق صاحب بسمل۔ کتابت۔ کاغذ۔ طباعت متوسط۔ صفحات ۸۰ قیمت چار روپے سالانہ۔ پتہ دفتر شہاب۔ بیرون پرپورہ۔ حیدر آباد دکن

پیش نظر نمبر میں صرف ایک ہی مضمون ہے "علم الالسنہ" جو ہمارے خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے امرتسری کی سعی و کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس میں مختلف زبانوں سنسکرت، عربی، عبرانی، فینقی، فارسی، یونانی وغیرہ کی قدامت، تغیرات تجانس و توحد پر نہایت عمیق بحث کی ہے۔ حروف تہجی کی اصلیت، مواد الفاظ کی یقت و تعداد، قوانین صرف و نحو کی تحقیق۔ اشتراک ضمائر السنہ، خاصیات حروف رہ مسائل پر تفصیل سے نا ئرنظر ڈالی گئی ہے۔ اس ضمن میں بعض دلچسپ قدیم تاریخی ائق بھی آ گئے ہیں۔ لفظ "وید" اور لفظ "برطانیہ" کے متعلق مفید معلومات ئے گئے ہیں۔ مائی تھولوجی (دیوتاؤں کے قدیم افسانوں) سے نتائج اخذ کرنے کا یقہ بھی واضح کیا ہے۔ ایک محقق الفاظ و لغات کے لئے یہ مختصر ذخیرہ کافی دلچسپی کا ں ہے۔

ایک بات ہمیں جناب مرتب یا مدیر رسالہ سے عرض کرنا ہے کہ ایسے علمی مضمون رف کاتب کے رحم پر چھوڑ دینا، مصنف کے دماغ پر ظلم عظیم کا مترادف ہے۔ غالباً کوئی ، اغلاط سے پاک نہیں۔ بعض جگہ الفاظ و حروف تک چھوڑ دئے گئے ہیں۔ اور بعض جگہ ۔ صاحب نے اپنی طرف سے الفاظ بڑھا دئے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۲ سطر ۱۳ "حقائق مشاہدہ" ائق کا مشاہدہ" چاہیئے۔ صفحہ ۳ سطر ۷ "بھی تو جب" میں "تو" زائد ہے۔ سطر ۱۹ "تعبیر ہ" کی جگہ "تعبیر کرتے ہیں" ہونا چاہیئے۔ صفحہ ۵۳ سطر ۱۸ انقیاد کا ترجمہ "مطیع ہونا" لکھا "مطیع ہونا" چاہیئے۔ صفحہ ۵۰ پر تو ضمائر کی خوب مٹی خراب کی گئی ہے۔

براہ کرم اس مضمون کے دوسرے باب (قوانین تصریف) میں اس کا لحاظ رکھیں اتھ ہی ان اغلاط کا ایک صحت نامہ بھی منسلک کر دیں۔ (ع)

فہرست بورڈ آف ٹرسٹیز
متعلقہ
اوقاف اُمّتِ مُسلِمہ امرتسر

مجلس منتظمہ اُمت مسلمہ امرتسر نے اپنے اجلاس مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۳۶ء میں حسب ریزولیوشن نمبر ۶۵ مندرجہ ذیل اصحاب کو اوقاف اُمت مسلمہ امرتسر متولی قرار دیا ہے :-

ممبران اوقاف کے اسمائے گرامی

(۱) میاں مولابخش ولد میاں گُندن خاں قوم راجپوت بازار سرکی بنداں امرتسر

(۲) چودھری خیر دین ولد مہر کماں قوم ارائیں کٹڑہ کرم سنگھ امرتسر

(۳) خان علی احمد خاں صاحب داشمن بی۔ اے مکینیکل انجنیئر ولد نور احمد خاں ذات افغان ساکن بستی دانشمنداں شہر جالندھر

(۴) خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے تحصیلدار ولد میاں غلام رسول صاحب نمبر کشمیری۔ کٹڑہ جیمل سنگھ امرتسر

(۵) ڈاکٹر میر حبیب اللہ ولد مولوی اسمٰعیل میر کاشمیری کوچہ باالدھا گوجرانوالہ

مسٹر اصغر۔ بی۔ اے

(۷) مستری تاج دین ولد میاں جمال دین شیخ کاشمیری کوچہ گوجراں۔ دروازہ لوہگڑھ امرتسر

(۸) محمود علی ولد حکیم شہاب الدین قوم قریشی مزنگ لاہور

(۹) عبداللہ خاں ولد میاں محمد الدین قوم راجپوت نواں کوٹ شہر امرتسر

تواتر

(از جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

اپریل ۳۷ء کے بلاغ میں عرشی صاحب نے شد و مد کے ساتھ تواتر کی تردید کی کوشش کی ہے جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ انھوں نے سمجھ رکھا ہے کہ لوگ تواتر کو دینی حجت قرار دیتے ہیں۔ چونکہ اُن کے اس خیال میں خلط مبحث کی وجہ سے اُلجھاؤ پڑ گیا ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو سلجھانے کی کوشش کروں۔

اصلیت یہ ہے کہ تواتر بذاتہ کسی کے نزدیک دینی حجت نہیں ہے صرف علمی حجت ہے یعنی اس کے ذریعہ سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ دلائل عقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ تواتر بدیہیات، مشاہدات اور تجربیات وغیرہ کی طرح یقینیات کے اقسام ستہ میں سے ایک قسم ہے۔

تواتر کی اصل حقیقت یہ ہے

(۱) اس کے بیان کرنے والے اس قدر کثیر تعداد میں ہوں جن کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادۃً یا عقلاً محال ہو۔

(۲) ابتدا سے انتہا تک ہر درجہ میں اس کے کہنے والے اسی قدر رہے ہوں۔ اگر کسی درجہ میں بھی اس سے کم رہے ہوں گے تو تواتر باقی نہ رہیگا۔

(۳) تواتر صرف محسوسات میں ہوتا ہے نظریات میں نہیں ہوتا۔ مثال سے اس کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ اگر ایک ہی ہزار حاجی کہتے ہیں کہ مکہ ایک شہر ہے تو اُن کا یہ قول مفید یقین ہوگا کیونکہ شہر محسوس شے ہے۔ بخلاف اس کے اگر دس کروڑ عیسائی کہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں تو یہ مفید یقین نہ ہوگا کیونکہ اس کا مبنیٰ محض اعتقادی ہے۔

(۴) اس کے سننے سے سامع کو بداہتاً یقین حاصل ہو جائے۔

پس اگر کوئی یہودی اپنے طریق عبادت کو ان شروط کے ساتھ حضرت موسیٰ کا طریق عبادت کہتا ہے یا کوئی عیسائی اپنے عمل کے متعلق حضرت عیسیٰ سے تواتر دکھلاتا ہے تو اس سے یہ علم حاصل ہوگا کہ وہ حضرت موسیٰ یا عیسیٰ کا طریق ہے لیکن یہ تواتر کسی مسلمان پر دینی حجت نہیں ہو سکتا

مسلم تو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کے اتباع کے لئے مامور ہے۔ کیونکہ قرآن میں یہ اصول بتایا گیا ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" لہٰذا مسلمان کے لئے وہ عمل دینی ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمت میں نسلاً بعد نسل آج تک متواتر چلا آتا ہو بشرطیکہ اس کا حکم قرآن میں دیا گیا ہو[۱]۔

قرآن کے جملہ شرعی احکام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل آج تک اُمت میں قائم ہے۔ مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ جنگ و صلح۔ نکاح۔ طلاق وغیرہ وغیرہ۔ ان میں مطلقاً کسی تبدیلی یا ترمیم کا اختیار کسی اُمتی کو حاصل نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا امام یا علامہ ہو۔ تشکیل[۲] عمل کا حق صرف رسول کو دیا گیا تھا اور بس۔

یہاں یہ وسوسہ پیدا ہو سکتا ہے کہ مثلاً نماز اگر عمل متواتر ہے تو اس میں اختلافات کیوں واقع ہیں کہ کوئی ہاتھ باندھکر پڑھتا ہے کوئی ہاتھ کھول کر۔ کوئی رفع یدین کرتا ہے اور کوئی نہیں۔ ایک آمین بالجہر کا قائل ہے دوسرا اُس کے مخالف تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان جزئی اختلافات سے مجموعی نماز عمل متواتر سے خارج نہیں ہو سکتی۔ اس کا جتنا حصہ جملہ فرقِ اسلامیہ میں معمول بہ ہے متواتر ہے اور اختلافی اجزا غیر متواتر ہیں۔ یہ فساد اس میں فرقوں کے باہمی عناد سے واقع ہوا ہے جس کی بنیاد اشخاص اور روایات پرستی سے پڑی۔ یہ مرکز کا فریضہ تھا کہ بروقت اس کی اصلاح کرکے تواتر[۳] عمل کی حفاظت کرتا مگر اسے استبداد کا تسلط تھا جس کو نہ وحدت ملت کی خواہش تھی نہ تواتر کی پروا۔ اسلئے اختلافات بڑھتے گئے اور بڑھتے گئے۔ اب آج اُن کے اصلاح کی کوئی صورت ہمارے پاس نہیں ہے اسلئے ان اختلافات کو برداشت کرنا چاہئے۔ اور اُن کو کوئی اہمیت ہرگز نہ دینا چاہئے تاآنکہ اُمت میں صحیح مرکزیت ہو جائے جو ان مفاسد کی اصلاح کر سکے۔

آج مسلمانوں میں بہت سے اعمال جن کی تعداد کم نہیں ہے دین کے نام سے جاری ہیں حالانکہ اُن کا کوئی حکم قرآن میں نہیں ہے۔ اُن کو دین سمجھنا افراط ہے۔ دوسری طرف قرآنی جماعت دینی اعمال کو صرف کتاب اللہ سے نکالنا[۴] چاہتی ہے اسوجہ سے ان میں سے ہر دو

۱۔ بجا ارشاد ہوا۔		۲۔ شرح طلب ہے۔
۳۔ یہی تو میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن پاک کے سوا کسی چیز کی حفاظت بذمہ الٰہی ثابت نہیں۔
۴۔ واقعی یہ تکلف تفریط کا مرادف ہے (عرشی)

مخصوص کے عمل کی شکلوں میں اختلاف ہے۔ مثلاً نماز ہی ہے کہ کوئی اس کو تین وقت کی کہتا ہے کوئی چار وقت کی۔ اگرچہ اُن کا دعوےٰ ہے کہ ہم فرقہ بند نہیں ہیں بلکہ فرقہ بندی مسلمانوں میں سے مٹانا چاہتے ہیں لیکن اختلاف عمل کی وجہ سے اُن میں کا ہر ایک شخص ایک فرقہ بنا ہوا ہے۔ یہ تفریط ہے۔ اس جماعت نے یہ نہیں سمجھا کہ عمل کی تشکیل صرف رسول کا حق ہے اگر ہر شخص خود عمل کی ایک صورت قائم کرے تو اُمت کی وحدت اور جمہوریت سب مٹ جائے اور کتاب و رسالت کا مقصد غارت ہو جائے۔ الغرض ان دونوں طریقوں میں سے ایک بھی صحیح نہیں۔ صحیح راستہ صرف یہ ہے کہ حکم قرآن سے ثابت کیا جائے اور عمل کی صورت رسول کے عمل متواتر سے۔ کیونکہ اصل دین قرآن ہے اور رسول اسی کا تابع ہے۔ اور اس کے اعمال کی تشکیل کرتا ہے۔

مواعظ قرآن

(۲۰)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (۵/۲)

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور سے مت کھاؤ بشرطیکہ تجارت کے طور پر آپس کی رضامندی سے اور خودکشی مت کرو۔ بے شک اللہ تم سب پر مہربان ہے۔

دنیاوی قانون کا قاعدہ ہے کہ کسی کام کے جائز اور ناجائز قرار دینے سے پہلے اس کام کی تشریح و تعریف صاف صاف کر دی جائے کہ قانون شکنی کے لئے کوئی بہانہ باقی نہ رہے۔ قرآن کے احکام میں کسی فعل کی جامع تعریف نہیں کی گئی ہے۔ اس کا مفہوم یا تو اس لئے کہ اس کے اولیں مخاطب اس کو پوری طرح جانتے تھے یا سنت رسول نے اس کی تشریح کر دی ہے صراحت کرنے سے قطعی چھوڑ دیا گیا ہے۔ مثلاً ربوٰ کا لفظ ہے جس کا مرادف انگریزی میں یوژری (usury) ہو سکتا ہے۔ مگر فقہا کی تشریح نے (جس کی غالباً کوئی سند نہیں ہے) ہر ایک ایسی جنس مبادلہ کو جس میں کمی و زیادتی ہو ربوٰ قرار دیا ہے۔ اسی طرح زنا کا لفظ ہے جس کا مرادف انگریزی اڈلٹری (adultery) ہے۔ اور اڈلٹری صرف اسی زنا کا نام ہے جو ایک محصنہ کے ساتھ کیا جائے۔ غیر محصنہ کے ساتھ جماع یا مباشرت کا نام اڈلٹری نہیں ہے۔ اور نہ صرف یہ مفہوم انگریزی زبان میں ہے بلکہ عبرانی۔ لاطینی اور یونانی زبان میں یہی مفہوم زنا کا ہے۔ چونکہ عبرانی زبان میں زنا کا یہی مفہوم قرار دیا گیا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ یہی مفہوم عربی میں بھی نہ ہو۔ غیر شوہر والی عورت کے ساتھ درحقیقت جماع خواہ حلال ہو یا حرام ایک دوسری صورت ہے۔ یونانیوں۔ رومیوں۔ یہودیوں۔ ہندوؤں میں وہ ایک قسم کا وقتی نکاح ہے۔ اور جہاں تک میں نے غور کیا۔ عربی مراسم بھی اسی کی تائید میں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان محصنہ کے ساتھ جب وہ کفار کے جنگ میں اسیر ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ آتی تھیں تو اسلئے کہ ان کا نکاح ان کے شوہروں سے فسخ ہو جاتا تھا۔ ان کے ساتھ بلا نکاح کے مباشرت جائز سمجھی جاتی تھی جو خواہ قرآن کے رو سے جائز نہ ہو مگر یہودیوں میں یہ ہی دستور تھا۔

توریت میں جہاں زنا کے لئے قتل اور سنگساری کی پاداش ہے۔ وہاں یہ حکم بھی پایا جاتا ہے کہ جو شخص کسی کنواری کے ساتھ مباشرت کرے چاہیئے کہ اس کے ساتھ نکاح کرے۔ گویا وہ زنا ہی نہیں اور اس کی پاداش یہی ہے کہ اُس کے ساتھ مستقل طور سے زندگی بسر کی جائے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ اسلامی نکاح کی شروط یعنی ایجاب وقبول جانبین ومہر ایسی باتیں ہیں جو سوائے محصنہ کے کہ اُن کے ساتھ نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ کسی قسم کے جماع ومباشرت کو جو عورت کی رضامندی سے ہو جبکہ وہ شوہردار نہ ہو زنا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ ایسا نکاح جو وقتی حظ کے لئے ہو قرآن نے ممنوع قرار دیا ہے اور اسی واسطے ہم متعہ یا اُس کی قسم کے افعال کو حسب آیہ کریمہ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۔ جماع یا نکاح ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مگر اس کو زنا کہنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

ربٰو کا اگر عرب میں وہی مفہوم تھا جو اب انگریزی لفظ یوژری کا ہے اور جس کے لئے خود قرآن نے ایک جگہ اشارتاً لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً بالنص بتا دیا ہے تب تو وہ قطعی حرام وناجائز ہے۔ مگر وہ سود جس کے اوپر بین الاقوامی تجارت وکسب ومعیشت اور بنک کا دارومدار ہے اُس کو ربٰو کہنا مسلمانوں پر ایسا ظلم روا رکھنا ہے جس کو غالباً قرآن کبھی پسند نہ کریگا۔ پس کیا ضرورت نہیں کہ قرآن کے احکام کے ساتھ اب ہم غور کریں کہ جن اعمال کی مناہی اور وعید قرآن شریف میں ہے اس کا دراصل مفہوم اُسوقت عرب میں کیا تھا اور اتوسے زیادہ صراحت توحید۔ شرک اور کفر کی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اسقدر افتراق ہوگیا ہے۔ بہرحال۔ اوپر کی آیت میں قرآن شریف نے ایک نہایت جامع اور اصولی تعریف کردی ہے جس کے بعد ہم کو کسی عرب کے دستور ومفہوم یا سنت وحدیث کے جستجو کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ہر وہ کام جس میں ذاتی منفعت یا حظ ہو بشرطیکہ دوسرے کی رضامندی اور بغیر نقصان رسانی اور اُس کی خوشدلی سے ہو ان مستثنیات میں سے ہیں۔ جو قانون دان اصحاب Mala fide اور بونافائڈ (Bona fide) کے معنی میں لیتے ہیں پس تمام احکام کا دارومدار درحقیقت نیت پر ہے۔ اگر دوسروں کو کوئی گزند نہیں پہنچتا تو وہ کام اخلاقی حیثیت سے بُرا نہیں مگر اس اصول میں ایک رخنہ رہ جاتا تھا اور وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ہمارے کسی کام سے دوسروں کو گزند نہ پہنچے مگر کیا یہ ممکن نہیں کہ خود ہمارے نفس کو نقصان پہنچے۔ اس لئے اس

آیت کے ساتھ ہی اس کا حکم دینا بھی ضروری تھا۔ "وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ" یعنی اپنے نفس کو بھی ہلاکت تک نہ پہنچاؤ۔ شراب پینا کسی دوسرے کی تکلیف کا باعث نہیں ہوسکتا مگر تمہارے نفس کو خود ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ متعہ کرنے پر جانبین کی رضامندی ہو اور تم سے اس کے بارے میں ویسی سخت گرفت نہ کی جائے جیسے زنا کے لئے ہے۔ مگر تم جانتے ہو کہ جو لوگ اپنی بیویوں کے علاوہ دوسروں سے حرامکاری کرتے ہیں وہ آخر میں کیسے موذی امراض میں مبتلا ہو کر اپنے نفس کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ ممکن ہے کہ تمہاری قمار بازی اور سٹہ بازی سے کسی دوسرے کی نقصان رسانی مقصود نہ ہو مگر یہ دولت جو اس طرح جمع ہوتی ہے آخر میں کیا نتیجہ دکھلاتی ہے۔ بڑے بڑے لکھ پتی اور کروڑ پتی ایک دن کیوں خودکشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور سوائے اس کے اُن کو کوئی چارہ نہیں رہتا۔

یہ ہے قرآنی احکام کی حکمت۔ کیا یہ ممکن تھا کہ سوائے خلاق ازل کے کوئی دوسرا انسان اس قسم کے جامع اور محکم اذیال کو دو جملوں میں بتا دے۔ جن کی تشریح اگر ایک آدمی کرنے بیٹھے تو دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے۔

حق گو

فکر حکیم

حضرت علامہ سر اقبال کی "ضرب کلیم" کے چند اشعار پر تخمیس

(از عرشی)

محکوم و آزاد

محکوم کا سر اور خرافات کا سودا — محکوم کو پارینہ روایات کا سودا
محکوم کو فرسودہ خیالات کا سودا — محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات

صوفی سے

ترے حریم پہ چھائی ہے رات کی دنیا — جمود و خواب کی دنیا ممات کی دنیا
ترے نفس سے گریزاں حیات کی دنیا — تری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا

جواہر انتخاب

تین دوست

ملک الشعرا بہار ایرانی کی ایک نظم مطبوعہ بہائی میگزین کا آزاد ترجمہ خاص برائے بلاغ

ایک شخص کے تین دوست تھے، ان تینوں سے اُسے بہت رغبت تھی۔ اوّل وہ مال و دولت جو اُس نے عمر بھر میں کمایا تھا، دوم وہ حور لقا جو اس کی انیس خلوت تھی، سوم وہ اخلاق و اعمال جو اس کو انسانی برادری سے وابستہ کئے ہوئے تھے۔

جب اس کا آخری وقت آپہنچا، اس نے تینوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا، اپنے مال کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھا اور کہا "اے سرمایہ عیش و سرور! تو میرے بعد کیا کریگا"۔ "میں ترے مزار پر شمع و فانوس فروزاں کرونگا، ترے گزر جانے کے بعد"۔ مال نے جواب دیا + پھر اپنی محبوبہ سے کہا "اے آرام جان میرے بعد صبر کیجیو"۔ "میں تیری قبر پر اتنا ماتم کرونگی کہ مردے قبروں سے اُٹھ کھڑے ہونگے"۔ محبوبہ نے جواب دیا + پھر اپنے عمل سے کہا "تو میرے بعد کیا کریگا"۔ "میں تجھ سے کبھی جدا نہ ہونگا قیامت تک" عمل نے جواب دیا + الحاصل اس کو دفن کرکے سب روانہ ہوئے۔ مال نے چند دن بادِل ناخواستہ اس پر شمعیں جلائیں، عورت نے ریاکارانہ چند آنسو بہائے۔ لیکن اس کے اعمال اس کے ساتھ قبر میں داخل ہوگئے

(مترجم لاھوتی)

ارتقاء کی تعریف

یونان میں ہرقلیطاس ایک بڑا حکیم گزرا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ عالم میں کسی چیز کو استقلال نہیں۔ یہاں کی ہر چیز تغیر پذیر ہے۔ تم دو مرتبہ ایک ہی چشمہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ پلک جھپکانے سے دریا بدل گیا۔ اب اس میں وہ پانی ہی نہیں جو ایک ساعت پیشتر تھا۔ اب اس کی وہ صورت ہی نہیں جو ایک لمحہ پہلے تھی۔ گو یہ سمجھتے ہو کہ یہ وہی دریا ہے جس میں ابھی داخل ہوئے تھے۔ لیکن حقیقت میں نہ وہ دریا نہیں رہا بلکہ تم خود بھی وہ نہیں ہو جو ایک ساعت پہلے تھے۔ ذرا سی دیر میں تم بھی بدل گئے دریا بھی بدل گیا۔ تبدل کا یہ فلسفہ ارتقاء کی جان ہے۔ فلسفہ ارتقاء کا یہ دعوے ہے کہ دنیا رفتہ رفتہ تبدیلیوں سے اپنی موجودہ حالت پر پہنچی ہے۔ ارتقاء کی بہترین تعریف جن لفظوں سے کی گئی ہے اُن کا خلاصہ یہ "باقاعدہ تدریجی تبدل ہو سکتا ہے" ۵

در ہر مژہ برہم زدن ایں خلق جدید است　　نظارہ سگالد کہ ہمانست و ہماں نیست
(بیدل)

آیت کے ساتھ ہی اس کا حکم دینا بھی ضروری تھا "وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ" یعنی اپنے نفس کو بھی ہلاکت تک نہ پہنچاؤ۔ شراب پینا کسی دوسرے کی تکلیف کا باعث نہیں ہو سکتا مگر تمہارے نفس کو خود ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ متعہ کرنے پر جانبین کی رضامندی ہو اور تم سے اس کے بارے میں ویسی سخت گرفت نہ کی جائے جیسے زنا کے لئے ہے۔ مگر تم جانتے ہو کہ جو لوگ اپنی بیویوں کے علاوہ دوسروں سے حرامکاری کرتے ہیں وہ آخر میں کیسے کیسے موذی امراض میں مبتلا ہو کر اپنے نفس کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ ممکن ہے کہ تمہاری قمار بازی اور سٹہ بازی سے کسی دوسرے کی نقصان رسانی مقصود نہ ہو مگر یہ دولت جو اس طرح جمع ہوتی ہے آخر میں کیا نتیجہ دکھلاتی ہے۔ بڑے بڑے لکھ پتی اور کروڑ پتی ایک دن کیوں خودکشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور سوائے اس کے اُن کو کوئی چارہ نہیں رہتا۔

یہ ہے قرآنی احکام کی حکمت۔ کیا یہ ممکن تھا کہ سوائے خلاق ازل کے کوئی دوسرا انسان اس قسم کے جامع اور محکم اذیال کو دو جملوں میں بنا دے۔ جن کی تشریح اگر ایک آدمی کرنے بیٹھے تو دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے۔

حق گو

فکرِ حکیم

حضرت علامہ سر اقبال کی "ضرب کلیم" کے چند اشعار پر تخمیس

(از عرشی)

محکوم و آزاد

محکوم کا سر اور خرافات کا سودا
محکوم کو پارینہ روایات کا سودا
محکوم کو فرسودہ خیالات کا سودا
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات

صوفی سے

ترے حریم پہ چھائی ہے رات کی دنیا
جمود و خواب کی دنیا، ممات کی دنیا
ترے نفس سے گریزاں حیات کی دنیا
تری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا

جواہر انتخاب

تین دوست

ملک الشعراء بہار ایرانی کی ایک نظم مطبوعہ بہائی میگزین کا آزاد ترجمہ خاص برائے بلاغ

ایک شخص کے تین دوست تھے، ان تینوں سے اُسے بہت رغبت تھی۔ اوّل وہ مال و دولت جو اُس نے عمر بھر میں کمایا تھا، دوم وہ حور لقا جو اس کی انیس خلوت تھی، سوم وہ اخلاق و اعمال جو اس کو انسانی برادری سے وابستہ کئے ہوئے تھے۔

جب اس کا آخری وقت آپہنچا، اس نے تینوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا، اپنے مال کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھا اور کہا "اے سرمایہ عیش و سرور! تو میرے بعد کیا کریگا"۔ "میں تیرے مزار پر شمع و فانوس فروزاں کرونگا، تیرے گزر جانے کے بعد"۔ مال نے جواب دیا۔ پھر اپنی محبوبہ سے کہا "اے آرام جان میرے بعد صبر کیجیو"۔ "میں تیری قبر پر اتنا ماتم کرونگی کہ مردے قبروں سے اُٹھ کھڑے ہونگے"۔ محبوبہ نے جواب دیا۔ پھر اپنے عمل سے کہا "تو میرے بعد کیا کریگا"۔ "میں تجھ سے کبھی جدا نہ ہونگا قیامت تک" عمل نے جواب دیا۔ الحاصل اس کو دفن کرکے سب روانہ ہوئے۔ مال نے چند دن بادلِ ناخواستہ اس پر شمعیں جلائیں، عورت نے ریاکارانہ چند آنسو بہائے۔ لیکن اس کے اعمال اس کے ساتھ قبر میں داخل ہوگئے۔

(مترجم لاھوتی)

ارتقاء: یونان میں ہرقلیطاس ایک بڑا حکیم گزرا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ عالم میں کسی چیز کو استقلال نہیں۔ یہاں کی ہر چیز تغیر پذیر ہے۔ تم دو مرتبہ ایک ہی چشمہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ پلک جھپکانے سے دریا بدل گیا۔ اب اس میں وہ پانی ہی نہیں جو ایک ساعت پیشتر تھا۔ اب اس کی وہ صورت ہی نہیں جو ایک لمحہ پہلے تھی۔ گو یہ سمجھتے ہو کہ یہ وہی دریا ہے جس میں ابھی داخل ہوئے تھے۔ لیکن حقیقت میں یہ وہ دریا نہیں رہا بلکہ تم خود بھی وہ نہیں ہو جو ایک ساعت پہلے تھے۔ ذرا سی دیر میں تم بھی بدل گئے دریا بھی بدل گیا۔ تبدل کا یہ فلسفہ ارتقاء کی جان ہے۔ فلسفہ ارتقاء کا یہ دعوےٰ ہے کہ دنیا رفتہ رفتہ تبدیلیوں سے اپنی موجودہ حالت پر پہنچی ہے۔ ارتقاء کی بہترین تعریف جن لفظوں سے کی گئی ہے اُن کا خلاصہ "باقاعدہ تدریجی تبدل ہو سکتا ہے"۔ ہ

در ہر مژہ برہم زدن ایں خلق جدید است ۔ نظارہ سگالد کہ ہمانست و ہماں نیست (غالب)

حساب آمد و خرچ اُمت مسلمہ امرتسر ماہ اپریل ۱۹۳۷ء

آمد بلاغ

بقایا سابقہ	.	۱۰	۱۴۳
حاجی محمد اسحاق اسمٰعیل	.	—	۵
معرفت مستری تاج الدین	.	—	۱
مستری محمد سعید	.	۸	۱
میاں مہر بخش چاندی والا	.	—	۵
عنایت اللہ صاحب علیگڑھ	.	—	۳
اکرم خاں صاحب	.	—	۱
بابو چراغ الدین سدھو	.	—	۲
میاں فیلی	.	—	۱
ڈاکٹر غلام حسن صاحب دندانساز	.	—	۳
غلام صفدر صاحب راولپنڈی	.	—	۳
محمد علی صاحب موگہ	.	۳	۳
سردار اکرم خاں صاحب گجرات	.	۳	۳
ڈاکٹر یوسف غفور	.	۳	۳
ماسٹر مہر بخش چغتائی	.	—	۲۲
عبداللہ خاں اوورسیر	.	—	۵
چوہدری کرم دین	.	—	۱
الٰہ بخش زری والا	.	—	۱
شیخ ظہور احمد بحرین	.	—	۲۷
میاں محمد شفیع خیاط کوئٹہ	.	۲	۳
ہز ہائینس نواب صاحب مانگرول	.	—	۱۵
اختر مسانوی	.	۱۱	۱
میزان	.	۹	۲۵۸

ہال فنڈ

چوہدری شہاب الدین	.	—	۱۰
مستری حسین بخش صاحب	.	—	۱۰
خواجہ عبداللہ صاحب	.	—	۱
محمد یعقوب زری والہ	.	—	۵
مولا بخش زری والہ	.	—	۷
خواجہ محمد شفیع صاحب	.	—	۵
میاں معراج الدین قریشی	.	—	۱۰
میاں عزیز الدین	.	—	۲
خواجہ ہدایت اللہ صاحب	.	—	۳
بابو ذوالفقار علی صاحب	.	—	۵
شیخ صادق حسن صاحب رئیس اعظم	.	—	۲۵
حاجی مولوی بدر الدین صاحب	.	—	۱
معرفت خواجہ نعمت اللہ	.	—	۳
شیخ عبدالرحیم صاحب	.	—	۵
خواجہ عبدالحمید صاحب	.	—	۱
میاں مہر بخش چاندیوالہ	.	—	۱۰
مسٹر اصغر۔ بی اے	.	—	۲۱
مستری آ	.	—	۲۵
حبیب خاں صاحب	.	—	۲
پروفیسر اسد ایم اے	.	—	۵
چوہدری لبسا زری والا	.	—	۵
محمد دین زری والا	.	—	۵
عبداللہ خاں اوورسیر	.	—	۳۵
سائیں فیروز عارف	.	—	۱
بیگم صاحبہ عبدالغفور کوتوال مرحوم	.	—	۲
بیگم صاحبہ خواجہ ضیاء اللہ	.	—	۵
میزان	.	—	۲۰۹

میزان کل آمد

آمد بلاغ	.	۹	۲۵۸
آمد ہال فنڈ	.	—	۲۰۹
فروخت کتب	—	۱۴	۱۴
چندہ ماہوار	—	۶	۵
میزان	—	۱۳	۴۸۷

میزان کل خرچ

خرچ دفتر بلاغ	۹	۱۳	۸۶
خرچ ہال فنڈ	.	۶	۳۷۶
مدرسہ ولائبریری	.	—	۴
میزان	۹	۳	۴۶۶

تقریر جلسہ قرآن کی وسیع المشربی اتحاد مذاہب کانفرنس

صدر محترم اور معزز حاضرین! ہمارا یہ اجتماع روح انسانی کے لئے حقیقی مسرت و اطمینان کا موجب ہو سکتا ہے بشرطیکہ ہم اس کی معنویت پر خلوص سے متوجہ ہوں، مقام شکر ہے کہ بھولی ہوئی دنیا پھر اپنے اصل مرکز کی طرف لوٹ رہی ہے، ہندوستان میں کئی ایک مقامات پر اتحاد مذاہب کے جلسے ہو چکے ہیں۔ یورپ میں بھی یہ تحریک نشو ونما حاصل کر رہی ہے، یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو اسی زمانہ سے متعلق ہو، ہمارے بزرگوں میں بھی ایسے لوگ گزرے ہیں، جنہوں نے ایک عام انسانی برادری قائم کرنے کی کوششیں کیں، ہندوستان میں گورو نانک۔ بھگت کبیر وغیرہ بزرگوں نے اپنی زندگیاں اسی مقصد کے لئے صرف کر دیں، لیکن ہمارے دل و دماغ نے جو کہ ہمیشہ نفسانی اغراض اور مادی معاملات سے بہت زیادہ متاثر رہے ہیں، ان تحریکات سے بہت کم فائدہ اٹھایا، بالآخر ہر فرقہ شکن گروہ خود ایک فرقہ ہو کر رہ گیا، اور اپنے رہنما کی بتائی ہوئی راہ سے بالکل الگ ہو گیا، عصر حاضر کے صلح پسند اصحاب کی تگ و دو بھی اب تک کسی عملی نتیجہ پر پہنچتی نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک اس میں بہت سی خامیاں ہیں۔ ایک یا چند نہایت اعلیٰ مضامین کو اخبار میں چھاپ دینا یا کسی جلسے میں پڑھ دینا، نفس انسانی کے ہزاروں سال کے پرانے اخلاقی و روحانی امراض کا مداوا نہیں کر سکتا، خود وہ لوگ جو علمبردار اصلاح ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں اپنی اصلاح میں کہاں تک کامیاب ہو چکے ہیں اس کا جواب ایک پرانے بزرگ کی زبان سے سنئے ؎

ہر کسے ناصح برائے دیگراں ناصح خود یافتم کم در جہاں

یعنی دوسرے لوگوں کو نصیحت کرنے والے بکثرت ملتے ہیں لیکن اپنے آپ کو نصیحت دینے والا دنیا میں کوئی نہیں، جب طبیب خود بیمار و بدپرہیز ہو تو مریض کو اس سے کیا توقع رکھنی چاہیئے، کیا اس کا صرف لیکچر مریض کو تندرست بنا سکتا ہے؟ میں پورے یقین و صداقت سے کہتا ہوں کہ ایک صاحب عمل جس کا دل سچ مچ خدا کی مخلوق کا خیرخواہ ہو، جس کے وسیع ذہن و دماغ کی گود ہر ذی روح کو پیار کرنے اور آرام دینے کے لئے کھلی ہو، جو دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتا ہو، وہ ایسے ہزاروں لیکچر بازوں اور مضمون نویسوں سے بہتر ہے، اور نوع انسان

کے لئے مفید تر ہے۔ جو جرأت عمل سے محروم ہوں، جن کے منہ میں زبان تو ہو لیکن سینے میں دل نہ ہو، پس اس کوشش کو کامیاب بنانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ عمل ہے، یعنی ہم جو یہاں لوگوں کو دعوت بیداری دینے کے لئے جمع ہوئے ہیں، پہلے خود اپنی آنکھیں کھولیں اپنی زندگی کو عملاً تعصب سے پاک کر دیں، خدا کے بنائے ہوئے ہر انسان کا، اس کے مقدس مذہبی رہنماؤں کا، اور اس کے طریقۂ عبادت کا جائز و معقول احترام کریں۔ زبان و قلم سے دشنہ و خنجر کا کام لینے کی بجائے مرہم وشفا کی خدمت لیں، اس کے بعد اپنے حلقۂ اثر میں روح مذاہب کی اصولی ہم آہنگی، اور صلح و سلام کا پرچار کریں، اور یہ کانفرنس جو آج یہاں منعقد ہو رہی ہے، اس کو ایک زندہ و متحرک چیز بنانے کے وسائل مہیا کریں، اس کے اجلاس ملک کے ہر حصہ میں ہوں اور ہر طبقہ و مذہب کے لوگ اس کے ممبر اور معاون بنیں، ورنہ وہی بات ہوگی جو عام جلسوں کی ہوتی ہے

نشستند و گفتند و برخاستند

اگر محترم حاضرین اس آواز پر لبیک کہنے کو تیار ہوں تو میں اپنی دینی مجلس امت مسلمہ کی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ اس کے تمام ارکان اس مبارک مقصد میں ممکن امداد کے لئے تیار ہونگے۔ اور مجلس کے ماہوار رسالہ "بلاغ" کے اوراق اس خدمت کے لئے حاضر رہیں گے۔ انشاءاللہ العزیز

اس مختصر تمہید کے بعد میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ ہماری یہ کوشش مصلحتِ وقت کی بنا پر نہ ہوگی، ہنگامی نہ ہوگی، کسی ڈپلومیسی کے ماتحت عمل میں نہیں آئیگی بلکہ ہمیں وہ کتاب ایسا کرنے پر مجبور کر رہی ہے جو ہمارے اعتقاد و ایمان کا مدار ہے۔ جب ہم انسانی حاشیہ و تفسیر سے الگ ہو کر اس کو دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں تمام نوع انسان کو امن و سلامتی کے بہشت کی طرف کھینچتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، اس کے دانائے کل مصنف کو یہ حقیقت بہت اچھی طرح معلوم ہے کہ مختلف احوال و اعضا والے انسانوں کو جزو و کل اور فروع و اصول میں متحد ہونے کی دعوت دینا قطعاً لغو اور فعل عبث ہے۔ اس نے کھلے الفاظ میں کہدیا ہے اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی۔ اے انسانو! تمہاری دوڑ دھوپ، تمہاری امنگوں اور خواہشوں اور رنگا رنگی ساتھ لگی ہوئی ہے ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن ۔ اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

پس اس نے ہماری فطرت کے وہ اصول بیان کر دئے جن میں ہمارا متحد ہو کر امن حاصل کرنا

ممکن ہے، باقی قومی، ملکی اور زمانی اختلافات کو ہماری عقل و تجربہ پر چھوڑ دیا ہے۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ریشنلسٹ تو معقول و ممکن اتحاد کے آرزومند ہوں لیکن کائنات کا خالق اپنے بھیجے ہوئے پیام رسانوں کے ذریعہ دنیا کے امن کو ہمیشہ خطرہ میں ڈالتا اور فتنہ و شر کی آگ کو مذہب کی مقدس ہوا سے بھڑکاتا رہے، نہیں، نہیں یہ غلطی ہے اُن کی جنہوں نے مذہب کو نہیں سمجھا یا اپنی ذلیل اغراض پر قربان کر دیا۔ آج اگر دنیا مذہب کو منبع فساد سمجھ رہی ہے، تو بڑی حد تک حق بجانب ہے۔ گزشتہ ہزارہا سال کی تاریخ کے اوراق اُلٹ کر دیکھ جاؤ، اپنے زمانے کے فسادات کے وجوہ و علل پر نظر کرو۔ اگر وہ تمام خون جو آج تک مذہب کے نام پر بہایا جا چکا ہے کسی طریق سے محفوظ کیا جا سکتا تو وہ ایک سمندر ہوتا جس کے دوسرے کنارے پر پہنچنے کے لئے کولمبس کی ہمت کی ضرورت ہوتی۔ مذہب کی گھناؤنی اور مکروہ شکل مذہب کے خونیں اور ظالمانہ نتائج، اہل مذہب کے خشک اخلاق اور تاریک خیال، اُن کی متعصبانہ ذہنیت اور حملہ آورانہ گفتگو، ایسی چیزیں نہیں جن کو دیکھ کر کوئی معمولی محقق، مذہب کو امن پسند و صلح کار کہہ سکے۔ شجر مذہب کے ان تلخ اور زہریلے پھلوں کا صدقہ ہے کہ آج مہذب دنیا مذہب کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھتی ہے۔ مذہب کو انسانیت کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتی ہے، مذہب نوعِ انسان کے لئے شیطان کے طوق سے زیادہ وزنی اور تکلیف دہ بن چکا ہے، مذہب جو انسان کو بہشتی بنانے کے لئے آیا تھا' دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ ہو کر رہ گیا ہے جس کو کوئی ہوشمند انسان پسند نہیں کر سکتا۔ کیا مذہب ہی وہ سحر مردود نہیں ہے جو باپ بیٹے اور بیوی خاوند میں نفرت انگیز جدائی ڈال دیتا ہے۔

لیکن کیا ایسا مذہب اس خدا کا پیام ہو سکتا ہے جو ہر مذہب کی زبان میں بڑا مہربان بڑا بردبار دیالو کرپالو وغیرہ پاک ناموں سے یاد کیا جاتا ہے ـــــ یقیناً یہ انسانوں کے بنائے ہوئے مذہب ہیں۔ خود غرض اور غلط کار انسانوں کے' ورنہ حقیقی اور خدائی مذہب ممکن ہی نہیں کہ آدم کے بیٹوں کو شیطان کے چولہے کا ایندھن بنائے۔

وہی پرانا قرآن آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس میں صاف موجود ہے کہ خدا نے ہر قوم میں اپنے پیامبر بھیجے۔ ان سب کا احترام کرو بلکہ مشرکین کے غیر اللہ معبودوں تک کے حق میں کوئی بُرا کلمہ نہ کہو۔ کسی قوم کے عبادت خانہ کو نقصان نہ پہنچنے دو۔ یاد رکھو کہ ہر مذہب کے پیروؤں میں نیک اور عبادت گزار بندے موجود ہیں۔ اللہ کے نزدیک اُنکی نیکیوں

اور عبادتوں کی قدر کی جائیگی، وہ لوگ جن کو وحی والہام نہیں پہنچا اور انھوں نے خالص عقل سلیم سے خدا کو پہچانا اور فطرت کی رہنمائی سے قانون اخلاق کی پابندی کی، ان کی محنتیں بھی ضائع نہیں کی جائینگی۔ شرک سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں لیکن اس دنیا میں شرک کی کوئی سزا مقرر نہیں کی بلکہ آئندہ زندگی میں بھی مشرک کو سمجھ بوجھ کر شرک کرنے کی صورت میں سزا ملیگی، مشرکین کے ساتھ نیکی کرنے اور عہد و پیمان نباہنے کی تلقین کی، گزشتہ زمانوں کے تمام بھلے آدمیوں کو مسلم کہکر آئندہ کے لئے بتایا کہ بھلے آدمی کسی مذہب کے پیرو ہوں، کسی قوم سے وابستہ ہوں اُن کی سلامت روی کے سبب اُنھیں مُسلم جاننا چاہیئے، وہ سچے مسلم ہیں، لیکن اگر کوئی شخص قرآن کو مان کر، نماز روزے وغیرہ پر عامل ہوکر بھی سلامتی پسند نہیں تو قرآن اس کو مسلم ماننے سے صاف انکار کردیتا ہے اور اس کو منافق کا مکروہ لقب دیتا ہے۔

اخیر میں تمام مذاہب کے پیرؤوں کو صرف ایک بات پر متحد ہوجانے کے لئے دعوت دی جس کو وہ سب پہلے سے مانے ہوئے ہیں۔ وہ کوئی نئی بات نہیں جو قرآن نے اپنی طرف سے پیش کی ہو بلکہ قرآن کے دوسرے حقائق کی طرح مسلم چلی آرہی ہے۔ یعنی اے الہامی کتابوں کے ماننے والو آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان ساجھی ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔

اب میں اپنے مذکورہ بالا دعاوی کو مستند بنانے کے لئے اختصاراً قرآن شریف کی وہ آیتیں باترجمہ پیش کرتا ہوں جن کو پڑھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قرآن اختلافات فروعی کو بحال رکھتے ہوئے اتحاد کا گر بتاتا ہے۔

تمام رسولوں کا ایک ہی پیغام تھا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۱۴/۱۱ اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۱۳/۸۔ تو صرف ڈرانیوالا ہے اور ہر قوم کے لئے راہ دکھانے والا ہے۔

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۲۲/۱۵ اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانیوالا گزرچکا۔

رسولوں میں مراجعہ و مقابلہ موجب فتنہ ہے اس سے باز رہو۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ
۳/۸ ۔ سب اللہ پر اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں
ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ تفرقہ نہیں کرتے۔

ایک دوسرے مقام پر بہت سے رسولوں کے نام ذکر کر کے محمد رسول کی زبان سے کہلوایا لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۱/۱۶ ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔

ممکن ہے کہ بعض شخص یہ سمجھ لیں کہ قرآن میں جن انبیاء کا نام آیا ہے قرآن اُن کے سوا کسی کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتا اس وہم کو آیہ ذیل سے دور کیا
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۲۴/۱۳ اور یقیناً ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے اُن میں سے وہ ہیں جن کا ہم نے تجھ پر بیان کیا اور اُن میں سے وہ ہیں جن کا تجھ پر بیان نہیں کیا۔

مشرکین کے جعلی معبودوں کے متعلق زبان طعن دراز کرنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ یہ موجب فتنہ ہو سکتا تھا۔
وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۶/۱۹ اور اُن کو گالی نہ دو جن کو یہ اللہ کے سوائے پکارتے ہیں۔

اس سے زیادہ صلح پسندی اور رواداری اور کیا ہو سکتی ہے۔ مختلف مذاہب کی عبادتگاہوں کی حفاظت کے لئے کھلے لفظوں میں تلقین فرمائی وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۱۷/۱۴ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھریاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرادی جاتیں۔

دوسرے مذاہب کے پیروؤں کی عبادتوں کی تعریف و تحسین

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۱۲/۴ سب برابر نہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک گروہ (حق پر) قائم ہے جو اللہ کی آیتوں کو رات کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں اور وہ سجدے کرتے ہیں۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۹/۱۰ اور موسیٰ کی قوم میں سے

ایک جماعت ہے جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے اور اس کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔

"قسیسین" و "رہبان" کی تعریف قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۶/۱۵

عالم اور راہب ہیں اور اس لئے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

وحی کے بغیر عقل و حکمت سے فیضیاب ہونے والوں کی قدر دانی

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۲۱/۱۲ اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ اللہ کا شکر کرو اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنی جان کی بھلائی کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز تعریف کیا گیا ہے۔

شرک کے ساتھ علم و دانستگی کی شرط فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۱/۳

پس تم اللہ کے لئے ہمسر نہ ٹھہراؤ جان بوجھ کر۔

فرعونیوں کی گرفت کا سبب یہ تھا کہ وہ دانستہ حقیقت سے اغماض کرتے تھے۔

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۱۹/۱۹ اور ظلم اور تکبر سے انکار کیا۔ حالانکہ اُن کے دلوں نے اس کا یقین کر لیا تھا۔

مولانا روم نے اسی حقیقت کو حضرت موسیٰؑ اور چرواہے کی حکایت میں بیان کیا ہے۔ وہ چرواہا بڑے شوق و خلوص سے خدا کے متعلق مشرکانہ کلمات استعمال کر رہا تھا ؎

دید موسیٰ یک شبانے را براہ　　کو ہمی گفت اے خدا و اے الٰہ
تو کجائی تا شوم من چاکرت　　چارقت دوزم کنم شانہ سرت
ور ترا بیمارئے آید بہ پیش　　من ترا غمخوار باشم ہمچو خویش

موسیٰ علیہ السلام نے اُس کو ڈانٹ بتائی اور کہا تو اپنے محبوب خدا کی شان کے خلاف باتیں کہہ رہا ہے۔ وہ کپڑے پھاڑ کر جنگل میں نکل گیا اور جناب موسیٰ کو الہام الٰہی نے آگاہ کیا

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا　　بندۂ ما را ز ما کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی　　نے برائے فصل کردن آمدی

پھر اصلیت کے چہرے سے یوں نقاب اُٹھائی ؎

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ　—　از گراں جانی و چالاکی ہمہ
ما بروں را ننگریم و قال را　—　ما دروں را بنگریم و حال را

اُمت محمدیہ کے سوا دوسرے نیکوں پر بلفظ "مسلم" کا اطلاق :- حضرت یعقوب اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہیں فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۱۲/۱ پس نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبردار رہو - وہ اقرار کرتے ہیں وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۱۶/۱ اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں -

مشرکوں کے ساتھ عہد نباہنے کی تلقین :- فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۱/۱۰ تو ان (مشرکوں) کے ساتھ اُن کا عہد اُن کی مدت تک پورا کرو -

قرآن کوئی نیا فرقہ بنانا نہیں چاہتا قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ۲۶/۱ کہو میں کوئی رسولوں میں سے انوکھا نہیں - مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۲۴/۱۹ تجھے کچھ نہیں کہا جاتا مگر وہی جو تجھ سے پہلے رسولوں کو کہا گیا -

اللہ تبارک وتعالےٰ نے وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ كُلَّ شَیْءٍ فرما کر کائنات کی ہر چیز کو جس میں زہر و تریاق، نیک و بد اور فرشتہ و شیطان سب شامل ہیں، اپنی رحمت عام میں لے لیا - پھر کون ہے جو محض اختلاف خیال کی بنا پر کسی کو اس وسیع رحمت سے باہر نکال سکے -

مَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ اور مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ الخ کہکر اس حقیقت کو آشکار کیا گیا ہے کہ نبیوں کے شہر، اُن کے گھر، اُن کے جسم اور اُن کی قبریں مقصود و مراد نہیں - ایمان کا تعلق حقیقتاً مَآ اُوْتِیَ و مَآ اُنْزِلَ یعنی اُن تعلیمات سے ہے جو مشترکہ طور پر اُنھوں نے پیش کیں - کیونکہ شر انگیز اختلاف کی ابتدا اسی وقت ہوتی ہے، جب ہر قوم اپنے اپنے رہنما کو بطور اصل و مقصود کے دوسروں کو منوانا چاہتی ہے، اور اُس کی بشری ہستی کو ماننے کے بغیر تمام اخلاق واعمال اور صدقات و خیرات بے نتیجہ قرار دیتی ہے -

قرآن مجید کی بہت سی آیات ایک سچے مسلمان کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ سچائی کو دنیا میں پھیلائے اور دوسرے لوگوں کی سچائی کو تسلیم کرے ان میں سے ایک یہ ہے وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ - وہ شخص جس نے صداقت کو پیش کیا اور صداقت کو مان لیا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں - وہ اپنے رب سے منہ مانگی مرادیں پائیں گے -

یہ آیت مجھے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ نیک اور شدھ دل کے اندر گھر کر لینے والی گیتا کی تعظیم کروں - مسیح علیہ السلام کے وعظ جن کا ہر حرف جواہرات کے ڈھیروں سے زیادہ قیمتی ہے اُن کو دل میں جگہ دوں - پنجاب کی پریم سکھشا دینے والی کتاب گرنتھ صاحب

جو نروپرا در بھگتی کی مدھ سے بھرپور ہے، اس سے اپنے من کی پیاس بجھاؤں۔
محترم حاضرین۔ یاد رکھو! کوئی مسلم، مسلم نہیں۔ کوئی ہندو، ہندو نہیں۔ کوئی عیسائی عیسائی نہیں اور کوئی سکھ، سکھ نہیں جب تک وہ اپنی کتابوں کے مغز کو نہ پہنچیں، اُن کا مطلب نہ سمجھیں۔ بادام کا چھلکا چاٹنے سے قیامت تک کوئی لذت وطاقت حاصل نہ ہوگی آؤ اسکا مغز حاصل کریں — آخری بات یہ ہے کہ بابرکت ہے وہ کام جو خدا کے لئے کیا جائے۔ میں خدا سے توفیق مانگتا ہوں کہ وہ اپنے نیک بندوں کی اس کوشش کو بار ور کرے اور اس مُلک کے انسانوں کو صحیح معنوں میں انسان بنائے —
سلامتی ہو اُسپر جو ہدایت کا طالب ہے +　　　　(اعرشی)

نرخنامہ اشتہارات

خدا کے فضل سے چودہ سال سے "بلاغ" بڑی کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ بحمد اللہ ہر رتبہ وفن کے حضرات اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ آپ کے اشتہار کے لئے صحیفہ بلاغ ایک نہایت موزون و مفید ذریعہ ثابت ہوگا۔ بنا بریں توقع ہے کہ آپ تجربۃً کم از کم ایک مرتبہ اپنا اشتہار بالضرور بلاغ میں درج کرائیں گے۔

شرح اُجرت حسب ذیل ہے:۔

پورا صفحہ	ایک بار	پانچ روپے
نصف صفحہ	"	تین روپے

اُجرت بہرحال دفتر بلاغ امرتسر میں پیشگی پہنچ جانی چاہیے۔

منیجر بلاغ امرتسر

میرے عہدِ طالب العلمی کے تاثرات

(۲)

(از جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

تربیت کی والد نے ہم کو پوری آزادی دے رکھی تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ اصلاح وہی ہے جو خود اپنے علم سے ہو۔ کسی بزرگ کا یہ مقولہ کئی بار اُن کی زبان سے سنا

طَلَبْنَا الْعِلْمَ لِلدُّنْيَا لٰكِنْ اَبَى الْعِلْمُ اَنْ يَّكُوْنَ اِلَّا لِلّٰهِ

صرف ایک چیز تھی جس کی خاص طور پر وہ تاکید رکھتے تھے یعنی جاہلوں کی صحبت سے پرہیز۔

ہم نے محل کے نیچے کا ایک بڑا حصہ جو مسجد کی جانب ہے پڑھائی کے لئے مخصوص کر رکھا تھا اس میں دن بھر میں اور میرے دس بارہ ساتھی رہتے تھے۔ سوائے پڑھنے، پڑھانے اور علمی بحثوں کے کوئی دوسری بات نہ تھی اور نہ وہاں کوئی بجز اہل علم یعنی علماء وطلباء کے آتا جاتا تھا۔ والد بھی اس میں بیٹھا کرتے تھے۔ اور اکثر اسی جگہ پڑھاتے بھی تھے۔ وہ ہمیشہ خود بشاش رہتے تھے اور ایسا ہی ہم کو بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ اُن کی محبت اور عظمت کا گھر بھر پر اسقدر اثر چھایا ہوا تھا کہ اُن کی منشا کے خلاف کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر احیاناً کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو متنبہ کر دیتے تھے مگر دلپذیر انداز کے ساتھ نہ تحکمانہ۔

ایک بار رسالہ کے دو افسر ملنے کے لئے آئے۔ جب اوپر آکر والد کے پاس بیٹھ گئے تو میں چپکے سے نیچے اترا۔ اور ان کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے پر سوار ہوا۔ محل کے سامنے ایک بڑا احاطہ ہے جس میں منشی امتیاز علی صاحب وزیر کی توجہ سے جو صدر منزل میں ہمارے بالمقابل رہتے تھے چاروں طرف سڑک چھوڑ کر اسوقت ایک خوشنما چمن لگایا گیا تھا۔ اسی سڑک پر میں نے گھوڑے کو تیزی کے ساتھ دو چکر دئے۔ والد نے ٹاپوں کی آواز سنی ہوگی اور یہ بھی اندازہ کر لیا ہوگا کہ کون ہے۔ جب میں اوپر آیا تو اپنے قریب بلا کر یہ جملہ فرمایا جو ایک حدیث کا ٹکڑا ہے

اِنَّكَ اِمْرَءٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ

بھوپال میں اس زمانہ میں ایک حنفی مولوی جو نیک اور پرہیزگار تھے روزانہ صبح کو اپنے محلہ کی مسجد میں قرآن کا ترجمہ سنایا کرتے تھے۔ شہر کے لوگ دُور دُور سے اس میں آکر شریک ہوتے تھے والد کی محفل میں ایک ڈاکٹر صاحب نے اُن کے ترجمہ کی تعریف کی اور اسی کے ساتھ اُن کی علمیت

کی بھی مدح کرنے لگے۔ میں جانتا تھا کہ وہ صرف علوم دینیہ سے واقف ہیں اور معقولات نہیں جانتے اور میرے نزدیک اسوقت جو معقولی نہ ہو وہ عالم کہے جانے کا مستحق نہ تھا سو جسے بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا کہ اُن کو علم سے کیا واسطہ۔ والد نے میری طرف دیکھا اور یہ شعر پڑھا سے

وَمَا عَبَّرَ الْاِنْسَانُ عَنْ فَضْلِ نَفْسِهٖ ۔ بِمِثْلِ اِعْتِقَادِ الْفَضْلِ فِیْ کُلِّ فَاضِلٖ

ایک دن ہم کئی طالب علم کسی بحث میں اُلجھے ہوئے تھے۔ والد مغرب کی جماعت پڑھکر آ گئے۔ ہم کو اس حالت میں دیکھکر بولے کہ کیسے شیاطین ہیں کہ جماعت کا بھی خیال نہیں رکھتے۔ عمر بھر میں یہی ایک سخت لفظ تھا جو ہم نے اُن کی زبان سے اپنی بابت سنا۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اس موقع پر اسکا استعمال بجا نہ تھا۔

ان کا برتاؤ ہم سب کے ساتھ ایک سا تھا۔ خاصکر حافظ عبدالاعلیٰ اور میرے درمیان میں تو وہ کسی امر میں تفریق جائز ہی نہیں رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم دونوں کے لباس بھی بالعموم ایک ہی کپڑے کے ہوتے تھے۔ مگر ایک بات کا مجھے علم تھا جس کی وجہ سے یہ ظاہری مساوات ناگوار نہیں تھی۔ وہ یہ کہ میرے رات کے رہنے کا کمرہ اوپر والد کے کمرہ کے بازو میں تھا۔ گرمیوں میں جب وہ سائبان میں تہجد کی نماز پڑھتے تھے تو میں اُن کی دعائیں سنتا تھا۔ دین اور دنیا کی کونسی خوبی تھی جس کو میرے لئے نہیں مانگتے تھے۔ خاصکر جب وہ مجھ کو اللہ کی امانت قرار دیکر الحاح وزاری کے ساتھ اسکی حمایت اور حفاظت میں سپرد کرتے تھے اسوقت فرط رقت سے بستر میں پڑے پڑے میری آنکھوں سے آنسو کے قطرے تکیہ پر ٹپک پڑتے تھے اور دل ہی دل میں آمین آمین کہتا تھا۔ اسلئے میں جانتا تھا کہ ان کے دل کی دنیا میں میرا کیا مقام ہے۔ اور سمجھ گیا تھا کہ باپ کا رشتہ بیٹے کے ساتھ صرف جسمی نہیں بلکہ روحی بھی ہے۔

اُنھوں نے ہمارے لئے ایک اُستاد بھی مقرر کر دیا تھا جو روزانہ شام کو آکر بانک۔ بانا اور بنوٹ وغیرہ سکھاتے تھے جس سے ورزش بھی ہو جاتی تھی۔ میں نے بندوق کی نشانہ بازی کی بھی مشق کی تھی مگر شکار کی اجازت اسی وقت ملتی تھی جب ریاست کے دورہ میں کبھی والد کے ساتھ ہوتا تھا۔

عرب والد کو عربوں کے ساتھ بہت محبت تھی۔ وہ ہمیشہ ایک نہ ایک عرب خواہ بطور طالب علم خواہ بطور مہمان اپنے یہاں رکھا کرتے تھے۔ جب ہم نے عربی شروع کی تھی اسوقت نجد کے ایک جوان صالح علی بن ناصر ہمارے یہاں رہتے تھے جو نہایت مستعد طالب علم تھے۔ والد کا صحیح بخاری کا درس مشہور تھا جس دور میں علی بن ناصر تھے وہ یادگار دور تھا۔ اس میں

اچھے اچھے مشہور اہل علم شریک تھے مثلاً مولوی عبدالحمید بنگالی۔بستی کے مولانا دیانت اللہ۔برار کے مولانا حسرت علی۔ٹونک کے سید محمد عرفان وغیرہ جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے ناسیہ کا مقتدا تھا۔ ان میں اکثر ایسے تھے جن کی عمریں خود والد سے زیادہ تھیں۔یہ لوگ ۱۶-۱۷ آدمی تھے۔جس وقت سبق کے لئے بیٹھتے والد کا کمرہ داڑھیوں سے بھر جاتا انھیں میں مولانا افضل تھے جن کی حنائی داڑھی اس قدر بڑی اور گھنی تھی کہ آج تک میری آنکھوں نے ایسی داڑھی نہیں دیکھی۔یہ جہانگیرآباد میں رہتے تھے جو ہمارے مکان سے دو میل کے فاصلہ پر ہے اور وہاں سے روزانہ دوپہر کے وقت آتے تھے۔

لطیفہ اسی زمانہ میں بھوپال میں ایک شخص حافظ نظیر تھے جن کی داڑھی مولانا افضل سے دوئم درجہ کی سمجھی جاتی تھی۔وہ چونکہ نقوش۔تعویذات اور عملیات کا پیشہ رکھتے تھے جس میں یہ شئے بہت کار آمد ہوتی ہے اس وجہ سے مختلف روغن استعمال کرکے اس کو اور بڑھانے کی کوشش کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب مولانا افضل کا انتقال ہوگیا تو چند زندہ دل حافظ صاحب کے پاس پہنچے اور اُن کو اس بات کی مبارکباد دی کہ اب آپ کی داڑھی شہر بھر میں بے نظیر ہو گئی۔

علی بن ماضی حدیث ختم کرکے نجد چلے گئے۔ والد کی زندگی تک علماء نجد کی تصنیفات جہاں کہیں بھی چھپتی تھیں برابر بھیجتے رہتے تھے۔ان کے جانے کے بعد مکہ کے ایک بزرگ عرب جو شریف صاحب بولے جاتے تھے کئی سال ہمارے یہاں مہمان رہے۔بڑے جہاندیدہ اور خوش طبع تھے۔دن بھر ان کا سماوار گرم رہتا تھا۔عربی کتابی اور فصیح بولتے تھے۔ مجھ سے فارسی بھی پڑھ لی اور چند مہینوں میں اس میں بھی گفتگو کرنے لگے۔آخر میں عبداللہ آیا۔یہ ایک نجدی نوجوان تھا نہایت وحشی مگر بیحد محبتی۔اردو ایک حرف نہیں جانتا تھا۔اس کو حجرہ موتی مسجد میں دلا دیا گیا تھا لیکن ہر شخص سے لڑتا تھا۔ اسلئے دن بھر میرے ہی پاس رہتا تھا۔

عشرہ کے دن کہنے لگا کہ میلا دیکھنے چلو۔میں نے سمجھا یا کہ یہ مشرکانہ رسم ہے جس میں شریک ہونا گناہ ہے پھر میرے والد واعظ شہر اور موحدوں کے سرگروہ ہیں۔لوگ کیا کہیں گے مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ میں نے بھی یہ میلا کبھی دیکھا نہیں تھا اس کو ساتھ لیکر چلا گیا۔خیال تھا کہ والد کو خبر نہ ہوسکیگی مگر دوسرے دن کسی نے کہدیا۔ مجھے بلایا اور پوچھا کہ کل تم کربلا میں گئے تھے ؟ یہ سوال ایسا اچانک تھا کہ میں نہ اس کے سننے کے لئے تیار تھا نہ جواب دینے کے لئے۔خاموش کھڑا رہا۔وہ تیز نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے کہنے لگے بولو۔میں نے کہا کہ اگر میں اپنی آنکھوں سے ایسے مقامات کو

نہ دیکھونگا تو ان میں جو خرابیاں ہوتی ہیں اُن کا علم مجھے کیونکر ہوگا۔ یہ جواب سنتے ہی اُن کے چہرہ سے عتاب کا رنگ جاتا رہا۔ اب صرف یہ شکایت رہگئی کہ زریں ٹوپی لگا کر اور ہاتھی پر سوار ہوکر میلے میں جانا خود اپنی نمائش ہے اور بدنامی کا موجب۔

ہم سبق حفظ قرآن کے بعد میرے خاندان کے دو تین لڑکے بھوپال میں آگئے تھے جو میرے ساتھ پڑھتے تھے۔ جب میں نے عربی شروع کی اسوقت بعض اعیان و امراء بھوپال یہ سوچکر کہ مولانا اپنے اکلوتے بیٹے کو خاص توجہ کے ساتھ پڑھائینگے اپنے اپنے بیٹوں کو میرے ساتھ پڑھنے کے لئے بھیجنے لگے۔ قطبی اور سیر قطبی تک ۱۷-۱۸ ہم سبق ہوگئے۔ دن بھر ہمارا مدرسہ خوب آباد رہتا تھا۔ مگر پھر یہ تعداد گھٹ گئی۔ کیونکہ ہم ذہنی زندگی کی گہرائیوں میں اس قدر گھس گئے تھے کہ مطالعہ اور سبق۔ تکرار اور بحث ہمارے لئے دماغی آسائش کی چیزیں بن گئی تھیں۔ اس لئے یہ نازوں کے پالے جن کی علمی بنیادیں بھی کمزور تھیں ہمارے ساتھ کیسے چل سکتے تھے۔ مگر ان سے جو تعلقات پیدا ہوگئے تھے وہ برابر قائم رہے۔

میرے ساتھیوں میں سے دو شخص صحیح معنوں میں طالب علم اور سچے رفیق تھے اُن کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

عبدالغفور یہ کشمیر کے رہنے والے ۲۰-۲۲ سال کے نوجوان تھے۔ مختلف شہروں سے تحصیل علم کرتے ہوئے بھوپال آئے اور ہمارے ساتھ مقامات حریری میں شریک ہوئے۔ اُن کو ادب کے ساتھ خاص ذوق تھا۔ جاہلی شعراء سے لیکر متاخرین تک کے چیدہ چیدہ ہزاروں اشعار۔ سینکڑوں لطائف اور نکات ازبر تھے۔ یہی حال فارسی میں بھی تھا۔ اُن کی وجہ سے میرے ادبی ذوق میں بہت ترقی ہوئی۔

اس زمانہ میں ٹونک کے ایک نامور ادیب مولوی محمد صاحب اعرج ہمارے قرب میں رہتے تھے۔ وہ اپنے وقت کے حماد الراویہ تھے۔ عربی کا کونسا پسندیدہ کلام تھا جو اُن کو یاد نہ تھا۔ خود بھی بے تکلف عربی نظمیں اور قصیدے لکھتے تھے۔ ہم دونوں اکثر ان کے پاس جاکر بیٹھا کرتے۔ عبدالغفور کی آواز اچھی تھی اور شعر پڑھنے کا انداز دلکش۔ روح کی پوری حدت صرف کردیتے تھے۔ چہرہ پر پسینے کے قطرے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے گلاب کے پھول پر شبنم کی بوندیں۔ میں نے ایکبار شیخ ابن الفارض کا قصیدہ تائیہ خمریہ جو مجھے بہت پسند ہے اُن سے پڑھواکر سنا۔ بیحد لطف آیا۔ خاصکر اس شعر پر پہونچکر تو وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی

لَهَا صَلَوَاتِيْ بِالْمَقَامِ أُقِيْمُهَا - وَأَشْهَدُ فِيْهَا أَنَّهَا لِيْ صَلَّتِ

چند روز کے بعد عبد الغفور خود اسی وزن اور قافیہ میں ۶۰-۷۰ شعروں کا قصیدہ لکھکر لائے اور سنایا۔ میں غور سے سنتا رہا۔کہیں حرف رکھنے کی جگہ نہ تھی۔خوش ہوکر اُن سے کہا کہ لاؤ وہ ہاتھ دو جس سے اس کو لکھا ہے تاکہ چوم لوں۔

اُنھوں نے آخر میں میرا بھی ذکر کیا تھا اور جوش میں یہاں تک کہہ گئے تھے کہ

فَيَا لَيْتَنِيْ يَوْمًا أَكُوْنُ لِمِثْلِهِ - وَيَا لَيْتَنِيْ يَوْمًا أَفُوْزُ بِمُنْيَتِيْ

اسلئے میں نے کاغذ اُن کے ہاتھ سے لے لیا اور اسپر یہ اشعار لکھ دئے

تُحَيَّاكَ يَا عَبْدَ الْغَفُوْرِ مَسَرَّتِيْ - وَلُقْيَاكَ رَيْحَانِيْ وَرَوْحِيْ وَجَنَّتِيْ

وَصَوْتُكَ فِيْ سَمْعِيْ كَأَطْرَبِ نَغْمَةٍ - وَشِعْرُكَ فِيْ قَلْبِيْ كَأَطْيَبِ لَذَّتِيْ

وَخُلْقُكَ رَوْضٌ مِّنْ رِيَاضِ جَنَّةٍ - وَحُسْنُكَ مِنْ الْآيَاتِ الْبَرِيَّةِ

فَفِيْ أَيِّ شَيْءٍ خِلْتَنِيْ مِنْكَ فَائِقًا - وَفِيْ أَيِّ وَصْفٍ انْتَصَبْتَ لِغِبْطَتِيْ

توقیر الحسن دوسرے ہم سبق جن کی محبت سے میرا دل لبریز ہے توقیر الحسن تھے۔یہ بہار کے رہنے والے تھے جہاں کا پانی چالیس دن اگر کوئی غبی بھی پی لے تو ذہین ہوجائے۔مولوی عبد الوہاب صاحب بہاری دکن سے اپنے وطن جاتے ہوئے جب بھوپال میں ٹھہرے تھے تو اُن کے ساتھ چند طالب علم بھی تھے جن میں سے توقیر کو قسمت نے ہمارے لئے چُن لیا۔یہ بھوپال ہی میں رہ گئے اور ہدایہ و حمد اللہ میں ہمارے ساتھ ہوگئے۔دُبلے۔دراز قد نہ جسم نہ صورت مگر دل اور دماغ ایسا کہ کمتر کسی کو نصیب ہوتا ہے۔وہ اگرچہ ابراہیم پورہ کی مسجد میں مقیم تھے مگر صبح سے شام تک میرے ہی پاس رہتے تھے۔روزانہ علمی مسائل پر بحث ہوتی تھی اور جمعہ کا دن تو اس کے لئے مخصوص تھا۔ہم نے رشیدیہ میں مناظرہ کے جو اصول پڑھے تھے اُنھیں کو پیش نظر رکھتے تھے۔اسلئے ہماری بحثیں دراصل مل جل کر کسی مسئلہ کی تحقیق کے مرادف تھیں اور جدل و مکابرہ سے یکسر خالی۔جس سے باہمی محبت میں فرق نہیں آتا تھا۔

ایکبار مجھے صدر کی شکایت تھی۔توقیر ملنے کے لئے اوپر آئے۔ڈاکٹر ولی محمد نے جو میرے معالج تھے "وائن آف کاڈ لور آئل" کی شیشی استعمال کے لئے دی تھی۔اس سے مجھے نمایاں فائدہ تھا۔ توقیر نے جب اس کو دیکھا تو کہا کہ یہ تو شراب ہے حرام جس میں کوئی نفع نہیں۔میں نے کہا کہ کتابیں دیکھنے کے بعد اس کی حرمت ثابت کرنا۔جمعہ کے دن جب بحث ہوئی تو ہم کسی قطعی فیصلہ پر نہیں

نچ سکے۔ دوسرے جمعہ کو ایک مولانا صاحب حَکم مانے گئے۔ اُنھوں نے فریقین کی تقریریں سُنکر
ے دلائل کو قوی بتایا۔ مجھے خوشی تو ہوئی مگر معًا دل میں یہ اضطراب پیدا ہوا کہ توقیر کو رنج
نچا ہو کیونکہ میں نے تیمور کے سامنے سید شریف اور علامہ تفتازانی کی بحث کا حال سنا تھا کہ کسی
باری نے کہدیا کہ سید کی تقریر چست تھی۔ اس صدمہ سے علامہ تفتازانی صاحب فراش ہو گئے
ن جسوقت ہم کمرہ سے نکلنے لگے تو توقیر نے مسکرا کر کہا کہ دراصل جو پہلو میں نے اختیار کیا تھا
، کمزور تھا۔ یہ سُنکر میرے دل کا کانٹا نکل گیا۔ خوش ہو کر اُن سے لپٹ گیا اور کہا کہ تم کسقدر
ق شناس ہو۔ تمہاری انصاف پسندی پر مجھ کو رشک ہے۔

ایک دن مولوی محمد بشیر صاحب والد سے ملنے آئے۔ ہم لوگ بھی جا کر اُن کے پاس بیٹھے سائنائے
تگو میں اُنھوں نے فرمایا کہ طالب العلمی کے زمانہ میں مَیں اور میرے ایک ہم سبق تقلید شخصی کے
علق بحث کیا کرتے تھے اور ہمیشہ اسی نتیجہ پر پہونچتے تھے کہ وہ جائز نہیں ہو سکتی۔ کوئی عالم خود یا
نے دو چار شاگردوں یا رفیقوں کو لیکر اگر اپنے حجرہ میں رائے اور قیاس سے ایک فقہ مرتب کرے
، وہ اُمت کے لئے دائمی شرعی قانون کیسے بن سکتی ہے۔ یہ شرک فی النبوۃ ہی نہیں بلکہ شرک
للہ ہے کہ کسی غیر مامور کا قول بلا دلیل اس طرح تسلیم کیا جائے جس طرح اللہ کا قول۔ اسی کو
رآن کی زبان میں "مِثل" کہا گیا ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا الآیہ

یرے اور توقیر کے لئے یہ ایک عمدہ بحث ملا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ ہم دونوں اس عالم میں بستے تھے جس کے
سمان کے نیچے اور جس کی زمین کے اوپر تقلید شخصی کا وجود ہی نہ تھا پھر اس کے متعلق بحث کیا کرتے
ہذا ہم نے یہ تحقیق شروع کی کہ تقلید مسلمانوں پر مسلط کیونکر ہوئی۔ کئی ہفتہ کی محنت اور کوشش
ے اس نتیجہ پر پہنچے کہ فقہ جو شرعی قوانین کا نام ہے اس کی ترتیب خود مرکز کا فریضہ ہے اور اس کو
ر احوال میں ضرورت کے مطابق اس میں ترمیم و تنسیخ و تبدیل کا اختیار ہے۔ خلافت راشدہ کے
عد متغلبین نے جو مرکزیت پر قابض ہو گئے تھے اپنے اس فریضہ کا لحاظ نہیں رکھا اور امور سلطنت
ے حلد رآمد کے لئے کسی ایک عالم کی فقہ اختیار کر لی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کو اجتہاد مطلق کا دروازہ
بھی بند کرنا پڑا تاکہ اُن کی مروجہ فقہ سے تصادم نہ ہو سکے۔ اس طرح پر استبداد نے جہاں مسلم
و حریت عمل سے محروم کیا تھا وہاں حریت فکر بھی اس سے غصب کر لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری اُمت
خصی حکومت کی طرح شخصی تقلید میں گرفتار ہو گئی۔ چونکہ مختلف استبدادی سلطنتوں نے

مختلف علماء کی فقہیں اختیار کیں۔ اسلئے اُمت متعدد فرقوں میں بٹ گئی۔ ان مقلدین کا اختلاف بظاہر فروعی کہا جاتا ہے لیکن حقیقت میں اصولی ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک فرقہ اپنے مخصوص امام کی تقلید کا بھی عقیدہ رکھتا ہے۔ لہذا جس طرح سنی اور شیعہ میں اصولی اختلاف ہے اسی طرح اہل سنت کے مذاہب اربعہ بھی جدا جدا فرقے ہیں۔ ہر ایک کے امام الگ الگ ہیں۔ کتابیں الگ الگ ہیں اور علماء الگ الگ ہیں۔

اس نتیجہ پر پہونچتے ہی دفعۃً حدیث کی حالت بھی سامنے آگئی کہ وہ بھی مرکز سے نہیں ملی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحیح جانشینوں نے اس کا کوئی مجموعہ مرتب کر کے اُمت کے حوالہ نہیں کیا۔ بلکہ تمام تر رواۃ سے ملی ہے جنہوں نے رضاکارانہ اس کو روایت کیا ہے اور جن کی کوئی مرکزی حثیت نہیں تھی۔

اس حقیقت پر نگاہ پڑتے ہی میری روح لرز اٹھی اور میں نے کہا یا اللہ! سوائے تیری کتاب کے کہیں پناہ نہیں ہے جیسا کہ تو نے خود فرمایا ہے

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا

کچھ حدیث کے متعلق یہ خیال اسوقت دل میں بمنزلہ تخم کے پڑ گیا جو برابر پرورش پاتا رہا۔ ۱۹۰۴ء میں لاہور میں مجھ کو معلوم ہوا کہ مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی حدیث کے قائل نہیں ہیں۔ ان سے جا کر ملا۔ تین گھنٹہ تک گفتگو رہی جس کو انھوں نے اسی بحث میں ضائع کر دیا کہ رسول کا لفظ کلام مجید میں جہاں جہاں آیا ہے اس سے مراد قرآن ہے نہ کہ ایک مخصوص انسان۔ میں نے دیکھا کہ وہ حقیقت آشنا نہیں ہیں۔ انھوں نے سنت متواترہ یعنی عمل بالقرآن کا بھی انکار کر دیا تھا۔ اسوجہ سے سخت مشکل میں گرفتار تھے اور سوائے تاویلات رکیکہ کے عمل کے لئے کوئی راستہ نہیں پاتے تھے۔ پھر دوبارہ کبھی ان کی ملاقات کا موقع نہیں ملا۔

جب قرآنی حقائق اللہ نے میرے دل پر کھولے اسوقت حدیث کی اصلی حیثیت بالکل واضح ہو گئی کہ وہ دینی تاریخ ہے۔ خود اس کو دین سمجھنا صحیح نہیں۔ اگر دین ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی طرح اس کو بھی لکھوا کر اُمت کو دے جاتے۔ دین کے لئے قرآن کافی ہے جو کامل کتاب ہے اور جس میں دین مکمل کر دیا گیا ہے۔

کچھ قرآن کی نسبت قرآن کو میں نے توجہ اور محنت کے ساتھ پڑھا تھا لیکن جسطرح ہمارے مفسرین نے اس کو ایک علمی اور نظری کتاب بنا رکھا ہے اسی طرح

میں بھی سمجھتا تھا۔ زیادہ توجہ علمی وادبی لطائف یا فقہی و کلامی دلائل کی طرف تھی اور حقائق جن کی تعلیم کے لئے وہ نازل کیا گیا ہے نظروں سے نہاں تھے۔ ایکبار میں نے ایک خواب دیکھا جس کے بعد سے میری نگاہ میں حقائق کا جلوہ شروع ہوا۔ میں اپنے جیسے لوگوں کے خوابوں کا کچھ زیادہ قائل نہیں ہوں۔ لیکن اس خواب کا اثر چونکہ میری زندگی پر پڑا ہے اسوجہ سے بیان کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۹۱۳ء میں جب میں علیگڈھ کالج میں تھا ایک رات خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پہاڑی پر اکیلا گھوم رہا ہوں۔ اس کے دامن میں سرسبز وادی ہے جس میں کہیں کہیں پھول بھی نظر آتے ہیں۔ وادی کے وسط میں ایک عمارت تھی۔ میں پہاڑی سے اُتر کر اس کی طرف گیا جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ تمامتر سنگ سُرخ کی بنی ہوئی ہے۔ چاروں طرف سے سیڑھیاں ہیں۔ سیڑھیوں کے اوپر پہونچکر ایک چبوترہ بن گیا ہے جس کے چاروں کونوں پر چار بڑے بڑے کمرے ہیں۔ ان کے درمیان تقریباً تین تین گز چوڑے راستے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک ہیں۔ ان چاروں کمروں کے بیچ میں ایک گنبد ہے جو بہت بلند نہیں ہے۔ میں مشرق کی جانب سے چڑھا تھا جب گنبد کے نیچے پہونچا اور اوپر کی طرف دیکھا تو اس میں پانچ غیر مادی انسانی پیکر جو نورانی تھے اسطرح نظر آئے جیسے فانوس میں تصویریں ہوتی ہیں۔ ان سب میں ایک پیکر زیادہ ممتاز تھا۔ میں حیرت سے دیکھنے لگا۔ یہانتک کہ ان میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ روشنی کی طرح نیچے اُتر کر جنوبی رُخ کی سیڑھیوں سے چلے گئے۔ اس کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ مغربی جنوبی کمرے سے بہت سے آدمی جلدی جلدی نکلکر اس کے سامنے والے شمالی کمرے میں گھس رہے ہیں۔ کوئی کسی سے بولتا نہیں۔ سب چپ ہیں۔ سب سر برہنہ ہیں اور جوان۔ سب کے سروں پر سیاہ گیسو ہیں اور چہروں پر سیاہ داڑھیاں ہر ایک کے جسم پر ایک ہی لباس ہے یعنی گردن سے پنڈلیوں تک سیاہ اطلس کی عبائیں جو کمروں پر پیلے ریشم کی ڈوریوں سے بندھی ہوئی ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ یہاں کیا ہے؟ بولا کہ حفاظ جماعت پڑھینگے۔ میں نے کہا کہ میں بھی شریک ہوجاؤں۔ اس نے کہا کہ بیشک سلام پھرتے ہی وہ اسی طرح جلدی جلدی جنوبی کمرے میں جانے لگے جسطرح اس میں سے نکلے تھے۔ میری نگاہ کمرے سے نکلتے ہی گنبد کی طرف گئی اور میں نے دیکھا کہ وہ پانچوں شکلیں پھر اپنی جگہ پر ہیں۔ اب میں نے ان نمازیوں میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس ممتاز پیکر کی طرف اشارہ کرکے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اُس نے کہا کہ تم نہیں پہچانتے۔ یہ حضرت یوسف ہیں۔ میں نے کہا ان کے

بعد۔ اس نے جواب دیا کہ ابوبکرؓ۔ میں نے کہا پھر کون ہے؟ بولا کہ عمرؓ۔ میں حیران ہوا کہ یہ یوسف کے ساتھ ابوبکر و عمر!! معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمارے یوسف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی کا دل کو یقین آگیا اور میں نے تعظیم کے ساتھ سلام کیا۔ آپ نے ایک شخص سے میری طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ فلاں کا بیٹا فلاں آگیا ہے اس کی امانت اس کے حوالہ کردو۔ وہ مسکراتا ہوا میری طرف آیا پہلے ایک کلام مجید دیا جس کو میں نے دائیں بغل میں دبایا۔ پھر سات رنگ کے شیشوں کی ایک بڑی رحل جس کو بائیں بغل میں رکھا اس کے بعد ایک قلمدان جس کو دائیں ہاتھ میں لیا۔ یہ چیزیں پاکر میرا دل خوشی سے معمور ہوگیا۔ میں نے گردن جھکا کر شکریہ کا سلام کیا اور اُن کو لئے ہوئے مغربی سیڑھیوں سے اُتر کر چلا آیا۔

اس کے بعد سے روزانہ تلاوت میں فہم معانی کا نیا راستہ کُھلنے لگا۔ یعنی آیات کی تفاصیل خود آیات سے سمجھ میں آنے لگیں اور قرآنی حقائق کے چہرہ سے نقاب اُٹھنا شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ ایک مدت مدید کے بعد دو حقیقتیں عین الیقین بن کر سامنے آگئیں۔

(۱) قرآن دین الٰہی کا کامل اور بے شائبہ مجموعہ ہے جو ہر زمان و مکان میں انسانی بصیرت کی تنویر اور اس کی ہدایت کے لئے کافی ہے۔

(۲) قرآن مفصل کتاب ہے جو اپنی تشریح میں سوائے عربی زبان کے مطلقاً کسی روایت یا انسانی خیال کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی ہر آیت بلکہ ہر لفظ کی تفسیر خود اسی میں ہے۔ اور اختلاف فہم کی صورت میں حقیقی مفہوم کے تعین اور فیصلہ کی وہ پوری قدرت رکھتا ہے۔

ان حقیقتوں کے ظہور سے قرآن اپنی پوری معجزانہ شکل میں میری بصیرت کے سامنے آگیا۔ اور مجھے نظر آنے لگا کہ کیوں اس کی تعلیمات ہدایت۔ رحمت۔ نور۔ شفاء لما فی الصدور بلکہ سرتاسر نجات ہیں۔

اس نعمت عظمیٰ پر میں اپنے رب کا شکرگزار ہوں جس نے قرآن نازل فرمایا اور اس کے سمجھنے کی توفیق دی۔ اور اس دربار کا بھی جہاں سے یہ امانت مجھے ملی اور اپنے باپ کا بھی جس نے مجھ کو قرآن حفظ کرایا۔ پھر اس کو دلسوزی کے ساتھ پڑھایا اور اپنی نیم شبی مناجاتوں میں میری ہدایت کے لئے رو رو کر دعائیں مانگیں۔

انھیں دونوں باتوں کو سمجھانے کے لئے میں نے تعلیمات قرآن لکھکر شائع کی جو اسلام میں

اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ یعنی قرآن کی تشریح خود قرآن سے اور اس کے کافی اور مکمل ہونے کی شہادت۔

یہ کتاب عقائد و اصول سے متعلق ہے۔ اب اسی نہج پر میرے مخلص رفیق چودھری غلام احمد خاں پرویز بی۔ اے نے پورے قرآن کی آیات کو ترتیب دیا ہے۔ یہ کتاب اگر شائع ہوگئی تو قرآن کو قرآن سے سمجھنا نہ صرف آسان بلکہ دلکش مشغلہ ہوجائیگا اور ترجموں اور تفسیروں سے یکسر بے نیازی ہوجائیگی۔

کاش آج توقیر الحسن زندہ ہوتے تو میرا ساتھ دیتے۔ بیچارے عبدالغفور کی زندگی تکمیل علم سے پہلے ہی ختم ہوگئی اور توقیر چند سال درس دینے کے بعد وفات پاگئے۔ اب جب کبھی یہ ہنستے بولتے میرے تصور میں آجاتے ہیں تو اسوقت کا پورا ماحول اپنے ساتھ لاتے ہیں اور مجھے کہیں سے کہیں پہونچادیتے ہیں ؎

اے عیش رفتہ پھر تجھے پاؤں کہاں سے میں - جو دن گزر گئے انھیں لاؤں کہاں سے میں

دہلی میں میرے ساتھیوں میں سے مولوی عبدالحفیظ صاحب ہیں جو میاں صاحب کے حقیقی بھتیجے ہیں۔ جب میں پڑھتا تھا اسوقت میاں صاحب نے ان کو بھوپال بھیج دیا تھا۔ یہ رہتے تھے شیخ حسین عرب کے یہاں اور پڑھتے تھے ہمارے ساتھ۔ سوائے دینی بحثوں کے اور کسی بحث میں کم حصہ لیتے تھے۔ اب جو کبھی اہل حدیث کے کسی جلسہ میں مل جاتے ہیں تو بوجہ اُن خیالات کے جو حدیث کے متعلق میں نے شائع کئے ہیں مُنہ پھیر کر بیزاری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ میں قریب جاکر کہتا ہوں۔ اَنَا اَسْلَمُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مَوْلَانَا۔ تو الحدیث کی اصطلاح میں جواب دیتے ہیں "لَا اَعْرِفُ" اسوقت اُن کی داڑھی کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہوں کہ یہ سفید ہوگئی آخر تجاہل عارفانہ کب تک۔ یہ سنکر ہنسنے لگتے ہیں۔ ہنسی میں آنکھیں بند ہوجاتی ہیں اور مُنہ کھُل جاتا ہے اور میں یہی نظارہ دیکھنا چاہتا ہوں۔

اساتذہ میرے اُستاد دراصل دو ہی تھے۔ مولوی فتح اللہ صاحب اور والد۔ ان کے حالات نہایت اختصار کے ساتھ لکھتا ہوں۔

مولوی فتح اللہ صاحب موضع مہوارہ ضلع اعظمگڈھ کے رہنے والے ہمارے ہموطن تھے انھوں نے والد سے اس زمانہ میں پڑھا جبکہ وہ بنارس میں درس دیتے تھے۔ والد نے اپنی مہتممی کے زمانہ میں مدرسہ سلیمانیہ میں عربی کے مدرس دوم کی جگہ

پر اُن کو بلالیا۔ پڑھانے سے عشق تھا۔ کبھی چھٹی نہیں لیتے تھے اور ہمیشہ وقت سے پہلے مدرسہ میں پہونچ جاتے تھے۔ مدرس اول مولوی مظہر حسین صاحب کہ وہ بھی مہوارہ کے متصل موضع بھادوں کے رہنے والے تھے جب بھوپالی رباط کے منتظم بناکر مکہ مکرمہ بھیجدئے گئے اسوقت ان کی جگہ مولوی فتح اللہ صاحب کو ملی۔ آخر میں یہ مدرسہ سلیمانیہ کے مہتمم بھی ہو گئے تھے۔ پھر پنشن لے لی۔ سال گزشتہ یعنی ۱۹۳۶ء میں مارچ کے مہینہ میں تقریبًا ۸۲ سال کی عمر میں اپنے وطن میں انتقال کیا۔

جسوقت میں بھوپال میں آیا تھا اُن کی اہلیہ زندہ تھیں۔ وہ کبھی کبھی والدہ کے پاس بھی آیا کرتی تھیں۔ لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انتقال کر گئیں۔ مولوی صاحب نے پھر نکاح نہیں کیا۔ اُن کے کوئی اولاد بھی نہیں تھی۔ تنہا ایک چھوٹے سے مکان میں خیرن بی کی مسجد کے متصل جو ہمارے گھر سے کسی قدر فاصلہ پر ہے رہتے تھے۔ نہایت باوضع اور پابندِ اوقات۔ نہ کبھی تہجد ناغہ ہوئی نہ جماعت الّا ماشاء اللہ۔

لباس اور غذا میں صفائی اور صحت کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ میں نے کبھی اُن کو بیمار نہیں دیکھا۔ ملنسار ایسے کہ کسی کو اُن سے اور کسی سے اُن کو شکایت نہیں پیدا ہوئی۔ آخر میں دو حج بھی کیئے۔ عام طور پر لوگ اور بالخصوص اہل محلہ اُن کو قطب سمجھتے تھے۔ ایک بار ہماری جماعت میں اُن کی ذات زیر تنقید آگئی۔ بجز اس کے کوئی گرفت نہ ہوسکی کہ کسی قدر زیادہ بولتے ہیں۔ والد بھی آگئے۔ انھوں نے جب ہماری رائے سُنی تو فرمایا کہ فرغل پر دوشالہ بھی تو اوڑھتے ہیں اور پھوٹ قلاقند کے ساتھ کھاتے ہیں۔ ہم سب ہنسنے لگے۔

میں نے جبسے اُن سے پڑھنا شروع کیا اسوقت سے میرے اوپر اُن کی شفقت برابر بڑھتی گئی۔ وہ مجھ کو بمنزلہ فرزند کے سمجھتے تھے اور پدرانہ محبت رکھتے تھے۔ وفات سے چار سال پہلے ڈاکٹر شہاب کو آنکھیں دکھانے اور مجھے دیکھنے کے لئے دہلی آئے تھے۔

مولوی سلامت اللہ صاحب یہ میرے والد کا نام ہے۔ تاریخ ولادت صحیح نہیں معلوم مگر ایک بار اُن کی زبان سے سُنا تھا کہ غدر ۱۸۵۷ء میں سات سال کے تھے۔ اُن کے باپ شیخ رجب علی جو درویش صفت آدمی تھے اور میاں صاحب بولے جاتے تھے اُن کو دس سال کا چھوڑ کر انتقال کر گئے۔ دو چھوٹی بہنیں تھیں اور والدہ۔ کوئی سرپرست نہیں تھا۔ میاں صاحب نے کچھ ابتدائی تعلیم دیدی تھی جس کی وجہ سے علم کا شوق

پیدا ہو گیا تھا۔ اسلئے گھر سے بے سروسامانی کے ساتھ نکلے اور جونپور میں جاکر مولوی حیدر حسین صاحب کے مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ وہاں دس برس تک پڑھتے رہے۔ ذہانت۔ شوق اور محنت تینوں چیزیں ان کے اندر جمع تھیں اسوجہ سے ممتاز طالب علم مانے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں وہاں مفتی محمد یوسف صاحب فرنگی محلی مدرس تھے جو علوم عقلیہ اور درویشی دونوں میں کامل تھے اُن سے درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر مولانا محمد قاسم دیوبندی علیہ الرحمۃ کے پاس جاکر ایک سال رہے اور وعظ و ارشاد کا طریق سیکھا۔ اس کے بعد دہلی میں میاں صاحب سے دو سال تک حدیث پڑھی اور اُنھیں کا رنگ اختیار کیا۔

وطن میں واپس جانے کے بعد کتاب وسنت کی ترویج اور شرک و بدعت کے مٹانے میں مصروف ہوئے۔ جابجا مواضع میں اُن کی تلقین سے اہل حدیث کی جماعتیں پیدا ہو گئیں۔ قبر پرستی۔ پیر پرستی اور تعزیہ پرستی کو ضلع کے اکثر حصّہ سے مٹا دیا۔ اس زمانہ میں جیراجپور میں جو لوگ ان سے حدیث پڑھتے تھے ان میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری بھی تھے۔

ہمارے گاؤں سے ملا ہوا ایک دوسرا موضع بندول ہے جہاں کے ایک معزز وکیل کے بیٹے مولوی شبلی صاحب نعمانی اس زمانہ میں تکمیل علوم کرکے آئے تھے۔ اُن کے اوپر تقلید کا غلبہ تھا اسوجہ سے اُنھوں نے والد کے ساتھ بعض اُمور میں مباحثہ کرنا چاہا۔ والد بحث کو ناپسند کرتے تھے مگر اُن کے بعض شاگردوں خاصکر مولوی اسد اللہ صاحب نے جو موضع رواں کے رہنے والے تھے جوابات دئے اور طرفین میں رسالہ بازی ہوئی۔

دو سال کے بعد والد بنارس بلائے گئے۔ وہاں تلوجن محلہ کے مدرسہ میں پڑھانا شروع کیا۔ ان کے اسوقت کے شاگردوں میں سے اب صرف ایک شخص شمس العلماء مولوی حفیظ اللہ صاحب سابق مہتمم دارالعلوم ندوہ لکھنؤ زندہ ہیں۔

بنارس میں والد کے تعلقات پنڈتوں کے ساتھ بھی ہو گئے تھے۔ اُن سے یوگ کا فن سیکھا چنانچہ بھوپال میں ہر جمعرات کی شام کو اُن کے پاس شہر کے بڑے بڑے پنڈت روپ رام اور کنہیا لال وغیرہ آکر جمع ہوتے اور یوگ کے مسائل سمجھتے۔ نیز جب کوئی نامی پنڈت پریاگ یا اجودھیا وغیرہ کا وہاں آتا تو والد ایک رات ضرور اپنے یہاں محفل منعقد کرکے اُس کو معہ بھوپال کے پنڈتوں کے بلاتے اور گھنٹہ دو گھنٹہ علمی گفتگو کرتے۔

بنارس میں کم دبیش آٹھ سال رہے۔ پھر حج کو گئے۔ واپسی کے بعد بھوپال بلائے گئے۔

والد اگرچہ خالص اہلحدیث تھے مگر ان میں تعصب مطلق نہ تھا۔ ہر فرقہ اور ہر جماعت کے لوگ ان کے پاس آتے تھے اور جہاں تک ان کے بس میں ہوتا تھا سب کی مدارات اور مدد کرتے تھے۔ کسی سے بحث یا جھگڑا بالطبع ان کو ناگوار تھا۔ ایک بار مولوی محمد بشیر صاحب نے ایک شیعہ وکیل[1] کو ریاست سے نکلوا یا۔ والد کو جب اطلاع ہوئی تو فوراً مولوی صاحب کے پاس سمجھانے کے لئے گئے مگر اس سے پہلے سرکاری احکامات نکل چکے تھے۔

مولوی محمد بشیر صاحب نے جب یہ مسئلہ نکالا کہ قربانی ۲۹ ذی الحجہ تک سنت ہے اور اس پر عمل کا اعلان کیا تو لوگوں نے والد سے آکر بیان کیا کہ شاید اس کی مخالفت کریں گے۔ مگر انھوں نے مجھے حکم دیا کہ مولوی صاحب کے یہاں دام دے آؤ کہ جس دن وہ قربانی کریں اس میں ایک حصہ ہمارا بھی رکھیں۔

وہ واعظ شہر تھے اور ہر جمعہ کو جامع مسجد میں وعظ کہتے تھے۔ اہل شہر بالعموم حنفی تھے مگر کبھی کسی کو ان سے شکایت نہیں پیدا ہوئی۔ بلکہ ہر چھوٹے بڑے میں ان کا وعظ مقبول تھا اور انکی شخصیت محبوب تھی۔

ریاستوں میں اکثر دنیاوی معاملات میں بھی گروہ بندیاں رہا کرتی ہیں۔ وہ کبھی کسی فریق میں شامل نہیں ہوئے اور نہ کسی کی بیجا طرفداری کی۔

جس غربت میں انھوں نے تعلیم حاصل کی تھی اس کے لحاظ سے اُن کی نگاہ میں روپیہ کی بہت قدر ہونی چاہئے تھی مگر وہ اس کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہمیشہ اُن کی تنخواہ خود ہی لاکر اپنے پاس رکھتا تھا اور خانگی ضروریات میں خرچ کرتا تھا۔ کبھی حساب تک بھی نہیں پوچھا۔ اُن کی توجہ تمامتر اسی پر مبذول رہتی تھی کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ معاملہ کو صاف رکھیں تاکہ حساب کے دن باز پرس نہ ہو۔ جب کبھی اُن کو بخار آتا تو گھر بھر کو اپنے گرد جمع کرکے وصیت کرنے لگتے جس کا ماحصل یہی ہوتا تھا کہ ظاہر اور باطن میں اللہ کا کوئی گناہ نہ ہونے پائے اور کسی بندہ کا کوئی حق سر پر رہ نہ جائے کیونکہ اللہ باوجود غفور و رحیم ہونے کے بھی حقوق عباد کو معاف نہیں کریگا۔

---

[1] یہ وکیل مرزا ثاقب قزلباش کے والد تھے جو لکھنؤ کے موجودہ شعراء میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُن کی غزلیں اس وقت بھی جبکہ وہ بالکل نوجوان تھے میرے لئے دلکش تھیں۔

جب نواب علی حسن خاں نے جو نواب صدیق حسن خاں کے بیٹے تھے محکمۂ تعلیم کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اسوقت شاہجہان بیگم نے والد کی وہی تنخواہ جو مہتمی کی تھی محکمۂ مناصب میں منتقل کردی اور جملہ حقوق برقرار رکھے۔ شرط یہ تھی کہ بھوپال ہی میں رہکر اپنے گھر پر طلباء کو پڑھاتے رہیں۔

میں تعلیم ختم کرنے کے بعد ۱۹۰۳ء میں پیسہ اخبار لاہور میں مترجم ہو کر چلا گیا تھا۔ دوسرے سال جون کے مہینہ میں والد کی علالت کا تار ملا۔ فوراً بھوپال آیا۔ ذات الجنب کا عارضہ تھا۔ مجھ کو دیکھتے ہی سر کو گود میں لیکر پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ تم اچھے بیٹے ہو میں تم سے خوش ہوں۔ میں نے دل میں کہا کہ اے اللہ میرے باپ کے ان لفظوں پر تو گواہ رہنا۔ میں اُن کو حساب کے دن پیش کرونگا

دوسرے دن ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ عشا کے وقت چارپائی سائبان میں تھی۔ دو ملازم پنکھا جھل رہے تھے خیال تھا کہ نیند آگئی ہے۔ میں اُن کے قریب ہی نماز پڑھنے لگا۔ یکایک اُنھوں نے زور کا ایک سانس لیا۔ نوکروں کو احساس بھی نہیں ہوا مگر میرا دل کھٹکا۔ سلام پھیرنے کے بعد دیکھا تو وہی آخری سانس تھا۔ اُن کے سرہانے صحن میں ایک چارپائی پر بیٹھ گیا اللہ کا احسان ہے جس نے رنج کے پہلے ہی حملہ میں دل پر صبر اُنڈیل دیا۔ جہاں تک ہوسکا قرآن پڑھتا رہا لیکن تاہم وہ رات میرے اوپر سخت گزرگئی۔ وہ میری زندگی میں انقلاب کی رات تھی۔ والد کے چہرہ کے ساتھ دنیا جسقدر مجھ کو خوشنما نظر آتی تھی اُن کے بعد پھر کبھی ویسی نظر نہ آئی۔

اَلَا فَلْيَمُتْ مَنْ شَآءَ بَعْدَكَ اِنَّمَا ۔ عَلَيْكَ مِنَ الْاَقْدَارِ كَانَ حِذَارِيَا

ان کا انتقال ۳۰ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۰۴ء کو ہوا۔

نماز فجر کے بعد شیخ حسین عرب آئے۔ اُنھوں نے خود اپنے ہاتھوں سے غسل دیا۔ جب جنازہ لیکر نکلے تو باہر بڑا ہجوم تھا۔ محبت شاہ کے تکیہ میں جو نواب صدیق حسن خاں کے مقبرہ کے مشرقی جانب سڑک سے ملا ہوا ہے لیجا کر دفن کیا۔ آنے والوں کا تانتا نہیں ٹوٹتا تھا تین بار جنازہ کی جماعت ہوئی۔

اس واقعہ کے ایک مدت کے بعد ۱۹۱۷ء میں مجھے بھوپال جانے کا اتفاق ہوا۔ والد کے مزار پر گیا۔ دیکھا کہ اس تکیہ کے متصل گوجروں کا ایک محلہ آباد ہوگیا ہے جن کی وجہ سے اسمیں جابجا گندگی پھیلی ہوئی ہے۔ دل کو سخت رنج ہوا۔ اُسی دن مندرجہ ذیل نظم لکھکر والیہ بھوپال کی خدمت میں بھیجی۔

حضرتِ نواب سلطانِ جہاں گردوں وقار — آنکہ با صد حشمت و شوکت جہانبانی کند
فرۂ اقبال اسمش را مسمیٰ کردہ است — در جہاں چوں نامِ خود بنگر کہ سلطانی کند
مادرِ مشفق بود بہرِ مسلمانانِ ہند — مشکلاتِ قومِ ما را حل بآسانی کند
نیّتِ پاکش چو صافی تر ز آبِ گوہر است — در ہمہ کارش مددِ تائیدِ یزدانی کند
مدح مقصد نیست اینجا مدعائے دیگر است — ورنہ آں سلم ہم تواند آنچہ خاقانی کند
بندہ بر درگاہِ تو یک التماس آوردہ ام — زیبد ار لطفت نگاہے سویش ارزانی کند
چوں پس از قرنے گزارِ من بہ بھوپال او فتاد — آنکہ از آفاتِ دہرش حق نگہبانی کند
بیقرارانہ دواں رفتم سوئے گورِ پدر — ہمچو پروانہ کہ گردِ شمع جولانی کند
دل پُر از سوزِ محبت چشم پُر از اشکِ غم — شمع ساں کز شعلۂ خود قطرہ افشانی کند
تکیۂ شاہ محبت آنکہ مدفن گاہِ اوست — بندہ را از رشتۂ جاں جذبِ پنہانی کند
اندراں تکیہ کہ بروے رحمتِ بسیار باد — حالتے دیدم کہ پیدا رنج روحانی کند
از غلاظتہا کہ نا اہلاں دراں تکیہ کنند — دل نمی خواہد کہ آنجا فاتحہ خوانی کند
بر سرِ گورِ مسلماناں غلاظت کے رواست — ایں چنیں بے حرمتیہا خانہ ویرانی کند
دیو سیرت مردمانند اندر آں قرب و جوار — آں گروہِ کافراں ایں نامسلمانی کند
چشم میدارم کہ سرکار از رہِ لطفِ عمیم — انسدادِ ایں چنیں افعالِ شیطانی کند

آفتابِ دولت و اقبالِ تو تابندہ باد
خطۂ بھوپال را عدلِ تو نورانی کند

حسب توقع صفائی کا حکم ہوگیا اور آئندہ کے لئے بندوبست کردیا گیا۔

والد کو لکھنے سے ذوق نہ تھا۔ ایک رسالہ تصوف میں لکھا تھا جس کو میں نے پیسہ اخبار کے دفتر میں چھاپنے کے لئے دیدیا تھا۔ اس نے میری عدم موجودگی میں غلط فہمی سے اس کو میرے ہی نام سے شائع کردیا۔ ادھر چند سال ہوئے حکیم احمد حسین صاحب الہ آبادی اس کو چھاپنے کے لئے لے گئے۔ میں نے تصحیح بھی کردی تھی۔ اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ اس کو شائع بھی کیا یا نہیں۔ بیعت کے متعلق بھی ایک مختصر تحریر والد کی ملی تھی جس کو انھوں نے چھاپا تھا۔ اس کی چند کاپیاں مجھے بھیجدی تھیں۔

مطالعہ:۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ مطالعہ کی عادت میں نے ڈال لی تھی اور تحصیل علم میں اکی

اہمیت عملاً مجھے معلوم ہو چکی تھی۔ اس لئے ہمیشہ اس پر اسقدر سختی کے ساتھ مزاولت رکھی کہ کبھی بلا مطالعہ کئے سبق نہیں پڑھا۔ رات کو لغات و شروح سے مدد لے کر آنے والے سبق کو کوشش کے ساتھ حل کرتا تھا۔ اور یہ سوچتا تھا کہ انھیں عبارتوں سے اُستاد مطلب سمجھ لیتا ہے پھر میں کیوں نہیں سمجھ سکتا۔ رفتہ رفتہ اس میں کامیاب ہو گیا۔ اُستاد بھی میری اس بات سے واقف تھے اس لئے سبق کے وقت زیادہ تر خارجی بحثیں کرتے تھے۔ تکرار میں میں اپنے ساتھیوں کو پڑھاتا اور میرے ہی بھروسے پر اُستاد کے سامنے سبق میں وہ خاموش بیٹھے رہتے۔

مطالعہ کی عادت نے مجھے اپنا اُستاد آپ بنا دیا تھا۔ دراصل میرے سبق پڑھنے کا وقت مدرسہ میں نہیں تھا بلکہ رات کو تھا جبکہ میں اپنے کمرہ کی خاموش تنہائی میں کتابیں لیکر غور کے ساتھ اپنے سبقوں کو حل کیا کرتا تھا۔ والد کی توجہ کا ہاتھ ہمیشہ میرے دل و دماغ کی نبض پر رہتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مطالعہ کی یکسوئی میں خلل پڑنے سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے اس وجہ سے خود اس کا خیال رکھتے تھے۔ ایک بار میں نے دیکھا کہ عشا کے بعد میری بہن جو مجھ سے بہت مانوس تھی اور جس کی عمر اس وقت ۵-۶ سال کی تھی میرے کمرہ میں آ رہی تھی۔ والد نے اُس کو بلا کر اپنے پاس بٹھالیا اور سمجھا دیا کہ رات کو کھانے کے بعد بھائی کے پاس مت آیا کرو۔

اگر کسی رات مطالعہ کا موقع نہیں ملتا تھا تو دن کو اُستاد سے کہہ دیتا تھا کہ آج سبق نہیں پڑھونگا۔

درس بھوپال میں اس زمانہ میں عربی کے طلباء کی کثرت تھی اور الحمدللہ کہ میں ان میں مقبول تھا۔ اس لئے نہیں کہ میں مہتمم مدارس کا بیٹا تھا بلکہ اس لئے کہ خود مستعد اور ملنسار طالب علم تھا۔ میں اُن سے محبت کرتا تھا وہ مجھ سے محبت کرتے تھے۔ اور بعض بعض میرے پاس پڑھنے کے لئے بھی آتے تھے اور میں اُن کو پڑھاتا بھی تھا۔ والد بھی یہی چاہتے تھے ایک بار اُنھوں نے ایک ولایتی طالب علم ملا پیر محمد کو میرے سپرد کیا۔ میں اُن کو پڑھانے لگا۔ قطبی میں نسبت حکمیہ کی بحث آئی۔ میں نے تقریر کی وہ نہیں سمجھے۔ دوبارہ بیان کیا اُن کی سمجھ میں نہ آئی۔ تیسری بار سمجھانے کی پوری کوشش کی مگر پھر بھی وہ ہمہ تن سوال ہی بنے بیٹھے تھے۔ اگرچہ ان کا سن بھی مجھ سے دگنا تھا اور قد بھی مگر میں نے تنگ آکر کتاب اُن کے سر سے ماری اور اُٹھکر چلا آیا۔ لیکن دل میں سخت اضطراب پیدا ہوا۔ کیا اللہ کے خوف سے؟ نہیں۔ کیا اسوجہ سے کہ اخلاقی حدود توڑے تھے؟ نہیں بلکہ صرف اسلئے کہ والد جب سنیں گے تو کیا کہیں گے۔

کیونکہ اس امر کے برداشت کی طاقت میں نہیں رکھتا تھا کہ میری کسی حرکت سے اُن کے دل پر کلفت کا غبار آئے۔ سوچتا ہوا سیدھا انھیں کے پاس گیا اور کہا کہ میں ملا بیرو کو نہیں پڑھاؤنگا۔ بولے کہ کیوں؟ میں نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ اُن کے پڑھانے سے میں غبی ہو جاؤنگا۔ والد قیافہ شناس تھے۔ میرے چہرہ پر نگاہ ڈالی۔ گھبراہٹ اور غصہ کے آثار دیکھے۔ کہنے لگے اچھا۔ جاؤ میں اُن کو کسی اور کے حوالہ کر دونگا۔

مصیبت اس وقت آتی تھی جب وہ کسی بنگالی طالب علم کو میرے حوالہ کرتے تھے کہ اس کو سراجی پڑھاؤ۔ عربی مدارس کو جس قسم کے بنگالی طلباء میسر ہوتے ہیں اُن سے اکثر اساتذہ واقف ہیں۔ سال بھر میں بھی اگر میں اس کو سراجی پڑھا لیتا تھا تو اللہ کا شکر ادا کرتا تھا۔

کتب بینی بعض بعض بحثوں میں میں نے دیکھا کہ توقیر مجھ سے بازی لے جاتے تھے۔ اس لئے نہیں کہ اُن کا انتقال ذہنی مجھ سے تیز تھا یا وہ تقریر میں مجھ سے بہتر تھے بلکہ صرف اسلئے کہ اُن کا مطالعہ زیادہ وسیع تھا۔ چنانچہ میں نے بھی اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کتب بینی شروع کی اور ابتدا میں روزانہ کم سے کم سو صفحوں کی رفتار رکھی۔ کتب خانہ مفید عام جس کا ذخیرہ بڑھا کر اب بھوپال لائبریری قائم کی گئی ہے اس زمانہ میں والد کی ماتحتی میں تھا۔ اس میں سے جسقدر کتابیں چاہتا لا کر پڑھتا۔ ادب۔ مذہب اور تاریخ سے والد کو ذوق تھا۔ انھیں سے مجھ کو بھی دلچسپی ہوئی۔

علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم کی جسقدر کتابیں اسوقت تک شائع ہوئی تھیں ان کا ذخیرہ والد خود اپنی الماری میں رکھتے تھے۔ بحرین کے سب سے بڑے موتی کے تاجر شیخ مقبل جوان دونوں بزرگوں کی کتابیں مصر سے شائع کراتے تھے والد کے دوست تھے۔ جو کتاب چھپواتے اس کا ایک نسخہ ضرور بھیجتے۔ علی بن ماضی کی بدولت علماء نجد کی کتابیں آتی رہتی تھیں۔ نواب صدیق حسن خاں نے جسقدر کتابیں چھپوائی تھیں اُن کا ہونا تو ہمارے پاس لازمی تھا۔ فتح الباری۔ نیل الاوطار اور فتح البیان کی کل جلدیں ایک ایک ورق دیکھکر میں خود لایا تھا۔ اردو کی جدید تصنیفات اس زمانہ میں لکھنؤ۔ علیگڈھ اور لاہور سے جسقدر شائع ہوئی تھیں ان سب کو میں نے منگایا۔
آخر میں یہ سودا اس قدر بڑھ گیا کہ کتابیں پڑھنے سے سیری ہی نہیں ہوتی تھی اور مسبب الاسباب اس کا سامان بھی کرتا رہا۔ لاہور گیا تو وہاں کی پبلک لائبریری کے علاوہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی کی مہربانی سے مستشار العلماء کا کتب خانہ میرے لئے وقف تھا۔ علیگڈھ کالج میں رہا تو

مشرقی کتب خانہ خود میری نگرانی میں تھا۔ جو کتابیں اب تک نہیں مل سکی تھیں وہ یہاں ملیں پڑھتا رہا اور پڑھتا رہا۔ آخر میں یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے روئے زمین پر صرف ایک ہی کتاب ہے جو عرش سے اُتری ہے اور جس کا نام قرآن ہے

چہل سال رنج و غصہ کشیدیم و عاقبت - تدبیرِ ما بدستِ شراب دو سالہ بود

(باقی آئندہ)

بیان

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

قرب " اردو اور فارسی میں بھی یہ لفظ صحیح معنی میں استعمال ہوتا ہے، یعنی نزدیک، قرآن
میں یہ لفظ "بعید" کے مقابل استعمال ہوا ہے جس کے معنی "دور" ہے "قریب وبعید
یک و دور۔ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۲۱/۱۰۹ جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے
نہیں جانتا کہ نزدیک ہے یا دور۔

قرب کا اطلاق مکان اور زمان دونوں پر ہوتا ہے۔ اس آیت میں "وقت" اور مدت کا مذکور
ر وعدہ عذاب قریب زمانہ میں پورا ہوگا یا دیر بعد۔ اس لئے قریب کے معنی دیر کے خلاف یعنی جلدی ہے
اسی طرح عَذَابًا قَرِیْبًا (۷۸/۴۰) مکان اور زمان دونوں پر عائد ہوتا ہے۔ "مَکَانٍ قَرِیْبٍ ۱۲/۲۲ و ۱۶/۲۶)
ساعَۃَ قَرِیْبٌ (۴۲/۱۷) اَجَلٍ قَرِیْبٍ (۱۴/۴۴) جس سے مراد تھوڑی مدت ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ۸/۹ و ۱۹/۱۳

اس لفظ کے تحت چند الفاظ مثلاً "قُرْبیٰ" اور "قُرْبَانٌ" اور سب سے بڑھ کر "قرب الٰہی" قابل
ہیں۔ اس میں تو کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان معنوں میں ہمارے قریب نہیں جن معنوں میں
ر اشیاء ہیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ لیکن قرآن میں "قرب" اور "معیت" استعمال
ے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہماری اپنی زندگی سے بھی ہم سے نزدیک تر ہے

نحن اقرب الیہ آمدہ است　-　دور افتادہ تو از پندار
او پیش تو ایستادہ چو سرو　-　سر فرو بردہ تو نرگس وار

ی مثال طلب دنیا میں ایسی ہے جیسی کہ ایک شخص پیاسا سراب کے پیچھے دوڑ رہا ہو۔ پانی تو اُسے
یں ملتا لیکن "وَجَدَ اللّٰہَ عِنْدَہٗ" (اللہ کو پایا اپنے پاس) ۲۴/۳۹۔ اگر ہم تدبر و تفکر سے کام لیں تو
ح ہوگا کہ ہمیں اشیاء کا مشاہدہ اللہ ہی کے نور سے ہوتا ہے۔ اشیاء بذاتہ روشن نہیں ہیں۔
اسی اللہ کے نور سے روشن ہیں۔

چو آیات اند گشتہ روشن از ذات　-　نگردد ذات او روشن ز آیات

ن ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں اور اس نور کو نہیں دیکھتے۔ اگر یہ حقیقت ہم پر منکشف ہو جائے تو معلوم
گا کہ ہم اپنے آپ سے بھی اللہ کے قریب تر ہیں۔

مشرقی کتب خانہ خود میری نگرانی میں تھا۔ جو کتابیں اب تک نہیں مل سکی تھیں وہ یہاں ملیں رہا اور پڑھتا رہا۔ آخر میں یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے روئے زمین پر صرف ایک ہی کتاب ہے جو عرش سے اُتری ہے اور جس کا نام قرآن ہے

چہل سال رنج و غصہ کشیدیم و عاقبت ۔ تدبیرِ ما بدستِ شرابِ دوسالہ بود (۱)

بیان

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

"قرب" اردو اور فارسی میں بھی یہ لفظ صحیح معنی میں استعمال ہوتا ہے، یعنی نزدیک، قرآن میں یہ لفظ "بعید" کے مقابل استعمال ہوا ہے جس کے معنی "دور" ہے۔ "قریب و بعید" نزدیک و دور۔ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۲۱/۱۱ جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے یا دور۔

قرب کا اطلاق مکان اور زمان دونوں پر ہوتا ہے۔ اس آیت میں "وقت" اور مدت کا مذکور ہے کہ وعدہ عذاب قریب زمانہ میں پورا ہوگا یا دیر بعد۔ اس لئے قریب کے معنی دیر کے خلاف یعنی جلدی ہے اور اسی طرح عَنۡ اَبًا قَرِیۡبًا (۳۳/۲) مکان اور زمان دونوں پر عائد ہوتا ہے۔ "مَکَانٍ قَرِیۡبٍ (۲۲/۱۲ و ۲۶/۱۲) اَلسَّاعَۃَ قَرِیۡبٌ (۲۵/۴) اَجَلٍ قَرِیۡبٍ (۲۸/۱۴) جس سے مراد تھوڑی مدت ہے نیز ملاحظہ ہو ۹/۸ و ۱۳/۱۹

اس لفظ کے تحت چند الفاظ مثلاً "قُرۡبٰی" اور "قُرۡبَانٌ" اور سب سے بڑھ کر "قرب الٰہی" قابل ذکر ہیں۔ اس میں تو کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان معنوں میں ہمارے قریب نہیں جن معنوں میں دیگر اشیاء ہیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ لیکن قرآن میں "قرب" اور "معیت" استعمال ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہماری اپنی زندگی سے بھی ہم سے نزدیک تر ہے

نحن اقرب الیہ آمدہ است - دور افتادہ تو از پندار
او پیش تو ایستادہ چو سرو - سر فرو بردہ تو نرگس دار

ہماری مثال طلب دنیا میں ایسی ہے جیسی کہ ایک شخص پیاسا سراب کے پیچھے دوڑ رہا ہو۔ پانی تو اسے نہیں ملتا لیکن "وَجَدَ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ" (اللہ کو پایا اپنے پاس) ۲۴/۱۱۔ اگر ہم تدبر و تفکر سے کام لیں تو واضح ہوگا کہ ہمیں اشیاء کا مشاہدہ اللہ ہی کے نور سے ہوتا ہے۔ اشیاء بذاتہ روشن نہیں ہیں۔ بلکہ اسی اللہ کے نور سے روشن ہیں۔

چو آیات اند گشتہ روشن از ذات - نگردد ذات او روشن ز آیات

لیکن ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں اور اس نور کو نہیں دیکھتے۔ اگر یہ حقیقت ہم پر منکشف ہو جائے تو معلوم ہوگا کہ ہم اپنے آپ سے بھی اللہ کے قریب تر ہیں۔

ہیں قریب اور قریب تر اشیا کی معرفت بہ نسبت دور اور دور تر اشیا بہتر اور صحیح ہوتی ہے۔ لیکن جو ذات اتنی قریب تر ہو کہ اس سے زیادہ قرب متصور نہیں ہو سکتا تو قیاس ہو سکتا ہے کہ "دوری" محض وہم و ظن کا نتیجہ ہے جو ہوائے نفس سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جو حق و حقانیت سے دور رکھتا ہے، اور اس لئے شیطنت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ الآیہ ۲/۱ (اے پیغمبر) جب میرے بندے تجھ سے میری نسبت پوچھیں تو میں قریب ہوں۔

وہ قریب بھی ہے اور "مجیب" بھی ہے (۲/۱) وہ اپنے بندوں کی فریاد بھی سنتا ہے اور فریاد رس بھی ہے۔ لیکن ہم نفسانیت میں کتنے محجوب ہیں۔ ہم اشیاء کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں۔ یہ محض اسباب ہیں اور اسباب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

گرچہ تیر از کماں ہمی گذرد - از کماندار بیند اہل خرد

ایک کتا بھی اتنی عقل رکھتا ہے کہ پتھر کو نہیں بلکہ پتھر مارنے والے پر ہو نکتا ہے۔ ہم اشیاء سے لڑتے جھگڑتے ہیں، ان میں کیا شعور ہے، انھیں کیا اختیار ہے، اللہ تعالےٰ نے سب کچھ ہمارے قبضۂ تصرف میں دے رکھا ہے اسلئے رب العالمین ہی تمام "حمد" کا مستحق ہے، اگر ایک نیک آدمی ہمارے ساتھ نیکی کرتا ہے تو اس کا شکر ادا کرتے وقت ہماری نظر اس ذات پر ہونی چاہیئے جس نے اُسے نیکی کی توفیق عطا فرمائی، اگر ہم اس آدمی کو ہی مدنظر رکھتے ہیں تو شرک ہے، اللہ کے نیک بندے بھی جو کچھ نیکی کرتے ہیں "لوجہ اللہ" کرتے ہیں ورنہ محض ریاکاری ہے (۲۹/۱۹)

مواحد وہ شخص ہے کہ اسباب کو نہیں بلکہ مسبب الاسباب کو دیکھتا ہے، منہ سے توحید کا دم مارنا اور بات ہے اور مشاہدہ اور شے ہے۔

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا - واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

حقیقت یہ ہے کہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (۲/۱۹) نگاہیں اُسے کہاں دیکھ سکتی ہیں جو اپنے آپ کو دیکھ نہیں سکتیں، وہ ہماری نگاہوں کو دیکھ رہا ہے اور ہم اُسی سے دیکھتے اور سنتے ہیں۔ اہل اللہ وہ ہیں جن کا یہ "حال" ہے۔ "قال را بگذار و مرد حال شو" انہی کے لئے فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کی شہادت صادق ہوتی ہے۔ قرب سے بڑھکر انسان کے لئے اور کوئی درجہ نہیں، اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (۵۴/۱) لیکن

گو ممکن ز حدِ خویش بگذشت   نہ ایں واجب شد و نے ممکن اوگشت

قرآن مجید کی بعض آیات سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۴۸ ۲۶/۹ جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے۔ ان کے ہاتھ کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پھر جو کوئی قول توڑے تو توڑتا ہے اپنے بُرے کو اور جو کوئی پورا کرے جس پر اقرار کیا اللہ سے وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائیگا۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۹/۱۹ سو تم (مومنو) نے اُنھیں (کفار کو) نہیں قتل کیا بلکہ اللہ نے اُنھیں قتل کیا اور تو نے (اے پیغمبر مٹھی خاک کی) نہیں پھینکی تھی جسوقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی اور اپنی طرف سے ایمان والوں پر خوب احسان کیا چاہتا تھا۔

آیات اور بھی ہیں لیکن سمجھنے کے لئے یہی کافی ہیں۔

رسول اور نبی خلیفۃ اللہ ہوتا ہے، لوگ اسی کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور وہ بیعت اللہ کی طرف سے لیتا ہے۔ ٹھیک اس طرح جس طرح بادشاہ کا نائب بادشاہ کے نام پر بیعت لیتا ہے جسے انگریزی میں Oath of allegiance یعنی عہدِ وفاداری کہتے ہیں۔ اس میں رسول محض ایک واسطہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ حلف وفاداری لیا جاتا ہے۔ بیعت کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ وہ رسول کے ذریعہ اللہ ہی سے عہد باندھتے ہیں (ملاحظہ ہو لفظ "بیع") اسلئے اہل نظر رسول کا ہاتھ درمیان میں نہیں دیکھتے۔

کفار مکہ سے مہاجرین اور انصار کو آنحضرت کے تحت لڑنا پڑا۔ لیکن کفار تو "حرب" کے دلدادہ تھے اور مومنین قتال فی سبیل اللہ کے لئے نکلے تھے (ملاحظہ ہو لفظ "قتل") اسلئے مومنین کی طرف سے "قتال" محض لوجہ اللہ تھا جب ان کی نفسانیت کا اس میں دخل نہ تھا تو ظاہر ہے کہ کفار کا مارا جانا خواہ مومنین کے ہاتھوں سے ہوا لیکن اُن کو مارنے والا اللہ ہی تھا۔ وہ تو محض ایک سبب اور بہانہ تھے۔ اور آنحضرت کو وہ قرب حاصل تھا کہ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۳۰ اسلئے

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ان آیات میں مومنین کے قتال اور رسول کے ہاتھ کی نفی نہیں کی گئی جس سے واضح ہوتا ہے،

کہ اسباب کا پیدا کرنے والا اُن کو اسی لئے پیدا کرتا ہے کہ ان سے مناسب کام لے اور اس لئے مناسب اسباب سے ہر ایک کام ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں واضح کیا گیا ہے کہ انبیاء و رسل اور ملائکہ اور متقین کو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے ۱۶/۱، ۳/۱۳، ۶/۴، ۲۷/۱۴، ۳۰/۸، ارشاد الٰہی ہے کہ

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۔ وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۔ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۔ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ ۔ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ ۲۷/۱۶

پھر کیوں نہیں (صداقت کا اقرار کرتے) جس وقت جان حلق تک پہونچے اور تم دیکھتے ہو اور ہم اس پاس تم سے زیادہ قریب ہیں لیکن تمہیں نظر نہیں آتا اگر تم ایسے ہی خود مختار ہو اور دعویٰ میں سچے ہو تو اسے کیوں لوٹا نہیں لیتے تو اگر وہ مقربین سے ہے تو اسے راحت اور روزی ہے اور باغ نعمت کا۔

ان آیات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ "انا الموجود" کا دعویٰ کرتے ہیں وہ تدبر و تفکر سے کام نہیں لیتے۔ ہمارا اختیار اللہ کا دیا ہوا اختیار ہے کچھ ذاتی قابلیت نہیں، اور کسی شے میں کچھ ذاتی قابلیت نہیں، یوں تو قرب ہر ایک شخص کو حاصل ہے خواہ وہ مجرم ہو یا متقی لیکن مجرم تو سزا کا حکم سننے کے لئے عدالت میں حاضر کئے جاتے ہیں اور متقی جزا کا، اور مقرب متقی ہی ہوتا ہے۔

این مدعیاں در طلبش بے خبرانند ۔ کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

"انا الموجود" کے دعویدار محض غفلت میں ہیں، جن لوگوں کو حقیقت کا علم ہوتا ہے اُن کی ہستی موہوم ایسی منقطع ہوتی ہے کہ "خبرش باز نیامد"

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز ۔ کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

"ذی قوۃ" وہی شخص ہے جو قلبی قوت سے کام کرتا ہے رسول کریم ﷺ کے متعلق قرآن ... [illegible]

[illegible]

جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔

ملاحظہ ہو لفظ "ایمان" اور "عمل" حضرت مسیح کے پاس ایک دفعہ ایک مالدار شخص آیا اور پوچھا کہ "ربی میں کیا کروں کہ نجات پاؤں" فرمایا کہ "حکموں پر عمل کرو" یعنی احکام شریعت موسوی پر جواب دیا کہ ان پر تو میرا عمل شروع سے ہے۔ فرمایا کہ اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جو کچھ تیرا ہے سب فی سبیل اللہ صرف کر دے اور میرا اتباع کر" مالدار افسردہ خاطر ہو کر چلا گیا' آنحضرت نے فرمایا کہ "اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے گزرنا آسان ہے لیکن مالدار کا آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے" حواریوں نے عرض کی کہ "اگر یہی حال ہے تو پھر کون داخل ہو سکتا ہے" فرمایا کہ "جسے اللہ توفیق دے" مال اور اولاد کی محبت فی الحقیقت فتنہ ہے، اور مالدار اور صاحب اولاد عموماً انہی کی وجہ سے اللہ کے راستہ پر جہاد کرنے سے رک جاتے ہیں۔ فی الحقیقت دونوں بذاتہ مذموم نہیں ہیں

چیست دنیا از خدا غافل شدن ¦ نہ قماش و نقرہ و فرزند و زن

ارشاد الٰہی ہے:-

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ - تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک فی سبیل اللہ وہ شے صرف نہ کرو جو تمہیں پیاری ہے۔

"قربان" قربانی کا اصل مفہوم تو یہی کچھ ہے جو آیہ ؕ میں مذکور ہے کہ جان و مال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا جائے، جو قومیں ایسا کرتی ہیں اور کرتی رہی ہیں وہ معراج پر نظر آتی ہیں۔ جہاد کی مختلف صورتیں اور مختلف ضرورتیں ہیں۔ اس موضوع پر بحث لفظ جہاد کے تحت ملاحظہ ہو، ایسی قربانی اعلیٰ فرض انسانی ہے۔ لیکن اس مقام پر ہم صرف اس قربانی پر بحث کریں گے جسے منجملہ اور باتوں کے لوگوں نے ذریعہ تقرب سمجھا ہوا ہے یعنی وہ قربانی جو ایک عالمگیر رسم ہے اور "قرب" سے ماخوذ ہے۔

اگرچہ قرون اولیٰ میں توحید بلا شائبہ شرک کی شہادت نہیں ملتی لیکن اضطراری حالت میں فطرتاً انسانی توجہ کا مرکز خود بخود ذات الٰہی ہو جاتی ہے۔ جو "ورائے عقلہا وفہما" ہے ایک زمانہ میں فطرت توحید کی طرف رہنمائی کرتی رہی ہے۔ اگرچہ ہماری عقول ان سے قاصر رہی ہیں؛ خالص فطری جذبات ہمیشہ توحید کے رنگ میں نظر آتے ہیں۔ ...ن نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کو اپنا معلم اور رہنما تسلیم کر لیا تو یہ باران ...

زمین کی کثافتوں سے مل کر مکدر ہو گیا اور اسلئے

ازو ہرچہ بگفتند از کم و بیش　　　نشانے دادہ اند از دیدہ خویش
منزہ ذاتش از چند و چہ و چون　　　تَعَالٰے شَانُہٗ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ

قرون اولیٰ میں ہمارا مشاہدہ سطحی تھا۔لیکن رفتہ رفتہ ہم فطرت کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کی جرات کرنے لگے۔اگرچہ حقیقت جس کی ہمیں تلاش ہے ابھی تک ہمارے عقل و فہم سے بالاتر ہے اور بالاتر رہیگی لیکن ہمیں اس جد و جہد میں اتنا علم ہو چکا ہے، خواہ یہ قلیل ہی ہو کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ"۔ اور اب ہم صحیفۂ فطرت کا صحیح مطالعہ کر سکتے ہیں۔

ابتدا میں جب انسان کی نگاہ آسمان کی طرف اٹھتی اور اس میں روشن اور تاباں اجرام فلکی کو دیکھتا تو جو کچھ خیالات کا ہجوم اس کے دل و دماغ پر ہوتا اس کا اظہار مصری، یونانی، رومی عربی، پارسی، ہندی غرض ہر ایک ملک اور قوم کی اساطیر یا "مائی تھولوجی" کر رہی ہے۔ہمارے بزرگ بھی یہی حواس یہی دل و دماغ رکھتے تھے جس کے مالک ہم ہیں، یہی جذبات تھے جو اب بھی ویسے ہی بیم و رجا کو لئے ہوئے ہیں جیسے پہلے تھے، انسان اب بھی خواہ وہ کیسا ہی مواحد ہو خدا کو یاد کرتے وقت آسمان کی طرف دیکھتا ہے، قرون اولیٰ میں بھی "آکاش" دیوتاؤں اور دیوتاؤں کا گھر سمجھا جاتا، جو بے انتہا طاقت کے مالک تھے، اگر کسی فانی انسان پر خوش ہوں تو اُسے نہال اور مالا مال کر دیں۔ایسی غیر فانی روشن ہستیوں کو خوش کرنا اور خوش رکھنا کچھ مشکل کام بھی تھا لیکن انسان اتنا جانتا تھا کہ زور و زر و زاری سے کام خواہ کیسا ہی مشکل ہو آسان ہو سکتا ہے آسمان پر دل زمین کا زور کیا چل سکتا تھا اس لئے زر و زاری ہی دو ذرائع ایسے تھے جن کو ا[illegible] [illegible] بے دریغ استعمال کیا [illegible] عالیشان [illegible] [illegible] [illegible] صورت اختیار کی [illegible] [illegible] اس کے استعمال کا راز بھی معلوم کر لیا [illegible] [illegible] کے ساتھ تب [illegible] [illegible]

وَمَا اَمْوَا[illegible]
عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ

ترتیب وار) چھ (طویل) زمانوں میں پیدا کیا (چار دور زمین پر اور دو دور اس زمین کے متعلقہ آسمانوں پر گزرے۔ زمین کی پہلی حالت گیلی ہوئی، دوسری ناری، تیسری بائی اور چوتھی پوست والی۔ غرضیکہ یہ سب کچھ چھ زمانوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچا جس کی مفصل شرح تفسیر بیان للناس منزل اول ط ۱۶۱ منزل دوم ص ۲۲۳۔ منزل سوم ص ۴۔ اور منزل ہفتم ص ۹۷ پر کی جاچکی ہے۔ اسی طرح مٹی کے بعد انسان پر بھی چھ زمانے آتے ہیں چنانچہ نطفہ۔ علقہ۔ مضغہ۔ عظام۔ لحم۔ خلق[1] انہیں چھ زمانوں میں تکمیل پاتا ہے۔ یہ غلط ہے کہ مجسمۂ خاکی میں فوراً ہی روح پھونکی اور مکمل ہو کر پیدا ہوگیا۔ اور اُسی وقت سوال و جواب سے فارغ دعوئے نبوت، صاحب کتاب، پابند صوم و صلواۃ وغیرہ ہوگیا۔ حقیقت یہی ہے کہ انسان بھی بتدریج چھ زمانوں میں مکمل ہوتا ہے۔ الحاصل زمین اور آسمانوں کے بنانے کے بعد پھر وہ (اللہ) تخت (حکومت) پر راست آیا (اب جبکہ یہ ظاہر ہے کہ یہ کائنات جس کے چھوٹے چھوٹے اجزا، حجر و شجر وغیرہ کو تم معبود سمجھ رہے ہو سب کی سب اپنی بے انتہا وسعت و عظمت کے باوجود اللہ تعالےٰ کی بنائی ہوئی اور اُس کے اٹل حکم کی مطیع ہے، کہاں تک تمہاری ولایت و شفاعت کرسکتی ہے ۳/۲ نتیجہ ظاہر ہے کہ) اُس (اللہ) کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی ہے نہ سفارشی۔ کیا پھر تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

(۵) يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○ (پھر یہی نہیں کہ وہ کچھ بنا کر خود اس سے بے تعلق ہوگیا اور اس کو مطلق العنان چھوڑ دیا، جس کی تکون کا کوئی حکیمانہ نتیجہ نہیں۔ بلکہ وہ ہر حال میں مدبر اُمور ہے، پس) کام کی آسمان سے زمین کی طرف (مثلاً نسلہ کو ترقی کے لئے ترتیب دیتا ہے اور درجہ تک پہنچاتا ہے)، پھر وہ کام اُس (خدا) کی طرف اتنے زمانے میں چڑھتا ہے جس

[1] لطیف جسم کو کہتے ہیں جو اس مادی جسم کے اندر اعمال کے مطابق مرتب ... موت کے بعد روح کے ساتھ اس مادی عالم سے نکل کر ... مناسب جگہ پر پہنچ جائیگا۔

کی مقدار ایک ہزار[1] سال (کے برابر) ہے جس سے تم (حساب لگا کر بارہ ماہ کا سال اور سو سال کی صدی) شمار کرتے ہو (قرآن چونکہ فطرت انسانی کے مطابق ہے اس لئے اُس نے ہزار سال فرمایا ہے ورنہ وہاں ہزار۔ لاکھ۔ کروڑ وغیرہ کچھ اہمیت نہیں رکھتے ع نہ ہے زماں نہ مکاں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ غرض فرمانے کی یہ ہے کہ اس دنیا کا کارخانہ ہزار ہا سال سے چل رہا ہے، اور اس کارخانے میں ہزاروں انقلابات آتے رہے ہیں تو وہ انسان جو اس جہان میں چند سال رہتا ہے وہ اس کارخانہ کے چلانے میں کیونکر شریک ہو سکتا ہے؟ یہ اس قادر مطلق، عالم کل، اور حی لایموت ہی کا کام ہے)

(۶) ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ یہ (خدا) پوشیدہ اور ظاہر (سب) کا جاننے والا بہت زبردست (قوتوں کا مالک اور) بہت رحم (کرنے) والا ہے۔

(پھر ایسے قوتوں کے مالک اور رحیم ورحمٰن سے کسی مجرم کے بری کرنے اور بے گناہ کو باندھ لینے کی سفارش کرنے کا کون مجاز ہو سکتا ہے۔ اُس کے کام میں کسی کو دخل نہیں، اُس کا کوئی شریک ہے نہ ساجھی، پس کسی غیر اللہ کو محض عقیدت کی بنا پر شفیع و منجی قرار دے لینا حقیقت سے کوسوں دور بلکہ ظلم عظیم کے مترادف ہے)

(۷) الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ وہ ذات جس نے ہر مخلوق کو اچھی طرح بنایا ہے اور (اسی نے) انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی۔

(۸) ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ پھر اُس (خدا تعالیٰ) نے اس (انسان) کی نسل حقیر پانی کے نچوڑ (یعنی نطفہ) سے بنائی۔

(۹) ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ پھر اُس (خدا تعالیٰ) نے

[1] تفصیل کے لئے تفسیر بیان للناس منزل ہفتم ص۱۴۹ و ص۲۶۳ ملاحظہ فرمائیں۔

اس (انسان) کو درست بنایا اور (جب انسان سرتاپا مکمل ہوگیا تو) پھونکی اس میں
اپنی (بنائی ہوئی روحوں سے) ایک روح (اس کے بعد اس کو اندھیروں سے
نکالا اور اُس کے لئے تمام سامان خوراک و سکونت وغیرہ میسر کئے) اور بنائے
تمہارے لئے کان (سننے کے لئے) آنکھیں (دیکھنے کے لئے) اور دل (غور و فکر کرنے
کے لئے)۔ جب انسان سن شعور کو پہنچا تو اس کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اپنے
احکام سنائے، یہ سب کچھ اس لئے عطا ہوا کہ تم اپنے منعم حقیقی کی تعریف میں
رطب اللسان رہو اور ان نعمتوں کی قدر کرو۔ لیکن) تم بہت کم شکر کرتے ہو۔

(۱۰) وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ بَلْ
هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ○ اور کہا انھوں نے "کیا جب ہم زمین میں گم
(دفن) ہوجاتے ہیں تو کیا ہم اسوقت نئی (ارتقائی) پیدائش میں ہوتے ہیں؟
بلکہ یہ تو اپنے رب کی ملاقات سے انکار کرتے ہیں (لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیے
کہ موجودہ حالت تک کے ارتقائی منازل عبث اور بے نتیجہ نہیں ہوسکتے۔ خدا
کے ہاں ضرور پیش ہونا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے)

(۱۱) قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى
رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ○ تو کہدے کہ موت کا فرشتہ جس کے تم حوالے کئے گئے ہو۔
(وقت پر) وہ تمہیں فوت کرتا ہے۔ پھر تم (اپنے اعمال کی جزاء و سزا پانے کے لئے)
اپنے رب کی طرف موڑے جاتے ہو (اور کسی اور طرف بھاگ نہیں سکتے)

رکوع دوم (۱۲) وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۗ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ
(رکوع اول میں ارتقاء عالم سے آخرت کا ثبوت دیا اور توجہ الی اللہ کی ضرورت
بیان فرمائی، رکوع دوم میں اثبات قیامت کے بعد فرمایا کہ دین میں جبر نہیں۔ کیونکہ
عالم جزا موجود ہے۔ جبری ایمان تلوار سے ہو یا معجزات وغیرہ سے قابل قبول نہیں

اگر جبری ایمان منظور ہوتا تو سب کو مسلمان بنا دیا ہوتا' فطری الہام اور انبیاء علیہم السلام کا واضح دلائل لیکر آنا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ ہم نیکی اور بدی میں مختار ہیں - یہ اللہ تعالٰی کا لطف و احسان ہے کہ اُس نے ہم سے نیک بننے پر انعامات کا وعدہ فرمایا اور افعال و اعمالِ بد سے اجتناب کی تلقین فرمائی' اور اس کا ارشاد کہ اعمالِ غیر صالحہ سے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے' ہرگز غلط نہیں ہو سکتا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے جب یہ لوگ خدا کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو سزا کو دیکھکر اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں) اور اگر تو (ان کی ہیبت کذائی) دیکھتا تو دکانپ اُٹھتا) جبکہ مجرم اپنے سروں کو اپنے رب کے پاس نیچے کئے ہوئے ہیں (اور اپنے گناہوں پر پشیمان ہو کر کہتے ہیں کہ افسوس اسوقت وہ بھی ہمارے کام نہ آئے جن کو دنیا میں ہم بزعم باطل اپنا شفیع و نجات دہندہ اور یاور و مددگار سمجھ کر افعال بد کے مرتکب ہوتے رہے - اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ یہاں ہمارے اعمال ہی ہماری نجات و شفاعت کے باعث ہونے ہیں تو دنیا میں مکار و دغا باز خداؤں کی پرستش نہ کرتے، اُن پر اعتماد نہ رکھتے - ان کے احکام باطلہ کو بنظر حقارت ٹھکرا دیتے، پس اے ہمارے اچھے اور حقیقی) پروردگار! ہم نے دیکھ لیا (کہ تیرا وعدہ سچا تھا) اور (بگوش قبول) سُن لیا (اور سمجھ لیا کہ اعمالِ صالحہ ہی ثمرآور ہوتے ہیں، ماں، باپ، بھائی، بہن، پیر، مرشد، ولی، نبی، کوئی کسی کے کام نہیں آتا) پس (اب دوبارہ) تو ہم کو (دنیا میں) واپس بھیجدے - ہم اچھے عمل کرینگے ہم ضرور (اب) یقین کرنے والے ہیں -

(۱۳) وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ (زندگی بھر بدکرداریوں میں مصروف رہے لیکن جب موت کا وقت آپہنچا تو توبہ توبہ پکارنے لگے - یہ توبہ شرف قبول حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ بحالت نزع موت سے خائف ہو کر توبہ کرنا اور خدا پر ایمان لانا جبریہ ایمان کے مترادف ہے جو عبث اور ناقابلِ قبول ہے - کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے) اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر نفس کو (جبری) ہدایت دیدیتے (مگر ہم جبر نہیں کرتے کیونکہ ہم نے انسان کو صاحب اختیار بنا کر

ہدایت وضلالت دونوں سے روشناس کرا دیا ہے۔ پس ایسی حالت میں انسان کو مجبور کرنا ہمارے حکیمانہ افعال کے سراسر منافی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہم انسان کو مجبور محض بنا کر بداعمالیوں سے بچا سکتے ہیں) ولیکن میرا فرمان کہ میں سب ازمریدان ابلیس یعنی بدکردار وبداعمال) جن وانس سے جہنم کو ضرور بھرونگا حق ہے (جو کبھی غلط نہیں ہوسکتا)

(۱۴) فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (اللہ تعالیٰ اس درجہ رحیم ہے کہ اس سے اپنے بندوں پر ظلم کا احتمال اس کی رحیمیت و رحمانیت کے خلاف ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ بنی نوع انسان دنیا میں بھی امن کی زندگی بسر کرے اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ اس نے ہمیں امتیاز نیک وبد کے لئے فہم وذکا عنایت فرمایا۔ رشد وہدایت کے لئے رسل وانبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے تاکہ ہم صراط مستقیم سے بھٹکتے نہ پھریں مگر اس کے باوجود ہمارا شیطان سے چولی دامن کا ساتھ رہا اور عذاب دوزخ سے بے پروا رہے۔ پس خدا پر ظلم وغضب کا اتہام لگانا عقل ودانش کے خلاف ہے۔ کیونکہ انسان اپنے لئے بذات خود جہنم تیار کرتا ہے اور خود ہی اعمال بد کے سبب حلقۂ زنجیر بناتا ہے، اس لئے انسان کو چاہیئے کہ وہ دستورِ الٰہی اور احکامِ خداوندی کو کسی حالت میں بھی فراموش نہ کرے بلکہ زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سانس عرضِ احتیاج میں گزرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے موعودہ الطاف واکرام کا مستحق ہو۔ لیکن جو لوگ سرکش اور بدخلقت وطینت ہیں جزاء وسزا سے بےخبر ہوکر وہ کام کرگزرتے ہیں جو اُن کے لئے سخت عذاب کا موجب ہوتے ہیں۔ انھیں لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے) پس اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کرنے کے سبب (عذاب کو) چکھو بتحقیق ہم نے بھی تم کو بھلا دیا (اور اپنی خاص رحمت سے دور رکھا) اور جو تم عمل کرتے رہے ہو اس کے سبب سے پائیدار عذاب کو چکھو (اس کے بعد صالحین ومومنین کا ذکر فرمایا)

(۱۵) إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا

وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ ہماری آیتوں کے ساتھ وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جن کو جب بھی ان آیات سے تذکیر (ونصیحت) کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے ہیں (خدا کی نافرمانی کے نتائج سے لرزہ براندام رہتے ہیں، اُن کا ہر نفس حیات دنیوی کاروبار اور حصول معاشرت کے باوجود بارگاہ الٰہی میں ساجد رہتا ہے) اور (اُن کی خشیت کا یہ حال کہ) وہ تکبر نہیں کرتے (خواہ انھیں تمام دنیا کی دولت ومتاع بھی کیوں نہ میسر آجائے، وہ احکام خداوندی کے سامنے سربسجود رہنا اپنا شعار اور دستور العمل بنا لیتے ہیں، اور محبت الٰہی پر نیند جیسی آرام دہ چیز اور دوسرے جائز فوائد کو بھی قربان کردیتے ہیں)

(۱۶) تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ ان کے پہلو سونے کی جگہ (یعنی خوابگاہوں) سے (اسلئے) پرے رہتے ہیں (کہ) وہ اپنے رب کو (عذاب کے) خوف اور (انعامات کی) اُمید سے پکارتے ہیں اور اس میں سے جو ہم نے اُنھیں رزق دیا ہے (ہمارے ارشاد کے ماتحت اپنی استطاعت کے مطابق مناسب مواقع پر) خرچ کرتے ہیں (لیکن ریاء اور شہرت کے لئے نہیں اور نہ ہی رسوم قبیحہ پر خرچ کرکے اسراف کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ نہایت خلوص سے حاجتمندوں پر خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ اُن سے راضی ہو، ایسے مخلص لوگوں پر انعام آخرت کا اندازہ منعم حقیقی کے سوا کون لگا سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے)

(۱۷) فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ سو کوئی نفس نہیں جانتا کہ اُن (مومنین ومصلحین) کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا کچھ چھپا یا گیا ہے بطور اس چیز کی جزا کے جو وہ عمل کرتے تھے۔

(۱۸) اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ ○ (بعض کا یہ خیال کہ خاندان
میں کسی ایک متقی کے تقویٰ و طہارت کے طفیل غیر متقی لواحقین کی بھی بخشش ہو جائیگی اور وہ اُنہی متقیوں کے سے مراتب و مدارج عالیہ پر فائز ہوں گے قطعاً صحیح نہیں۔ اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو ابن نوحؑ کو اپنے پدر محترم اور عم محمدؐ (ابولہب) کو اپنے بزرگترین بھتیجے کے زہد و اتقا کے صدقے ہرگز وعید عذاب نہ سنائی جاتی اور یقیناً اُن کی خباثت قابل عفو سمجھی جاتی۔ لیکن ایسا غیر منصفانہ فیصلہ اُس کی شان عدل کے سراسر منافی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے) کیا وہ مومن رہے ایسے شخص کی طرح جو بدکار رہے؟ (ہرگز نہیں) وہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے (بلکہ بلحاظ مراتب اُن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جیسا کہ ذیل کی آیت کریمہ سے مترشح ہے)

(۱۹) اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ پس وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے پس اُن کے لئے آرام کا بہشت ہے بطور مہمانی کے۔ بدلے اُس چیز کے جو وہ (نیک) عمل کرتے رہے۔ (اس کے بعد اُن بے حساب انعامات کا بھی بتدریج ایزاد کیا جاتا ہے جو اُن کے لئے مختص ہیں۔ مگر سرکش اور فرعون صفت لوگ عام اس سے کہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، ولی زادہ ہوں یا نبی زادہ ان کو اپنی گنہگاریوں اور سیاہ کاریوں کے سبب جو کچھ ملیگا اس کا حال بھی سُن لیجیے!)

(۲۰) وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ○ اور پس جنہوں نے بدکاری کی اُن کا ٹھکانا (اُن کی بدکاریوں کے سبب آرام دہ باغات کی بجائے) آگ ہے (جو نہایت سخت اور ناقابل برداشت ہے، اس آگ میں سے) جب کبھی وہ (قبل از صحت) نکلنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ اُس (آگ) کی طرف لوٹائے جاتے ہیں (تاکہ زنگ آلود نہ رہیں)

اور اُن سے کہا جاتا ہے (کہ اب کیوں تلملاتے ہو! کیا تمہیں یاد نہیں؟ جبکہ تم میری بھیجی ہوئی تعلیمات و نصائح سے رُوگردان ہو کر سینہ زوری دکھاتے رہے' غریبوں کو ستانا' یتیموں پر ظلم کرنا' واجب العمل احکام سے پہلوتہی اور دنیائے فانی کو عاقبت پر ترجیح دینا' ہر بُرے کام اور خدا کی نافرمانی کو بنگاہِ پسندیدگی دیکھنا تمہارا شیوہ رہا ہے پس نہ گھبراؤ اور اپنی گذشتہ بداعمالیوں کو یاد کرو اور) آگ کے عذاب کو چکھو جس کو تم (دنیا میں لغو اور) جھوٹ سمجھتے رہے ہو (یہی نہیں کہ دوسری ہی دنیا میں عذاب ملیگا۔ بلکہ اس دنیا میں بھی عذاب نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ ان سے ہمیں عبرت حاصل ہو۔ چنانچہ کوئٹہ اور بہار پر جو عذاب نازل ہوئے وہ ہمارے مشاہدات سے ہیں۔ کاش ہم ان سے عبرت حاصل کرتے اور آئندہ جرائم اور نافرمانیوں سے باز آجاتے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اعمال صالح کی توفیق دے اور عذاب دنیوی و اُخروی سے نجات دے)

(۲۱) وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ اور یقیناً ہم اُنھیں (آخرت کے) بڑے عذاب سے پہلے (دنیا کا ادنیٰ یعنی) چھوٹا عذاب (بھی) چکھائیں گے تاکہ وہ (گناہوں سے ڈرکر) باز آجائیں (اگر پھر بھی وہ گناہوں سے دستبردار نہ ہوئے تو)

(۲۲) وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ۝ اُس شخص سے بڑھکر ظالم کون (ہے) جس کو اللہ کی آیات سے تذکیر (نصیحت) کی جائے (لیکن) پھر بھی وہ ان سے مُنہ موڑے؟ (ہم ایسے ظالم کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ کیونکہ) ہم یقیناً مجرموں سے انتقام لیا کرتے ہیں (یعنی ظالم سے مظلوم کے انتقام کی صورت میں عدل کرتے ہیں؛ اس واسطے مجرمین کو چاہئے کہ وہ دنیوی عذاب سے عبرت حاصل کرکے راہ راست پر آجائیں۔ ورنہ اُسوقت دست تاسف ملیں گے جبکہ وہ جہنم کا ایندھن ہوں گے)

رکوع سوم (۲۳) وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ

مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ (اہل کتاب میں سے بعض پست طبع

معترض ہوا کرتے تھے کہ توراۃ بھی تو آخر الہامی کتاب ہے اس میں قیامت کا کوئی ذکر
نہیں۔ لیکن تم جس قیامت سے ہمیں ڈراتے ہو وہ تمہیں کیسے معلوم ہوئی؟ اللہ تعالیٰ
ان کے اس بیہودہ اعتراض کے جواب اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے اطمینانِ قلب
کے لئے ارشاد فرماتا ہے کہ اے نبیؐ تم ان کی اس توریت دانی سے شک میں نہ پڑنا یقیناً
پیشی کا دن ہو کر رہیگا، کوئی کام بے نتیجہ نہیں رہتا اور ہر عمل کی اس کے مطابق جزا سزا
ملتی ہے) اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (اور اس میں بالوضاحت بیان کردیا کہ
نتائج اعمال سے جو یقیناً مرنے کے بعد سامنے آجاتے ہیں بے پرواہ نہیں رہنا چاہیئے) پس
تو اس (کتاب) کے (اچھے پھل) پانے سے شک میں نہ پڑ۔ اور ہم نے اس (کتاب) کو
بنی اسرائیل (اور دیگر طالبانِ ہدایت) کے لئے ہدایت بنایا (پھر موسیٰ سلام علیہ کے بعد
اس ہدایت نامہ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ہم نے پیشوا بنائے تاکہ وہ عوام الناس کو مطلع
کریں کہ مرنے کے بعد اس کے ہر عمل کی جزا سزا ملتی رہتی ہے اور وہ دن دور نہیں جب کہ
شہنشاہِ حقیقی کے دربار میں بحالت سرنگوں پیشی ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہے)

(۲۴) وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ اور ان میں سے ہم نے امام بنائے جو ہمارے حکم کے
مطابق (لوگوں کو) ہدایت کرتے تھے جبکہ وہ (مصیبتوں پر) صابر بن گئے۔ اور (انھوں
نے خدا کا سپرد کیا ہوا مشن بدستور جاری رکھا، مصائب و تکالیف کا شکار ہو کر بھی اس
میں تساہل و تغافل نہ برتا۔ کیونکہ) وہ ہماری آیتوں پر (پختہ) یقین رکھتے تھے (پختہ
یقین ہی مبلغین کے عزم تبلیغ میں قوت و استقلال پیدا کرتا ہے یہانتک کہ وہ اعلائے
کلمۃ الحق کی خاطر جان تک نچھاور کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ غرضیکہ بنی اسرائیل
کے بزرگوں کو یقین تھا کہ قیامت ہے اور ضرور ہے۔ پس تجھے منکرین قیامت کے
اعتراضات کے شک و اضطراب میں نہیں پڑنا چاہیئے کیونکہ)

(۲۵) اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ

يَخْتَلِفُوْنَ ۝ بیشک تیرا رب ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرتا ہے۔ اس (پیشی) کے بارے میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

(۲۶) اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝ انکو رہنمائی نہیں کی (اس بات نے) کہ ہم نے اُن سے قبل کتنی قومیں (بسبب ان کے جرائم کے) تباہ کر دیں۔ (پھر کیا یہ عذاب سے محفوظ رہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ سنت اللہ ہر لحظہ اور ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی؛ چاہیئے تو یہ تھا کہ اللہ تعالےٰ کی اس کریمانہ ڈھیل کو غنیمت جانکر جلدی ہی اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع ہو جاتے اور عذاب موعودہ سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ مگر افسوس ہے کہ ان کو تباہ شدہ اقوام کے کھنڈرات بھی متحیر و متاثر نہیں کرتے) جن کی جگہ میں (اب یہ لوگ) چل (پھر) رہے ہیں۔ اس میں یقیناً (عبرت آموز) نشانات (موجود) ہیں پھر یہ لوگ کیوں نہیں سنتے؟ (چونکہ یہ تمام واقعات جو بارگاہ الٰہی میں حاضری کے اثبات میں بطور دلیل و برہان پیش کئے جا رہے ہیں تاریخ سے متعلق ہیں، اس لئے ان کو لفظ سماع (سننے) سے تعبیر فرمایا)

(۲۷) اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝ چونکہ اللہ تعالےٰ کا ہر حکم، ہر کلام، جو بنی نوع انسان پر نازل ہوتا ہے فطرت انسانی کے مطابق معقول اور ممکن التعمیل ہوتا ہے، اسی نقطۂ نظر سے اُس نے تمام دلائل بھی انسان کی عین فطرت کے مطابق پیش کئے ہیں تاکہ لوگ اُن سے بدرجۂ احسن مانوس ہو سکیں۔ چنانچہ متذکرہ بالا دلائل کے بعد اب اللہ جلشانہ اپنے اُن تصرفات کی طرف ہماری توجہ منعطف کرنا چاہتا ہے جو عام طور پر بلا امتیاز خورد و کلاں مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں، ارشاد ہے) کیا یہ (لوگ) نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو (بند گھاٹیوں سے) خشک زمین کی طرف دھکیلتے ہیں۔ پس اس (پانی) سے ہم کھیتی نکالتے ہیں جس

میں سے وہ اور ان کے چوپائے کھاتے ہیں۔ کیا (دیچشم بصیرت سے) نہیں دیکھتے؟ (اور اس میں فکر و تدبر نہیں کرتے؟)

(۲۸) وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ (اور ان معقول دلائل و مشاہدات

کے باوجود جن کو اُن کا دل بھی تسلیم کئے لیتا ہے) یہ کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب (اور کس وقت) ہوگا؟ اگر تم سچے ہو (ضدی انسان آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھکر وہی رٹتا جاتا ہے جس کے سمجھانے کی متعدد بار کوشش کی گئی مگر اس نے ہماری رحیانہ مہلت سے فائدہ حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی، پس اے نبیؐ)

(۲۹) قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝

تو (ان سے) کہہ دے (کہ فیصلے کا دن بہت سخت ہے اور) فیصلے کے دن ان لوگوں کا ایمان جنہوں نے کفر کیا، کچھ فائدہ نہ دیگا (کیونکہ یہ ایمان، جبری ایمان کے مرادف ہے۔ خدا کے نزدیک وہی ایمان شرف قبول حاصل کرسکتا ہے جو موت سے خائف ہوکر یا کسی حکومت سے مرعوب ہوکر نہیں بلکہ اپنے علم و اختیار سے حق و باطل میں تمیز کرکے اُسوقت لایا جائے جبکہ ابھی موت دکھائی نہ دی ہو۔ کیونکہ جبری ایمان اپنے اندر نہ تو جوش عمل رکھتا ہے اور نہ ہی ایمان لانے والے کے لئے منفعت بخش ہوتا ہے۔ چنانچہ فرعون کو بوقت نزع ایمان نے کوئی فائدہ نہ بخشا اور وہ برابر اپنے باطل دعوی اُلوہیت کی سزا بھوگ رہا ہے، پس انسان کو چاہیئے کہ اُس نے جو کچھ کرنا ہے موت سے پہلے ہی کرلے اور (ہر لحہ اللہ تعالے سے دعائے مغفرت کرتا رہے، ورنہ بعد میں) اُن کو (اچھے عمل کرنے کے لئے) مہلت نہ دیجائیگی۔

(۳۰) فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ ۝ (ہم نے ہر ممکن طریق سے ان سرکشوں کو سمجھانے کی

کوشش کی کہ یہ راہ راست پر آجائیں اور دوزخ کے سخت اور ناقابل برداشت عذاب سے بچ جائیں۔ مگر انھوں نے ہماری مہربانیوں سے اسقدر بے پروائی کی کہ نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے، جب یہ حالت ہے تو) تو ان سے منہ موڑ اور انتظار کر بلاشبہ وہ بھی انتظار کرنے والے میں +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاحزاب

مضمون اور نظم و ربط

نام اس سورۂ مبارکہ کا نام الاحزاب ہے۔ اس میں نو رکوع اور ۷۳ آیات ہیں۔ اس کا نام الاحزاب دشمنان اسلام کی اس فقید المثال جمعیت سے لیا گیا ہے جس میں اقوام عرب نے متحد ہو کر لشکر جرار کی صورت میں، تھوڑے سے مسلمانوں پر چڑھائی کر کے اُن کو کچلنے کی تیاریاں کیں، مسلمان اگرچہ تھوڑی تعداد میں ہونے کی وجہ سے محاصرہ میں آ گئے تھے مگر اُن کے پائے ثبات و استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ ہوئی اور نصرت الٰہی سے یہ کثیر التعداد لشکر خود ہی بھاگ اُٹھا۔ اس سورہ کا اصل مضمون یہ ہے کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک کامل نمونہ ہیں۔ مسلمانوں کو حضورؐ کے نقش قدم پر چلنا چاہئیے اور جنگ احزاب کا ذکر جس پر اس سورہ کا نام ہے اسواسطے کیا گیا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ دنیا کی کوئی طاقت خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہو حق کو نہیں مٹا سکتی۔

خلاصۂ مضمون رکوع اول میں فرمایا کہ نبی کریم صلعم کا مومنوں سے جسمانی نہیں بلکہ روحانی تعلق ہے۔ اور آپؐ کی محبت اللہ تعالٰے کے بعد تمام محبتوں پر غالب ہونی چاہئیے، رکوع دوم اور سوم میں جنگ احزاب کا ذکر ہے جس میں اس غرض کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ مسلمانوں کو اپنی اقلیت پر مایوس نہیں ہونا چاہئیے اور نہ ہی دنیا بھر کی مخالف جماعتوں کی مخالفانہ طاقتوں سے مرعوب ہو کر حوصلہ ہارنا چاہئیے۔ اسی لئے آغاز رکوع سوم میں اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ حضرت محمد صلعم مسلمانان عالم کے لئے اکمل و افضل نمونہ ہیں۔ آپؐ کا اُسوۂ حسنہ جو قرآن میں بالتصریح موجود ہے، حیات انسانی کے ہر شعبہ کے لئے خضر راہ کا حکم رکھتا ہے۔ رکوع چہارم میں نبیٔ اکرم علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کی ازواج مطہرات کے ذکر میں فرمایا کہ اُن کا نبی کی زوجیت میں آنا اسلئے نہیں کہ وہ بھی دیگر دنیادار عورتوں کی طرح اپنے جسم کو لباس فاخرہ سے ملبوس اور سامان زیب و زینت سے سجائیں، بلکہ مقصود حقیقی ایک دینی غرض کی تکمیل ہے کہ وہ

عام عورتوں کے لئے پاکیزگی وطہارت اور دینداری کا نمونہ بنیں، رکوع پنجم میں پھر رکوع اول کے مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کسی کے جسمانی باپ نہیں ہیں، پس زید نے جو لوگوں میں آپ کا بیٹا مشہور تھا جب اپنی بیوی زینب کو جو رسول اللہ کے رشتہ نسبی سے مشرف تھی اور جس کا خود رسولؐ نے اپنے پروردہ غلام زید سے نکاح کیا تھا، طلاق دیدی تو نبی کریم صلعم نے اس بی بی کی ڈھارس بندھانے کی خاطر اس سے نکاح کر لیا۔ چنانچہ اسی تعلق میں ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلعم رسول ہونے کی حیثیت سے نہ صرف موجودہ مومنوں کے روحانی باپ ہیں بلکہ قیامت تک کے مسلمان آپکی روحانی اولاد ہیں۔ رکوع ششم میں پھر پیغمبر سلام علیہ کی ازواج کی طرف مضمون کا انتقال فرما کر ازواج النبیؐ پر شرعی حدبندیوں کا ذکر فرمایا رکوع ہفتم میں منافقین جو نامناسب باتوں سے حضور کو روحانی اذیت پہنچاتے تھے اُن کا تدارک بتایا اور ایذارساں افراد کو اُن کی ان حرکات پر متنبہ فرمایا، رکوع ہشتم اور نہم میں ان حرکات کا ارتکاب کرنے والوں کو لفظ "منافق" اور "کافر" سے تعبیر کیا اور بتایا کہ منافق اور کافر بدرجہ غایت اللہ تعالیٰ کی سپرد کی ہوئی امانت کے خائن ہیں جس کی وہ یقیناً سزا پائیں گے۔

ربط } مجموعہ الٓمّٓ کی گذشتہ چار سورتوں میں اسلام کے غلبہ اور کامرانی کی پیشگوئیاں کیں تو اس سورہ مبارکہ میں اُن کو پورا ہوتے دکھایا ہے کہ کس طرح کفار سب کے سب اپنی معاندانہ طاقتیں خرچ کرنے کے باوجود ناکام و نامراد رہے۔

ترجمہ وتشریح

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ (شروع) ساتھ نام اللہ کے جو رحمان ورحیم ہے

(۱) یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۙ (چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے پیہم اعتراضات، ریشہ دوانیوں اور اُن کی اکثریت سے متاثر ہو کر بعض رسموں کو توڑنے، مثلاً زید کے طلاق دینے کے بعد زینب کے ساتھ نکاح کرنے سے ڈرتے تھے کہ مبادا کوئی ہنگامہ برپا ہو جائے، آوازے کسے جائیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے سکون واطمینان کے لئے فرماتا ہے کہ) اے نبی! اللہ

(کے عصیان کے نتائج) سے ڈر اور کافروں اور منافقوں کا (اُن سے مرعوب ہو کر) کہنا نہ مان۔ (کیونکہ یہ تجھے محض دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ پس ان شریر النفس لوگوں کے دھوکہ میں آکر نکاح زینب سے احتراز نہ کر) بلاشبہ اللہ علیم و حکیم ہے (وہ کسی فعل عبث کا حکم نہیں دیتا بلکہ اُس کے تمام احکام و افعال حکیمانہ ہوتے ہیں۔ اُس کا منشاء حقیقی ترقی سے روکنے والی جہالت اور بُری رسموں کی بیخکنی ہے اسلئے انسانی تشدد سے بیخوف ہو کر نہایت استقلال سے احکام خداوندی کو اپنا دستور العمل بنا ورنہ بصورت خلاف ورزی خاسرین یعنی نقصان والو سے ہو جائیگا، پس اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے آگے سر نیاز خم کر دے اور اس کے خلاف بڑی سے بڑی شخصیت کے حکم کو ٹھکرا دے)

(۲) وَّاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ اور (صرف) اُس کی پیروی کر جو تیرے رب کی جانب سے تجھ کو وحی کیا جاتا ہے بلاشبہ اللہ (تعالیٰ) تیرے (تمام) کاموں سے خبردار ہے۔

(۳) وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ اور (اے رسول) اللہ پر توکل کر (اس کے علاوہ کسی معاملہ میں اوروں کا دست نگر نہ ہو) اور (نہ ہی غیر اللہ سے ڈر۔ کیونکہ) اللہ کافی سرپرست ہے (اس کے سوا کوئی بھی تمہارا یاور و مددگار نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ)

(۴) مَّا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ ۚ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝

اللہ (تعالیٰ) نے کسی آدمی کے لئے اس کے جسم میں دو دل نہیں بنائے (یعنی یہ ممکن ہی نہیں کہ بیک وقت ایک انسان ایک بات کو صحیح بھی قرار دے اور غلط بھی۔ یا دو متضاد باتوں کو بیک وقت درست جانے یا ایک عورت کو جو اُس کی بیوی ہے ماں سمجھے۔ غرض دل ایک ہی ہے جس میں بیک وقت دو متضاد خیالات کا جمع ہونا محال بلکہ ناممکن ہے، پس

جیسے ایک قالب میں دو دلوں کا ہونا امر محال ہے بعینہ) اس (خدا تعالیٰ) نے تمہاری ان بیویوں کو جن کی پشت کو تم ماں کی پشت کی طرح قرار دیتے ہو، تمہاری مائیں نہیں بنایا۔ (بلکہ وہ تمہاری بیویاں ہیں، مائیں تمہاری وہ ہیں جنہوں نے اپنے پیٹ سے تمہیں جنا، اگرچہ اس واضح حقیقت کو تمہارے دل صحیح جانتے ہیں اور تمہاری چشم تمیز دوست دشمن، ماں اور بیوی۔ بھائی بہن کو سمجھ سکتی ہے۔ پھر کس قدر افسوس ہے کہ تم نے خواہ مخواہ رسولؐ کے زینب سے شادی کرنے پر پھبتیاں اڑائیں۔ تضحیک و تمسخر کیا) اور (معاندانہ پروپاگنڈا کیا، حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ جیسے بیوی کو ماں اور ماں کو بیوی نہیں بنایا) ایسے ہی ان بچوں کو جنہیں تم اپنے نام سے پکارتے ہو، تمہارے بیٹے نہیں بنایا (پھر رسول پر اگر اس نے ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے زید کی مطلقہ سے نکاح کر لیا ہے، زبان طعن کیوں دراز کرتے ہو، حالانکہ اس نے زینب سے نکاح کر کے خود نمونہ بنکر تمہیں جاہلانہ رسوم کی قید سے آزاد کرنے کی مبارک کوشش کی ہے مگر تم ہو کہ الٹا طعنہ زنی کر رہے ہو، پس) یہ (کہ زید رسول کا بیٹا تھا اور بیٹے کی بیوی سے رسول نے شادی کر لی) تمہارے منہ کی باتیں ہیں (جو حق) اور (صداقت پر مبنی نہیں بلکہ) اللہ (تعالیٰ) سچ فرماتا ہے اور وہی (خدا) اصل (اور سیدھا) راستہ دکھاتا ہے۔

(۵) اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

(پس) ان (منہ بولے بیٹوں کو) تم ان کے (اصل) باپوں کے نام سے پکارو (تاکہ حلال و حرام رشتوں اور نظام میراث میں مغالطہ کا امکان نہ رہے، اگر تم نے اس دستور فطرت کو اپنا دستور العمل بنا لیا تو نہ صرف تمہارے اور تمہاری آئندہ نسلوں کے لئے دنیوی فائدوں کا موجب ہوگا بلکہ آخرت کا نیک اجر بھی حاصل ہوگا۔ کیونکہ) اللہ (تعالیٰ) کے نزدیک وہ بہت ہی انصاف والا امر ہے۔ ہاں اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں (لیکن تمہارے بیٹے ہرگز نہیں

کیونکہ آدمؑ اور اُن کی بیوی کی پیدائش کے بعد کوئی فرد ایسا نہیں جو دنیا میں بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوا ہو، پس کفار کا حضرت زیدؓ بن حارثہ کو رسول مقبولؐ کا جسمانی بیٹا قرار دیکر آپ کو ہدف طعن بنانا لغویت ہے، حالانکہ رسول کریمؐ کا اپنے دینی بھائی یا دینی بیٹے کی مطلقہ زینبؓ کو بحکم الٰہی سلک زوجیت میں منسلک کرلینا غلامان رسوم کے لئے باعث رحمت تھا۔ آپ نے اس مسموم فضا میں تمام خطرات و مشکلات سے بے پروا ہو کر کامل جرأت کا قدم اُٹھایا کیونکہ متبنیٰ نہ تو بیٹا ہو سکتا ہے اور نہ مستحق وراثت، اس لئے کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا کہنے سے احتراز کرنا چاہیئے) اور (اگر) اس امر میں جس میں تم غلطی کر جاؤ (یعنی کسی کے بیٹے کو عمداً نہیں بلکہ سہواً اپنا بیٹا کہدو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، ولیکن جس (بات) کا تمہارے دل جان بوجھ کر ارادہ کریں (اسمیں یقیناً قابل مواخذہ گناہ ہے۔ لیکن سہو) اور (نسیان قابل عفو ہے کیونکہ) اللہ بہت ہی معاف کرنے والا (اور) بہت ہی رحم والا ہے۔

(۶) اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ نبی مومنوں کے ساتھ اُن کی اپنی ذاتوں سے بھی بہت زیادہ (تعلق یا) محبت رکھتا ہے (چنانچہ وہ تکالیف جنسے مومن خود آزادی حاصل کرنے میں معذور تھے، پیغمبر علیہ السلام نے مردانہ وار مقابلہ کر کے یکسر دور کردیں۔ اور مومنوں کو رسوم کے گڑھے سے نکالکر شفقت پدری سے زیادہ شفقت و محبت کا اظہار فرمایا) اور (اسی مربیانہ شفقت و محبت کے سبب سے) اس کی بیویاں ان (یعنی مومنوں) کی مائیں ہیں (مگر روحانی! حقیقی نہیں، اگر تمام عورتوں کو ماں بہن قرار دے لیا جائے تو اس صورت میں حلت و حرمت پر اس کا اس قدر بُرا اثر پڑتا ہے کہ آپس میں رشتے ناطے وغیرہ ہونا محال اور ناممکن میں۔ پس حقیقی ماں وہی ہو سکتی ہے جس کے پیٹ سے تم پیدا ہوئے۔ اور یہ وابستگی و تعلق کچھ ایسا بلند تر ہے کہ اس حقیقی تعلق کو انصار و مہاجرین کا ایثار و قربانی بھی نہیں

حوالہ ۳۷

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا

بلاغ



اُمّتِ مسلمہ امرتسر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هذا بلاغ للناس ولينذروا به وليعلموا انما هو اله واحد وليذكر اولوا الالباب ۱۳ / ۱۹

بلاغ

جلد ۱۲ امرتسر ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۶ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۳۷ء نمبر ۷

فہرست مضامین

ختم نبوت کا قابل قدر مضمون اس ماہ سے شروع ہو گیا ہے جو صاحب اس کے زائد پرچے چاہیں جاری کرالیں۔

ریویو اور حساب عدم گنجائش کے سبب درج نہیں ہو سکے۔ انشاء اللہ آئندہ نمبر میں درج کیے جائیں گے۔

بلاغ کے لئے خریدار مہیا کر کے ادارہ کو شکریہ کا موقع دیں۔ — منیجر

شذرات

(اثر عرشی)

نادر شاہ اور اتحاد ملت کا مضمون علامہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے آج سے گیارہ سال پہلے لکھکر نومبر ۱۹۲۶ء کے رسالہ جامعہ میں شائع کرایا تھا۔ اس سال اُسی کا اقتباس کلکتہ کے انگریزی اخبار "مسلمان" نے اپنے عید نمبر میں درج کیا۔ جس کو لاہور کے انگریزی اخبار "ٹروتھ" نے بجنسہ نقل کیا اور اعظمگڑھ کے رسالہ معارف اُردو نے اس کا ترجمہ کرکے شائع کیا۔ مگر جامعہ کا حوالہ کسی نے نہیں لکھا۔ اسلئے ہم اصل مضمون کو رسالہ جامعہ سے نقل کرکے شائع کرتے ہیں جو مقتضائے وقت کے مناسب اور حسب ضرورت ہے اور اُمید ہے کہ سُنی اور شیعہ دونوں کے لئے مفید ہوگا +

کل ایک دوست نے سوال کیا

"دنیا میں انسان کے لئے دولت سے بہتر رفیق کوئی ہوسکتا ہے؟"

"ہاں ہوسکتا ہے" میں نے جواب دیا۔

"کون؟" اُس نے کہا۔

"ایمان" میں نے کہا ـــــ تاریخ کو پڑھو۔ اپنے گرد وپیش کے حالات کا مطالعہ کرو گناہوں کی فہرست پر نظر کرو، پھر اس سے دولت کا تعلق دیکھو۔ افلاس اور دوسرے وسائل بھی گناہ کے محرک ہوتے ہیں لیکن نہایت کمزور۔ دولت گناہ کے پیکر نحیف کو بال و پر عطا کرتی ہے۔ قوت نمو وجرأت پرواز دیتی ہے، عیوب کو خوبیوں کی شکل میں ظاہر کرتی ہے (زُیِّنَ لَهُمْ اَعْمَالُهُمْ) بہت سی اخلاقی برائیوں تکبر، بخل، حرص، اسراف، لہو ولعب، فسق و فجور، ظلم وعدوان، غصب حقوق وغیرہ کا سرچشمہ کیا ہے؟ دولت! آج انسانیت کے گلے میں لعنت کا گرانبار طوق جس سے اولاد آدم کے تنفس کی آمد وشد خطرے میں ہے کیا ہے؟ یہی دولت جس کو عہد حاضر کی زبان میں سرمایہ داری کہا جاتا ہے! مسیح نے اونٹ کو سوئی کے ناکے سے گزر جانے کا امکان بتا کر آسمانی بادشاہت میں کس کا گزرنا ممکن بتا [illegible] دولت ہے۔ اس نے دنیا کو کیا [illegible]

ع انسان کی عالمگیر ہلاکت، جدید آلات حرب کے ذریعے، اور فضائل اخلاق کی تباہی
یم اور سامان لہو و لعب کی وساطت سے۔ انسانیت کے قصر رفیع کی بنیاد ہمدردی پر ہے اور
لت پرستی کی دنیا میں اسی کا قحط ہے

سالہا گرد جہاں گردیدہ ام ۔ نم بچشم منعماں کم دیدہ ام (اقبال)

ت کم لوگ دولت کی مدد سے بہشت میں جا سکے۔ ہاں دولت کے رتھ پر سوار ہو کر دوزخ میں
تے ہوئے بیشمار شخص دیکھے گئے۔ ہنود و یہود کی ابدی ملعونیت کا سبب یہی حب دولت ہے

مالِ دنیا دامِ مرغانِ ضعیف ۔ ملکِ عقبیٰ دامِ مرغانِ شریف (رومی)

آن نے دولت کا نام "خیر" بھی رکھا ہے مگر یہ اسی صورت میں جب اس کا دخل و خرج ایمان
زیر نگرانی ہو۔

مال را کز بہرِ دیں باشی حمول ۔ نعم مال صالح گفت آں رسول (رومی)

سری صورت میں یہی وہ چیز ہے جو جہنم میں افزائش عذاب کا موجب ہو گی فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ
وبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ۔ مومن دولت کا مالک و مخدوم ہوتا ہے۔ کافر دولت کا خادم و مملوک۔ مومن
ت پر سوار ہوتا ہے۔ دولت کافر پر سوار ہو جاتی ہے۔ رومی کے شعر کو ذرا بدل کر یوں پڑھئے

مالِ اہلِ دِل بود حمالِ شاں ۔ مالِ اہلِ تن بود احمالِ شاں

ب دل میں خدائے کریم کی محبت اور دولت دنیا کی محبت کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ۔ ایں خیال است و محال ست و جنوں

ولت کی رفاقت کا مختصر حال تم نے سن لیا۔ آؤ اب ایمان کے کوثر سے ایک دو گھونٹ پئیں۔

چند خوانی حکمت یونانیاں ۔ حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

ان کا لفظ اگرچہ انگریز کی حکومت کے عہد میں مہمل ہو چکا ہے، ایمانداروں کے ختم ہو جانے کی
سے ایمان کا پھل کہیں نظر نہیں آتا مادیت کے قمقموں کی روشنی میں آنکھیں چندھیا گئی
ں۔ لیکن ابھی وہ لوگ (بہت قلیل تعداد میں ہی سہی) موجود ہیں جو فربہی اور آماس کے فرق
سمجھتے ہیں اور جب تک قرآن موجود ہے، موجود رہیں گے ——— ایمان خلوت و جلوت میں
سان کی نیت اور عمل کا نگران ہے۔ ایمان عسر و یسر اور سفر و حضر میں بہترین رفیق ہے۔
ان صحت و مرض اور نعمت و نکبت کی حالت میں فکر و عمل کے توازن و تساوی کا دوسرا نام
دنیا کے امن و طمانیت، صلاح و فلاح، رفع شر اور نشر خیر کے تمام سوتے ایمان کی سرزمین

سے پھوٹے۔

ایمان بیماری وبیکسی میں ایوبؑ کا رفیق تھا۔ ایمان لغزش کے خطرناک مقام اور زنداں کی طویل مصیبت میں یوسفؑ کا مشیر وانیس تھا، ایمان نے نار خلیلؑ کو برد و سلام کا پردلنہ بنایا ایمان نے قوم یونسؑ کے لئے عذاب الٰہی کی شمشیر بے نیام کے سامنے سپر کا کام کیا۔ کہاں تک گنتا جاؤں

بسانِ زلف یار ایں قصہ پایانے نمیدارد

یہ ہیں ایمان کے ضمنی فوائد! جیسے دھوپ کے مسافر کے لئے آم کے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں۔ جو یقیناً بونے والے کا مقصود و مدعا نہ تھا، بلکہ اس کی مراد وہ لذیذ وشیریں پھل ہے جو کام ودہن کی لذت آگینی ولطف اندوزی کے بعد اعضاو قوی کی نشو ونما اور تقویت وترقی کا ضامن ہے اسی طرح ایمان کا اصلی پھل اس مادی دنیا سے گزر جانے کے بعد شروع ہوتا ہے جہاں ساری زمین کی دولت (ملء الارض ذھبا) ذرہ برابر کام نہیں دے سکتی۔ اس حقیقت کبریٰ کو پیر رومی نے صرف دو گرانبہا شعروں میں حصر کر لیا ہے

ذاتِ ایماں نعمت وقوتیست ہول - اے قناعت کردہ از ایماں بقول
گرچہ آں مطعوم جانست ونظر - جسم راہم زاں نصیبیست اے پسر

سعدی از دست خویشتن فریاد

"فقہائے حنفیہ کے پیشوا اور مسلم امام ابو الحسن کرخی نے یہ کہدیا کہ "ہر آیت جو اس طریقہ کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب (حنفی بزرگ) ہیں وہ یا تو ماوّل ہے یا منسوخ ہے اور اسی طرح جو حدیث اس قسم کی ہو وہ ماوّل یا منسوخ ہے" اور اس طور پر ان لوگوں نے اپنے سامنے اختیار کے دروازے بند کر لئے" (تاریخ فقہ اسلامی صـ۴۲۱)

یہ نمونہ ہے صرف ایک فرقہ اسلامی کی ذہنیت کا جو اپنی ہمہ گیر وسعت کے ساتھ تمام فقہی مذاہب میں جاری وساری ہے۔ سب سے پہلے اس کی بنیاد "عشاق حدیث" نے رکھی جنہوں نے کھلے بندوں متعدد آیتوں کو منسوخ اور حدیثوں کو ان کا ناسخ قرار دیا۔ بس پھر کیا تھا وہی شیخ سعدی کی بات

"بنیاد ظلم اوّل در جہاں اندک بود - ہر کہ آمد بر و زیاد کرد"

اگر ایک انسان قول خدا میں اصلاح و نسخ اور تقیید و اطلاق کا مجاز ہو سکتا ہے تو دوسرا، تیسرا اور چوتھا کیوں نہیں ہو سکتا؟ اگر رسول کو (معنًا) خدا کا شریک نہ بنایا جاتا تو کسی امام کے ساتھ ایسا غلو و افراط روا رکھنے کی جرأت کون کرسکتا تھا ـــــ نتیجہ یہ ہوا کہ اس عمارت کی تکمیل ارباب تصوف[1] کے ہاتھوں ہوئی۔ اُنھوں نے سارے کا سارا قرآن بدل کر رکھ دیا اور اپنے "کشف و کرامات" کی بنا پر جو چاہا مریدوں سے منوالیا۔ مروجہ تصوف کی بنا دو چیزوں پر ہے۔ ایک وہ رسوم واہیہ اور عقائد باطلہ جو قرآن سے پہلے مختلف مسخ شدہ مذاہب (رہبان، مجوس، ہنود وغیرہ) میں رائج تھے اور قرآن نے پورے زور سے اُن کی تردید کی، ہمارے پیران طریقت نے ان کو پھر سے داخل اسلام کرلیا بلکہ اُن کو اصل روحانیت اور مغز اسلام کا لقب دیا ـــ دوسرے وہ بدعات واختراعات جنکی خبر نہ مہبط وحیؐ کو تھی نہ وہ جبریل کے ذہن میں کبھی گزرے تھے۔ ایسے اعمال وافکار ہر شیخ طریقت کے ہاں اسکی ایجاد خیز طبیعت کے مطابق روز بروز ترقی پذیر ہیں۔ اور جب تک دنیا میں چوپاؤں کی قسم کے انسان موجود ہیں اس "ترقی" کی راہ میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔ یہ اور بات ہے کہ فطرت ان چوپاؤں کی باگیں کسی مصطفیٰ کمال یا رضا شاہ ایسے بیدار مغز انسان کے ہاتھ میں دیدے۔ حال میں فرقہ چشتیہ نظامیہ کے مشہور پیر خواجہ حسن نظامی صاحب نے قرآن مجید کی ترتیب پر ہاتھ صاف کیا ہے چنانچہ نہایت جرأت اور بیباکی سے فرماتے ہیں:۔

> "حضرت عثمانؓ نے جسطرح قرآن مجید کو مرتب کیا ہے، اس میں ایڈیٹری کا آرٹ نہیں پایا جاتا اور حضرت علیؓ کی ترتیب میں یہ آرٹ موجود ہے۔ حضرت عثمانؓ نے مکی اور مدنی سورتوں کو خلط ملط کردیا ہے لیکن حضرت علیؓ نے بہت عمدگی اور سلیقہ کے ساتھ سورتیں مرتب کی ہیں ..... اب میں ایسی چیز میں تبدیلی نہیں چاہتا جپر ساری اُمت جمع ہوگئی ورنہ حضرت علی کی یہ ترتیب' قرآن کی خوشنمائی کو چار چاند لگانیوالی ثابت ہوتی" (منادی)

ہمیں خواجہ صاحب سے تو صرف یہی کہنا ہے کہ ـــ "ہوئے تم دوست جسکے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو"
اس کے بعد ایک دو باتیں اُن کے عقیدت کیش مریدوں کی خدمت میں عرض کرنی ہیں۔
وہ یہ کہ خود قرآن سے بصراحت تمام ثابت ہے کہ سورتوں اور آیتوں کی ترتیب آسمانی ہے عثمانی نہیں چنانچہ ارشاد ہے:۔

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھ دینا ہمارا فرض ہے۔

---

[1] قدمائے متصوفین کو مستثنیٰ سمجھنا چاہیئے۔ ہمارے قلوب اُن کی قدر و منزلت سے معمور ہیں۔ منہ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔ ہم نے اس ذکر (قرآن) کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ۔ یہ بزرگی والا قرآن ہے لوح محفوظ میں۔

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي ۔ آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔

اس کے علاوہ پچاس سے زیادہ مرتبہ قرآن مجید پر لفظ "کتاب" کا اطلاق ہوا ہے۔

کیا خدا کا جمع کیا ہوا، قرأت کیا ہوا، خدا کی حفاظت میں آیا ہوا، مکمل دین اور پوری نعمت الا قرآن جس کو خدا نے بار بار کتاب کہکر یاد کیا ہو، آیات منتشر اوراوراق پریشاں کا مجموعہ ہو سکتا ہے؛ جس بزرگ سے تم خدا کی معرفت اور قرآن کی راہ دریافت کرنے جاتے ہو اس کا تمہارے قرآن سے متعلق یہ حسن ظن ہے۔ پھر جس راہ پر تم چل رہے ہو کیا یہ سیدھی ترکستان کی راہ نہیں؟ اگر سہواً خواجہ صاحب کے قلم سے یہ سطور نکل گئی تھیں تو اُنھیں اعتراف قصور کے ساتھ ان پر خط نسخ کھینچ دینا چاہیئے تھا، لیکن اسلامی جرائد کے سخت احتجاج کے باوجود ان کی خموشی بتا رہی ہے کہ وہ اس غلطی کی صحت پر اب تک ایمان رکھے ہوئے ہیں — یہ سب کچھ دیکھکر بھی اگر تم طوق ارادت کو اپنے گلے سے اُتارنے پر آمادہ نہیں تو صاف ثابت ہوا کہ تمہارا مقصود خدا نہیں حسن نظامی ہے۔ تمہاری مراد قرآن کو سمجھنا نہیں بلکہ جو حسن نظامی کہدے اس کے سامنے قرآن کو روند ڈالنا ہے۔ معاذ اللہ۔ خواجہ صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ قرآن کی عزت سے کھیل رہے ہیں اور قرآن کا خدا زندہ ہے۔ اس کی گرفت سے کوئی پیرو مرشد بچ نہیں سکتا۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ

(ہیں مشو مغرور بر حلم خدا)

بعض دوست متقاضی ہیں کہ ارض اُمت مسلمہ کی تعمیر کے متعلق مفصل نقشہ بلاغ میں شائع کر دیا جائے اور ہر عمارت کے خرچ کا تخمینہ بھی بتا دیا جائے تاکہ جو صاحب جس کام کی توفیق رکھتے ہوں اس کو اپنے ذمہ لے لیں۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ مجلس منتظمہ نے عمارات کے لئے ایک الگ سب کمیٹی بنا دی ہے جو تین ارکان پر مشتمل ہے۔ اس معاملہ میں اُن کو مکمل اختیار دیدئے گئے ہیں۔ وہ جو چاہیں، جیسا چاہیں اور جب چاہیں مصالح اُمت کو ملحوظ رکھکر بنوائیں اور اس باب میں دوسرے

ارکان سے مشورہ و امداد حاصل کریں۔ چنانچہ اسی بنا پر احباب کی یہ خواہش کہ نقشہ عمارات شائع کردیا جائے سکرٹری عمارات تک پہنچائی گئی۔ اُنھوں نے اسپر جو بیان دیا ہے وہ درج ذیل ہے:۔

اُمتِ مُسلمہ کے عزائم

اُمتِ مسلمہ کے ارکان کے دلوں میں خدمتِ خلق کا بے پناہ جذبہ موجود ہے، اُنھوں نے بے سروسامانی کے باوجود اس یقین پر اندھوں کے اسکول کے افتتاح[۱] کا فیصلہ کردیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے صاحب خیر بندوں کو اس ادارہ کی امداد کی توفیق بخشیگا اور دردِ دل رکھنے والے بزرگ اپنی زکوٰۃ و خیرات کا رُوپیہ غریب و بیکس اندھوں کی اصلاح میں صرف فرما کر عند اللہ ماجور ہونگے۔

اُمتِ مسلمہ گراونڈ بر لب شاہراہ سٹیشن بھگتانوالہ کے متصل واقع ہے جہاں سے ہزارہا انسان روزانہ گزرتے ہیں اسلئے یہاں مسجد کی تعمیر ناگزیر ہے۔ اگر ایک یا کئی بزرگ ملکر دو ہزار روپیہ فراہم کردیں تو یہاں مسجد تعمیر ہو سکتی ہے۔

اندھوں کا سکول سردست دفتر کے کمروں میں کھولنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ لیکن اس سکول کے لئے کم از کم چار کمرے تعمیر ہونے ضروری ہیں۔ ہر کمرہ کا تخمینی خرچ چھ صد روپیہ ہوگا۔ امید ہے کہ مخیر حضرات توجہ فرمائیں گے۔

اس احاطہ میں ریڈنگ روم کی اشد ضرورت ہے اس کمرہ کے اخراجات کا اندازہ بھی چھ سو روپیہ کیا گیا ہے

مسافروں کی آمد و رفت کی وجہ سے مسافر خانہ کے لئے بھی چند کمروں کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے سردست دو کمروں کی تعمیر لازمی ہے۔ ہر کمرہ کے خرچ کا تخمینہ آٹھ سو روپیہ ہے۔ کیا کوئی دردِ دل رکھنے والے بھائی اُدھر توجہ فرمائیں گے۔

مدرسۃ القرآن کا اجرا ایک نہایت مقدس فرض ہے، اس کے لئے بھی کم از کم دو کمروں کا ہونا ضروری ہے۔ ہر کمرہ کے خرچ کا اندازہ پانصد روپیہ ہے۔ یقیناً اس سے بہتر خیرات کا کوئی اور مصرف نہیں ہوسکتا اسلئے اُمید ہے کہ صاحب ہمت احباب متوجہ ہونگے۔

مدرسۃ البنات:۔ لڑکیوں کی تعلیم مردوں سے بھی اہم ہے۔ اسلئے تجویز ہے کہ اگر توفیق ہوئی تو لڑکیوں کا سکول بھی کھولدیا جائے۔ جہاں لڑکیوں کی دینی تربیت کے ساتھ ساتھ انہیں امور خانہ داری کی بھی تعلیم دیجائے۔ کیا تعلیم نسواں سے ہمدردی رکھنے والے بھائی ہماری دستگیری فرمائیں گے۔

---

[۱] جب تک قوم توجہ نہ کرے اور اندھوں کو کسب آموزی پر آمادہ نہ کیا جائے، افتتاح نہیں ہوسکتا۔ (بلاغ)

اگر درد مندان اسلام اور مخیر بزرگانِ قوم ان عظیم الشان مقاصد کی تکمیل میں ہماری امداد کی جانب توجہ فرمائیں تو ہم اُمید رکھتے ہیں کہ خدا کے فضل و کرم سے یہ تمام ادارات کامیابی کے ساتھ چلائے جا سکتے ہیں۔ واللہ لایضیع اجر المحسنین

آج تک ہم صرف دفتر کے لئے ایک کمرہ جس کے پہلو میں دو چھوٹے کمرے (ایک پہرہ داروں کے لئے اور ایک سٹور کے واسطے) ایک چھوٹی سی دوکان اور کنواں تعمیر کر سکے ہیں۔ باقی ضروریات ہنوز باقی ہیں۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ کب اور کس طرح تکمیل ہوگی (سکرٹری عمارات امت مسلمہ)

بلاغ کی مالی حالت

یہ ظاہر ہے کہ بلاغ اور متعلقات بلاغ کسی شخص واحد کی ملکیت نہیں، تمام دوست اُس کی بقا و استحکام کے لئے برابر کے ذمہ وار ہیں، امرتسری کارکنوں کا مرتبہ رضاکار خادموں سے زیادہ نہیں۔ اسلئے لازم ہے کہ سب دوستوں کو حالات سے مطلع کر دیا جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب تک کوئی امر واقعی قابل گوش گزاری نہ ہو ہمیں شکایت و فریاد ہمارا شیوہ کبھی نہیں رہا۔

موجودہ کساد بازاری نے آمد بلاغ پر خطرناک اثر کیا ہے۔ بہت سے معاونین کی کاروباری حالت ضعیف و مضمحل ہو گئی، وہ ماہواری امداد بند کر دینے پر مجبور ہو گئے، ایسے حالات میں جب تک اس کمی کی تلافی نہ ہو کام چل نہیں سکتا۔ ہر چیز کی نقل اُتاری جا سکتی ہے، لیکن روپے کی نقل آج تک کوئی نہیں اُتار سکا۔ جن چند احباب کا سلسلہ امداد جاری ہے اللہ تعالیٰ اُن کی قربانیاں قبول فرمائے۔ اس نیک کام کے رُک جانے میں جو ایذا و قلق اور جاری رہنے میں جو اجر و ثواب ہے اس میں بقدر استعداد ہم اور آپ سب شریک ہیں۔ بس لازم ہے کہ سب اپنے اپنے فرض کو پہچانیں۔ ہم سپاہی ہیں، راشن نہیں مانگتے لیکن ہتھیاروں کے بغیر کب تک میدان میں کھڑے رہ سکتے ہیں۔

امداد کے متعدد ذریعے ہو سکتے ہیں:۔

(۱) مستقل ماہواری آمدنی والے احباب حسب حیثیت مستقل ماہواری امداد دیں۔

(۲) دفتر کے موجودہ مطبوعات کی فروخت کو وسعت دی جائے، احباب و اقارب میں اُن کے لئے خریدار مہیا کئے جائیں۔

(۳) بلاغ کے نئے نئے معاون آمادہ کئے جائیں۔

[illegible]

نادرشاہ اور اتحادِ ملت

(از علامہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

ہرچند کہ نادرشاہ اپنی سفاکیوں کی بدولت چنگیز، ہلاکو اور تیمور وغیرہ کی فہرست میں مندرج ہے لیکن باوجود ان خونریزیوں کے بھی اس کے دل میں مسلمانوں کا درد تھا اور چاہتا تھا کہ اسلامی فرقے باہم متحد ہو جائیں۔

ایران میں شاہانِ صفویہ نے اپنے اغراض کے لئے خلفائے ثلاثہ اور صحابۂ کرام کا سب و شتم رائج کر دیا تھا۔ نادر کو یہ دیکھکر سخت رنج ہوتا تھا کہ اس قبیح فعل کی وجہ سے ایرانی تمام عالم اسلامی کی دشمنی مول لے رہے ہیں۔ اور اُن میں اور دیگر ممالک کے مسلمانوں مثلاً ہندوستانیوں، افغانیوں اور عثمانیوں میں عداوت کی خلیج زیادہ وسیع ہوتی جا رہی ہے جس کی وجہ سے ہر وقت مصادمت کا خطرہ ہے۔

چنانچہ دشمنوں کو مغلوب اور ممالک کو مفتوح کرنے کے بعد ۱۱۴۸ھ میں صحرائے مغان میں جہاں امراء ایران کا عظیم الشان اجتماع اسلئے ہوا تھا کہ اس کے سر پر ایران کی شہنشاہیت کا تاج رکھا جائے اس نے کہا کہ

"شاہ طہماسپ و شاہ عباس در عہد و سریر موجود اند۔ ایشانرا یا ہر کس را کہ برازندۂ افسر بزرگی دانند بریاست و سلطنت بردارند۔ ما آنچہ حقِ کوشش بود دریں چند سال بجا آوردیم و ولایات ایشانرا با اُسرائے ایشاں از دست افغان و روس و رومی خلاص کردیم" (تاریخ جہاں کشائے نادری صفحہ ۱۹۶)

سب لوگوں نے بالاتفاق کہا کہ اب ایران کا ایک بچہ بھی سوائے تمہارے کسی کی بادشاہی پر رضامند نہیں ہے لیکن وہ برابر انکار کرتا رہا۔ اس انکار و اصرار میں تقریباً ایک مہینہ کا عرصہ گزر گیا اور جب لوگوں نے اس کا دامن نہ چھوڑنا چاہا تو اس نے کہا

"از زمان رحلتِ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چہار خلیفہ بعد از یکدگر متکفل امر خلافت شدہ اند کہ ہند و روم و ترکستان ہمگی بخلافت ایشاں قائل اند و در ایران ہم سابقاً ہمیں مذہب رائج و متداول بود۔ شاہ اسمٰعیل صفوی در مبادی حال بنا بصلاح دولتِ خود ایں مذہب را متروک و مذہب تشیع را مسلوک داشتہ علاوہ آں سب و رفض را کہ فعل بیہودہ و مایۂ فسادہ

است در السنہ و افواہ عوام و اوباش دائر و جاری کردہ شرر شرارت بچقاق زد و برہم زنی انگیخت و خاک ایران را بخون فتنہ و فساد آمیخت و مادام کہ ایں فعل مذموم انتشار داشتہ باشد ایں مفسدہ از میان اہل اسلام رفع نخواہد شد۔ ہرگاہ اہالی ایران بسلطنت ما راغب و آسائش خود را طالب باشند باید کہ ایں ملت را کہ مخالف مذہب اسلاف کرام ماست تارک و بمذہب اہل سنت وجماعت سالک شوند۔ لیکن چون حضرت امام جعفر صادق ذریہ رسول اکرم و ممدوح امم ہستند و طریقۂ اہل ایران بمذہب آنحضرت آشناست او را سر مذہب خود ساختہ در فروعات مقلد طریقہ و اجتہاد آنحضرت باشند۔ (تاریخ جہاں کشائے نادری ص۱۹۰)

اہل ایران نے اس کی بات قبول کر لی۔ اور محضر لکھکر سب نے اسپر مہر لگائی۔ اسوقت نادر نے ایران کا تخت قبول کیا اور کہا کہ چونکہ بادشاہ روم خلیفہ اسلام ہے اسلئے میں یہ تمام سرگزشت لکھکر اس کے دربار میں ایلچی بھیجتا ہوں تاکہ باہم مصالحت اور دوستی قائم ہو جائے اور اختلافات مٹ جائیں نیز میں اس سے پانچ باتوں کی درخواست کرونگا۔

(۱) چونکہ اہل ایران اپنے سابقہ عقائد سے جو موجب عداوت تھے تائب ہو گئے اسلئے خلیفہ و علماء و قضاۃ عثمانی سے درخواست ہے کہ مذہب جعفری کو ایک پانچواں مذہب شمار کر کے اس کی صحت تسلیم کر لیں

(۲) کعبہ میں جہاں چار مصلے قائم ہیں وہاں ایک مصلےٰ جعفری مذہب کا بھی قائم کر دیا جائے تاکہ ایران کے لوگ اس مصلے پر اپنے امام کے پیچھے نماز ادا کر سکیں۔

(۳) ایرانی قافلۂ حجاج کسی ایرانی ہی میر حاج کی قیادت میں ہر سال مکہ جایا کرے اور عثمانی امراء اس کے ساتھ بھی وہی مراعات برتیں جو دوسرے ممالک مثلاً مصر یا شام کے قافلہ حجاج کے ساتھ مرعی رکھتے ہیں۔

(۴) دونوں دولتوں ایران و روم میں سے ہر ایک دولت کے پاس دوسرے کے جو اسیران جنگ ہوں وہ آزاد رکھے جائیں غلام نہ بنائے جائیں۔

(۵) دونوں دولتوں کی طرف سے قنصل ایک دوسرے کے پایۂ تخت میں رہا کریں تاکہ باہمی معاملات آسانی کے ساتھ طے ہوتے رہیں۔

نادر نے تخت نشین ہونے کے بعد بار بار سفیر عثمانی دربار میں بھیجے مگر وہاں سے اس کے حسب منشا جواب نہ ملا۔ ۱۱۵۶ھ میں جب اس نے تیسری بار بغداد پر یورش کی تو وہاں کے

والی احمد پاشا کے پاس برابر پیغام بھیجتا رہا کہ اس کے مطالبات تسلیم کئے جائیں۔ اس درمیان میں اس نے کرکوک وغیرہ کے متعدد قلعے فتح کرلئے لیکن بغداد کو نہ لے سکا۔ آخر اس کے محاصرہ پر ایک کثیر فوج چھوڑ کر خود نجف اشرف کی زیارت کے لئے گیا۔ اور وہاں ایک عرصہ تک معہ لشکر و درگاہ وخیمہ وخرگاہ کے قیام رکھا۔

چونکہ صحرائے مغان کے عہد کی پوری تعمیل ابھی تک نہیں ہوئی تھی اور ہندوستان، افغانستان ترکستان اور ایران کے مختلف العناصر مسلمان ایک دوسرے کی تکفیر سے باز نہیں آتے تھے اس لئے اس نے تمام قلمرو میں فرمان بھیجا کہ مفتیان، علماء، امراء اور رؤساء ہر ملک اور ہر طبقہ کے دربار میں حاضر ہوں۔ جب چہار سمت سے یہ لوگ نجف میں آگئے تو اس نے ان سب سے پھر صحرائے مغان کے عہد کی تجدید چاہی۔ اور ہر فرقہ کے علماء سے کہا کہ تم آپس کے تفرقے مٹا ڈالو۔ میں کسی طرح یہ جائز نہیں رکھ سکتا کہ میری سلطنت کے مسلمان باہم ایک دوسرے کو کافر بنائیں۔ اس نے احمد پاشا والی بغداد کے پاس لکھا کہ کسی ایسے ممتاز اور معتبر عالم کو بھیجدے جو ہمارے ان علماء کو ایک مرکز پر لاکر متحد کرسکے اور اُن کے اختلافات کو مٹانے میں بطور حکم عادل کے شاہد رہے۔

احمد پاشا نے علامہ عبداللہ سویدی کو جو اس زمانہ میں بغداد کے سب سے نامور عالم تھے اس کام کے لئے منتخب کیا اور نادرشاہ کے پاس بھیجا۔

علامہ موصوف نے وہ تمام باتیں جو اس مرحلہ میں پیش آئیں یا جو بحثیں اُن کو کرنی پڑیں خود قلمبند کی تھیں۔ مصر کے ایک مطبع نے اس کو الحجج القاطعۃ فی اتفاق الفرق اسلامیہ کے نام سے شائع کیا ہے۔ ہم اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ آسلم

۲۱ شوال ۱۱۵۶ھ یکشنبہ کے دن مغرب سے قبل میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ احمد پاشا والی بغداد کا ایک آدمی میرے بلانے کو آیا۔ میں مغرب کی نماز پڑھکر والی موصوف کے دربار میں گیا۔ وہاں ان کا ندیم احمد آغا ملا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ پاشا نے آپ کو کیوں طلب کیا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ بولا کہ پاشا آپ کو نادرشاہ کے حسب طلب اس کے دربار میں بھیجنا چاہتا ہے جہاں ہر طرف سے علماء عجم آکر جمع ہوئے ہیں۔ آپ کو اُن کے ساتھ مذہب تشیع کے متعلق بحث کرنی ہوگی۔ اگر وہ غالب آگئے تو پھر پانچویں مذہب جعفری کی صحت کو تسلیم کرلینا پڑیگا۔

میں نے جو یہ بات سُنی تو میرا بدن کانپ اُٹھا اور کہا کہ احمد آغا تم کو تو خوب معلوم ہے کہ نادر

سخت جابر اور بڑا سفاک ہے۔ اس کے دربار میں علماء عجم کے ساتھ جو اس کے ہم مذہب ہیں میں کسطرح بحث کرسکونگا اور کیسے اُن کے عقائد کے ابطال پر دلائل قائم کرنے کی جرأت کرونگا کیونکہ وہ نہ ہماری کسی حدیث کو مانتے ہیں نہ قرآن کی تاویل کو۔ پھر جب اصول متعارفہ اور علوم موضوعہ ہمارے اور اُن کے ایک نہیں ہیں تو بحث کس بنیاد پر ہوگی؟ مثلاً فرض کرو کہ میں مسح علی الخفین کے جواز پر یہ دلیل پیش کروں کہ اس کو .. صحابہ نے روایت کیا ہے جن میں سے حضرت علی بھی ہیں۔ وہ کہیں گے کہ عدم جواز کی روایتیں ہمارے یہاں .. اصحابیوں سے مروی ہیں جن میں سے ابوبکرؓ بھی ہیں۔ علی ہذا ایک آیت کی تاویل بیان کرکے میں کسی روایت کی سند دونگا تو وہ اس کے خلاف تاویل بیان کرکے اس کی سند کسی روایت سے دینگے۔ لہذا جسطرح ممکن ہو احمد پاشا سے کہو کہ مجھے اس کام کے لئے نہ بھیجیں بلکہ حنفی یا شافعی مفتیوں میں سے کسی کو روانہ کریں۔ آغا نے کہا کہ یہ ناممکن ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس میں آپ مطلق لب کشائی نہ کریں کیونکہ پاشا نے آپ کو بھیجنے کا قطعی فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ سنکر میں دم بخود ہوگیا اس کے بعد خود احمد پاشا آگیا۔ اس نے سارا حال سناکر مجھے شاہ کے پاس جانے کا حکم دیا اور کہا کہ مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ تمہاری حجت کو قوی کریگا اور تم کو غلبہ عطا فرمائیگا۔ میں نے کہا لیکن نادر شاہ کی حالت کو تو آپ اچھی طرح سُن چکے ہیں۔ پاشا نے کہا کہ ہاں۔ میں تم کو اس بارے میں آزاد چھوڑتا ہوں موقع دیکھنا تو مناظرہ کرنا ورنہ باز رہنا۔ لیکن گریز کلیۃً نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ مناسب طریقہ سے ان کا ابطال کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ مغلوب ہوکر اُن کے مذہب کی صحت تسلیم کرلو۔ پھر کہا کہ کل دوشنبہ ہے۔ چہارشنبہ کی صبح کو تم کو شاہ کے پاس موجود ہونا چاہیئے۔ اسلئے کل ہی صبح روانہ ہوجاؤ۔ اس کے بعد اس نے میرے لئے ایک خلعت کا حکم دیا اور سواری و خدام وغیرہ کا بندوبست کردیا۔ دوسرے دن سویرے میں ان عجمیوں کے ساتھ جو شاہ کے یہاں سے آئے تھے روانہ ہوگیا۔ راستہ بھر اسی فکر میں غرق رہا۔ دلائل سوچتا تھا اور اس کے جواب۔ پھر جواب الجواب۔ یہانتک کہ ہجوم افکار سے سر چکرانے لگا۔ اور شام کو جو مجھے پیشاب آیا تو سرخ خون کی طرح۔ اب ہم حلہ ابن مزید میں پہنچے۔ [illegible] وقت میں [illegible] کے قبضہ میں آچکا ہے یہاں چند اہل سنت و جماعت سے ملاقات ہوئی [illegible] کے ہیں جو سب کے سب شیعہ ہیں اور مذہب [illegible] یہ سنکر مجھے اور پریشانی ہوئی پھر میں نے سوچا کہ میں [illegible] طلقار اچھی نہیں ہوتا۔ اب [illegible] ترک بحث [illegible] کے سامنے موجود [illegible]

نہ شیعہ۔ اور میں مناظرہ کرونگا خواہ اس میں میرے قتل ہی تک نوبت کیوں نہ پہنچے۔ وہاں سے چلکر ہم شہر ذی الکفل میں آئے اور آبادی سے باہر ہی ٹھہر کر کچھ دیر آرام لیا۔ رات کے پچھلے پہر روانہ ہو گئے اور بئر دنداں میں پہنچکر فجر کی نماز پڑھی۔ فارغ ہوتے ہی نادرشاہ کا ایک قاصد دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ جلد چلئے آپ کا انتظار ہے۔ اس مقام سے شاہ کا مخیم دو فرسخ ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا شاہ کا یہی دستور ہے کہ جب کوئی آتا ہے تو اس کے استقبال کے لئے قاصد دوڑاتا ہے یا صرف اس موقع پر ایسا کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ کبھی نہیں۔ بلکہ لوگ آتے بھی ہیں تو عرصہ تک اُن کو باریابی نصیب نہیں ہوتی۔ راستہ سے بجز آپ کے آج تک شاہ نے کسی کو نہیں بلایا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس عجلت سے بلانے کی غرض یہ ہو سکتی ہے کہ مجھ کو مذہب جعفری تسلیم کرنے پر مجبور کرے۔ پہلے ممکن ہے کہ دنیاوی لالچ دلائے۔ اگر میں نے اس کو قبول نہ کیا تو پھر سختی سے کام لیگا۔ بہت کچھ استغفار۔ توبہ اور لاحول وغیرہ پڑھنے کے بعد آخر میں نے اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ حق کا دامن نہیں چھوڑونگا۔ دین اسلام پہلی بار اُسوقت رُک گیا تھا جب رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد ردّت کے معاملہ میں صحابہ نے ابوبکرؓ کو تنہا چھوڑ دیا تھا۔ اللہ نے انھیں کی بدولت اس کو چلایا۔ پھر دوسری بار اس وقت رکا جب خلیفہ مامون نے علماؔ کو خلق قرآن کے اقرار پر مجبور کیا۔ اسوقت احمد بن حنبلؒ جیسا امام کھڑا ہو گیا جس نے اس کو آگے بڑھایا۔ آج اگر میں بھی انھیں مثالوں کی پیروی کروں تو کیا عجب ہے کہ حق قائم رہ جائے۔ ورنہ میرے ساتھ لاکھوں مسلمان گمراہ ہو جائیں گے۔

آخر میں موت کے لئے ہر طرح پر تیار ہو کر کلمۂ توحید و شہادت پڑھتا ہوا روانہ ہوا۔ کچھ دیر کے بعد دور سے اونچے اونچے جھنڈے نظر آنے لگے۔ معلوم ہوا کہ یہی شاہی معسکر ہے۔ وہاں پہنچکر دیکھا کہ بڑے بڑے سات ستونوں پر شاہی خیمہ کھڑا ہے۔ راستہ پر کشک خانہ ہے جس میں پندرہ پندرہ خیمے بالمقابل کھڑے کئے گئے ہیں۔ شاہی خیمہ کے متصل رواق (شامیانہ) ہے۔ دائیں سمت میں چار ہزار سپاہی حفاظت کے لئے رہتے ہیں اور بائیں سمت میں خالی خرگاہیں ہیں جن میں کرسیاں وغیرہ رکھی ہیں۔

جب میں کشک خانہ کے قریب آیا تو وہاں ایک درباری میرے استقبال کے لئے نکلا۔ اس نے مجھ سے بغداد کے امراء، رؤسا اور احمد پاشا اور اس کے متعلقین کے حالات نام بنام پوچھنے شروع کئے۔ میں اس کی واقفیت سے حیران ہوا۔ اس نے میرے تعجب کو دیکھکر کہا کہ شاید آپ نہیں پہچانتے۔ میرا نام عبدالکریم بیگ ہے۔ میں مدتوں بغداد میں احمد پاشا کے پاس رہا

ہوں۔ آجکل دولت عثمانیہ کی طرف سے شاہ کے پاس سفارت لیکر آیا ہوں۔ اسی اثنا میں نو اشخاص بھاری بھرکم آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ عبدالکریم ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوگیا۔ ان لوگوں نے مجھے سلام کیا۔ میں نے جواب دیا۔ عبدالکریم نے ان سب سے مجھ کو ملایا اور یکے بعد دیگرے ان کا تعارف کرانا شروع کیا کہ یہ حسن خاں معیار الممالک ہیں۔ یہ مصطفےٰ۔ یہ نظر علی خاں۔ یہ میرزا ذکی اور یہ میرزا کافی۔

معیار الممالک جو کرجی الاصل اور شاہ حسین کے موالی میں سے ہے نادر شاہ کا وزیر ہے۔ سرسری ملاقات کے بعد یہ لوگ مجھے شاہ کے دربار میں لیچلے۔ شامیانہ کے دروازہ پر پہنچکر پردہ اُٹھایا گیا۔ ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ جب ہم چلیں تو آپ بھی چلیں اور جب ہم ٹھہر جائیں تو آپ بھی ٹھہر جائیں۔ شامیانہ سے گزر گئے تو ایک طرف کشادہ جگہ دیکھی وہاں حرم کے خیمے تھے۔ سامنے ایک شاندار خیمہ میں نادر کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ جب اُس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو بلند آواز سے کہا خوش آمدید عبداللہ آفندی۔ پھر قریب آنے کا حکم دیا۔ خوانین میرے دائیں طرف تھے اور عبدالکریم بائیں طرف۔ ہم سب دس قدم چلکر رُک گئے۔ پھر شاہ نے کہا کہ اور آگے آؤ۔ الغرض اسی طرح ہم چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھا کر چلتے اور رُکتے اس کے پاس پہونچگئے۔ جب صرف پانچ ہاتھ کا فاصلہ رہگیا تو ٹھہر گئے۔

شاہ کا قد بلند ہے۔ چہرہ سے بڑھاپا ٹپکتا ہے۔ آگے کے چند دانت بھی گر گئے ہیں۔ عمر تقریباً ۸۰ سال کی معلوم ہوتی ہے۔ داڑھی حنا اور وسمہ سے رنگی ہوئی ہے۔ دونوں ابرو کمان کی طرح کشیدہ ہیں اور آنکھوں سے زردی نمایاں ہے۔ ایک سفید چوگوشہ کلاہ عجمی سر پر ہے جس پر عمامہ ہے جو موتی، یاقوت الماس اور ہر قسم کے جواہر سے مزین ہے۔ گلے میں موتی کے ہار ہیں اور قبا کے دونوں مونڈھوں پر جواہرات ٹکے ہوئے ہیں۔ الغرض وہ اپنی شکل و لباس کے باعث پُر تمکنت و جلال معلوم ہوتا ہے۔ جب میں نے قریب سے اُس کو دیکھا تو وہ تمام رُعب جو اُس کا میرے دل پر بیٹھا ہوا تھا جاتا رہا۔ اُس نے ترکی زبان میں میرے ساتھ گفتگو شروع کی۔ پہلے احمد خاں (پاشا) کی خیریت دریافت فرمائی۔ پھر کہا آپ کو معلوم ہے کہ میری سلطنت میں ترکستان و افغانستان بھی ہیں۔ وہاں کے لوگ ایرانیوں کو کافر کہتے ہیں اور ایرانی اُن کو کافر سمجھتے ہیں حالانکہ سب ایک ہی اُمت کے ہیں اور ایک ہی دین کے پیرو۔ اسلئے میں نہیں چاہتا کہ میری سلطنت میں ایسے مسلمان رہیں جو ایک دوسرے کو کافر بنائیں۔ میں نے آپ کو اسی غرض سے طلب کیا ہے کہ میری طرف سے وکیل بنکر ان کے باہمی مکفرات کو رفع کر دیجئے اور ہر فرقہ کو پابند کر دیجئے کہ وہ ان امور سے باز آجائے جن سے کفر عائد ہوتا ہے تاکہ کوئی ان کو کافر نہ بنا سکے جو کچھ آپ دیکھیں اور سنیں اس کو مجھ سے بھی آکر کہئے اور بغداد پہونچنے پر احمد پاشا کو بھی سنائیے۔

اس کے بعد ہم کو وہاں سے واپسی کی اجازت ملی۔ اور میری میزبانی کے لئے اعتماد الدولہ نامزد کئے گئے۔ میں وہاں سے نہایت خوش ہو کر نکلا۔ کیونکہ میرا جو خطرہ تھا اس کے برخلاف شاہ نے سارے مذہبی اختیارات میرے ہاتھ میں دیدئیے۔ اب ہم اعتماد الدولہ کی طرف روانہ ہوئے۔ نظر علی خاں عبدالکریم بیگ اور ابوذر بیگ جو تینوں میری خدمت کے لئے مامور تھے ساتھ ساتھ چلے۔ اعتماد الدولہ خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کو سلام کیا اس نے جواب دیا لیکن بدستور بیٹھا رہا۔ میرے دل میں اس سے سخت انفعال اور غصہ پیدا ہوا کہ اس شخص نے اپنی رعونت سے علم اور اہل علم کی اہانت کی۔ اور میں سوچنے لگا کہ جبکہ نادر شاہ نے جملہ مکفرات کے اٹھا دینے کا وکیل مطلق مجھے بنا دیا ہے میں اس سے اس کی شکایت ضرور کرونگا اور اس کفر کو جو اسلامی شان کے بالکل خلاف ہے سب سے پہلے مٹاؤنگا۔ مگر جوں ہی کہ میں بیٹھ چکا اعتماد الدولہ کھڑا ہوا اور اس نے ادب سے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اور میری طرف جھکتا ہوا مرحبا کہکر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ میں سمجھ گیا کہ ایرانیوں کا تعظیمی دستور یہی ہے۔ لہذا اب اس کی طرف سے کوئی شکایت مجھے نہیں رہی۔

اعتماد الدولہ دراز قامت، سفید رو، اور کشادہ چشم ہے۔ داڑھی پر حنا اور وسمہ کا خضاب کرتا ہے۔ عاقل۔ نرم خو اور خلیق ہے۔

جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو حکم آیا کہ میں ملاباشی (درباری علامہ ملا علی اکبر) سے ملوں۔ میں سوار ہوا۔ میزبانوں کی جماعت رفاقت میں تھی۔ راستہ میں ایک شخص افغانی لباس میں ملا۔ اس نے سلام کیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ بولا کہ ملا حمزہ افغانستان کا مفتی۔ میں نے کہا کہ شاہ نے مجھ کو وکیل مطلق بنایا ہے کہ ایرانیوں سے ہر قسم کے مکفرات اٹھادوں۔ تم چونکہ سنی ہو اس لئے میں تم سے امید رکھتا ہوں کہ اگر وہ کوئی فعل اس قسم کا کرتے ہوں جو منجر بہ کفر ہو اور مجھ سے اس کو چھپائیں تو مجھے مطلع کر دینا۔ کیونکہ میں ان کے حالات۔ عقائد اور عبادات سے اسقدر واقف نہیں ہوں جسقدر کہ تم لوگ ہو۔

ملا حمزہ نے کہا کہ آپ شاہ کی باتوں سے دھوکے میں نہ آجائیں درحقیقت اس نے آپ کو ملاباشی کے پاس اس غرض سے بھیجا ہے کہ وہ مناظرہ کرے۔ ایران کے تمام علما اس کا ساتھ دیں گے لہذا آپ ہوشیار رہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے بحث کا زیادہ خطرہ نہیں ہے۔ صرف ڈر یہ ہے کہ وہ ناانصافی نہ کریں یا جو کچھ مجلس مناظرہ میں میں کہوں اس کے خلاف شاہ سے جا کر بیان کریں۔ اس نے کہا کہ اس سے آپ خاطر جمع رہیں۔ اس مجلس میں شاہ کے مخبر ہیں۔ پھر ان مخبروں پر مخبر ہیں۔

ان کے علاوہ خاص جاسوس ہیں ۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک لفظ بھی خلاف واقعہ شاہ کے سامنے کوئی بیان کر سکے ۔

اب ہم ملّا باشی کے خیمہ کے قریب پہونچ گئے ۔ وہ منتظر تھا ۔ استقبال کے لئے نکلا ۔ گندم گوں اور پستہ قد آدمی ہے ۔ مجھ کو بیجا کر صدر پر بٹھایا اور خود سامنے شاگردوں کی طرح ادب کے ساتھ بیٹھ گیا ۔ مجمع کثیر تھا ۔ ہر ملک کے علماء جمع تھے ۔ پہلے اس نے مجھ سے رسمی باتیں کیں ۔ اس کے بعد افغانی مفتی کو مخاطب کرکے کہا کہ تم نے ہادی خواجہ (قاضی بخارا) کو دیکھا ؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں ۔ ملّا باشی نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ اس نے اپنا لقب بحر العلم کیوں رکھا ہے اس کو تو علم سے ذرا بھی مس نہیں ۔ بخدا اگر میں حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق دو دلیلیں بھی بیان کروں تو وہ ان کا جواب نہیں دے سکیگا ۔ اور وہ کیا اہل سنت کے علماء فحول سے بھی ان کا جواب بن نہ پڑیگا ۔ اس آخری جملہ کو اس نے تین بار دہرایا ۔ اسلئے لازم آگیا کہ میں اُن دونوں دلیلوں کو پوچھوں اور اُن کے جو جواب ہو سکتے ہوں پیش کروں ۔

میں :۔ جناب ذرا میں بھی سنوں کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے ثبوت میں آپ کی وہ کونسی دو دلیلیں ہیں جن کا جواب آپ کے خیال میں کسی بڑے سے بڑے سُنی عالم سے بھی نہیں ہو سکتا ۔

ملّا باشی :۔ میں آپ سے پہلے یہ پوچھ لینا چاہتا ہوں کہ آنحضرتؐ کا یہ قول حضرت علیؓ کے متعلق آپ کے یہاں مسلّم ہے یا نہیں کہ " انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی "

میں :۔ ہاں یہ حدیث مشہور ہے ۔

ملّا باشی :۔ تو کیا اس حدیث کا منطوق و مفہوم صریحاً اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ خلیفۂ برحق علی بن ابی طالب ہیں ؟

میں :۔ دلیل کی صورت معرض بیان میں لائیے ۔

ملّا باشی :۔ جب آنحضرتؐ نے ہارون کے تمام منازل و مراتب حضرت علیؓ کے لئے فرما دئے اور ان میں سے کوئی چیز بجز نبوت کے مستثنیٰ نہ کی تو ثابت ہو گیا کہ خلیفۂ برحق حضرت علیؓ ہیں کیونکہ ہارون کا اوّلین مرتبہ تو خلافت ہی تھا ۔ اگر وہ زندہ رہتے تو ضرور حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کے خلیفہ ہوتے ۔

میں :۔ آپ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کو قضیہ موجبہ کلیہ سمجھتے ہیں لہذا یہ بتائے کہ اس ایجاب کلی پر کونسا لفظ دلالت کرتا ہے کہ ہارونؑ کے تمام منازل حضرت علیؓ کو حاصل ہیں۔

ملّا باشی :۔ اسلئے کہ منزلۃ ہارون میں جو اضافت ہے وہ بقرینۂ استثنا استغراقی ہے ۔

میں :۔ سنئے۔ یہ حدیث اولاً تو نص جلی نہیں ہے اور آپ کے یہاں امامت یا خلافت کے ثبوت کے لئے نصِ جلی درکار ہے۔ ثانیاً محدثین نے اس کے متعلق اختلافات کئے ہیں کسی نے اس کو صحیح کہا ہے کسی نے حسن اور کسی نے ضعیف۔ یہاں تک کہ ابن جوزی نے جو نقد حدیث کا بہت بڑا امام ہے اس کو قطعاً موضوع قرار دیا ہے۔

ملاّ باشی :۔ نص جلی ہمارے یہاں شرط ہے نہ کہ آپ کے یہاں سو ہم حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے دوسری حدیثیں پیش کرتے ہیں جو نص جلی ہیں لیکن چونکہ اہل سنت کے نزدیک وہ نامقبول ہیں اس لئے ان کے واسطے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

میں :۔ یہ حدیث مختلف وجوہ سے دلیل نہیں بن سکتی۔ اولاً یہ کہ استغراق کا دعویٰ جو آپ نے کیا وہ ممنوع ہے۔ کیونکہ ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ نبی تھے اور حضرت علیؓ میں یہ بات نہ تھی حالانکہ استثنا تو نبوت بعد از وفات کا ہے۔ ثانیاً ہارونؑ حضرت موسیٰ کے ماں جائے بھائی تھے اور حضرت علیؓ نبیؐ کے ساتھ یہ رشتہ نہیں رکھتے تھے لہذا استغراق کا دعوے تو قطعاً باطل ہوا اب اس کی دلالت ظنی رہ گئی جو اصولاً صرف ایک منزلت پر ہوگی جیسا کہ منزلۃ کی تاء وحدت سے خود ظاہر ہے اس لئے یہ اضافتِ عہد ہے نہ کہ استغراق اور مقصود صرف یہ ہے کہ علیؓ خلافت جنگ تبوک میں میرے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہیں جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ کے ساتھ اسوقت تھی جب انھوں نے حکم دیا تھا "۔ اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ

ملاّ باشی :۔ تو پھر کیا اس استخلاف سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ صحابہ میں افضل تھے اور نبی کے بعد ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق۔

میں :۔ نہیں۔ کیونکہ حضرت علی کے علاوہ اور صحابہ کو بھی آپ نے اپنی جانشینی کا زندگی میں شرف بخشا۔ مثلاً ابن ام مکتوم وغیرہ کو۔ پھر وہ بھی بعد وفات کے اس دلیل سے خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہونگے۔ علاوہ بریں اگر یہ استخلاف کوئی فضیلت ہوتی تو حضرت علی اس پر ناراضی کا اظہار نہ کرتے جیسا کہ انھوں نے کہا کہ آپ مجھ کو کمزوروں، بچوں اور بوڑھی عورتوں کے ساتھ چھوڑتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی اسی کبیدگی کو دفع کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فقرہ "انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ" فرمایا تھا۔

ملاّ باشی :۔ لیکن لحاظ عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔

میں :۔ خصوص سبب کو میں نے دلیل نہیں گردانا ہے بلکہ اس کو قرینہ بتلایا ہے کہ یہاں ایک

منزلت جو مراد ہے اس سے صرف وہی خلافت مخصوصہ جنگ تبوک ہے نہ کہ اور کوئی خلافت۔
اس کے بعد ملا باشی خاموش رہگیا اور اس کے کثیر طرفدار علماء میں سے بھی جو اس کی حمایت کے لئے پس پشت بیٹھے ہوئے تھے کوئی آواز بلند نہ ہوئی۔ اب اس نے اپنی دوسری دلیل شروع کی اور کہنے لگا کہ میری دوسری دلیل تو ایسی ہے کہ اس میں قطعاً کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔

میں:۔ اس کو بھی بیان فرمائیے۔

ملا باشی:۔ وہ آیتِ مباہلہ ہے قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ

میں:۔ استدلال کی شکل بیان کیجئے۔

ملا باشی:۔ جب نجران کے نصاریٰ مباہلہ کے لئے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گود میں حسین کو اٹھایا اور حسن کا ہاتھ پکڑا۔ پیچھے فاطمہ تھیں اور ان کے پیچھے علی رضی اللہ عنہم۔ ظاہر ہے کہ دعا کے لئے وہی لوگ منتخب ہو سکتے ہیں جو سب سے افضل ہوں۔

میں:۔ یہ منقبت ہوئی نہ کہ فضیلت۔ اکثر صحابہ بعض خصوصیات سے مختص ہیں جو دوسروں میں نہیں ہیں اور یہ باتیں ان لوگوں سے مخفی نہیں ہیں جو تاریخ و سیر کا مطالعہ کرتے ہیں مگر یہ خصوصیات فضیلت کی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتیں۔ فرض کرو کہ دو قبیلوں میں جنگ ہو۔ ان دونوں کے رؤسا صرف اپنے اپنے خاص خاص متعلقین کو ساتھ لیکر مبارزہ کریں تو یہ دلیل اس امر کی نہیں ہو سکتی کہ ان قبیلوں میں ان رؤساء کے خاص عزیزوں سے بڑھکر کوئی بہادر نہ تھا۔ اور یہ چونکہ دعا کا موقع تھا جس میں خاص متعلقین کی موجودگی سے خشوع زیادہ بڑھ جاتا ہے اس لئے مقتضائے مقام یہی تھا کہ آنحضرتؐ انھیں حضرات کو اپنے ساتھ لے جاتے۔

مُلا باشی:۔ ہاں تو خشوع نتیجہ ہے فرطِ محبت کا۔ اور ہم یہی تو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو یہی حضرات سب سے زیادہ محبوب تھے۔

میں:۔ یہ طبعی اور جبلّی محبت ہے نہ کہ اختیاری جس سے کوئی فضیلت ثابت ہو سکے۔ انسان یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اس کے بیٹوں یا خاص عزیزوں سے دوسرے لوگ ہر لحاظ سے افضل ہیں پھر بھی طبعاً اُس کی محبت پر مجبور ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کو سب جانتے ہیں کوئی مشکل ہی نہیں ہے۔ اسے گو اس خیال سے عزیز رکھتا ہو کہ وہ دنیا بھر میں سب سے افضل ہے

مُلا باشی:۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ایک خاص نکتہ ہے جس کی وجہ سے ہم حضرت علیؓ

کی افضلیت کی دلیل اس کو سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہ ابنائنا سے مراد ہیں حسنؓ وحسینؓ نسائنا سے فاطمہؓ اور انفسنا سے آنحضرتؐ اور علیؓ۔ اس لئے حضرت علی نفس نبی ہوئے اور یہ انتہائی فضیلت ہے۔

میں :۔ یہ تو میں پہلے سمجھ گیا تھا کہ تم اصول سے ناواقف ہو لیکن اب معلوم ہوا کہ عربیت سے بھی ناآشنا ہو۔ سنو! انفس جمع قلت ہے جو جمع متکلم کی طرف مضاف ہے اور جمع جب جمع کی طرف مضاف ہوتی ہے تو تقسیم احاد کی مقتضی ہوتی ہے مثلاً "رکب القوم دوابہم" اس کے یہ معنی نہیں کہ جملہ اشخاص سب گھوڑوں پر چڑھ گئے بلکہ ہر شخص اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور یہ قاعدہ متعارف ومتداول ہے اور کتب نحو میں بہ تصریح مذکور۔

یہ سنکر وہ خاموش ہوگیا اور کوئی جواب اس سے بن نہ پڑا۔ کہنے لگا کہ میرے پاس ایک دلیل اور بھی ہے میں نے کہا کہ اسے بھی پیش کیجئے۔

ملاباشی :۔ آیت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ الآیہ کی تفسیر میں جملہ اہل تفسیر کا اتفاق ہے کہ حضرت علی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور آیت میں انما کلمہ حصر ہے جس سے ان کا افضل امت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

میں :۔ اس دلیل کے متعدد جوابات ہیں۔

میں اسی قدر کہنے پایا تھا کہ اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے فارسی زبان میں اس سے کہا کہ یہ بحث چھوڑ دو کیونکہ یہ شخص تمہاری ہر دلیل کو توڑتا چلا جائیگا اور لوگوں کی نگاہوں میں تم اسی قدر گرتے جاؤگے۔ یہ سنکر اس نے میری طرف دیکھا اور مسکراکر کہا کہ آپ فاضل شخص ہیں میری ہر دلیل کا جواب دیسکتے ہیں۔ لیکن میرا روئے سخن تو دراصل بحر العلم کی طرف تھا۔ میں نے کہا کہ آغاز سخن میں آپ نے فرمایا تھا کہ محول علماء اہل سنت بھی میری دلیلوں کا جواب نہیں دیسکتے اس بنا پر میں نے گفتگو کی ورنہ مجھے کوئی بحث نہ تھی۔

ملاباشی :۔ میں عجمی شخص ہوں۔ عربی بولنے میں کبھی کبھی مقصود کے خلاف بھی الفاظ میری زبان سے نکل جاتے ہیں۔

میں :۔ اچھا اب میں دو سوال کرتا ہوں جس کی بابت مجھ کو یقین ہے کہ علماء شیعہ میں سے کوئی بھی اُن کے جواب نہ دیسکیگا۔

ملاباشی :۔ وہ کیا ہیں؟

میں :۔ کیا تمہارے یہاں روایت مسلم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے

بعد تمام صحابہ (بوجہ حضرت علی کی خلافت پر بیعت نہ کرنے کے) مرتد ہو گئے بجز پانچ کے حضرت علی۔ مقداد۔ ابو ذر۔ سلمان فارسی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم۔

ملا باشی :۔ ہاں مسلّم ہے۔

میں :۔ اگر معاملہ یہ تھا تو پھر کیوں حضرت علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر کے ساتھ کیا؟

ملا باشی :۔ مجبوراً دباؤ سے۔

میں :۔ بخدا تم نے حضرت علی کی ایسی منقصت پر عقیدہ رکھا ہے جس کو ادنےٰ عرب بلکہ اجلاف بازاری بھی اپنے لئے جائز نہ رکھیں گے۔ اگر جبراً کسی کی بیٹی کوئی بیاہ لے تو کیا اس کی زندگی بیعزتی کی زندگی نہیں ہے؟ پھر تم کیسے دعویٰ کر سکتے ہو کہ حضرت علی اسد اللہ۔ شیر خدا۔ شاہ مردان اور شجاع دوران تھے۔

ملا باشی :۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کے یہاں بجائے ام کلثوم کے کوئی چڑیل یا جنی رخصت کی گئی ہو۔

میں :۔ یہ جواب اس سے بھی عجیب تر ہے۔ اگر اس احتمال کا دروازہ کھولا جائے تو شریعت کا کوئی نقطہ اپنی جگہ پر باقی نہیں رہ سکتا۔ مثلاً ایک شخص اپنی منکوحہ کے پاس جاتا ہے وہ کہتی ہے کہ ممکن ہے کہ تم میرے شوہر نہ ہو بلکہ جن یا بھوت ہو۔ اگر وہ دو گواہ پیش کرے تو وہ کہہ سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ یہ انسان نہ ہوں بلکہ غول بیابانی ہوں۔ علیٰ ہذا ایک قاتل عدالت میں پیش کیا جائے وہ بیان کرے کہ میں نے قتل نہیں کیا ممکن ہے کہ کوئی جن میرا ہمشکل بنگیا ہو۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ مذہب جعفری جس کو تم حق سمجھتے ہو ممکن ہے کہ امام جعفر سے نہ مروی ہو بلکہ کسی جن سے ہو جس نے ان کی شکل اختیار کر لی ہو۔ الغرض وہ اب کے بھی ساکت ہوا اور ایک حرف آگے نہ چل سکا۔

اب میں نے دوسرا سوال پیش کیا اور پوچھا کہ ظالم خلیفہ کے افعال کی بابت تمہارا کیا عقیدہ ہے؟

ملا باشی :۔ غیر نافذ ہیں شرعاً اور دیانتاً۔

میں :۔ یہ بتایئے کہ حضرت علی کے بیٹے محمد بن الحنفیہ کی والدہ کس قبیلہ کی تھیں؟ اور کس نے اُن کو مال غنیمت میں حاصل کیا تھا؟

ملا باشی :۔ میں نہیں جانتا (میرے خیال میں اس نے صحیح نہیں کہا کیونکہ ممکن نہیں کہ وہ اس بات کو نہ جانتا ہو) لیکن علمائے شیعہ میں سے ایک نے کہا کہ وہ بنی حنیفہ میں سے تھیں۔

اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اُن کے حکم سے بنی حنفیہ کے ساتھ جو لڑائی ہوئی تھی اس میں گرفتار ہو کر قیدیوں کے ساتھ آئی تھیں۔

میں: پھر حضرت علی نے یہ کیسے جائز سمجھا کہ خلیفۂ ظالم کے مال غنیمت میں سے کنیز لیکر اس سے اولاد پیدا کریں۔ اس معاملہ میں تو نہایت احتیاط کی ضرورت تھی۔

ملاباشی: ہوسکتا ہے کہ حضرت علی نے اس کو خود بنی حنیفہ سے بطور ہبہ کے مانگ لیا ہو۔

میں: اس کی کوئی دلیل؟

اسپر ہر طرف خاموشی تھی۔

میں: میں نے قصداً احتیاط رکھی کہ کوئی حدیث یا کوئی آیت آپ کے سامنے پیش نہ کروں اس لئے کہ ممکن ہے کہ ہم دونوں اس کی صحت یا اس کی تاویل میں متفق نہ ہوں۔ اور استدلال صرف انھیں باتوں سے ہوسکتا ہے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہوں۔ میرے یہ دونوں سوالات عقل و عرف کی بنا پر تھے۔

اس مناظرہ کی لفظ بہ لفظ صحیح صحیح خبریں شاہ تک پہنچ گئیں۔ اُس نے حکم دیا کہ جملہ علماء باہم جمع ہو کر مکفرات کو اُٹھا دیں اور ایک دوسرے کی تکفیر سے دستبردار ہو جائیں۔ اور میں ان کا حکم رہوں۔ اس لئے ہم سب ملا باشی کے خیمہ سے نکلکر اس مجمع کی طرف چلے جو ضریح علیؓ کے متصل اس غرض کے لئے جمع ہوا تھا۔

علماء ایران کی تعداد ۷۰ تھی جن میں سے صرف ایک شخص مفتی اردلان سُنی تھا اور باقی سب شیعہ۔ ان میں سے ممتاز حضرات کے نام میں نے اسی وقت لکھ لئے تھے۔

(۱) ملاباشی علی اکبر (۲) مفتی رکاب آقا حسین (۳) ملا محمد امام لاہجان (۴) آقا شریف مفتی مشہد رضا (۵) میرزا برہان قاضی شروان (۶) شیخ حسین مفتی اردمیہ (۷) میرزا ابوالفضل مفتی قم (۸) حاجی صادق مفتی جام (۹) سید محمد مہدی امام اصفہان (۱۰) حاجی محمد زکی کرمانشاہ (۱۱) حاجی محمد شامی مفتی شیراز (۱۲) میرزا اسداللہ مفتی تبریز (۱۳) ملا طالب مفتی مازندران (۱۴) ملا محمد مہدی نائب صدر مشہد۔ (۱۵) ملا محمد صادق مفتی خلخال (۱۶) محمد مومن مفتی استرآباد (۱۷) سید محمد تقی مفتی قزوین (۱۸) ملا محمد حسین مفتی سبزوار (۱۹) سید بہاء الدین مفتی کرمان (۲۰) سید احمد مفتی اردلان شافعی۔

افغانستان کے علماء جو سب کے سب حنفی تھے حسب ذیل تھے:۔

(۱) شیخ فاضل ملا حمزہ قلنجانی مفتی افغانستان (۲) ملا امین قلنجانی قاضی افغانستان (۳) ملا دنیا

خلقی (۴) ملا طٰہٰ افغانی مدرس مدرسہ نادر آباد (۵) ملا نور محمد قلنجانی (۶) ملا عبدالرزاق قلنجانی (۷) ملا ادریس ابدالی۔

تھوڑے عرصہ کے بعد علماء ترکستان آئے جن کی تعداد سات تھی۔ ان کے آگے آگے ایک شیخ تھا جس کے چہرہ سے رعب اور وقار برستا تھا۔ ایک بڑا عمامہ سر پر۔ دیکھنے والے کو خیال گزرتا تھا کہ امام اعظم کے شاگرد رشید امام ابو یوسف چلے آرہے ہیں۔ ایرانیوں نے اس خیال سے کہ میں ان سے کوئی بات نہ کرسکوں مجھسے پندرہ آدمیوں کے فاصلہ پر بائیں طرف اُن کو بٹھایا۔ اسی طرح افغانی علماء کو بھی دائیں طرف مجھ سے دور جگہ دی۔ ترکستانی علماء کے نام یہ ہیں:۔

(۱) علامہ ہادی خواجہ بحر العلم قاضی بخارا حنفی (۲) میر عبداللہ صدر بخارا حنفی (۳) قلندر خواجہ بخاری حنفی (۴) ملا امید صدر بخاری حنفی (۵) بادشاہ میر خواجہ بخاری حنفی (۶) میرزا خواجہ بخاری حنفی (۷) ابراہیم بخاری حنفی۔

جب مجلس بیٹھ چکی ملا باشی نے بحر العلم کو مخاطب کیا اور کہا کہ آپ اس شخص (میری طرف اشارہ کرکے) کو پہچانتے ہیں۔ بحر العلم نے کہا کہ نہیں۔ ملا باشی نے کہا کہ یہ فضلاء اہل سنت میں سے ہیں شیخ عبداللہ آفندی۔ ان کو احمد پاشا والی بغداد نے شاہ کے حسب طلب بھیجا ہے تاکہ اس مجلس میں ہمارے نگراں اور شاہد رہیں۔ شاہ نے ان کو اپنا وکیل بنا دیا ہے۔ جن امور پر ہمارا اتفاق ہوتا جائیگا یہ شاہد رہیں گے۔ لہٰذا آپ ان تمام امور کو بیان کریں جن کی بنا پر ہم شیعوں کی تکفیر کرتے ہیں تاکہ اگر واقعی وہ موجب کفر ہوں تو ہم اس سے باز آجائیں۔ ورنہ حقیقت میں تو ہم کافر نہیں ہیں خود امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی۔ چنانچہ جامع الاصول میں ہے کہ اسلام کے پانچ مذاہب ہیں جن میں سے ایک مذہب جعفری بھی ہے۔ اسی طرح صاحب مواقف نے بھی امامیہ کو اسلام کا اک فرقہ تسلیم کیا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کا قول فقہ اکبر میں ہے کہ ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں سمجھتے۔ شرح ہدایہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ صحیح یہ ہے کہ امامیہ اسلام ہی کا ایک فرقہ ہے۔ لیکن باوجود متقدمین کی ان تصریحات کے بھی متاخرین نے غلو اور تعصب سے کام لیکر ہم کو کافر بنانا شروع کیا جسطرح ہمارے فرقہ کے لوگوں نے آخر میں سنیوں کی تکفیر شروع کردی۔ حالانکہ نہ ہم کافر تھے نہ تم۔

بہرصورت ہمارے اندر کوئی جو باتیں آپ کے خیال میں ہوں اُن کو ظاہر کیجیئے۔

[illegible]

بحر العلم :۔ تم صحابہ کرام کو کفار، مرتد اور گمراہ کہتے ہو ۔

ملا باشی :۔ سارے صحابہ عدول ہیں ۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ۔

بحر العلم :۔ متعہ کو حلال سمجھتے ہو ۔

ملا باشی :۔ متعہ حرام ہے جو اس کی حلت کا قائل ہو وہ سفیہ ہے ۔

بحر العلم :۔ تم علیؓ کو ابو بکرؓ پر فضیلت دیتے ہو اور کہتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی خلیفۂ برحق تھے

ملا باشی :۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں سب سے افضل ابوبکر ۔ پھر عمر ۔ پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں اور ان کی خلافتیں بھی اسی ترتیب کے ساتھ ہیں ۔

بحر العلم :۔ تمہارا اصول اور عقیدہ کیا ہے ؟

ملا باشی :۔ ہم ابو الحسن اشعری کے عقیدہ پر ہیں ۔

بحر العلم :۔ شرط یہ ہے کہ شرع کی کسی حلال چیز کو حرام یا حرام کو حلال نہ بناؤ ۔

ملا باشی :۔ یہ شرط منظور ہے ۔

بحر العلم نے اس کے بعد کچھ اور شرطیں بھی پیش کیں جن کو کفر سے کوئی علاقہ نہ تھا ۔ ملا باشی نے ان سب کو قبول کیا ۔ پھر کہا کہ جب ان سب امور کے ہم پابند ہو گئے تو اب تم کو ہمارے مسلمان شمار کرنے میں کیا عذر ہے ؟

بحر العلم :۔ شیخین پر تبرا کفر ہے ۔

ملا باشی :۔ ہم نے اس کو چھوڑا ۔

بحر العلم :۔ (کچھ دیر تک سکوت کے بعد) لیکن شیخین کو برا کہنا تو کفر ہے ۔

ملا باشی :۔ جناب ہم نے تو اس کو چھوڑ دیا پھر بھی آپ ہم کو کفار ہی کہتے رہیں گے ۔

بحر العلم :۔ بہر صورت سبِ شیخین تو کفر ہے ۔ ؎

مراد بحر العلم کی یہ تھی کہ سبِ شیخین چونکہ کفر ہے اور جس سے کفر صادر ہو مذہب حنفی کے مطابق اس کی توبہ قبول نہیں پھر میں کیسے تسلیم کر لوں کہ یہ شیعہ مسلمان ہیں جبکہ یہ کفر ان سے سرزد ہو چکا ہے ۔

؎ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ سبِ شیخین کفر ہے نہ ناقابلِ توبہ ۔ یہ فتاوے جن لوگوں نے دئے ہیں ان کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص خاص اسباب سے وہ شیعوں سے ذاتی تعصب اور عداوت رکھتے تھے ۔ اسلم

آخر مفتی افغان ملا حمزہ نے کہا کہ ہادی خواجہ! کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت موجود ہے کہ ان سے سب شیخین کا کفر صادر ہوا ہے جو تم ان کی توبہ نہیں قبول کرتے۔ بحر العلم نے کہا کہ نہیں ملا حمزہ نے کہا کہ جب وہ حتمی وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تبرا نہ کہیں گے تو پھر اس کے قبول کر لینے میں کونسی شے مانع ہے۔ اسپر بحر العلم نے کہا کہ اچھا۔ یہ لوگ بھی مسلمان ہیں جو ہمارے حقوق وہ ان کے حقوق۔

جب یہ بات طے ہو گئی تو شیعہ۔ حنفی اور شافعی تینوں فرقوں کے علماء امراء اور اعیان کھڑے ہو گئے۔ باہم مصافحہ اور معانقہ کرنے لگے اور ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے بھائیوں کی طرح بغلگیر ہونے لگے۔

اسوقت ہمارے پس پشت اردگرد عجمی امراء اور تماشائیوں کا ہجوم دس ہزار سے کم نہ تھا۔ جو سب کے سب جوش سرور اور فرط مسرت سے آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے

یہ مجلس بحسن وخوبی چہارشنبہ کے دن مغرب سے پہلے ختم ہو گئی۔ رات کو دس بجے شاہ کی طرف سے ایک آدمی آیا جس نے کہا کہ شہنشاہ آپ کو سلام کہتے ہیں اور آپ کی مساعی کے شکر گزار ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ کل کی مجلس میں جب آج کی باتوں کا عہد و پیمان ہو گا اور ہر فریق محضر پر دستخط کریگا آپ بطور شاہد اور میرے وکیل کے موجود رہیں گے اور محضر کی پیشانی پر خود اپنے قلم سے اپنی شہادت تحریر کرینگے اور مہر لگائیں گے۔

میں نے کہا کہ بسروچشم میں اس حکم کی تعمیل کرونگا۔

دوسرے دن یعنی پنجشنبہ ۲۵ شوال کو ضریح علیؓ کے سامنے دوپہر سے پہلے اجتماع ہوا۔ ہم سب لوگ وہاں پہنچے۔ حاضرین کی تعداد کم سے کم ساٹھ ہزار تھی۔ محضر نامہ سات بالشت کے کاغذ پر فارسی زبان میں لکھا گیا تھا۔ ملا باشی نے مفتی رکاب آقا حسین کو جو بلند آواز شخص تھا اس کے سنانے کا حکم دیا۔ اس نے مجمع عام میں پڑھا۔ اس کا مضمون یہ تھا:۔

> خدا اللہ جل شانہٗ اس دنیا میں سلسلہ وار رسول بھیجتا رہا۔ سب کے آخر میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے اپنا رسول بناکر بھیجا جس پر رسالت ختم کر دی۔ اُن کی وفات کے بعد صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق ابوبکر صدیق بن ابی قحافہ کو ان کا جانشین بنایا اور اُن کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ حضرت علی نے بھی بطیب خاطر بلاجبر و اکراہ بیعت فرمائی۔ اور باجماع صحابہ وہ اُمت کے امیر اور خلیفہ ہو گئے۔ پھر انھوں نے بذریعہ عہد کے عمر بن خطاب کو اپنا جانشین کیا۔ اُن کے ہاتھ پر بھی جملہ اصحاب نے مع حضرت

علی کے خوشی کے ساتھ بیعت کی۔ عمرؓ نے خلافت کو اپنے بعد چھ اُمیدواروں میں بطور شوریٰ کے چھوڑ دیا جن میں سے ایک علی بن ابی طالب بھی تھے۔ کثرت ملنے سے حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے۔ جب وہ اپنے گھر میں باغیوں کے ہاتھ سے شہادت پا گئے اور اُمت بلا خلیفہ کے رہ گئی اسوقت صحابہ نے حضرت علی کو خلیفہ بنایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

یہ چاروں خلفاء ایک زمانہ میں تھے۔ ان میں کبھی باہم کوئی جھگڑا نہیں ہوا بلکہ ہر ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھتا تھا اور اس کی تعریف کرتا تھا۔ یہانتک کہ جب علیؓ سے شیخین کی بابت سوال کیا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ وہ دونوں امام عادل اور برحق تھے اور اسی پر مرے۔ اسی طرح جب حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر لوگ بیعت کرنے لگے تو اُنھوں نے فرمایا کہ تم میں علی موجود ہیں پھر بھی تم میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو۔

اہل ایران! تم کو یقین رکھنا چاہئے کہ ان کی افضلیت اور خلافت اسی ترتیب پر ہے جسطرح بیان کیگئی۔ سو جو شخص اُن کی تحقیر یا اُن کی بابت کوئی ناشائستہ کلمہ زبان سے نکالیگا اُس کا مال۔ اولاد، اور خون سب شہنشاہ کے لئے حلال ہو گا اور اس کے اوپر اللہ۔ ملائکہ اور جملہ بنی نوع انسان کی لعنت ہو گی۔

میں نے صحرا مغان میں تخت نشینی کے وقت یہی عہد لیا تھا۔ اب جو کوئی صحابہ کو بُرا یا شیخین پر تبرا کہیگا اُس کو اس کے اہل و عیال سمیت قید کرونگا اور مال و جائداد ضبط کر لونگا۔ یہ بدعت ایران میں کبھی نہیں تھی۔ اس کا ظہور اسماعیل شاہ صفوی کے عہد ۹۰۵ھ سے ہوا جو اب تمام مُلک میں پھیلی ہوئی ہے۔"

یہ حصہ شاہ کی طرف سے تھا۔ اس کے نیچے چند سطریں تھیں جن میں باشندگان ایران کی طرف سے عہد تھا کہ

"ہم صحابہ کو بُرا نہ کہیں گے۔ اور تبرے سے دستبردار ہوئے۔ خلفاء اربعہ کی فضیلت اور خلافت کے ہم اسی ترتیب کے ساتھ قائل ہیں جو اس محضر میں مندرج ہے۔ جو اس کے خلاف کرے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سارے آدمیوں کی لعنت ہو اور شہنشاہ کے لئے اس کا مال۔ عیال اور خون حلال ہے"

اس کے نیچے علماء و عمائد ایران کے دستخط ہوئے اور اُن کی مہریں لگائی گئیں۔

پھر اس کے بعد یہی مضمون چند سطروں میں کربلا، نجف، حلہ اور خوارزم کے باشندوں کی

طرف سے تھا۔اس پر ان کی مہریں ثبت ہوئیں۔مہر لگانے والوں میں سید نصر اللہ بن قطہ اور شیخ جواد نجفی وغیرہ ممتاز اشخاص تھے۔

پھر اس کے تحت میں چند سطریں علماء افغانستان کی طرف سے تھیں کہ ایرانی جب ان باتوں کی پابندی کریں گے جو اس محضر میں ہیں تو ہم ان کو کافر نہیں سمجھیں گے بلکہ اُن کو اپنے بھائی مسلمانوں کا ایک فرقہ تسلیم کریں گے۔اس کے نیچے ان کے دستخط ہوئے اور اُن کی مہریں لگائی گئیں۔

بعینہ یہی مضمون ترکستانی علماء کی طرف سے بھی تھا۔اُنھوں نے بھی اس پر مہریں لگائیں عنوان پر میں نے اپنی شہادت لکھکر دستخط کئے اور مہر لگائی۔

جب یہ تمام کارروائی ختم ہوگئی تو مجمع سے ایک خوشی کا نعرہ بلند ہوا۔سنی اور شیعہ سب کے سب فرحناک تھے اور نہایت گرمجوشی سے باہم گلے مل رہے تھے۔اس کے بعد شاہ کی طرف سے چاندی کی صینیوں میں خدام حلوے اور مٹھائیاں لئے ہوئے آئے اور خالص سونے کے جڑاؤ عطردان جو عنبر و مشک سے بھرے ہوئے تھے۔اس سے مجمع کی خاطر کی گئی۔

پھر شاہ نے مجھ کو بلایا اور کہا کہ میں آپ کا اور ساتھ ہی احمد خاں (پاشا) کا شکر گزار ہوں کہ مسلمانوں کو باہمی تکفیر اور خونریزی سے بچانے میں سعی فرمائی۔میں از راہِ شکر نہ کہ از راہ فخر یہ کہتا ہوں کہ اس کام کو اللہ نے میرے ہاتھ سے کرایا کہ صحابہ کرام پر تبرا کرنے سے لوگ تائب ہوئے ورنہ سلاطین عثمانیہ نے کسقدر خونریز جنگیں کیں، اور بارہا لشکر لیکر چڑھائی اور لڑائی کرتے رہے مگر یہ سعادت ان کے حصہ میں نہ تھی اور میں نے بلا ایک قطرۂ خون بہائے شاہانِ صفویہ کی اس بدعت قبیح پر جو سارے ملک پر چھائی ہوئی تھی فتح حاصل کرلی۔

میں نے کہا کہ انشاء اللہ سارا ایران جیسے پہلے سُنی تھا اب پھر ہو جائیگا۔شاہ نے کہا رفتہ رفتہ۔اس کے بعد سر اُٹھاکر بولا کہ میں اگر فخر کروں تو کہہ سکتا ہوں کہ میری ذات اسوقت مجموعہ ہے چار عظیم الشان سلاطین کا یعنی ہندوستان۔افغانستان۔توران اور ایران کیونکہ ان چاروں ممالک کی زمام حکومت میرے ہاتھ میں ہے۔لیکن رفع تبرا کسی کے بس کی بات نہ تھی تائید الٰہی سے یہ امر حاصل ہوا ہے اور چونکہ میں ذریعہ ہوں اسلئے تمام عالم اسلامی کی یہ خدمت مجھ سے ہوئی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ صحابہ کرام میرے اس فعل سے خوش ہونگے اور آخرت میں میری شفاعت کرینگے۔

اس کے بعد مجھے کہا کہ تم ابھی ٹھہر جاؤ۔کل جمعہ ہے اور میں نے حکم دیا ہے کہ جامع کوفہ

ں جمعہ پڑھا جائے اور منبر پر حسب ترتیب خلفاء کا نام لیا جائے۔ آخر میں خلیفہ عثمانی کے لئے
ا کی جائے اس کے بعد میرے لئے کیونکہ میں اُن کو اپنا بڑا اور بزرگ بھائی سمجھتا ہوں۔ اُن
باپ دادا پشت ہا پشت سے اسلام کی خدمت کرتے چلے آئے ہیں اور تم جانتے ہو کہ میں جب
یا میں آیا تو میرا باپ سلطان نہ تھا۔

میں دربار سے واپس آیا۔ دیکھا کہ ہر ہر خیمہ میں ایرانی بیٹھے ہوئے اسی میثاق کا تذکرہ کرتے
ں اور اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے فضائل آیات و احادیث سے نکالتے اور شاہان صفویہ
اس رسم تبرا پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔

دوسرے دن اعتماد الدولہ ظہر کے وقت مجھے لینے کے لئے آیا کہ چل کر جمعہ میں شرکت کروں
ں نے کہا کہ جامع کوفہ میں حنفیہ کے نزدیک بھی جمعہ نہیں ہو سکتا کیونکہ آبادی نہیں ہے اور
افعیہ کے نزدیک بھی کیونکہ باشندوں کی تعداد چالیس تک نہیں پہونچتی۔ اُس نے کہا کہ
پ جمعہ نہ پڑھیں وہاں تو صرف آپ کی موجودگی درکار ہے۔ چنانچہ میں گیا۔ جماعت میں امرأ
وانین۔ علماء اور عوام تقریباً پانچ ہزار تھے۔ منبر پر شاہی امام تھا۔ اس نے خطبہ میں خلفاء کا
سب ترتیب نام لیا اور اُن کی مدح کی پھر خلیفۂ عثمانی اس کے بعد نادر شاہ کے لئے دعا مانگی
ر امامیہ کے قاعدہ کے مطابق نماز پڑھائی۔ شام کے وقت شاہ نے مجھے واپسی کی اجازت دی
ر میں بغداد کو روانہ ہوگیا۔

صاحب جہاں کشائے نادری نے لکھا ہے کہ نادر شاہ نے مرزا محمد علی نائب وزیر کو روانہ
یا کہ وہ تمام ایران میں دورہ کرکے خطبوں میں خلفاء اربعہ کا نام داخل کریں اور سارے ملک
یں اس محضر کی اشاعت کرکے تعمیل کرائیں۔

باب عالی میں بھی یہ ساری کیفیت لکھکر درخواست کی کہ اب خلیفہ کو اس کے پانچوں
مطالبات منظور کر لینے چاہئیں۔

ایک مدت تک سفیروں کی آمد و رفت ہوتی رہی مگر ترکی کے شیخ الاسلام اور سلطان
محمود خاں نے اس کی دو باتوں سے انکار کر دیا یعنی نہ مذہب جعفری کی صحت تسلیم کی نہ کعبہ
یں پانچواں مصلےٰ منظور کیا۔ باقی تین مطالبے تسلیم کر لئے۔

نادر شاہ بھی مصلحت وقت دیکھکر ان دو امور کے مطالبہ سے دست بردار ہوگیا۔ بالآخر

محرم سنہ ۱۱۶۰ھ میں فریقین میں عہد مصالحت لکھا گیا جس پر سلطان کی طرف سے نطیف آفندی عثمانی سفیر نے دستخط کئے۔

تحریف قرآن اور شیعہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

(از جناب محمد عباس صاحب طالب صفوی)

حضرات اہل تشیع کی روایات تحریف کو اس طرح پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) احتجاج طبرسی کی زندیق والی روایت کا ٹکڑا "فزادوا فیہ ماظھر تناکرہ وتنافرہ یعنی اس میں[1] ایسے جملے زیادہ ہو گئے (حسب ترجمہ مولانا علی نقی) یا انھوں نے اس میں وہ بڑھا دیا۔ (حسب ترجمہ نامہ نگار ان النجم) جن کا تناکر اور تنافر ظاہر ہے" ظاہر کرتا ہے کہ قرآن مجید میں العیاذ باللہ زیادتی ہوئی۔ مولانا علی نقی صاحب سرپرست امامیہ مشن نے اپنی تصنیف "تحریف قرآن کی حقیقت" میں اس فقرے کی یہ تاویل فرمائی ہے کہ عدم ترتیب مطابق تنزیل کی وجہ سے غیر مربوط فقرے موجود ہو گئے مگر حق یہ ہے کہ اس تاویل سے کہیں بہتر ہے وہ صاف قول جو مولانا علی نقی صاحب نے "تحریف قرآن کی حقیقت" کے صفحہ ۱۰۴ پر درج کیا ہے۔ فرماتے ہیں " اس کی کوئی اطمینان بخش کیسی غیر اطمینان بخش سند بھی نہیں ہے یعنی علامہ طبرسی نے اس کو بغیر کسی اسناد کے مرسل طور پر نقل کیا ہے۔ رہ گیا ان کا دیباچہ میں یہ کہدینا کہ میں ان روایات کو نقل کرونگا جو میری نظر میں مستند اور قابل وثوق ہیں یہ کسی صورت سے اس روایت کے اعتبار کی دلیل نہیں ہو سکتا اسلئے کہ ان کی نظر میں کسی روایت کا قابل اعتبار ہونا اس کو محققانہ میزان پر قابل اعتبار نہ بنا دیگا ورنہ تحقیق رجال کا دروازہ بالکل بند ہو جاتا اور علماء کے روایات تحقیق رجال سے مستغنی سمجھے جاتے حالانکہ تحقیق شیود علماء شیعہ نے تو اصول کافی کی احادیث کو بھی جرح وتعدیل کے موازنہ سے بلند نہیں قرار دیا ہے"۔

(۲) تفسیر علی بن ابراہیم قمی تفسیر عیاشی وغیرہ کی وہ غیر مسند روایات جن سے قرآن حکیم میں کمی ثابت ہوتی ہے ان کو درج کرنا ہم نے اسلئے عبث سمجھا کہ غیر مسند روایات باتفاق فریقین لاشئے ہیں اور حجت نہیں ہو سکتیں۔

(۳) اصول کافی کی وہ مسند روایات جن میں تغیر وتبدل اور آیات کی کمی کا ذکر ہے۔ مولانا

[1] یعنی قرآن میں (بلاغ)

ں نقی صاحب مجتہد لکھنؤ نے اپنی تصنیف "تحریف قرآن کی حقیقت" میں امام اہلسنت مولنیا بدالشکور صاحب کا تتبع فرماکر تمام روایات تحریف کو روایات تفسیر فرمایا ہے لیکن اصل یہ ہے نہ حضرات اہلسنت کی روایات تحریف محض مولانا عبدالشکور کی تاویل سے تفسیری روایات ں سکتی ہیں اور نہ حضرات شیعہ کی روایات تحریف صرف مولنا علی نقی کے فرمانے سے روایات نسیری جاسکتی ہیں۔ ضرورت ہے اور شدید ضرورت ہے کہ اس قسم کی تمام روایات کا ضعف اہر کیا جائے اور اسی لئے میں نے اصول کافی کی تمام روایات تحریف کا ضعف ظاہر کرنے ارادہ کیا ہے وما توفیقی الا باللہ۔

کافی میں ایک باب ہے انہ لم یجمع القرآن کلہ الا الائمۃ لیکن خلاف توقع اس میں وئی روایت تحریف نہیں ہے ہاں باب فیہ نکت ونتف من التنزیل میں تغیر وتبدل کا کر ہے اور کتاب فضل القرآن میں آیات کی کمی کا ذکر ہے اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان پر بے لاگ بصرہ کرینگے۔

باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ کی ابتدائی سات روایات ذکر تحریف سے خالی ہیں مگر پھر بھی غیر معتمد راویوں کی وجہ سے انھیں صحیح نہیں کہا جاسکتا۔

آٹھویں روایت حسب ذیل ہے:۔

لحسین بن محمد عن معلی بن محمد عن علی بن اسباط عن علی ن ابی حمزۃ عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ فی قول اللہ عزوجل مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فِیْ وِلَایَةِ عَلِیٍّ وَالْاَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِہٖ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا[1] هکذا نزلت	حضرت ابو عبداللہ سے منقول ہے کہ یہ آیت یوں نازل ہوئی تھی وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ الخ

اس روایت کے چوتھے راوی علی بن ابی حمزہ کے متعلق علماء رجال کا ارشاد ہے۔

ذاب متہم" (رجال شیخ) لہذا یہ روایت موضوع ہے۔

نویں روایت:۔

لحسین بن محمد عن معلی بن محمد عن احمد بن النضر عن محمد بن مروان رفعہ الیہم فی قول اللہ عزوجل وَمَا کَانَ	محمد بن مروان نے مرفوعاً خدا کے قول وَمَا کَانَ

لہ جو شخص علی اور اس کے بعد والے اماموں کی ولایت کے تسلیم کرنے میں اللہ واس کے رسول کی اطاعت کریگا وہ بڑی کامیابی حاصل کریگا۔ بلاغ

[۵۱] لكم ان تؤذوا رسول الله في ولاية علي والائمة كالذين اذوا موسىٰ فبرّاه الله مما قالوا	لکم الخ میں روایت بیان کی ہے۔

اوّل تو یہ روایت مرفوع ہے اور دوسرے یہ کہ اس کے دوسرے راوی معلی بن محمد کو "مضطرب الحدیث والمذہب" (نقد الرجال مطبوعہ طہران ص ۳۴۹) کہا گیا ہے لہٰذا یہ روایت موضوع ہے روایات یازدہم تا بست وچہارم تفسیر سے متعلق ہیں مگر معلی بن محمد مفضل بن صالح وغیرہما کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

پچیسویں روایت

علي بن ابراهيم عن البرقي عن ابيه عن محمد بن سنان عن عمار بن مروان عن منخل عن جابر عن ابي جعفرؑ قال نزل جبرئيلؑ بهذه الاية على محمدؐ بئس [۵۲] ما اشتروا به انفسهم ان يكفروا بما انزل الله في علي بغيا	حضرت ابو جعفرؑ سے منقول ہے کہ حضرت جبرئیلؑ رسول مقبولؐ پر یہ آیت یوں لیکر نازل ہوئے بئس

ما اشتروا بہ الخ

مولینا عبد الشکور صاحب سرپرست النجم نے بعض روایات تحریف میں ایک نئی تاویل سے کام لیا تھا یعنی "تفسیری الفاظ بعض صحابہؓ نے یادداشت کے لئے اپنے مصحف میں لکھ لئے تھے۔ علوم قرانیہ کی کتب عالیہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اکثر درس قرآن کے وقت تفسیری الفاظ بھی اصل الفاظ قرآنی کے ساتھ پڑھ دیتے تھے اور بعض نے اپنے مصحف میں لکھ لئے تھے۔ اس زمانے میں اشتباہ والتباس کا اندیشہ نہ تھا" (تنبیہ الحائرین ص ۹۹ وحاشیہ ص ۹۹) مولینا علی نقی صاحب نے بھی مختلف روایات پیش فرما کر دکھایا ہے کہ شیعوں کی روایات تحریف حقیقۃً روایات تفسیر ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ جب ان روایات کا ضعف ظاہر ہے تو کوئی تاویل کیوں کی جائے؟ مندرجہ بالا روایت کے چوتھے راوی محمد بن سنان کے متعلق رجال کشی میں ہے ان من

[۵۱] تم کو مناسب نہیں کہ اللہ کے رسول کو علی اور اماموں کی ولایت کے بارے میں ایذا دو ان لوگوں کی طرح جنہوں نے موسیٰ کو ایذا دی۔ پھر اللہ نے اس کو بری کر دیا اُن باتوں سے جو اُنھوں سے جو اُنھوں نے کہیں۔ بلاغ

[۵۲] علی کے متعلق اللہ تعالےٰ نے جو کچھ نازل فرمایا اس کا کفر کرنے والوں نے سرکشی کے سبب بُرا سودا کیا۔ بلاغ

الکذابین المشہورین ابن سنان یعنی ابن سنان کا شمار مشہور جھوٹوں میں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔

چھبیسویں روایت :-

وبھذا الاسناد عن محمد بن سنان عن عمار بن مروان عن منخل عن جابر قال نزل جبرئیل بھذہ الآیۃ علی محمدؐ ھکذا اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فِیْ عَلِیٍّ فَأْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ[1]	اسی سند سے حضرت جابر سے منقول ہے کہ حضرت جبرئیل رسول پاکؐ پر

یہ آیت یوں لائے اِنْ کُنْتُمْ الخ

محمد بن سنان کی وجہ سے یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ستائیسویں روایت :-

وبھذا الاسناد عن محمد بن سنان عن عمار بن مروان عن منخل عن ابی عبد اللہؑ قال نزل جبرئیل علی محمد بھذہ الآیۃ ھکذا یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا فِیْ عَلِیٍّ نُوْرًا مُّبِیْنًا[2]	حضرت ابو عبد اللہؑ سے منقول ہے کہ جناب جبرئیل یہ آیت یوں رسول صلعم

کے پاس لیکر نازل ہوئے یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ الخ

یہ عجیب روایت بھی محمد بن سنان کے کذب انگیز دماغ کا نتیجہ ہونے کی وجہ سے موضوع ہے روایات بست وہشتم بست ونہم وسی وسی ویکم ذکر تحریف سے خالی ہیں۔

بتیسویں روایت :-

الحسین بن محمد عن معلی بن محمد عن عبد اللہ بن ادریس عن محمد بن سنان عن الرضاؑ فی قول اللہ عزوجل کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ بولایۃ علی مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ یا محمد من ولایۃ علیؑ ھکذا فی الکتب مخطوطہ[3]	حضرت رضاؑ سے منقول ہے کہ کتاب مخطوطہ میں یہ آیت یوں ہے کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ الخ

[1] اگر تم شک میں ہو اُن باتوں سے جو ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر علی کے بارے میں نازل کی ہیں تو اس مثل کوئی ایک سورت لے آؤ۔ بلاغ

[2] اے اہل کتاب! اُن باتوں پر ایمان لاؤ جو ہم نے علی کے بارے میں روشن واضح کرکے اُتار ہیں۔ بلاغ

[3] اے محمد! علی کی جس ولایت کی طرف تو مشرکین کو بلاتا ہے وہ اُن کو بہت گراں گزرتی ہے۔

محمد بن سنان کی وجہ سے یہ روایت بھی موضوع کہی جائیگی۔

روایات سی وسوم تا چہل وششم تفسیری روایات ہیں مگر معلی بن محمد وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

سینتالیسویں روایت :۔

علی بن ابراھیم عن احمد بن محمد بن خالد عن محمد بن سلیمان عن ابیہ عن ابی بصیر عن ابی عبداللہ علیہ السلام فی قولہ تعالے سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ واقعٍ للکفرین بولایۃ علیٍّ لیس لہ دافع ثم قال ھکذا واللہ نزل بھا جبرئیل علی محمدؐ	علی بن ابراہیم نے احمد سے اُنھوں نے محمد بن سلیمان سے اُنھوں نے اپنے باپ سے اُنھوں نے ابوبصیر سے

اُنھوں نے حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ یہ آیت یوں نازل ہوئی سال سائل بعذاب واقع الخ

اس کے تیسرے راوی محمد بن سلیمان کے متعلق رجال غضائری میں ہے "ضعیف فی حدیثہ مرتفع فی مذھبہ لایلتفت الیہ یعنی ضعیف الحدیث اور مرتفع المذہب تھا اس کی طرف توجہ نہیں کرنا چاہیئے" ظاہر ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ نظر بر اینکہ محمد بن سلیمان کے باپ کو علماء رجال نے جھوٹا لکھا ہے اسے موضوع کہنا چاہیئے۔

روایات چہل وہشتم تا پنجاہ وششم ذکر تحریف سے خالی ہیں مگر ابوجمیلہ۔ ابن ابی حمزہ وغیرہما کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

ستاونویں روایت :۔

احمد بن مہران عن عبدالعظیم بن عبداللہ عن محمد بن الفضل عن ابی حمزۃ عن ابی جعفرؑ قال نزل جبرئیل بھذہ الایۃ علی محمدؐ ھکذا فبدل الذین ظلموا آل محمدؐ حقھم قولاً غیر الذی قیل	حضرت ابوجعفر سے منقول ہے کہ یہ آیت یوں نازل ہوئی فبدل الذین ظلموا

لہ ایک سائل نے کافروں پر علی کی ولایت میں نازل ہونے والے عذاب کے متعلق دریافت کیا۔ جس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں ہوگا۔ بلاغ

لہ وہ لوگ جنہوں نے آل محمد کے حق میں ظلم کیا تھا اس بات کو بدل ڈالا جو اُن سے کہی گئی تھی تو ہم نے آل محمد کے حق میں ظلم کرنے والوں پر اُن کے فسق کے سبب آسمان سے عذاب نازل کردیا۔ بلاغ

لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اٰلَ مُحَمَّدٍ حقهم رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ	اٰل محمدؐ الخ

قطع نظر ازیں امر کہ اس کا تیسرا راوی محمد بن الفضل مجہول ہے اسی روایت کے پہلے راوی احمد بن مہران کو علامہ غضائریؒ نے اپنے رجال میں ضعیف قرار دیا ہے اسلئے یہ روایت ضعیف ہے

اٹھاونویں روایت :-

وبهذا الاسناد عن ابی جعفرؑ قال نزل جبرئیلؑ بهذه الآية هكذا اِنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اٰلَ محمدؐ حقهم لم يكن الله ليغفر لهم ولا ليهديهم طريقًا اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ثم قال يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فی ولاية علیؑ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا بولاية علیؑ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ	اسی سند سے حضرت ابوجعفرؑ سے منقول ہے کہ جبرئیلؑ یہ آیت یوں لیکر نازل ہوئے اِنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اٰل محمدؐ الخ پھر ارشاد ہوا يٰاَيُّهَا النَّاسُ الخ

یہ روایت بھی احمد بن مہران کی جدت طبع کا نتیجہ ہے اور ضعیف ہے۔

انسٹھویں روایت :-

احمد بن مهران عن عبد العظيم عن بكار عن جابر عن ابی جعفرؑ قال هكذا نزلت هذه الآية وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ فی علیؑ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔	حضرت ابوجعفرؑ سے منقول ہے کہ یہ آیت یوں نازل ہوئی وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ فی علیؑ الخ

یہ روایت بھی احمد بن مہران کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ساٹھویں روایت ضعیف تو ہے مگر ذکر تحریف سے خالی ہے۔

سلہ بلاشبہ جن لوگوں نے آل محمد کا حق غصب کیا اللہ اُن کو معاف نہیں کریگا اور نہ اُن کو جہنم کی راہ کے سوا کوئی راہ دکھائیگا - جس میں کہ وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے - یہ کام اللہ پر بہت آسان ہے (بلاغ)

سلہ اے لوگو! بیشک تمہارے پاس اللہ کا رسول اپنے پروردگار کی طرف سے علی کی ولایت سے متعلق حق لیکر آیا ہے، پس تم ایمان لاؤ تمہارے حق میں بہتر ہے - اگر علی کی ولایت کا کفر کروگے تو (یاد رکھو) بلاشبہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے - اللہ ہی کے لئے ہے (بلاغ)

سلہ اگر وہ اُن باتوں پر عمل کرتے جن کی اُن کو نصیحت کی جاتی ہے علی کے بارے میں تو ضرور وہ ان کے حق میں بہتر ہوتا (بلاغ)

اکتیسویں روایت :-

احمد عن عبدالعظیمؒ عن الحسین بن میاح عمن اخبرہ قال قرا رجل عند ابی عبداللہؑ قل اعملوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ قال لیس ھکذا ھی انما ھی والمامونون ونحن المامونون

احمد نے حضرت عبدالعظیمؒ سے انھوں نے حسین بن میاح سے انھوں نے جس نے انھیں خبر دی اس سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوعبداللہ کے سامنے یہ آیت پڑھی قل اعمل ..... والمومنون ارشاد ہوا والمومنون نہیں بلکہ والمامونون، اور ہم مامونون ہیں۔

اوّل تو یہ روایت مرسل ہے یعنی نہیں معلوم کہ حسین بن میاح سے کس نے اس روایت کو بیان کیا اور دوسرے یہ کہ خود حسین ابن میاح ضعیف اور غالی تھا (رجال غضائری) لہذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

باسٹھویں روایت :-

احمد عن عبدالعظیمؒ عن ھشام بن الحکم عن ابی عبداللہؑ قال ھذا صراط علیّ مستقیم۔

احمد نے حضرت عبدالعظیمؒ سے انھوں نے جناب ہشامؒ سے انھوں نے حضرت ابوعبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ھذا صراط علیّ مستقیم[1]

امام اہلسنت مولینا عبدالشکور صاحب نے تنبیہ الحائرین کے صفحہ ۹۳ پر در منثور کی ایک روایت (جس میں یہ ذکر ہے کہ بعض صحابہ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى کے بجائے وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى پڑھتے تھے) کا یہ جواب دیا ہے "اسی کو اختلاف قرأت کہتے ہیں لہذا اس روایت سے صرف اس قدر معلوم ہوا کہ یہ آیت دونوں قرأتوں کے ساتھ نازل ہوئی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قرأتیں صحابہؓ کو تعلیم دی ہوں کسی کو یہ کسی کو وہ۔ حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابن مسعود کو صرف وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى کی تعلیم دی۔ دوسروں کو وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى کی۔ اس قسم کا اختلاف نسخ دوسرے مصنفین کی کتب میں بھی ہوتا ہے اور جو اختلاف نسخ خود مصنف کا مجوزہ ہوتا ہے اس کو کتاب کی غلطی یا کمی بیشی نہیں کہا جاتا کما لا یخفی" قرآن مجید کی سات قرأتوں کا مسئلہ بھی وہ پیچیدہ مسئلہ ہے کہ معاذاللہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ رسول مقبول صلعم اتنی مختلف

[1] یہ علی کی سیدھی راہ ہے۔ (بلاغ)

قرأتیں کیوں تعلیم فرماتے تھے جن کے معنی بھی بدل جایا کریں جیسا کہ وما خلق الذکر والانثیٰ اور والذکر والانثیٰ کے معنی متبائن ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ بقول حضرت ابن کثیر بعض مقامات پر جمہور کی قرأت رسول مقبول صلعم کی قرأت سے بھی قطعاً علیحدہ ہے (تفسیر محمدی پارہ اول ص۳۲ کالم ۱ سطر ۲۵ - ۲۷) افسوس ہے کہ مولینا علی نقی صاحب نے باوجود اس کے کہ شیعہ مذہب میں سات قرأتوں کی کوئی روایت نہیں ہے بلکہ ان کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن خدائے واحد نے حرف واحد یعنی ایک قرأت پر نازل کیا اپنی تصنیف میں بعض روایات کی تاویل اختلاف قرأت سے فرمانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ان روایات کا ضعف اظہر من الشمس ہے تو خواہ مخواہ مولینا عبدالشکور صاحب کے مناظرانہ رنگ کی تقلید کیوں کی جائے؟ مندرجہ بالا روایات کے متعلق کہا جا سکتا تھا کہ مامونون و مومنین اور صراط و صراط علیٰ اختلاف قرأت پر مبنی ہیں لیکن جب دونوں روایات کے راوی نہایت ضعیف ہیں تو ہم اس طرح کی دور از کار تاویلیں کیوں کریں؟ روایت شصت و یکم کا ضعف اس سے قبل دکھایا جا چکا ہے۔ اب رہی روایت شصت و دوم تو وہ احمد بن مہران کی وجہ سے قطعاً ضعیف ہے (ملاحظہ ہو رجال غضائری)

ترسٹھویں روایت:۔

احمد عن عبد العظیم عن محمد بن الفضیل عن ابی حمزۃ عن ابی جعفرؑ قال نزل جبرئیلؑ بھذہ الایۃ ھکذا فابی اکثر الناس بولایۃ علیٍ فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا للظلمین من آل محمدؐ ناراً ۵	حضرت ابوجعفرؑ سے روایت کی گئی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اس آیت کو یوں لیکر نازل ہوئے فابی اکثر الناس

بولایۃ علی فمن شاء فلیومن الخ

یہ روایت بھی احمد بن مہران کی جدت فکر ہونے کی وجہ سے یقیناً ضعیف ہے۔ چونسٹھویں روایت سے آخر باب تک کی روایات ذکر تحریف سے خالی ہیں۔ اسلئے اُن پر تنقید کرنے سے اعراض کیا جاتا ہے۔ کتاب فضل القرآن میں اور کہیں تحریف کا ذکر نہیں ہے ہاں اس کی آخری روایت میں یہ ذکر ضرور ہے کہ قرآن مجید میں ستر ہزار آیات تھیں۔

مولینا عبدالشکور صاحب سرپرست النجم نے حضرات اہلسنت کی ایک روایت (عن

---

۵ اکثر لوگوں نے علی کی ولایت کا انکار کر دیا پس جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر کرے بلاشبہ ہم نے تو آل محمد سے ظلم کرنیوالوں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے (بلاغ)

ابن عمر قال لایقولن احدکم قد اخذت القراٰن کلہ ما یدریہ ما کلہ قد ذھب منہ قراٰن کثیر یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی تم میں سے یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن یاد کر لیا ہے وہ نہیں جانتا کہ کل قرآن کس قدر تھا کیونکہ بہت سا قرآن جاتا رہا ہے) کی یہ تاویل فرمائی ہے "مقصود حضرت ابن عمر کا درحقیقت یہی ہے کہ قرآن کا بہت سا حصہ منسوخ ہوجانے کی وجہ سے اس مصحف میں نہیں ہے" (تنبیہ الحائرین ص۶۵) حالانکہ محققین اہل سنت کا خیال ہے کہ صرف پانچ آیات منسوخ ہوئی ہیں پھر آخر یہ بہت سا حصہ کہاں چلا گیا؟ ایک شیعہ عالم نے یہ تاویل کی تھی کہ ممکن ہے کہ ستر ہزار آیات سے وقف وغیرہ کا اختلاف مراد ہو لیکن یہ تاویل بھی دور از کار ہے۔ اصل حقیقت بقول مولانا علی نقی صاحب یہ ہے کہ اس کا استناد بھی احمد بن محمد سیاری کی جانب ہے (تحریف قرآن کی حقیقت ص۱۰۳) اور سیاری، فاسد المذہب ضعیف الحدیث تھا (نقد الرجال مطبوعہ طہران ص۳۲) لہٰذا اس ساری روایت کا موضوع ہونا محتاج بیان نہیں۔

حضرات اہل تشیع کی تمام مسند روایات تحریف ختم ہوگئیں۔ ان روایات کے متعلق علم الہدیٰ علیہ الرحمہ کی رائے تھی کہ ضعیف ہیں مگر محدث نوری نے اپنی کتاب فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب میں علامہ جزائری، ملا باقر مجلسی وغیرہما کے اقوال نقل کئے ہیں کہ یہ روایات مستفیض بلکہ متواتر ہیں۔ لیکن اولاً تو علم رجال کے خلاف علامہ جزائری یا ملا باقر مجلسی کا کسی ضعیف حدیث کو مستفیض یا متواتر فرمانا کوئی وقعت نہیں رکھتا اور ثانیاً یہ کہ خود محدث نوری مطعون ہیں اسلئے ان کے قول کو صحیح کیونکر سمجھا جا سکتا ہے۔ محدث نوری کے متعلق علامہ مہدی صاحب "احسن الودیعۃ فی تراجم علماء الشیعۃ" کے یہ الفاظ قابل غور ہیں "وشنع علی المحدث النوری علماء زمانہ یعنی محدث نوری پر اُن کے زمانے کے علماء نے طعن و تشنیع کی" جہاں تک روایت و درایت و علم رجال کا تعلق ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مذہب حضرات شیعہ کے مطابق عقیدہ تحریف ہرگز ثابت نہیں ہے ہاں علماء شیعہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ قرآن موجود کی ترتیب[۵] مطابق تنزیل نہیں ہے اور اس امر میں علماء اہلسنت بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ بے شک کوئی صاحب عالم تحقیق و تدقیق کے بعد اس امر پر بھی ایک فاضلانہ مقدمہ سپرد قلم فرمائیں وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔

[۵] بیشک یہ سچ ہے لیکن موجودہ ترتیب اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ (اس کا جمع کرنا ہمارے ذمہ ہے) اور وَصَّلْنَا لَھُمُ الْقَوْلَ (ہم نے ان کے لئے قرآن کو مرتب کیا ہے) کے مطابق خدائی ترتیب ہے بشری نہیں، تاہم کوئی [illegible] (بلاغ)

بیان

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

قرب

سلسلہ کیلئے دیکھو بلاغ مئی

جب ایک دفعہ قرب حاصل ہوگیا تو انھیں خوش کرنا کونسی بڑی بات ہے۔ چنانچہ انھیں "بھوگ" لگایا جاتا۔ حیوانی قربانی یا "بھینٹ" چڑھائی جاتی، خوشبوئیاں جلائی جاتیں، غرض وہ سب ذرائع استعمال کئے جاتے جس سے ہر ایک انسان خواہ وہ کیسا ہی ناخوش ہو خوش ہو جاتا ہے۔ لیکن نذر و نیاز کا مفہوم قربانی سے کچھ مختلف ہے، نذر و نیاز تو تحفہ تحائف ہیں جو رابطہ دوستی کو مضبوط رکھتے ہیں اور قربانی دیوتاؤں کے غضب کو فرو کرنے کے لئے ہوتی یا گناہوں کا کفارہ خیال کی جاتی، گویا نذر و نیاز تحفہ ہے جو پوجاری خود بخوشی خاطر دیوتا کے حضور پیش کرتا ہے۔ مثلاً پھل، پھول، شراب اور ہر قسم اشیاء اور قربانی کفارہ یا معاوضہ ہے جو دیوتا کا مطالبہ ہے، اور جب دیوتاؤں کا غضب انتہائی درجہ پر پہنچ جائے تو انسانی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ عام عقیدہ تھا جو قرون اولیٰ اور ازمنہ تاریک میں واضح ہو چکا تھا۔ اور اُن ایام کے علماء و حکماء بھی اس عقیدہ سے خالی نہ تھے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ انسان نے خدا کو بھی اپنے حالات پر قیاس کیا اور سچ تو یہ ہے اب بھی کم و بیش کر رہا ہے۔

قربانی کی مختلف صورتیں ہیں، اور اس کے حصہ دار بھی خدا کے ساتھ یا دیوتاؤں کے ساتھ موجود ہیں، دیوتاؤں کا شمار مشکل سے ہو سکتا ہے۔ علوی اور سفلی دیوتا، بحر و بر کے دیوتا، بزرگوں کی ارواح تمام نذر و نیاز اور قربانی کا مطالبہ کرتے ہیں، پانی کے دیوتاؤں کے حضور قربانی نذر آب کی جاتی، اور دیوتاؤں کا خالص حصہ نذر آتش ہوتا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں سوختنی قربانی کا رواج

سلہ توریت اور قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ مذکور ہے کہ اپنے پلوٹھے بیٹے کو اللہ تعالےٰ کے حضور قربان کرنا چاہا، یہ قربانی اس قربانی سے بالکل مختلف ہے جو دیوتاؤں کے غضب کو فرو کرنے کیلئے کی جاتی، توریت میں مذکور ہے کہ پلوٹھا خواہ وہ حیوان کا ہو یا انسان کا مقدس ہے اور اسلئے پلوٹھے کا حق سب پر فائق ہے اور وہی باپ کا جانشین ہوتا، حیوانی پلوٹھا تو قربان کیا جاتا اور انسانی پلوٹھے کا فدیہ حیوانی قربانی میں دیا جاتا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے گرد و پیش بت پرستوں کو انسانی قربانی کرتے دیکھا اسکا اثر دل و دماغ پر ایسا ہوا کہ خواب میں اپنے پلوٹھے کو ذبح کرتے دیکھا۔ خیال پختہ ہوگیا کہ یہ حکم آلٰہی ہے اسلئے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ارشاد الٰہی

نھا جب آگنی کو اہمیت حاصل ہوئی تو ہر ایک پسندیدہ شے اُس کی خوراک ہوگئی۔ زیر زمین دیوتاؤں کے
ے اشیا دفن کی جاتیں۔

قوموں اور قبائل کے معبود اور دیوتا جو اُن کے سرپرست تھے جدا جدا تھے اور ہر ایک دیوتا کو
ئی نہ کوئی حیوان یا شے محبوب ہوتی اور بعض حیوان دیوتاؤں کے نمائندہ سمجھے جاتے۔ اسکی مثالیں
ندوستان میں عام ہیں اور غالباً تمام متمدن اور مہذب اقوام میں ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں
ربانی اپنی ابتدائی صورت میں اب بھی رونما ہوتی ہے، اسلئے اقوام اور قبائل نے بعض اشیا اپنے
ے حرام قرار دی تھیں، لیکن ایک قوم اور قبیلہ کی حرام کردہ شے دوسری قوم اور قبیلہ کے لئے حلال تھی خواہ
ن میں عداوت نہ ہو یا بے تعلق ہوں، ہر ایک دیوتا کے لئے بہت سے حیوانات مقدس تھے، اور اُن کا
رنا "مہا پاپ" سمجھا جاتا، ان دیوتاؤں کی طاقت کا اندازہ اس قوم کی طاقت کا معیار تھا جس کے سرپرست
دیوتا تھے۔ قوموں اور قبائل کی لڑائیاں ان قومی دیوتاؤں کی لڑائیاں تھیں۔ "ہومر" کی نظم کا مطالعہ
رو، تو یہ امر واضح ہو جائیگا۔ ایک دفعہ بنی اسرائیل مخالف قوم پر میدان میں غالب آئے تو شکست خوردہ
م نے یہ سمجھا کہ بنی اسرائیل کا خدا ہمارے خدا پر میدان میں غالب آتا ہے اسلئے پہاڑوں میں لڑنا چاہئے
یکن وہاں بھی شکست کھائی، فرعون مسخرہ جب "یم" میں غرق ہونے لگا تو سمجھ گیا کہ اسرائیلی خدا اس کے
یوتاؤں پر غالب ہے اسلئے موسیٰ اور ہارون اور بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا اور سچ تو یہ ہے کہ خود
ی اسرائیل بھی اللہ تعالیٰ رب العالمین کو ابتدا میں اپنا قومی خدا ہی سمجھتے تھے۔

چونکہ ہر ایک قوم اور قبیلہ کا دیوتا اس کا سرپرست ہوتا اسلئے بعض جرائم جنکا اثر تمام قوم اور قبیلہ
پر پڑتا دیوتاؤں کو غضب میں لاتے، مثلاً خون ناحق، اسلئے قصاص لازم تھا، اور مجرم کا خون ہی دیوتا
کے غضب کو فرو کر سکتا تھا۔ اگر قاتل کا پتہ نہ ملتا تو تمام خاندان اور قبیلہ مجرم ٹھہرتا، اور اس کی تلافی اس طرح
ہ جاتی کہ جان کے عوض کسی اور شخص یا حیوان کی جان قربان کی جاتی، رومی موم یا آٹے کا بت بنا کر قربان
کیا کرتے، یہ بھی ہوتا کہ ایک قبیلہ کا قاتل دوسرے قبیلہ کے مقتول کو جان کے عوض جان جس مرتبہ اور
درجہ کی ہوتی دیدیتا، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، یا خون بہا ادا کرتا، توریت (پیدائش
ب ۴) میں مذکور ہے کہ آدم کے دو بیٹے ہابیل اور قابیل تھے۔ ہابیل کی نذر جو بھیڑ بکری تھی خداوند خدا
نے قبول فرمائی اور قابیل کی نذر جو زمین کی پیداوار تھی قبول نہ ہوئی۔ قبولیت کا اظہار اس برکت سے
ہوتا جو اس قسم کی نذر میں رونما ہوتی۔ قابیل سخت برافروختہ ہوا۔ ہابیل نے کہا کہ اگر تو نے . . . .
. اچھا کام کیا ہوتا تو تیری نذر بھی قبول ہوتی، لیکن قابیل نے حسد کے مارے اپنے بھائی کو مار ڈالا

خدا نے کہا کہ قابیل تیرے بھائی کا خون مجھے زمین سے پکارتا ہے اسلئے تو ملعون ہوا، عام خیال اب بھی یہی ہے کہ نذر نیاز اور قربانی سے کاروبار میں برکت ہوتی ہے۔ اگر ایک ابن آدم کے کاروبار میں برکت نہ ہو تو آتش حسد میں جلکر سیاہ ہوجاتا ہے اور دوسرے بھائی کے درپے آزار ہوتا ہے، قرآن میں بحوالہ توریت یہی قصہ مذکور ہے اور وہاں بھی یہی واضح کیا گیا ہے کہ نذر تو تقوی کے ساتھ قبول ہوتی ہے یعنی ہر ایک برکت کا موجب تقویٰ ہے (۶/۹)

قربانی کی نسبت عام عقیدہ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کا یہ تھا کہ خود خدا یا دیوتا قربانی کا گوشت اور لہو بن جاتا ہے اور جو اُسے کھاتے ہیں ان میں دیوتا کی طاقت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ عقیدہ مسیحی "عشاء ربانی" میں بھی پایا جاتا ہے اور اس کی تائید خود مسیح کے اس قول سے ہوتی ہے کہ شاگردوں کو فرمایا کہ "یہ روٹی میرا گوشت اور شوربا میرا لہو ہے"۔ اب یہ رسم شراب اور روٹی سے ادا ہوتی ہے، کفارہ گناہ کے لئے بھی اہل کتاب میں قربانی جزو مذہب ہے۔ چنانچہ مسیحی عقیدہ بھی یہی ہے اور مسیح کے واقعہ صلیب سے کفارہ گناہ کا عقیدہ اخذ کیا گیا ہے کہ مسیح نے کل دنیا جہان کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر اُٹھالیا، مسیحی عقیدہ کے رو سے یہ انتہائی قربانی ہے کہ خود خدا قربان ہو رہا ہے۔

ہندوستان میں ویدوں کے زمانہ میں قربانی اور سوختنی قربانی عام تھی اور اسی شدومد سے کی جاتی جس سے توریت کے زمانہ میں ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو احبار اول نو باب، لیکن رفتہ رفتہ جب آریہ بزرگ اس ملک کے طول و عرض کو مسخر کر چکے اور خونریزی کی نوبت شاذ ہی آتی تھی تو ان کا ذہن ایسے امور کی طرف متوجہ ہوا جو ان کے شاستروں میں پائے جاتے ہیں۔ ایک بزرگ "کپل منی" پیدا ہوئے اور حیوانی قربانی کے خلاف وعظ فرمایا۔ ایک دفعہ ایک راجہ کے ہاں مہمان تھے۔ راجہ نے ایک گائے ضیافت کے لئے باندھ دی، کپل منی کا گذر اس طرف ہوا تو گائے کو دیکھکر فرمایا کہ "ویدوں پر افسوس" ایک اور رشی جو "کپل منی" سے بحث مباحثہ کا مشتاق تھا گائے میں حلول کر گیا اور بظاہر گائے نے، اور در پردہ اس رشی نے کپل کو کہا کہ "تو ویدوں کی مذمت کرتا ہے" یہ واقعہ مہابھارت میں مفصل مذکور ہے، اسی کپل کے سانکھیہ شاستر پر بدھ مت کی تعمیر ہوئی۔ بدھ کی پیدائش کپل سے ہوئی، یہ ممکن ہے کہ ساکی منی گوتم بھی کوئی بزرگ بعد میں پیدا ہو جس نے اس مت کو فروغ دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کپل کے سانکھیہ شاستر سے "بدھی" یعنی عقل کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض اہل الرائے نے قرآن کے "ذکفل" کو کپل سمجھا ہے، بہرحال ہندوستان میں چند صدیوں تک بدھ مت کا بہت زور تھا اور راجہ اشوک وغیرہ کے عہد میں یہ راج دھرم تھا۔ مثل مشہور ہے کہ "جیسا راجہ ویسی پرجا"

چونکہ "اہنسا پرمودہرما" بدھ مت کا بنیادی اصول تھا اسلئے اس کا اثر عوام الناس پر بھی ہوا اور حیوانی قربانی رفتہ رفتہ موقوف ہوگئی۔ یہانتک کہ ہندؤوں کو گوشت خوری سے بھی نفرت ہوگئی۔ جین مت نے اس میں غلو سے کام لیا، اور کچھ شک نہیں کہ ہندؤوں کے زوال کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے۔

بنی اسرائیل نے مصر سے کچھ تو غلامانہ ذہنیت کے ساتھ خروج کیا تھا، اور کچھ مصری توہمات لیکر آئے تھے، ان میں سے ایک گائے بیل کی عظمت تھی، حضرت موسیٰ کی اُولوالعزمی کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ اپنی قوم کو نہ صرف مصری غلامی سے آزاد کروایا بلکہ ارض کنعان کی سرسبز وادیوں کا مالک بنادیا، یہی وجہ ہے کہ توریت میں بار بار ذرا ذراسی بات پر قربانی کا مذکور ہے۔ غرض یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے دل قوی اور مضبوط ہوں۔

سوختنی قربانی کا مذکور توریت (گنتی باب ۲۸) میں ہے اور بقول حضرت سلیمان (۲۔ تاریخ ۲/۹) "یہ حکم شرعی بنی اسرائیل کے لئے ہے"۔ توریت (استثنا ۱۸- ۱۵/۲۲) رسول کریمؐ کی بعثت کی پیشگوئی ہے اور بنی اسرائیل کو ہدایت کی گئی ہے کہ "النبی" کا اتباع کریں، جب آنحضرتؐ نے بنی اسرائیل کو دعوت دی تو

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُہُ النَّارُ ۴/۱۰	(بنی اسرائیل نے کہا کہ اللہ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ سوختنی قربانی نہ کرے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ان رسولوں پر ایمان کیوں نہ لائے جو بیشمار نشانیاں لیکر آئے، اور سوختنی قربانی بھی کیا کرتے تھے۔ خیر یہ تو بنی اسرائیل کی سرشت میں تھا کہ حضرت موسیٰ جیسے بزرگ کو بھی بار بار ستاتے رہے اور اپنے قومی انبیاء کا قتل ان کا شیوہ تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ توریت میں قربانی پر خاص زور دیا گیا ہے جس کے وجوہ زیادہ تر سیاسی ہیں۔ لیکن کوئی ایسا حکم توریت میں نہیں ہے جو بنی اسرائیل نے بطور حجت پیش کیا، بلکہ انبیاء بنی اسرائیل کے اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ قربانی کا حکم وقتی تھا اور کوئی جزو مذہب یا اصول مذہب میں داخل نہیں۔

قربانی کے متعلق جو کچھ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کا عقیدہ قرون اولیٰ اور وسطیٰ میں تھا اس کا مذکور ہم نے بالاختصار کردیا ہے۔ قرآن حکیم جو کچھ قربانی کی نسبت ارشاد فرماتا ہے وہ یہ ہے کہ:-

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا الآیۃ ۱۷/۱۲	اور ہر ایک اُمت کو ہم نے دستور (قربانی) ٹھہرادیا

ہے کہ اللہ کا نام یاد کریں اس پر جو بہائم سے اُن کو رزق دے رکھا ہے، پس تمہارا اللہ ایک ہی اللہ ہے۔ سو اُسی کے حکمبردار رہو اور بشارت دے عاجزی کرنیوالوں کو جو اللہ کا نام سنتے ہی ان کے دل لرز جاتے ہیں اور مصیبت پڑے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس سے نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ اور کعبہ کے چڑھانے کے اونٹ اللہ کی نشانیوں سے ہیں اور اس میں تمہارا ہی بھلا ہے، تو اللہ کا نام لو قطار باندھ کر۔ پھر جب کروٹ پر گر پڑیں تو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ ان لوگوں کو جو قناعت کئے بیٹھے ہیں اور جو بیقرار ہیں، اس طرح ہم نے تمہارے بس میں دئے ہیں وہ جانور کہ تم شکر کرو۔ اللہ کو نہ اُن کے گوشت اور نہ اُن کا لہو پہنچتا ہے، اللہ کو تمہارا تقوےٰ پہنچتا ہے۔

قربانی کے متعلق جو عام عقیدہ ہے کہ اس سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے، اور اللہ کو اس کا گوشت اور لہو پسند ہے اور بالخصوص سوختنی قربانی کی بو اس کی تردید کی گئی ہے کہ یہ عقیدہ فاسد ہے، البتہ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ کہ تمہارا رزق ہے، اسلئے تم بھی کھاؤ اور ان کو بھی دو جو پرورش کے مستحق ہیں اور اتنا مقدور نہیں رکھتے کہ اپنا پیٹ پال سکیں، تدبر اس امر میں کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ نے کس طرح بہائم کو انسان کے قبضہ تصرف میں دیا ہوا ہے، اسلئے رب العالمین کا شکر کرنا چاہیئے اور اس رزق پر اللہ ہی کا نام لینا چاہیئے۔ ان آیات سے تو واضح ہوتا ہے کہ قربانی کوئی مذھبی رسم ان معنوں میں مسلمانوں کے ہاں نہیں جن معنوں میں اہل کتاب میں ہے یا ہندوستان میں تھی اور اب بھی کہیں کہیں دیوتاؤں اور دیویوں کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے۔ قرآن نے نہ صرف حیوانات بلکہ ہر ایک شے جو ہمارے لئے حلال ہے ہمارا ہی رزق واضح کیا ہے جو شے اللہ تعالےٰ کو پسند ہے وہ ہمارا "تقویٰ" ہے جس پر مفصل بحث مناسب مقام پر کی جائیگی۔

ارشاد الٰہی ہے کہ "کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا" جو کچھ اللہ تعالےٰ نے ہمیں رزق دے رکھا ہے اسے کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو، افسوس ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کو مہجور بنا رکھا ہے، اور رسم قربانی پر جو کچھ اسراف کرتے ہیں وہ غالبًا نامسلمانوں میں بھی کبھی نہ تھا، اور جو کچھ عقیدہ فاسد اس کے متعلق جما رکھا ہے وہ ہرگز ہرگز ایک مسلمان کے شایاں نہیں، کسی حیوان کا قربانی کے خیال سے ذبح کرنا تو قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے، کیونکہ اس سے قرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا، البتہ اگر اس خیال سے کسی حیوان کو ذبح کیا جائے کہ اس کا گوشت محتاجوں کو دیا جائیگا تو یہ خیال تقوے کو لئے ہوئے ہے اور یہ عقیدہ کہ اس سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے سراسر فاسد ہے بلکہ جو اسراف بروز عید کیا جاتا ہے اس سے تو اُلٹا بندہ اور گنہگار بن جاتا ہے۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں میں ذہنی جمود اس حد تک ہو چکا ہے کہ اُن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ "ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد"۔ رسول کریمؐ نے ایک وقت اعلان فرمایا تھا کہ "جو شخص ہجرت نہیں کریگا اس کا اسلام قبول نہ ہوگا" حضرت صفوانؓ ان دنوں میں مکہ میں تھے جبکہ مکہ فتح ہو چکا تھا کسی شخص نے آنحضرت کا ارشاد انہیں بھی سنادیا اُسی وقت بوریا بستره باندھ کر اونٹ پر سوار ہو گئے اور مدینہ میں آپہنچے اور آنحضرتؐ سے ملے اور اپنی ہجرت کی غرض ظاہر کی، آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد اس کی ضرورت نہیں۔ مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے کہ ہر ایک نیک کام کا بھی ایک وقت ہوتا ہے، آجکل قومی ضروریات جس ایثار اور قربانی کا تقاضا کر رہی ہیں اس طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ جس قوم کو ان ضروریات زندگی کا احساس نہیں جن کا زمانہ اعلان کر رہا ہے وہ قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور جو قوم قومی دولت کو بلا ضرورت صرف کرتی ہے وہ "اسراف" کرتی ہے اور اس کی تباہی میں بھی کچھ کلام نہیں، وہ قومیں جن کے مذہب کا نمایاں جزو قربانی ہے اس رسم کو ترک کر چکی ہیں اور اُن کی توجہ مفید کاموں میں لگی ہوئی ہے، لیکن مسلمانوں کی عجب حالت ہے کہ قربانی ان کے مذہب کا جزو بھی نہیں، ایک رسم ہے اور خواہ بعض حالات میں مفید ہے مگر اس پر اپنی قومی دولت مسرفانہ صرف کرتے ہیں، قربانی اسلام کے محدثات سے نہیں ہے، قرآن اسے ناجائز اسی حد تک قرار دیتا ہے جس حد تک اس سے "قرب" کے عقیدہ کی حمایت ہوتی ہے، اور اس کو جائز بطور رزق کے قرار دیتا ہے، اور بس، یہ سمجھنا چاہیئے کہ قربانی کی نسبت جو عقیدہ اہل کتاب اور بُت پرست اقوام کا ہے قرآن اسے قطعاً فاسد قرار دیتا ہے، یہ اعتراض معقول ہے کہ تمام انبیاء اور رسل قربانی کیا کرتے تھے، قرآن بھی اسے بظاہر ناجائز قرار نہیں دیتا کہ اس رسم میں کوئی قباحت نہیں، یہ صحیح ہے، لیکن اسراف تو ممنوع ہے، علاوہ ازیں مصلحان ایسی رسوم سے تعرض نہیں کیا کرتے جن سے طبائع مانوس ہوں اور بظاہر ان میں کوئی قباحت نہ ہو، ایسی بیشمار رسوم ہیں جنکا مذکور قرآن میں نہیں لیکن مسلمانوں میں رائج ہیں۔ اور ایسی بھی ہیں جن سے مشرکانہ عقائد کی تعمیر ہوتی ہے قرآن نے ان میں اصلاح کر دی ہے اور ان کا مفہوم بدل دیا ہے۔ ان میں سے ایک قربانی ہے۔ اس کی حقیقت قرآن نے واضح کر دی ہے کہ حیوانی قربانی کا کیا مذکور ہے، تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بھی قرب الٰہی کا وسیلہ نہیں ہو سکتی، اگر تقرب حاصل کرنا چاہو تو تقوی اختیار کرو، غرض تو "تقوی" ہے۔ یہ کہنا کہ قربانی کے بغیر "تقوی" ناممکن ہے غلط دعویٰ ہے

عموماً نکتہ آفرین طبائع قربانی کا فلسفہ اور اس کے فوائد بیان کرتے ہیں اور بہت کچھ کہتے ہیں

توریت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہاں قربانی پر زور اس لئے دیا گیا ہے کہ قوم کے دل سے گائے بیل کی عظمت کا نقش جو وہ مصر سے لیکر آئے تھے محو کیا جائے اور اُن کے دلوں کو مضبوط بنایا جائے، کیونکہ حضرت موسیٰ کی نگاہ ارض معہود پر تھی جس کو مسخر کرنا تھا۔ قربانی کے متعلق جس تفصیل سے احکام دیئے گئے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حیوانی لہو سے کھیلنا سیکھیں، یہ وقتی ضرورت تھی، اگر دائمی صداقت ہوتی تو ضرور قرآن میں بھی اسکا مذکور ہوتا، خود انبیاء بنی اسرائیل نے بھی اسے وقتی ضرورت سے زیادہ وقعت نہیں دی، چنانچہ حضرت سموئیل نبی (۱۔سموئیل ۱۵/۲۲) کا ارشاد ہے کہ "کیا خداوند خدا کو سوختنی قربانی اور دیگر قربانیاں بہ نسبت حکمبرداری زیادہ محبوب ہیں، سن رکھو کہ حکمبرداری قربانی سے بہتر ہے اور اللہ کے احکام کو سننا دنبوں کی چربی سے کہیں بڑھکر ہے"۔ زبور (۶/۴۰) میں مذکور ہے کہ قربانی اور نذر و نیاز کی مجھے خواہش نہیں۔ تو نے میرے کان کھول دئیے ہیں، سوختنی قربانی اور کفارہ گناہ کی تجھے ضرورت نہیں"۔ حضرت سلیمان (امثال ۲۱/۳) ارشاد فرماتے ہیں کہ "عدل وانصاف بہ نسبت قربانی زیادہ تر مقبول ہیں۔ ایک فقیہ مسیح کے پاس آیا اور آنحضرت نے اسے جو کچھ تلقین فرمائی اس پر اس نے کہا۔ ربی آپ نے سچ فرمایا کہ اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی اور اللہ نہیں اور اسے تمام دل وجان و فہم و عقل اور قویٰ سے محبت کرنا اور اپنے پڑوسی سے اپنی طرح محبت کرنا تمام سوختنی قربانی اور نذر نیاز سے بہتر ہے"۔ مسیح نے ارشاد فرمایا کہ "تو آسمانی بادشاہت سے دور نہیں" (مقدس مرقس ۱۲/۳۴)

ان چند حوالجات سے واضح ہوگیا ہوگا کہ انبیاء و رسل کے نزدیک نذر نیاز اور سوختنی قربانی کی کیا وقعت تھی۔ یہ ایک رسم ایام جاہلیت کی تھی اور طبائع اس سے مانوس تھیں اور بلاشبہ بعض صحف میں ملتی بھی ہے اسلئے یہ تو نہیں کہا کہ فضول رسم ہے اسے مٹا دو لیکن اس کی حقیقت واضح [illegible] میں ارشاد فرمادیا کہ قربانی کا گوشت اور لہو خدا تک نہیں پہنچتا [illegible] ایک یہ بیہودہ عقیدہ تھا کہ گوشت و لہو خدا کو محبوب اور مرغوب ہے۔

از دو برچہ گفتند از کم و بیش — نشدے ذرہ از اندازہ خویش
منزہ ذاتش از چند و چہ و چوں — تعالیٰ شانہ عما یقولون

قربیٰ — قرآن میں لفظ قربیٰ کا مفہوم ناتے والے ہیں جو ایک ہی مورث کی اولاد ہوں بلکہ ایسے لوگ جو رشتہ میں نزدیک ہوں۔ قرابت قریبہ رکھتے ہوں۔ قرابت داروں کے حقوق کی تشریح کے لئے دیکھو ۱۲/۱۹، ۱۵/۲، ۳۰/۹، ۲۱/۷، ۲۵/۴، ۳۰/۱۵ - قربیٰ میں والدین اور بھائی بہن اور اولاد

جو وارث ہو سکتے ہوں سب شامل ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے کہ سچی بات اور شہادت کو مت چھپاؤ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔ خواہ ناتے والوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو (۴/۱۳۵، ۶/۱۵۲، ۱۱، ۲۲/۱۵)

جب آنحضرتؐ کو منصب رسالت عطا ہوا تو ارشاد الٰہی ہوا کہ

اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۔ اپنے نزدیک کے ناتے والوں کو (عذاب کا) ڈر سنا دے۔

رسول کریمؐ نے ارشاد الٰہی کی تعمیل کی تو اپنے بیگانے بن گئے۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ۲۵/۲ (اے پیغمبر) نہیں کہو کہ میں تم سے (رسالت کا) اجر تو کچھ مانگتا نہیں (جو تمہیں ناگوار ہو) اگر دوستی کا پاس ناتہ داری میں۔

"اِلَّا" حرف استثناء "اَجْر" کے لئے نہیں ہے بلکہ "لَآ اَسْـَٔلُكُمْ" پر ہے یعنی میں اجر کا سوال نہیں کرتا سوال کرتا ہوں تو "مَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى" کا۔

"اجر" کے متعلق اور آیات بھی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ "اجر" کا مفہوم ذاتی مفاد ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۶/۱۶ — کہو کہ میں اس پر تم سے کچھ اجر تو مانگتا نہیں۔ یہ تو محض نصیحت ہے دنیا جہان کے لوگوں کو۔

ملاحظہ ہو لفظ "امن" ان آیات کا یہ مفہوم نہیں کہ میں کچھ اور اجر تو مانگتا نہیں لیکن اتنا ضرور توقع رکھتا ہوں کہ میرے قریبی رشتہ داروں سے دوستی رکھنا۔ ان آیات کے مخاطب کفار ہیں جو دشمنی پر آمادہ ہو گئے تھے ان سے توقع عبث تھی اگر کچھ توقع ہو سکتی ہے تو مومنین سے لیکن آیات کے مخاطب وہ نہیں ہیں آیت ۵/۴ سے واضح ہوتا ہے کہ قرابت داری کے تعینات اسلام نہیں توڑتا۔ اگر کفار مکہ اسلام قبول نہ کرتے تو یہ ان کا اختیار تھا، ان کو سمجھایا گیا کہ اسلام ایسی شے نہیں کہ تم قرابتداری کا بھی پاس نہ کرو، یہ تو تمہاری ہی خیرخواہی اور بہبودی کے لئے نیک مشورہ دیا جاتا ہے، ماننا اور اس پر عمل کرنا تمہارے اختیار میں ہے اگر تسلیم کرلو تو تمہارا فائدہ ہے ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ لیکن قریش نے سب تعلقات قطع کر دیئے اور آنحضرتؐ ہجرت پر مجبور ہوئے، اس کے بعد جو کچھ کفار مکہ اور مہاجرین وانصار کے درمیان لڑائیاں ہوئیں ان میں اسلام کا تعلق صرف اتنا ہی ہے کہ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ حرب کی بے اعتدالیوں سے بچتے رہیں ورنہ آنحضرتؐ کی تبلیغ کا منشاء ہرگز ہرگز جنگ وجدل کی طرح [illegible] نہ تھی) تبلیغ امن کے ساتھ اور امن کے زمانہ میں ہی ممکن ہے، اور یہی کچھ آنحضرتؐ کی رسالت کا منشاء تھا، اور جب تک امن قائم نہیں ہوا اشاعت اسلام خاطر خواہ نہیں ہوئی۔ اور اب بھی امن کے ساتھ جبکہ لوگوں کو ٹھنڈے دل سے تدبر کا موقع ملتا ہے اشاعت اسلام ہو رہی ہے، اس لئے ایک

توریت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہاں قربانی پر زور اس لئے دیا گیا ہے کہ قوم کے دل سے گائے بیل کی عظمت کا نقش جو وہ مصر سے لیکر آئے تھے محو کیا جائے اور اُن کے دلوں کو مضبوط بنایا جائے، کیونکہ حضرت موسیٰ کی نگاہ ارض معہود پر تھی جس کو مسخر کرنا تھا۔ قربانی کے متعلق جس تفصیل سے احکام دئے گئے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حیوانی لہو سے کھیلنا سیکھیں، یہ وقتی ضرورت تھی، اگر دائمی صداقت ہوتی تو ضرور قرآن میں بھی اسکا مذکور ہوتا، خود انبیاء بنی اسرائیل نے بھی اسے وقتی ضرورت سے زیادہ وقعت نہیں دی، چنانچہ حضرت سموئیل نبی (۱۔سموئیل ۱۵/۲۲) کا ارشاد ہے کہ "کیا خداوند خدا کو سوختنی قربانی اور دیگر قربانیاں بہ نسبت حکمبرداری زیادہ محبوب ہیں، سن رکھو کہ حکمبرداری قربانی سے بہتر ہے اور اللہ کے احکام کو سننا دنبوں کی چربی سے کہیں بڑھکر ہے۔" زبور (۴۰/۶) میں مذکور ہے کہ قربانی اور نذر و نیاز کی مجھے خواہش نہیں۔ تو نے میرے کان کھول دئے ہیں، سوختنی قربانی اور کفارہ گناہ کی تجھے ضرورت نہیں"۔ حضرت سلیمان (امثال ۲۱/۳) ارشاد فرماتے ہیں کہ "عدل و انصاف بہ نسبت قربانی زیادہ تر مقبول ہیں۔ ایک فقیہ مسیح کے پاس آیا اور آنحضرت نے اسے جو کچھ تلقین فرمائی اس پر اس نے کہا "ربی آپ نے سچ فرمایا کہ اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی اور اللہ نہیں اور اسے تمام دل و جان و فہم و عقل اور قویٰ سے محبت کرنا اور اپنے پڑوسی سے اپنی طرح محبت کرنا تمام سوختنی قربانی اور نذر نیاز سے بہتر ہے۔" مسیح نے ارشاد فرمایا کہ "تو آسمانی بادشاہت سے دور نہیں" (مقدس مرقس ۱۲/۳۴)

ان چند حوالہ جات سے واضح ہوگیا ہوگا کہ انبیاء و رسل کے نزدیک نذر نیاز اور سوختنی قربانی کی کیا وقعت تھی۔ یہ ایک رسم ایام جاہلیت کی تھی اور طبائع اس سے مانوس تھیں اور بلاشبہ بعض حالات میں مفید بھی ہے اسلئے یہ تو نہیں کہا کہ فضول رسم ہے اسے اُٹھا دو لیکن اس کی حقیقت واضح کر دی جیسا کہ قرآن نے صاف صاف الفاظ میں ارشاد فرما دیا کہ قربانی کا گوشت اور لہو خدا تک نہیں پہنچتا۔ البتہ از منہ تاریک میں یہ عقیدہ تھا کہ گوشت و لہو خدا کو محبوب اور مرغوب ہے۔

از و ہر چہ بگفتند از کم و بیش　-　نشانے دادہ انداز دیدہ خویش

منزہ ذاتش از چند و چہ و چوں　-　تعالیٰ شانہ عما یقولون

"قربیٰ" قرآن میں لفظ قربیٰ کا مفہوم ناتہ والے ہیں جو ایک ہی مورث کی اولاد ہوں بلکہ ایسے لوگ جو رشتہ میں نزدیک ہوں۔ قرابت قریبہ رکھتے ہوں۔ قرابت داروں کے حقوق کی تشریح کے لئے دیکھو ۱۴/۱۹، ۱۵/۳، ۸/۹، ۲۱/۲۴، ۲۶/۲۴، ۳۰/۱۵ - قربیٰ میں والدین اور بھائی بہن اور اولاد

جو وارث ہو سکتے ہوں سب شامل ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے کہ سچی بات اور شہادت کو مت چھپاؤ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔ خواہ ناتے والوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو (۶/۸، ۶/۲، ۱۱/۴، ۲۲/۱۵)

جب آنحضرتؐ کو منصب رسالت عطا ہوا تو ارشاد الٰہی ہوا کہ

اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۔ اپنے نزدیک کے ناتے والوں کو (عذاب کا) ڈر سناؤ۔

رسول کریمؐ نے ارشاد الٰہی کی تعمیل کی تو اپنے بیگانے بن گئے۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ۲۵/۴ (اے پیغمبر) انہیں کہو کہ میں تم سے (رسالت کا) اجر تو کچھ مانگتا نہیں (جو تمہیں ناگوار ہو) مگر دوستی کا پاس ناتہ داری میں۔

"اِلَّا" حرف استثنا "اَجْر" کے لئے نہیں ہے بلکہ "لَآ اَسْئَلُكُمْ" پر ہے یعنی میں اجر کا سوال نہیں کرتا سوال کرتا ہوں تو "مَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى" کا۔

"اجر" کے متعلق اور آیات بھی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ "اجر" کا مفہوم ذاتی مفاد ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۶/۱۹	کہو کہ میں اس پر تم سے کچھ اجر تو مانگتا نہیں۔ یہ تو محض نصیحت ہے دنیا جہان کے لوگوں کو۔

ملاحظہ ہو لفظ "امن" ان آیات کا یہ مفہوم نہیں کہ میں کچھ اور اجر تو مانگتا نہیں لیکن اتنا ضرور توقع رکھتا ہوں کہ میرے قریبی رشتہ داروں سے دوستی رکھنا، ان آیات کے مخاطب کفار ہیں جو دشمنی پر آمادہ ہو گئے تھے ان سے توقع عبث تھی اگر کچھ توقع ہو سکتی ہے تو مومنین سے لیکن آیات کے مخاطب وہ نہیں ہیں آیت ۴/۱۵ سے واضح ہوتا ہے کہ قرابت داری کے تعینات اسلام نہیں توڑتا۔ اگر کفار مکہ اسلام قبول نہ کریں تو یہ ان کا اختیار تھا، ان کو سمجھایا گیا کہ اسلام ایسی شے نہیں کہ تم قرابتداری کا بھی پاس نہ کرو، یہ تو تمہاری ہی خیر خواہی اور بہبودی کے لئے نیک مشورہ دیا جاتا ہے، ماننا اور اس پر عمل کرنا تمہارے اختیار میں ہے اگر تسلیم کر لو تو تمہارا فائدہ ہے ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ لیکن قریش نے سب تعلقات قطع کر دیئے اور آنحضرتؐ ہجرت پر مجبور ہوئے، اس کے بعد جو کچھ کفار مکہ اور مہاجرین و انصار کے درمیان لڑائیاں ہوئیں ان میں اسلام کا تعلق صرف اتنا ہی ہے کہ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ حرب کی بے اعتدالیوں سے بچتے رہیں ورنہ آنحضرتؐ کی تبلیغ کا منشاء ہرگز ہرگز جنگ و جدل کی طرح ڈالنا نہ تھا (ملاحظہ ہو لفظ قتل)، تبلیغ امن کے ساتھ اور امن کے زمانہ میں ہی ممکن ہے، اور یہی کچھ آنحضرتؐ کی رسالت کا منشاء تھا، اور جب تک امن قائم نہیں ہوا اشاعت اسلام خاطر خواہ نہیں ہوئی۔ اور اب بھی امن کے ساتھ جبکہ لوگوں کو ٹھنڈے دل سے تدبر کا موقع ملتا ہے اشاعت اسلام ہو رہی ہے، اس لئے ایک

گھر میں ایک شخص مسلمان ہے اور والدین یا بھائی بہن اسلام قبول نہیں کرتے تو کچھ مضائقہ نہیں، بشرطیکہ وہ مسلمان کے مذہب میں جبری مداخلت نہ کریں، آیت ۲۵/۴۲ کا یہی منشا ہے کہ کم بختو اگر تم مسلمان نہیں ہوتے جو تمہارے ہی فائدہ کی بات ہے اور میں بھی بپاس "مودۃ فی القربیٰ" یہ خواہی کر رہا ہوں، تو نہ سہی مودۃ فی القربیٰ میں تو رخنہ نہ ڈالو، اس آیت میں ایک تو ان جذبات کا اظہار ہے جو قرابت کے مقتضی ہیں۔ اسلئے قریش کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کچھ غیر تو ہیں نہیں، اُن کے دل میں بھی وہی جذبات مودۃ ہیں جو قرابتداروں میں فطرۃً ہونے چاہیئیں اسلئے جو کچھ ان کا ارشاد ہے وہ انہی کے فائدہ کی بات ہے، اور ان کے دل اگر ان جذبات سے خالی نہیں تو وہ غور کر سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا ارشاد کسی ذاتی مفاد پر مبنی نہیں اسلئے خواہ مخواہ قطع تعلق کرنا اور مخالفت کیا ضرور ہے، اس حد تک تو صرف قرابت داروں سے خطاب ہے، عام خطاب آیہ ۶/۱۹ میں ہے کہ یہ ایک نیک مشورہ اور نصیحت ہے اسلئے قرآن میں تدبر کرو اگر سمجھتے ہو کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے تو عمل کرو ورنہ خیر، رسول کریمؐ تم سے کچھ اجر نہیں مانگتے، مفت نعمت ہے، اور اگر آیہ ۲۵/۴۲ کو بھی عام خطاب سمجھا جائے تو قربیٰ کا مفہوم انسانیت ہوگا جس سے ہم سب وابستہ ہیں، لیکن قرآن "قربیٰ" کو ایسے وسیع معنوں میں استعمال نہیں کرتا، بہر حال آیہ ۲۵/۴۲ سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن رشتے جوڑنے آیا ہے نہ کہ توڑنے، اور اس اختلاف کو مٹاتا ہے جو شر انگیز ہے۔ اور یہ سکھاتا ہے کہ لوگ برادرانہ سلوک آپس میں کریں۔ ہندوستان کی عجب حالت ہے، اگر ایک ہندو خاندان میں ایک شخص مسلمان ہو جاتا ہے تو وہ بالکل غیر سمجھا جاتا ہے۔ اور کچھ ہندوانہ ذہنیت ہی ایسی ہے کہ مسلمان بھی اُن کو غیر ہی سمجھتا ہے، حالانکہ اسلام کا یہ منشاء نہیں ہے، اگر وہ امن سے ایک ہی گھر میں رہ سکتے ہیں تو اسلام نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ صلہ رحمی کا حکم بھی کرتا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام نے مسلمانوں میں ایک برادری بہ تعلق مذہب قائم کر دی ہے۔ لیکن یہ برادری کچھ نسلی تعلقات کے مخالف نہیں ہے۔ اس موضوع پر مفصل بحث لفظ دین، شرک، کفر، اخوت کے تحت ملاحظہ ہو۔

مواعظِ قرآن

(۲۲)

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ
وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (پ ۳)

وہ حکمت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اُس کو بڑی خیر و برکت کی چیز دی گئی اور خدا کے (اصل) یاد کرنے والے تو وہی لوگ ہیں جو اہل حکمت (صاحبان دانش) ہیں۔

یہود و نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ حضرت آدم کے بہشت سے نکلنے کی وجہ یہ تھی کہ اُنھوں نے علم کا پھل چکھ لیا تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم مسلمانوں نے یہود و نصاریٰ کے "شجر علم" کا نام گیہوں کا درخت کیوں رکھ لیا۔ کیا اس وجہ سے تو نہیں کہ گیہوں کی کاشتکاری بھی انسانی حکمت کا نتیجہ ہے۔ بہرحال اس عقیدے کا ہی یہ کرشمہ ہے کہ اہل دانش اور علم سے ہمیشہ مذہبی لوگوں کی پرخاش رہی اور مذہب کی سب سے بڑی سرگرم حامی اکثر بیوقوفوں کی جماعت ہوا کی ہے۔ چنانچہ اگر ہمارے ہاں یہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ "اہل الجنۃ بلہ" تو عیسائیوں کے ہاں بھی یہ ہے کہ مبارک ہیں وہ جو دل کے بھولے بھالے ہیں کیونکہ آسمانی بادشاہت انہیں کے لئے ہے۔ اس کے برخلاف قرآن کیا کہتا ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اُس نے گویا بڑی برکت کی خیر پائی اور اصل تو یہ ہے کہ خداپرستی صاحبان دانش و فرزانہ لوگوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔ میں اپنی طرف سے ایک شوشہ نہیں بڑھا رہا ہوں۔ قرآن کی اوپر کی آیت جس کا جی چاہے قرآن میں دیکھ لے اور اس کے صاف و صحیح معنی جس عربی دان سے چاہے پوچھ کر اپنی تشفی کرلے

اللہ اکبر حکمت یا بمعنی دیگر "ریشنلزم" جس کو دو ہزار برس سے عیسائی دنیا ملعون اور مطعون کر رہی ہے اس کی حمایت ایک ایسی آسمانی کتاب میں دیکھکر اور اسی کتاب کو آسمانی وحی الٰہی ماننے والی جماعت کی موجودہ حالت کا موازنہ کرتے ہوئے بس خدا کی شان نظر آتی ہے اور دل بیساختہ پکار اُٹھتا ہے کہ خداوندا اس کتاب کا عامل اہل یورپ۔ امریکہ و جاپان کے بجائے افغان۔ ترک۔ عرب۔ ہندوستان و افریقہ لے لوگوں کو کیوں بنایا۔ جس سے تیرے ایک ایک قول و اصول کی عملی تکذیب اور تردید کی ہے۔ ایک سنت کے لے قرآن کے صفحات

پر ہاتھ رکھ لو مور ذرا مسجد میں اپنی طرف سے ایک وعظ تو کہہ ڈالو کہ

(۱) مذہب کھانے پینے پر موقوف نہیں۔ نہ ایک طرف مُنہ کر لینے سے اور نہ ایک خاص قسم کے مناسک کے ساتھ۔ بلکہ مذہب تقوے، احسان اور اخلاق کا نام ہے۔

(۲) مذہب بغیر علم و دانش کے ایک بیکار محض چیز ہے۔

(۳) مذہب کسی پیر و مولوی کی ضرورت نہیں چاہتا۔ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ اُٹھا نہیں سکتا۔ خدا کے سوا کوئی دوسرا مطاع نہیں۔

(۴) خدا کو قربانی کا گوشت و خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقوےٰ پہنچتا ہے۔

(۵) عورتوں کے مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر۔ دونوں خدا کے آزاد بندے ہیں اور قید و بند سے باہر جیسا فطرت نے اُن کو بنایا ہے۔

(۶) مسلمان کوئی قوم نہیں ہے جو ایک خاص لباس و زبان و معاشرت کے ساتھ یہودیوں یا پارسیوں کی طرح دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ بلکہ ہر خدا پرست جماعت مسلمان ہے خواہ جس قوم سے ہو۔

تو اگر تم پر تکفیر کا فتوے نہ پڑے تو میرا ذمہ۔ حالانکہ یہ ساری باتیں خود قرآن ہی کی ہیں۔ نوبت باینجا رسید کہ یاروں نے حکمت کے معنی ہی اُلٹ دئے ہیں۔ اور اہل حدیث نے اس کے معنی اقوال انس۔ ابوہریرہ و ابن عباس سے لئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ عربی مدرسے کا پڑھا ہوا مولوی اپنے آپ کو عالم کہلانے میں ویسا ہی بیباک ہے جیسا کہ حلالخور اپنے کو مہتر کہلانے میں۔ اسی کو "برعکس نہند نام زنگی کافور" کہتے ہیں۔ پھر یہ ہمارے "علما" اگر اہل علم و دانش کو مذہب سے دور رکھنے میں کامیاب ہوں تو اس کا سہرا کس کے سر

"حق گو"

برھان القرآن قیمت ۸/
اصل مطاع قیمت ۶/

یہ دونوں کتابیں ان دو مباحث کو شامل ہیں جو مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مدیر اہل حدیث اور حضرت خواجہ احمد دین صاحب کے درمیان ہوئے ان میں اہلحدیث پر ابد تک کے لئے اتمام حجت کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالےٰ کے سوا کوئی بے غلط مطاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں۔

منیجر بلاغ امرتسر

نبی کی بیویوں کو وعظ فرماتا ہے کہ) اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کھلی بدکاری کریگی اس کے لئے عذاب کو دگنا بڑھا دیا جائیگا (یعنی سَو درّے کی جگہ دو سَو درّے لگیں گے) اور (یہ سزا ضرور ملا) مراتب ملیگی۔ کیونکہ) ایسا کرنا اللہ (تعالیٰ) کے لئے نہایت آسان ہے (نبی کی عورتیں عام عورتوں جیسی نہیں جبھی تو اُن کے لئے دوگنی سزا ہے)

(۳۱) وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ○ اور جو کوئی تم میں سے اللہ (تعالیٰ) اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریگی اور اچھے کام کریگی ہم اسے اس کا اجر دو دفعہ دیں گے (جیسا کہ اہل کتاب کے مومن قرآن ہونے پر بھی دوہرے اجر کا وعدہ ہے ۲۰/۲ و ۲۰/۹) اور اس کے لئے ہم نے (اس عالم میں) نہایت باعزت روزی تیار کی ہے (وہاں سُن لو کر)

(۳۲) يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ اے نبی کی عورتو! تم عام عورتوں میں سے کسی کی مانند نہیں ہو۔ اگر تم تقویٰ کرنے والی ہو (دوسری عورتیں دعوے سے رہتی اور حقوق طلب کرسکتی ہیں، بیوہ ہونے پر دوسری جگہ شادی کرنے کی مجاز ہیں، مگر تم اپنے عہد کی پابندی کے سبب ایسا کرنے کی مجاز نہیں ہو۔ تم رسول کا نمونہ دیکھنے اور خود نمونہ بننے کے لئے رہتی ہو اور علیحدگی پر بھی رضامند نہیں ہو۔ پس اخلاق کو بلند رکھو اور غیر آدمیوں سے گفتگو کرنے میں) آواز کو نرم و نازک نہ بناؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی آدمی جس کے دل میں (جذبات بھڑکنے کی) بیماری ہو وہ (تمہاری) طمع کرے۔ اور (تمہیں چاہئے کہ ہمیشہ کھری بات کہا کرو (یعنی سیدھی اور صاف جس میں کوئی پیچیدگی اور نرمی وغیرہ نہ ہو)

(۳۳) وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۚ اور اپنے گھروں میں

ٹھہرو (بے ضرورت باہر نہ جاؤ البتہ بوقت ضرورت منع نہیں۔ اگر باہر جانے کی ضرورت پڑے تو سادگی سے جاؤ) اور پرانی جاہلیت کا سا دکھاوا مت کرو اور نماز قائم کرو اور (دنیا کی زینت طلب نہ کرو بلکہ اگر کچھ ضرورت سے زیادہ ہے تو) زکوٰۃ دو اور اللہ (تعالےٰ) اور اُس کے رسول (امین) کی اطاعت کرو (خدا ؑ کی اطاعت خداؑ کی بلند شان کے مناسب ہو اور رسولؐ کی اطاعت رسول کے لائق ہو، دونوں کو ایک جیسا نہ جان لینا، فرق مراتب ضروری ہے) اے گھروالو اللہ (تعالےٰ) کا صرف یہ ارادہ ہے کہ وہ تم سے (روحانی وجسمانی) پلیدی دُور کرے، اور تمہیں پاک کرے اچھی طرح سے پاک کرنا (بشری حیثیت کے مطابق نہ کہ تمہاری ہر بات کو وحی کا درجہ دیدے۔ پس تم نیکیوں میں ترقی کرو)

(۳۴) وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝ اور (خدا (تعالیٰ) کی نشانیوں اور دانائی کی باتوں سے جو کچھ تمہارے گھروں میں تلاوت کیا جاتا ہے اس کا (خود بھی) ذکر کرتے رہنا اور دوسروں کو

ف ۵ بعض لوگ خلاف منشائے قرآن و لغت عرب "اھلبیت" سے حضرت علیؓ، حسنینؓ و فاطمہ رضی اللہ عنہم مراد لیتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت کے صریح خلاف ہے، چنانچہ عصر حاضر کے ایک روایت پسند مفسر کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ "حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ یہ آیت خصوصیت سے نبی صلعم کی بیبیوں کے بارہ میں نازل ہوئی، اور یہی عکرمہ کا قول ہے"، لیکن اگر ہم خود قرآن پر غور کریں تو بات صاف ہو جاتی ہے، یہاں ساری وہ ہدایات جو موجب تطہیر ہو سکتی ہیں یعنی زینت دنیوی کا ترک کرنا، اللہ اور رسولؐ کی اطاعت، امر بالمعروف، گھروں میں ٹھہرنا، محاسن کی نمائش نہ کرنا، نماز کا قائم کرنا وغیرہ سب بیبیوں کے لئے ہے۔ اور اس ٹکڑے سے پہلے بھی انہی کا ذکر ہے اور بعد میں بھی انہی کا (وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ) تو یہ سیاق اس خیال کو رد کرتا ہے کہ یہاں مراد بیبیاں نہیں، پھر لغت کی رو سے اہلبیت کا لفظ اول بی بی پر آئیگا اور ثانیاً اولاد پر، اور قرآن کریم میں خود بی بی پر یہ لفظ بولا گیا ہے۔ دیکھو ھود پ ۱۲ رحمۃ اللہ و برکاتہ علیکم اھلبیت جہاں اہلبیت سے مراد حضرت ابراہیم کی بی بی ہیں اور یہ خیال لیذھب عنکم، و یطھرکم میں ضمیر مذکر ہے اسلئے بیبیاں مراد نہیں نہایت ہی بودا ہے ضمیر بلحاظ لفظ مذکر ہے جیسے حضرت ابراہیم کی بی بی کیلئے فرمایا برکتہ علیکم

سناتے رہنا" آیات اللہ ہی حکمت سے معمور ہیں، حکمت آیات کی تشریح ہے، وحی جلی ہی میں سب کچھ آگیا ہے، قرآن ہی کی تلاوت ہوتی تھی، اسی میں حکمت بھری ہوئی ہے۔ قرآن سے باہر وحی کی تلاش رات میں سورج طلب کرنا ہے، غرض قرآن گنجینۂ حکمت ہے اس کی بے قدری نہ کرنا کیونکہ یہ کافی اور مفصل ہے اور یاد رکھنا۔) بالیقین اللہ تعالےٰ نہایت باریک بین اور نہایت خبردار ہے (اس سے ڈرتے رہنا۔ ان باتوں میں نبیؐ کی بیویوں کی بڑی ذمہ داری تھی۔ وہ سب کچھ تیاگ کر اپنی مرضی سے رسولؐ کے پاس رہی تھیں نہ کہ نبیؐ کی خواہش یا مرضی وغیرہ کی وجہ سے، اُن کو کہا گیا کہ اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو، کیونکہ تم مہر، زیور، حقوق وغیرہ سے دستبردار ہو کر نبیؐ کے زیرسایہ مالی ایثار اور لذات کی قربانی کر کے عورتوں کے لئے نمونہ بننے کی خاطر اپنی مرضی سے آئی ہو۔ اسلئے اگر بالفرض حرص و طمع دنیوی نے خیالات میں تبدیلی کر دی ہو تو آؤ تو میں (رسول) تمہیں کچھ دیکر احسن طریق سے رخصت کر دوں۔ میں اگر کسی عورت کو طلاق دینے کے بعد پھر اس کے کہنے سے نکاح کرتا ہوں تو اُس کا غم دور کرنے اور اُس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے، نہ کہ مجھے کوئی جذبہ مجبور کرتا ہے ۲۳/۳۔ پس اگر رہنا ہے تو عہد کی پابند ہو کر رہو۔ ہاں یہ بھی یاد رہے کہ میرے انتقال کے بعد تم کو نکاح ثانی کا حق نہیں اسلئے اسوقت تم کو اس خیال یا ارادہ کو پورا کرنے کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ میرے خانگی حالات سب تم پر واضح ہیں اور تم میرے کیریکٹر کو دیکھ رہی ہو اور آئندہ بھی دیکھتی رہو، تم نے اپنی مرضی سے یہ زندگی اختیار کی ہے۔ اب لازم ہے کہ خوب غور و فکر اور سعی و کوشش سے اس مشن کو پورا کرو۔ اور دل میں جو حوصلے تبلیغ کے تھے اُن کو سرانجام دو اور دُگنا اجر حاصل کرو۔ یہ تمہاری قربانیاں ضرور نتیجہ خیز ثابت ہونگی، دوسرا اجر تم کو حقوق چھوڑنے کا ملیگا۔ سُن رکھو کہ عصیان کی صورت میں سزا بھی دُگنی ملیگی"۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ پاک بیبیاں سچ مچ اپنے عہد پر بعد انتقال رسول اللہؐ بھی بڑی خوبی سے ثابت قدم رہیں اور حتی الوسع تبلیغ دین میں خوب حصہ لیتی رہیں بیشک یہ دوہرے اجر کی مستحق ہوئیں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ بخاری، مسلم وغیرہ میں جہاں دشمنوں کی طرف سے بہت کچھ زہر اُگلا گیا ہے، اور نادان دوستوں نے اسے وحی خفی کا درجہ دے رکھا ہے وہاں رسولؐ کریم اور آپؐ کی ازواجؓ مطہرات کو بھی

خلاف شان اور نامناسب الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ ایک مختصر نمونہ با دل ناخواستہ ان بیشمار غلط روایات میں سے عرض کیا جاتا ہے تاکہ کسی سعید روح کو ان افترات سے بچنے کی تحریک ہو۔ قرآن مجید کی سورہ تحریم میں ارشاد ہے "اے نبی تو عورتوں کے رضاء ندکرنے کی خاطر خدا تعالےٰ کی حلال کردہ اشیاء کو کیوں حرام کرتا ہے"۔ اس کی حدیثی تفسیر سنئے اور سر دھنئے۔ رسول کریمؐ حضرت حفصہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہؓ کسی ضروری کام کی وجہ سے آپؐ سے اجازت لیکر اپنے باپؓ کے ہاں تشریف لے گئیں۔ اور اُنھیں کے گھر آپؐ نے ماریہ قبطی لونڈی سے (نعوذ باللہ ہذا بہتانا عظیما) مقاربت کی۔ عین موقع پر حضرت حفصہؓ تشریف لائیں تو معاملہ دگرگوں دیکھکر ششدر و پریشاں ہوگئیں۔ اُن کی دلدہی کے لئے آپؐ نے فرمایا کہ اب سے میں ماریہ کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ "کیوں ماریہ کو حرام کرتے ہو" استغفر اللہ۔ معاذ اللہ۔ قرآن مجید آپ کے پاکیزہ اخلاق سے بھرا پڑا ہے مگر دشمنوں سے آپ پر نیک یقین رکھنے کی اُمید کیا ہوسکتی ہے۔ اول تو لونڈی ہو یا آزاد بغیر نکاح کے حلال کب ہوسکتی ہے۔ دوسرے آپؐ کو (خاکم بدہن) ایسا مغلوب الجذبات ظاہر کیا کہ صبر کی باگ ہاتھ سے نکل گئی۔ تیسرے ایک کو راضی اور دوسری کو بلاوجہ حرام کیا۔ یہ عورتوں کے رضامند کرنے یا ناراض کرنے کی کہانی ہے۔ اس کی دوسری تفسیر اس سے بھی عجیب تر ہے کہ آپؐ کی ایک بیوی کا گھر آپ کے راستہ میں پڑتا تھا۔ آپ کا وہاں جانا دوسری بیویوں کو ناگوار تھا تو آپس میں اُنھوں نے مشورہ کیا کہ جس کے پاس آپ تشریف لائیں وہی یہ فقرہ کہدیا کرے کہ آپ کے دہن مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ جب سوائے اس عورت کے سب سے آپ نے یہی الفاظ سُنے تو متردد ہوئے اور خیال آیا کہ اس بیوی کے ہاں شہد کھاتے ہیں۔ شاید وہ مکھیاں مغافیر وغیرہ پر بیٹھتی ہونگی اسلئے اپنے آپ پر شہد کو حرام کرلیا۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ معاذ اللہ۔ اس شان نزول کی بنا پر اُن عورتوں کی رضامندی ہوگئی تو کیا اُس بیوی کی دلشکنی نہ ہوگی۔ رسول اللہ کے گھر میں سازش اور یہ جلاپا۔ اگر حقوق چھوڑکر آنیوالیوں کا یہ بُرا نقشہ تسلیم کرلیا جائے تو قرآن کے ارشاد (۲۱ پ) کو پس پُشت ڈالنا پڑیگا اور ہاں روایات کو غلط کہنے پر ملا حشرات الارض کی طرح تکفیر کے ہتھیار لیکر آمادۂ پیکار ہوجائیں گے۔ اب آپ خدا داد عقل سے فیصلہ

کرکے ان دو پہلوؤں میں سے ایک کو ترجیح دیں۔ایک فرمودہ الٰہی ہے دوسرا منافقین کا پروپیگنڈا، واقعہ یہ ہے کہ اس حلت وحرمت کی حقیقت سورہ تحریم سے پہلے سورہ طلاق میں موجود ہے۔اس میں بہت سے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے اور طلاق کو خاص وجوہ کی بنا پر حلال قرار دیا ہے۔بغیر ان وجوہ کے اس کی قباحت ظاہر ہے۔طلاق کے راستہ میں بہت سی رکاوٹیں رکھی ہیں۔سخت مجبوری کے وقت ناگزیر حالات میں آخری علاج کے طور پر اس کا جواز رکھا ہے۔نبی کریمؐ کے گھر میں آپ کی عدم موجودگی میں کوئی بُری رسم ہوئی تھی جب آپ کو معلوم ہوا تو بیویوں میں سے ایک کو کہا کہ ہم نے ایسا سنا ہے یہ کام اچھا نہیں ہے اگر اس سے باز نہ آؤ گی تو طلاق دیدی جائیگی اور اس بیوی کو بالخصوص تاکید فرما دی کہ اس بات کو ہمارا نام لینے کے بغیر ہی کسی احسن طریق سے دوسری ازواج تک پہنچا دینا۔یہ آپ کی دُور اندیشی تھی کہ خواہ مخواہ رنج کا موقعہ پیدا نہ ہو۔غرض تو اصلاح ہے جو آسانی سے میسر ہو جائے تو بہتر ہے۔مگر اُس بیوی نے صاف آپؐ کی طرف سے دوسری بیویوں کو یہ پیغام پہنچا دیا۔یہ خبر آپؐ کو بھی بعض ذرائع سے مل گئی تو آپؐ نے اُس بیوی سے فرمایا کہ تونے ایسا کیوں کیا۔اُس نے عرض کی۔آپؐ کو کیسے معلوم ہوا۔فرمایا مجھے علیم وخبیر نے اس پر واقف کر دیا۔

بیویوں کو خیال آیا کہ ہم سب کچھ قربان کرکے اُن کے نکاح میں بیٹھی ہوئی درویشانہ زندگی بسر کر رہی ہیں اسپر بھی ہم کو معمولی باتوں پر طلاق کی دھمکی دیکر ذلیل کیا جاتا ہے۔یہ ٹھیک نہیں ہے۔ہاں ہم بُری رسمیں چھوڑنے کو تیار ہیں۔لیکن ہمیں طلاق کی دھمکی میں اپنی توہین نظر آتی ہے۔رحم والے رسولؐ کو یہ بات پسند آگئی کہ غرض تو پوری ہوگئی اب اپنے اوپر طلاق کو حرام کر لینے سے گھر میں رنجیدگی نہ رہیگی۔یہ بات قانون الٰہی میں مداخلت تھی کہ اگر طلاق کے اسباب محرکات سامنے آجائیں تو اپنی قسم کا پاس کروگے یا اجازت خداوندی سے فائدہ اُٹھاؤ گے۔فوراً خطاب ہوا کہ ہمارے حلال کو عورتوں کی رضامندی کے لئے کیوں حرام کرتے ہو۔بس قسم توڑ دو۔کفارہ ادا کرو، اور آئندہ احتیاط رہے کسی کو وحی الٰہی کے خلاف کرنے کا حق نہیں ہے۔ایسی صاف بات کو دشمنوں نے بگاڑ کر کیا سے کیا کذب وبہتان کا طومار بنا دیا۔

کتاب اللہ پر کوئی بھی قاضی نہیں بلکہ اس کے فرمانبردار ہی فلاح پانیوالے ہیں

خدا سب کو پاک کرنا چاہتا ہے۔ اہل کتاب اگر اس بڑے نظام میں آ جائیں تو ان کے لئے بھی نبیؐ کی بیویوں کی طرح دوہرا اجر ہے ۲۰/۹۔ دوسرے مومنین کو بھی اگر خوبی و الاعہد کرکے پورا کریں تو دُگنا اجر ملیگا ۲۷/۲۔ اور اگر دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کا کام کریں تو دوہرا عذاب ہے جیسے پیرو مرید دوہرے عذاب کے مستحق ہیں اُن کا جھگڑا جہنم میں دکھایا گیا ہے ۵۱/۳۸۔ اب آئندہ رکوع میں نیکوکار مردوں اور عورتوں کے اوصاف دکھائے ہیں یہی لوگ اجر عظیم کے مستحق ہیں)

رکوع چہارم (۳۵) إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں (ایمان و اسلام میں فرق ہے۔ گنوار بولے ہم ایمان لائے فرمایا تم اسلام لائے ہو۔ تلاش حق کا جذبہ پیدا ہوا تو انسان مسلم ہوگیا۔ پھر سوچنے کا موقع ملتا رہتا ہے اور طالب حق ترقی کرتا جاتا ہے ــــ لوطؑ کی بستی میں ایک گھر مومن تھا۔ باقی ساری آبادی میں مسلم تک بھی کوئی نہ تھا۔ موسیٰؑ فرماتے ہیں اگر تم ایمان لائے ہو تو مسلم ہوکر خدا پر توکل کرو ”امنتم“ اور ”اسلمتم“ دو چیزیں ہیں۔ مسلم مومن کے صفات یہ ہیں) اور (فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں (سچ بولنے میں بڑی بڑی تکالیف کا سامنا ہوتا ہے اور مصائب کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اسوقت استقلال اور برداشت ہونی چاہیئے فرمایا) اور با استقلال مرد اور با استقلال عورتیں (یہ صبر بناوٹی نہ ہو بلکہ دلی صبر و شکر ہو فرمایا) اور (خدا کے حضور میں) جھکنے والے

---

۵۰ پیغمبرؐ کو بھی فرمایا اَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ ۱۷/۸۔ غرض تخصیص نہیں ہے۔

مرد اور جھکنے والی عورتیں (جس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ دوسرے کی مصیبت پر بھی کام آئیں) اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں (صدقہ کا مزہ یہ ہے کہ اوروں کو کھلائے۔ بھوکوں پر خرچ کرے۔ اپنے پر جبر بھی کرنا پڑے تو پروا نہ کرے۔ اپنے آپ پر دوسرے ضرورتمند کو ترجیح دے۔ اپنا ہی پیٹ نہ پالے) اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں (روزے کے علاوہ ضبط نفس کی بھی ضرورت ہے) اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنیوالی عورتیں (دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہو سکے تو بے ضرورت اپنی عورت کے پاس بھی نہ جائے۔ یہ خوبی اہل الذکر کو حاصل ہوتی ہے۔ ہاں ان صفات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیویوں یا خاوندوں سے بھی قطعاً رکے رہتے ہیں۔ کسی چیز کی حفاظت بیماری اور بدی اور نقصان سے ہوتی ہے نہ صحت اور نیکی اور منافع سے) اور اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور اللہ (تعالیٰ) کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں (ہر کام میں خدا کو سامنے رکھنا یہ ہے اصل دینداری۔ کیسا عالیشان مضمون ہے۔ ان لوگوں کا مبارک انجام یہ ہے کہ) ان کے لئے اللہ (تعالیٰ) نے بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کیا ہے (بس یہ انعام اُن کے واسطے ہے جو ان احکام کے پابند ہیں اور دوسروں کو بھی نیک بننا سکھاتے ہیں۔ اس کے بعد انتظامی معاملات کی طرف توجہ دلائی کیونکہ یہ بھی ازبس ضروری چیز ہے۔ اس کے بغیر دنیا جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے۔ امن وسلامتی بہت مبارک شے ہے۔ تمام خدائی کارخانہ منظم چل رہا ہے۔ نظام میں رہکر حکم کی پابندی کرنا بہت بڑی خوبی ہے۔ بدنظمی ہزاروں خرابیاں اپنے اندر رکھتی ہے۔ فرمایا زمین میں فساد نہ مچاؤ۔ امن کی خاطر غیر مسلموں تک سے عہد کرکے نباہو بعض مسلمان مدینہ کی مرکزی حکومت میں نہ آسکے۔ اُنھوں نے اپنی الگ الگ حکومتیں بنالیں اور کام چلاتے رہے۔ یہ اگر دین میں مرکزی حکومت سے مدد مانگیں تو اُن کو مدد دو۔ مگر تمہارے عہد والوں سے اگر اُن کی جنگ ہے تو مدد نہ دو، عہد کا زبردست پاس رکھو، اس کی تہ میں بھی امن کا سبق ہے کیونکہ وہ مسلم حکومت ایک دوسری مسلم حکومت کے عہد والوں سے جنگ کرتی ہے۔ ہاں اگر دوسری طرف زیادتی ہوئی ہے تو اس کا تصفیہ مرکزی حکومت احسن طور پر کرائے۔ اگر مومنین کی دو حکومتیں

آپس میں لڑیں تو مرکزی حکومت صلح کرادے یا زیادتی کرنے والے فریق کو ہر طرح دبائے اور مجبور کرے۔ غرض اسلام امن کا بڑا خواہاں ہے۔ خواہ حکومتیں اور قوانین اُن کے اپنے اپنے ماحول کے مطابق الگ الگ ہی ہوں۔ مرکزی حکومت زیادتی کرنے والے فریق کو یہانتک دبائے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے حکم کو مان لے۔ یہاں اطاعت رسول کا کوئی ذکر نہیں۔ کیونکہ وہ لوگ تو دوسرے نظام میں ہیں۔ رسولؐ کے انتظامی حکم میں کسطرح آسکتے ہیں۔ غرض اہل اللہ امن پسند ہوتے ہیں۔ بدامنی کے حامی نہیں ہوتے ہر نبی کا بادشاہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ سموئیل نبی کے موجود ہوتے ہوئے طالوت کو بادشاہ بنایا گیا۔ بادشاہ میں علم اور طاقت کا زیادہ ہونا ضروری ہے۔ وہ ناظم، دُور اندیش اور مدبر ہونا چاہئے۔ حکم خواہ نبی دے اُس کو بادشاہ جاری کریگا۔ داؤدؑ بھی اس کی بادشاہت میں موجود ہیں اور اُنھوں نے ہی جالوت کو قتل بھی کیا۔ غرض جب نبی بادشاہ کی حیثیت بھی رکھتا ہو تو جس خداوندی حکم کے مطابق وہ فیصلہ دے اُس کو بلا چون وچرا تسلیم کرنا چاہئے۔ یہ ہے انتظام کی برکت وخوبی اس کا انکار کرنے والا بھول میں ہے۔ غرض انتظام ضروری چیز ہے اس کے ماتحت چلکر دنیا کو چھوٹا سا بہشت بنایا جاسکتا ہے)

(۳۶) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لئے ان کے کام میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ جب اللہ (تعالےٰ۔ بحیثیت احکم الحاکمین کے۔ بحیثیت اصل مولا کے) اور اس کا رسول (بحیثیت قاضی کے) کسی امر کا فیصلہ کردیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے۔ پس وہ گمراہ ہوگیا صاف گمراہی (اس کام کی مخالفت مومن مرد نے کی یا مومنہ عورت نے نہیں کی۔ حالانکہ مومن مرد وعورت کے اوصاف اوپر آچکے ہیں۔ حکم ایک ہی آیا ہے)

وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ

عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ اور (یاد کرو وہ وقت) جبکہ تو کہتا تھا اس سے جس پر اللہ (تعالےٰ) نے نعمت کی (پیدا کیا وغیرہ) اور جس پر تو نے (بھی) نعمت کی (آزاد کر دیا، بیاہا اور مالی مدد کی وغیرہ) "اپنی بیوی کو اپنے اوپر تھام رکھ" (طلاق نہ دے) اور اللہ سے ڈر (وہ طلاق کی یک بیک اجازت نہیں دیتا جب تک وہ سارے حالات موجود نہ ہوں جن پر طلاق مبنی ہے۔ مگر زیدؓ نے ایک نظام میں ہوتے ہوئے بھی رسول اللہ کا یہ حکم اخیر تک نہ مانا۔ کافر پھر بھی نہ ہوا گو ضلال مبین کا مستوجب ہو گیا۔ غرض دین اسلام اور انتظام دو چیزیں ہیں۔ اصولی رنگ میں انتظامی منکر کافر نہیں ہے۔ جادوگر مرد و عورت میں جدائی ڈالتے تھے یہ بری بات ہے۔ ملاپ کرانا خوبی کا کام ہے۔ ایسے وقت میں دو حکم مقرر ہوں۔ پھر وہ فیصلہ اعلیٰ حکام تک پہنچے تو معاملہ کو ختم کر دیں۔ اسلئے فرمایا اے نبیؐ (اے حاکم اعلیٰ) جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو شرائط طلاق کی پابندی کرو۔ فرداً فرداً کسی کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے۔ اس طرح تو بدنظمی اور فساد کے بازار گرم ہونگے۔ اور خانہ جنگیوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ نبیؐ کریم نے فرمایا زیدؓ تیرا اس طرح طلاق دینا منشاء الٰہی کے خلاف ہے تو خدا کا ڈر رکھکر خوب غور و فکر کر شاید کوئی سبیل اتفاق کی نکل آئے مگر زید خوب جانتا تھا کہ نباہ نہیں ہو سکتا۔ رسول کریم کے امر یا خدائی حکم کو وہ شرارت سے پس پشت نہیں ڈالتا، حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے، اس امر میں نبیؐ کی یہ غرض تھی کہ زیدؓ طلاق نہ دے، کہیں مجھے نکاح نہ کرنا پڑ جائے۔ کیونکہ لوگ ان آیات پر عمل کرنے کو کہیں گے جن میں متبنیٰ کی بیوہ یا مطلقہ حرام نہیں ہے۔ آپ اس چیز کو دل میں رکھکر منع فرماتے تھے، نہیں چاہتے تھے کہ شورش کا طوفان اٹھ آئے۔ مگر باریک بین حکیم مطلق کا ارادہ کچھ اور ہی تھا۔ اسی لئے شروع سورہ ہی

میں فرمایا ہے کہ اے نبی کفار اور منافقین سے نہ ڈریو۔ صرف خدا کا کہا مانیو۔ غرض یہ نصیحت آپ کی اس خوف کو بھی لئے ہوئے تھی) درحالیکہ تو چھپاتا تھا اپنے دل میں جسے اللہ ظاہر کرنیوالا تھا (چنانچہ وہ ہو کر رہا اور اللہ تعالےٰ نے اس کو حکماً کرایا۔ اگرچہ آپ سوسائٹی سے لرزاں تھے مگر کون رکاوٹ ڈال سکتا تھا) اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا حالانکہ اللہ (ہی) زیادہ حق دار ہے کہ تو اس سے ڈرے (ایسے موقعہ پر نعوذ باللہ یہ حکم خداوندی رد ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ غرض) پس جب زید نے اس سے قطع تعلق کرلیا (تو اگرچہ تیرا دل تو آمادہ نہیں تھا مگر) ہم نے اس سے تیرا نکاح کرا دیا (اس غیر معقول رسم کو تیرے ہاتھوں تڑوانے کی وجہ یہ تھی) تاکہ مومنوں کے لئے کوئی تنگی نہ رہے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں (یعنی اُن کے مطلقہ ہونے پر نکاح کرلینے میں) جب وہ (منہ بولے بیٹے) ان (بیویوں) سے قطع تعلق کرلیں (یہ کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی یہ رشتہ ہمیشہ سے حلال ہے) اور اللہ (تعالےٰ) کا حکم (کہ منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویاں تمہارے لئے حلال ہیں) ہو کر رہنے والا تھا (باوجود مخالفتوں کے غلبہ خدا کو ہی ہے اس کے حکم کے سامنے تمام رسوم ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاتی ہیں۔ اگرچہ صدیوں سے جاری وساری ہوں)

(۳۸) مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ۝

نبی کے لئے اس چیز میں کوئی تنگی نہیں جو اللہ (تعالیٰ) اس پر فرض کردے (کیونکہ یہ کام خدا نے کیا ہے اور یہ نیا قانون نہیں ہے سُن رکھو کہ) یہ اللہ (تعالےٰ) کا قانون ہے ان لوگوں کے حق میں جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ (تعالےٰ) کا ہر کام ایک خاص اندازے کے مطابق ہوتا ہے (وہاں ناسخ ومنسوخ کو راہ نہیں ملتی ہر کام کا وقت ہوتا ہے۔ جب وہ موقعہ آوے کوئی مزاحمت کارگر نہیں ہوسکتی۔ یہ رسم شکنی کو بار نہ سمجھنے والے اور بہادر بن کر میدانِ عمل میں نکل آنیوالے کون لوگ تھے)

(۳۹) الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ

ـدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ○ وہ لوگ جو اللہ (تعالیٰ) کے پیغامات کو پہنچاتے رہے (اور
عمل کرکے دکھلاتے رہے۔ کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کی اور آلوالعزمانہ
دار جھاڑیوں میں سے فضول رسوم کو روندتے ہوئے نکل گئے اور فرمان الٰہی کو
ب پر ترجیح دی) اور اس سے ڈرتے رہے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے
ر یقیناً جانا کہ) اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لحاظ سے کافی ہے (کاموں کے
ج وہی نکالتا ہے۔ جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے۔ اسی نے عزیز و اقارب
ملت و حرمت اور وراثت کا نظام مقرر فرمایا۔ اس ناظم حقیقی کے احکام میں کسی
خل اندازی کا حق نہیں ہے۔ نسبی اور عہدی رشتہ داروں کا فرق بھی اسی کا قائم
ہوا ہے۔ باپ وہ کہلاتا ہے جس کی اولاد ہو۔ بیٹا وہ ہے جس کا باپ ہو۔ رجال
ر نساء دو چیزیں ہیں مرد و عورت۔ اگلی آیت میں آنحضرتؐ کے بے اولاد ہونے کی
نہیں فرمائی بلکہ آپ مردوں میں سے کسی کے باپ نہ تھے)

۱) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ
النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ (جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے
دوں میں سے کسی کے باپ نہیں (رجال بچوں پر نہیں بولا جاتا جوان پر آتا ہے) دلیکن وہ
مد (تعالیٰ) کے رسول (رسالت کا تعلق سب انسانوں سے ہے۔ وہ سب کو محبت کی نگاہ سے
ھتے ہیں۔ سب کے مومن بننے کے خواہاں ہیں۔ اگر کوئی اس حق سے روگردانی کرے تو اس کا
نقصان ہے آپ تو اس پر عامل رہیں گے۔ اس محفوظ، اکمل اور ممتاز تعلیم کے بعد تو اور
ئی کتاب نہیں آئیگی اسلئے انبیاء کا سلسلہ بھی بس ہوگیا فرمایا کہ رسول اللہ آخری نبی ہیں
انبیاء کے خاتم (ما یختم بہ الشئ یعنی جس سے کسی چیز کو ختم کیا جائے) تھے ایک کتاب تبدیل
وگی دائمی دستور العمل رہیگی اس میں باطل کو راہ نہیں ملیگی۔ حکم آجانے کے بعد چون و چرا
گنجائش نہیں رہتی۔ نیت و لعمل کرنے والے کا کام خدا سے پوشیدہ نہیں ہے اور
نہ سپر ہو کر رسم شکنی کرنے والے اس سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ دیکھو بحکم خدا نبی کریمؐ
ما بینظیر نمونہ بنے اور حکم الٰہی کے مقابلہ میں کسی طاقت سے نہ ڈرے۔ یہ تھا اسوہ حسنہ

نہ کہ آپ کے ہر اختیاری کام کا سہو و نسیان کے امکان کے باوجود اعتقادی نمونہ بن جانا) اور
اللہ (تعالیٰ) کو ہر شے کا علم ہے (اگر بقول پرستاران روایت آپ کے دل میں یہ بات تھی کہ
زید طلاق دیدے اور میں اُس خفیہ جذبۂ محبت کو تسکین دینے کے لئے جو زینبؓ سے مجھے
ہے، نکاح کر لونگا تو نعوذ باللہ یہ امر شایان نبوت نہیں کہ دل میں محبت ہو اور منہ سے زید
کو فرمایا جائے کہ بیوی کو طلاق نہ دے خدا سے ڈر۔ یہ اللہ کے بزرگی والے رسولؐ کی
عزت افزائی ہو رہی ہے، یا للعجب۔ دانا دشمنوں کی چالوں کا نادان دوست شکار ہو گئے
اور ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو زیدؓ انکار کرنے پر ضلال مبین
کیسے بن سکتا ہے اور نبیؐ کا یہ حکم واجب اتباع کیونکر ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ دل میں
یہ بات چھپاتے تھے کہ اگر زید نے طلاق دیدی تو مجھے زینب سے نکاح کر کے رسوم جاہلیت
کی ذہنیت کے سامنے انگشت نما ہونا پڑیگا۔ اور ملک میں طوفان بے تمیزی برپا ہو جائیگا۔
اسلئے شروع میں غیر اللہ سے بیخوف رہنے کی تاکید فرمائی اور خوف خدا کو ترجیح دینے کی ہدایت
کی۔ ساری کتاب ایک مربوط و مسلسل مضمون ہے نہ کہ بے ربط اور مجمل جیسا کہ اکثر لوگوں کا
خیال بلکہ ایمان ہے۔ اس کا کوئی حرف زائد اور بے معنی نہیں ہے۔ اسی سورہ میں فرمایا جو
طلاق قبل مس ہو اس کی عدت نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ زیدؓ کی زینبؓ سے شروع
ہی سے موافقت نہیں ہوئی۔ اس صورت میں بعد طلاق عدت کیسی؟ زیدؓ نے عناد و شرارت
سے نبی کریمؐ کے فرمان کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کی طبعی ناموافقت اسے علیحدگی پر مجبور کرتی تھی
نبی کریمؐ کے اس امر کو تسلیم نہ کرنے سے زیدؓ کافر نہیں ہوا۔ ہاں اُولو العزم بھی ثابت نہ ہو سکا
کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو انسان مکروہ سمجھے اور اُس کے حق میں خیر ثابت ہو۔ یا کسی
شے کو بہتر جانے تو وہ بدتر ثابت ہو۔ اللہ تعالےٰ کا زیدؓ پر بڑا احسان تھا کہ انسان بنایا
مومن بنایا، ربوبیت کی اور یہاں تک پہنچایا کہ رسولؐ نے اسے اپنے خاندان میں بیاہا۔
اور بھی بہت سے سلوک اور احسانات کئے مگر اس کا کیا علاج کہ معاملہ ہی دگرگوں ہوتا
چلا گیا اور نوبت مفارقت تک پہنچ گئی۔ آیۂ مبارکہ خاتم النبیین اس سورہ میں مرکزی حیثیت
رکھتی ہے۔ تیرہ صدیوں سے اس کے مدعا کو مسلمانوں کے تمام فرقے بصورت اجماع و تواتر عقیدہ
توحید کی طرح تسلیم کرتے آئے ہیں۔ اس زمانہ میں بعض تاویلی فرقوں نے الگ راہ اختیار کی
اسلئے اس بحث کو یہاں مکمل درج کیا جاتا ہے۔ والتوفیق من اللہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام نوع انسان کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی کتاب کا ملنا ضروری ہے جو
م دین میں ہماری تحقیقات کی سچی بنیاد بن سکے۔ اور اختلاف کے وقت حَکم قرار پا سکے
ی کتاب کا بے بدل اور ناقابل تنسیخ اور غیر مخلوط اور ذمہ الٰہی کے ساتھ محفوظ اور کل
ع انسان کے لئے مقصود ہونا لازم ہے۔ ایسی کتاب جب کل نوع انسان کی طرف
ائے تو اس کے بعد اس کی تنسیخ و تبدیل کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ سکتی۔ یہی کتاب
م الکتب ہوگی اور اسی کا لانیوالا خاتم النبیین کے عالی لقب سے ممتاز ہوگا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ کتاب الٰہی جو کل نوع انسان کے لئے مقصود ہو اور جسے خدا تعالےٰ
اپنے تصرف خاص سے لوگوں کو پہنچانا چاہتا ہو۔ ضرور ہے کہ خدا تعالےٰ اس کی عام اشاعت
ں سہولتیں پیدا کرے نہ یہ کہ اُلٹی رُکاوٹیں ڈالے۔ اشاعت سے مراد محض ترجمہ کی اشاعت
یں ہے بلکہ اصل متن اور اس کے اس ترجمہ کی اشاعت مقصود ہے جو خود متن سے
ولی علم والوں کو بسہولت مل سکے۔

قرآن مجید کے نزول سے پہلے بہت سی بولیاں بن کر بگڑ چکی تھیں۔ چنانچہ تمام سابقہ
ی الہام کتابوں کی بولی مردہ ہو چکی ہے۔ اب وہ زبانیں کسی ملک و قوم میں بھی مروج
یں ہیں۔ پھر اُن زمانوں میں قومیں بالکل الگ تھلگ پڑی تھیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ
ں اشاعت عامہ کے قطعاً منافی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید مناسب وقت پر نازل کیا گیا ہے۔ اسکی زبان دیگر مدعی
ہام کتابوں کی مانند ہرگز نہیں مریگی۔ یہ کتاب عزیز ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے اور یہ
ر واضح ہے کہ کسی زندہ کے ساتھ اس کے کسی جانشین کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

قرآن مجید کے بے بدل اور خاتم الکتب ہونے پر اتنی ہی دلیل کافی ہے۔ لیکن مزید
ریح و تفصیل کے لئے دلائل ذیل بطور ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں وما توفیقی الا باللہ علیہ
کلت والیہ انیب۔

دلیل اوّل

لفظ رسول کے معنی ہیں "بھیجا ہوا" جس شخص کو کوئی بادشاہ بھیجے وہ بادشاہ کا رسول

کہلاتا ہے (فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ ۱۲/۱ جب شاہی قاصد اس (یوسفؑ) کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ اپنے رب یعنی بادشاہ کی طرف لوٹ جا) اور جس کو اللہ تعالیٰ بھیجے وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں بلکہ تمام مخلوقات کا بھیجنے والا ہے۔ بھیجنا تو علیحدہ رہا بلکہ تمام چیزوں کا منزل بھی وہی ہے (وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۱۴/۲ اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے ہاں سب کے خزانے (کے خزانے بھرے پڑے) ہیں۔ مگر ہم ایک اندازہ معلوم (مقرر) کے ساتھ ان کو (مخلوقات کے لئے) بھیجتے رہتے ہیں)

اللہ تعالیٰ ہر شخص بلکہ ہر چیز کو اسلئے بھیجتا یا اُتارتا ہے کہ اس سے قدرتی یا تصرفاتی طور پر کوئی کام لے۔ وہی ہواؤں کو بھیجتا ہے (وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ ۱۴/۲ اور ہم ہی ہواؤں کو بھیجتے ہیں) اور اسی لئے خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی چیزیں مرسل کہلاتی ہیں (وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۲۹/۲۱ ان ہواؤں کی قسم جو (ابتدا میں) معمولی رفتار سے بھیجی جاتی ہیں) اور چیزیں تو علیحدہ رہیں شیاطین جیسی چیزوں کو بھی بطور سزا کے کفار کے اوپر اللہ تعالیٰ ہی بھیجتا ہے (اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۱۶/۹ کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں کے اوپر بھیج رکھا ہے کہ وہ اُن کو اُکساتے رہتے ہیں)

اس تمام بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسول کا لفظ بڑے وسیع معنوں میں بھی آسکتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے وسیع معنی والے رسول ہماری ختم نبوت کی بحث سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔

پھر رسول کا لفظ رسولوں کے خلفاء اور ان کی شریعت کے مبلغین پر بھی آسکتا ہے خواہ وہ خود ملہم ہوں یا نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِـهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۲۵/۵ یعنی ہم نے تیرے پہلے جو رسول بھیجے ہوئے ہیں ان سے پوچھ کہ کیا ہم نے رحمان کے سوائے کوئی اور معبود بھی بنائے ہیں جن کی پوجا کی جاتی ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں اگر رسولوں سے مراد وہ رسول ہیں جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ کسی انسان کے نوع انسان کی اصلاح کے لئے وحی کے ساتھ تعلیم پہنچی

ہے تو یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے رسول ہمارے رسول خدا صلعم کے عہد میں موجود نہ تھے۔ پس غیر موجود رسولوں سے پوچھنے کے کچھ معنی نہیں ہو سکتے۔ اور اگر بالفرض گزشتہ رسول ہی ہمارے رسول مقبول صلعم کو ملا کرتے تھے تو اللہ تعالےٰ ہمارے رسولؐ کو کیوں یہ حکم دیتا ہے کہ:۔

فَاِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

یعنی پھر اگر تو ہمارے نازل کئے ہوئے سے کسی بات میں شک میں ہے تو ان لوگوں سے پوچھ (کر تحقیق کر) لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

سو اگر حضور انور کو پہلے زمانہ کے اصلی رسول خود ہی ملا کرتے تھے تو اصلی رسولوں کے بذات خاص ملنے کی صورت میں ان لوگوں سے پوچھ کر تحقیق کر لینے کا حکم دینا جو آپ کے پہلے کتاب پڑھتے تھے بالکل فضول ہو جاتا ہے۔ پہلی آیت میں ہے کہ تو ان رسولوں سے پوچھ جو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے ہوئے ہیں اور دوسری آیت میں ہے کہ تو ان لوگوں سے پوچھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے آتے ہیں۔ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں رسولوں سے مراد رسولوں کے خلفاء ان کی طرف سے تبلیغ کرنے والے ہیں۔ یہ خلفاء یا مبلّغ اچھے ہوں یا بُرے ان سے بحث و مباحثہ کرنے سے تحقیق میں مدد مل سکتی ہے۔ اور کم از کم انھیں یہ تو کہنا پڑتا ہے کہ الٰہی حکموں کی مخالفت بُرے نتائج پیدا کرتی ہے۔ پھر جو لوگ اپنی اصلاح کے خواہاں ہوتے ہیں وہ خوف کھا کر الٰہی حکموں کی تلاش کرتے ہیں اور اپنی استطاعت کے مطابق ان پر چلتے ہیں اور جو اصلاح کی پروا نہیں کرتے ان پر حجت پوری ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَاۗبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ؀ یعنی جب ان پر فرد جرم لگ جاتی ہے (یعنی ان کا عذاب قریب ہوتا ہے) تو ہم ان کے لئے زمین میں سے کوئی نہ کوئی چلنے پھرنے والا انکال کھڑا کرتے ہیں جو ان سے کلام کرتا ہے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے۔

بلاشبہ اللہ تعالےٰ کسی بستی کو غفلت کی حالت میں ہلاک نہیں کیا کرتا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ یعنی آیات
تبلیغ رسولوں کا کھڑا کرنا اسلئے ہے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے ہلاک کرنے والا کبھی نہیں
اس حال میں کہ اُن کے رہنے والے غافل ہوں۔

پھر فرمایا کہ:-

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا
تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں جب تک اُن کی بڑی بستی میں کوئی رسول نہ کھڑا
کرلیوے جو ان پر ہماری آیات کی تلاوت کرے۔

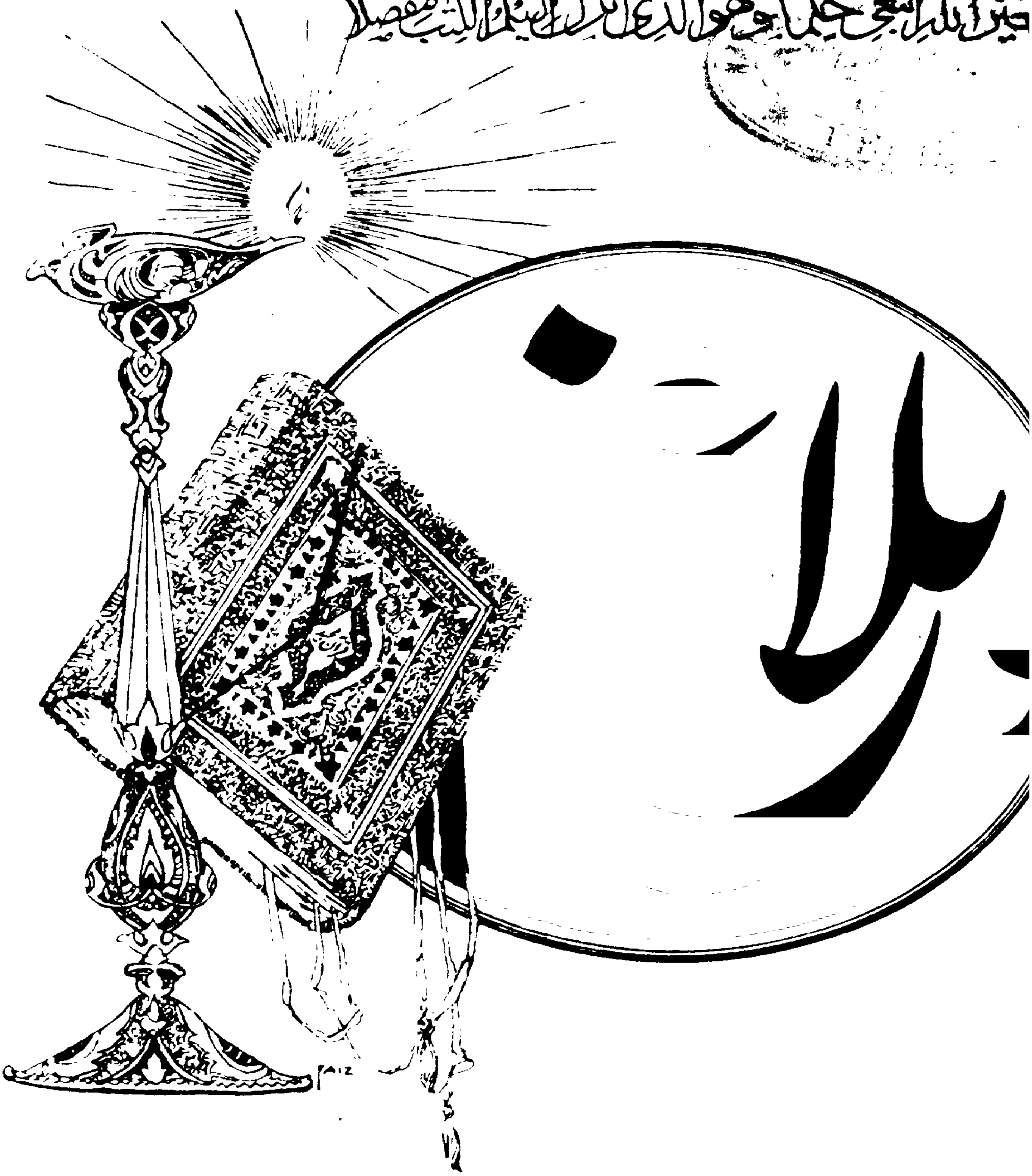
ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بستیوں کی ہلاکت جو دنیا میں اب بھی ہوا
رہتی ہے ایسی آیات کو پڑھکر سنانے والے رسولوں کے بغیر نہیں ہوا کرتی اور یہی معنی
ہیں وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ کے

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی قوم کے ہلاکت کے قریب آنے کے وقت اس قوم میں
کوئی نہ کوئی سمجھانے والا ضرور کھڑا ہوجایا کرتا ہے۔ پھر خواہ وہ سمجھانے والا ساتھ ہی اصطلاحی
رسول بھی ہو یا نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ عام قاعدے کے طور پر فرماتا ہے کہ:-

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ
وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا
وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۚ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ
سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ ہر اُمت کے لئے کوئی نہ کوئی رسول ہوتا ہے۔ سو جب
ان کا وہ رسول آتا ہے تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے اور اُن پر ظلم
نہیں کیا جاتا۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ (تم مبلغ رسول بھی ہو۔ پس ہمارا فیصلہ بھی ضرور
ہونا چاہیئے سو) یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ تو کہدے کہ میں اپنی جان کے لئے بھی
کسی ضرر یا نفع کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ ہر اُمت کے لئے ایک وقت
ہے۔ سو جب ان کا وقت آجاتا ہے تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہوتے ہیں اور نہ آگے
جاتے ہیں۔

جینیوں کی ہر فوج اور ہر زمرہ نذیر اور رسول کے آنے کا اقرار کرتا ہے۔ اللہ
فرماتا ہے کہ:-

غير الله أبتغي حكما وهو الذي أنزل إليكم الكتب مفصلا



اُمّتِ مسلمہ امرتسر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنۡذَرُوۡا بِهٖ وَلِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ

بلاغ

[illegible]

قیمت سالانہ ۲ روپیہ ۴ آنہ

فی پرچہ ۳ آنہ

جلد ۱ امرتسر ماہ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق اگست ۱۹۳۷ء نمبر ۸

فہرست مضامین

[illegible] امر ایک [illegible] فرض ہے کہ اپنے احباب میں بلاغ کی اشاعت کرے [illegible] پیغام [illegible] زیادہ سے زیادہ [illegible] تک پہنچ سکے۔

شذرات

(اثر عرشی)

آیہ مبارکہ خاتم النبیین سورہ احزاب میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے، تیرہ صدیوں سے اس
مدعا و مقصود کو مسلمانوں کے تمام فرقے عقیدہ توحید کی طرح اجماعی طور پر تسلیم کرتے آئے ہیں
لئے قدیم مفسرین نے اس کی تفسیر کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی، لیکن اس زمانہ میں بعض تاو
فرقے پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے نصوص صریحہ، اجماع اور تواتر سے اعراض کر کے نبوت کے باب
مسدود کو توڑ دینے کی ناکام کوشش کی ہے جو نعمت خداوندی کے اتمام و اکمال کا انتہائی کفران
وناقدری ہے۔ اس ضرورت وقت کے پیش نظر بہت سے اکابر علماء نے عوام کو گمراہی سے بچا
کے لئے اپنے اپنے طرز و مذاق کے مطابق قابل قدر کتابیں تصنیف کی ہیں (شکر اللہ سعیہم
حضرت خواجہ احمد الدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اسلوب بیان عموماً ہر مسئلہ کے متعلق یہ رہا ہے کہ
وہ اثبات مدعا میں خالص قرآنی وعقلی دلائل سے استفادہ کرتے تھے، حبل اللہ سے اعتص
فرماتے تھے، اور ایک مضبوط و مستحکم چٹان پر قائم ہو جاتے تھے، فریق مقابل کو اُن کے سا
عجز و بیچارگی کے دامن میں پناہ لینی پڑتی تھی، یا پھر اُسے عوام میں اپنی پوزیشن قائم رکھنے
کے لئے الد الخصام بن جانا پڑتا تھا۔ چنانچہ اس مسئلہ میں بھی آپ کی تحقیقات کو شائع ہوئے
کئی سال گزر چکے ہیں۔ جس سے بہت سے مذبذبین نے تسلی پائی اور مخالفین کو آج تک
اس کے جواب میں ایک حرف تک لکھنے کی جرأت نہیں ہوئی، بلکہ ان میں سے بہت سے
سعید طبع لوگ پھر سے رسالت محمدیہ (علی صاحبہا السلام) کے کمال پر ایمان لے آئے اور نئی
نئی نبوتوں کی پر پیچ اور خاردار راہوں میں بھٹکنے سے بچ گئے ذٰلک فضل اللہ۔ مناسبت
وضرورت کے مقتضا سے اس کو گزشتہ نمبر سے شامل صفحات تفسیر کیا جا رہا ہے جو غالباً تین
چار اشاعتوں میں ختم ہو سکیگا۔ احباب کا فرض ہے کہ اس کو مناسب اشخاص تک پہنچ
میں سعی کریں۔

دفتر بلاغ جدید عمارت میں
(از م۔ الف۔ ص)

۱۴ جولائی سے بلاغ کا دفتر اپنی جدید عمارت میں منتقل ہو چکا ہے۔ تعمیر و تکمیل کا کام معمولی رفتار کے ساتھ برابر جاری

ہے، دیواروں پر ٹیپ ہو رہی ہے، برآمدے کی چھت مکمل ہو چکی ہے اور فرش زیر تعمیر ہے۔ کنوئیں کے قریب نماز پڑھنے کے لئے ایک چبوترہ بھی تیار ہو چکا ہے۔ اب کوشش کی جا رہی ہے کہ گراؤنڈ کے مختلف حصوں پر سایہ دار درخت، بیل بوٹے اور پھول اُگائے جائیں۔

دفتر اُمت کی نہایت اہم اور فوری ضروریات میں سے ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ بلاغ کے صاحب ثروت اور دولتمند حلقۂ احباب میں سے صرف دو ایسے مخیر حضرات میدان میں نکل آئیں جو سٹور اور لائبریری کے لئے ایک ایک کمرے کی تعمیر اپنے ذمے لے لیں۔ یہ دونوں کمرے اپنے اپنے بانیوں کے نام سے منسوب کئے جائیں گے اور جب تک دنیا میں یہ عمارتیں قائم رہینگی جب تک خلق خدا اُن سے فائدہ اُٹھاتی رہیگی، اُن کا نام زندہ رہیگا، اُن کا کام زندہ رہیگا، اُن کی مثال زندہ رہیگی اور اُن کا نقش قدم، قوم کی فیاضی اور خیرات کی صحیح رہنمائی کا موجب ہوگا۔ یہاں مہمان اُتریں گے اور اپنی زندگی کے چند لمحے امن و سکون کی فضاؤں میں بسر کر کے دعائیں دیتے ہوئے وداع ہونگے۔ یہاں مسافر ٹھیریں گے اور گھڑی دو گھڑی ستا کر رحمت حق کو توجہ دلاتے ہوئے چل پڑیں گے، یہاں طالب علم جمع ہوں گے جو کتاب و حکمت کا مطالعہ کریں گے اور دنیا کی تاریک منزلوں پر روشنی کے مینار قائم کریں گے۔ یہاں اندھے آئیں گے جو بصارت سے محروم ہونگے، لیکن بصیرت کی آنکھوں سے اپنی زندگی کا راستہ خود تلاش کریں گے ــــ لیکن ضرورت ہے تھوڑے سے ایثار کی، تھوڑے سے جذبۂ عمل کی اور تھوڑے سے جہاد کی۔ کیا اُمت مسلمہ کے صدہا فرزندوں میں سے صرف دو مخیر اور مجاہد بھی میدان میں نہ آئینگے

ابرکرم کا پہلا قطرہ۔ گذشتہ اشاعت میں اپیل کی گئی تھی کہ "بلاغ" کی مالی حالت نہایت کمزور ہے، معاونین کرام کو اس کی توسیع اشاعت اور بقاء و استحکام کی فکر کرنی چاہیئے۔ اس سلسلے میں "بلاغ" کے قدیم معاون اور رفیق جناب حق گو نے پانچ روپے کے عطیہ سے اس کار خیر کا آغاز فرما دیا ہے۔ طے کیا گیا ہے کہ "بلاغ" کے اعانت فنڈ میں جس قدر روپیہ وصول ہو، اس سے غریب اور مستحق مسلمانوں کے نام چھ چھ ماہ کے لئے رسالہ مفت جاری کر دیا جائے۔ اس ہفتہ سے "بلاغ" کے بعض مخلص معاونین کی خدمت میں توسیع اشاعت کی خاطر قلمی خطوط بھی ارسال کئے جا رہے ہیں، ہمیں اُمید ہے کہ جن جن حضرات کو یہ تکلیف دی جا رہی ہے وہ ضرور ہماری درخواست پر توجہ فرمائیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْعَامِلِیْنَ۔

اس ضمن میں ہم خواجہ محمد اللہ صاحب کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اپنے فرزند کی صحت یابی پر اعانت بلاغ کی مد میں دس روپے کی رقم عطا فرمائی ہے۔

شکریہ احباب:- ماہ جولائی میں مستری تاج الدین صاحب، سید حسرت صاحب بی۔ اے مسانوی اور مسٹر [illegible] دین [illegible] کی مساعی سے مندرجہ ذیل اصحاب بلاغ کے حلقہ مطالعہ میں داخل ہو چکے ہیں جزاہم اللہ

پروفیسر عبدالعزیز صاحب ایم اے بٹالہ	سید وارث شاہ صاحب مسانیاں
بابو محمد شفیع صاحب امرتسر	بابا تاج الدین صاحب امرتسر
چوہدری محمد شفیع صاحب بدوملہی	

امت مسلمہ کا پہلا جلسہ

رسول اللہ کی تبلیغی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ وعظ فرماتے اور لوگ کانوں میں انگلیاں دابے لیتے۔ آپ حق کی طرف بلاتے، وہ بتوں کی طرف بڑھتے۔ آپ توحید کی دعوت دیتے، وہ شرک کی راہوں پر چلتے۔ آپ اسلام کا پیغام دیتے، وہ فساد کی طرف رجوع کرتے۔ آپ قرآن کی آیتیں پڑھتے اور وہ کفر کے کلمے بکتے۔

سالہا سال حق و باطل کی یہ کشمکش جاری رہی، حتیٰ کہ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ خدا کا نام بلند کرنے والی ایک چھوٹی سی جماعت پیدا ہو گئی، لیکن اس جماعت کی طاقت کیا تھی؟ دنیا کی کوئی تکلیف کوئی مصیبت اور کوئی صدمہ ایسا نہ تھا جو انھوں نے برداشت نہ کیا ہو، انھیں آگ پر لٹایا گیا، انھیں انگاروں پر گھسیٹا گیا، انھیں پتھروں سے مارا گیا، انھیں نیزوں سے زخمی کیا گیا، انھیں دُرّوں سے پیٹا گیا، انھیں بھوک سے ستایا گیا اور پانی سے ترسایا گیا۔

پھر ایک دور ایسا بھی آیا کہ یہی بے بس اور مظلوم جماعت مکہ اور مدینہ پر قابض ہو گئی، عرب کے صحراؤں میں پھیل گئی۔ روم اور فارس کے تخت و تاج نے اس کی اطاعت قبول کی، شام اور مصر کی حکومتوں نے اسے باج ادا کیا۔ چین اور ہندوستان کے کروڑوں انسان اس کے جھنڈے

...ہو گئے اور خشکی اور تری کی ساری کائنات نے اس کی غلامی اختیار کر لی۔

اور تیسرا خادمان قرآن کی زندگی میں بھی ایسا وقت آ چکا ہے جبکہ خدا کی وسیع زمین اُن کے لئے تنگ ہو چکی تھی۔ قرآن و حکمت کے جذبے لے کر خادم ایک جلسہ منعقد کرنا چاہتے تھے۔ لیکن امرتسر جیسے عظیم الشان شہر میں کوئی میدان، کوئی ہال کوئی پارک اور کوئی چوک اُنھیں جگہ دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ وہ ایک طرف جلسہ کرنے کا ارادہ کرتے تھے اور دوسری طرف مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے ممانعت کا حکم پہنچ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اُنھیں اپنے پروگرام کی تکمیل کے لئے ایک گمنام گوشے میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ بے بسی کے اس حسرت آفرین لمحے میں اکثر ارکان امت کے دل و دماغ پر افسردگی کی لہر دوڑ گئی۔

لیکن خدا کی اُس تقدیر پوری ہوئی، جزائے اعمال کی قدیم سنت تازہ ہوئی اور ارکان امت کی سالہا سال کی ان تھک کوششیں بار آور ہوئیں۔ خدا نے انہیں عمارت بھی دی، میدان بھی دیا، جلسہ بھی دیا اور عبادت گاہ بھی دی۔ چنانچہ ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء کا دن مجلس کی تاریخ کا پہلا دن تھا کہ انہوں نے پورے سکون اور مسرت کے ساتھ، امت مسلمہ بلڈنگس کی گراؤنڈ میں میاں محمد بخش صاحب کے زیر صدارت اپنا پہلا قرآنی جلسہ منعقد کیا۔ تلاوت و نظم کے بعد عرشی صاحب کی تقریر سے جلسے کا افتتاح ہوا۔ آپ نے حضرت یوسف اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت کی ابتدائی مشکلات و مصائب اور آخری خوشگوار نتائج پر ایک اثر آفرین روشنی ڈالی اور قرآن حکیم کی آیت عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ کی تشریح و تفسیر کرتے ہوئے حاضرین کو صبر و جہاد اور رضائے الٰہی پر کاربند رہنے کی تلقین فرمائی۔ تقریر کے آخر میں اظہار تشکر کے طور پر تمام حاضرین خدا کے حضور میں سربسجود ہو گئے۔ موصوف کی تقریر کے بعد میاں محمد یعقوب صاحب بی اے اور راقم الحروف کی مختصر تقریریں ہوئیں جن کے بعد جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

اسی سلسلے میں طے کیا گیا ہے کہ ہر قمری مہینے کی چودھویں رات کو اسی میدان میں امت مسلمہ کا ماہوار قرآنی جلسہ منعقد ہوا کریگا۔ ناظرین کرام دعا فرمائیں کہ اللہ تعالے ہمیں خدمت قرآن اور تبلیغ اسلام کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری حقیر کوششوں کو شرف قبول بخشے۔ آمین (م۔ا۔ص)

اُمّتِ مُسلِمہ بلڈنگس

پچھلے پرچوں میں عرض کیا جا چکا ہے کہ چند مخیر بزرگوں کی توجہ سے اُمت مسلمہ گراؤنڈ میں تین کمرے، ایک چھوٹی سی دوکان، ایک کنواں تعمیر ہو چکا ہے۔ اس ماہ میں کمروں کے آگے ایک عارضی برامدہ کا بھی انتظام ہو گیا ہے۔ اَلحَمدُ لِلّٰہِ

حاجی خواجہ محمد امین صاحب مالک صادق بوٹ ہاؤس اور آپ کے بڑے صاحبزادہ حاجی خواجہ محمد حسین صاحب نے مسجد کے لئے ایک چبوترہ اور وضو کے لئے ٹونٹیوں کا انتظام کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور کاروبار میں برکت عطا فرمائے۔

اگرچہ محترم حاجی خواجہ محمد امین صاحب تسلی دلاتے ہیں کہ وہ مسجد کے چبوترہ پر چھت کا انتظام کر دیں گے لیکن میں حاجی خواجہ محمد الدین صاحب مالک امین بوٹ شاپ سے درخواست کرونگا کہ وہ اپنے والد ماجد اور برادر بزرگ کی تقلید کرتے ہوئے چھت کی تعمیر کی ذمہ داری اپنے سر پر لیں۔ اور جلد از جلد چبوترہ کو مسقف کر کے اُسے ظہر اور عصر کی نماز کے قابل بنا دیں، کیونکہ گرمیوں کے دنوں میں موجودہ حالت میں اس چبوترہ پر نماز پڑھنا سخت مشکل ہے + (نیاز مند ابوالاحسان خادم شعبہ عمارات)

مواعظِ قرآن (۲۳)

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ط
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ
وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (ع ۱۳)

اور یہود و نصاریٰ کا قول ہے کہ جنت میں بجز ان لوگوں کے جو یہود و نصاریٰ ہیں کوئی نہ جائیگا۔ یہ سب ان کے دل بہلانے کی باتیں ہیں۔ ان سے کہو کہ ان کے اس لاطائل قول کی دلیل کیا ہے ہرگز نہیں، بلکہ ہر شخص جو خدا کے آگے اپنا سر جھکائے اور وہ لوگوں کے ساتھ نیکی کرے، خدا کے ہاں اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کو کوئی خوف و ہراس اور مایوسی نہ ہوگی۔

قرآن نے یہود و نصاریٰ کی محض ایک مثال دی ہے لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی جگہ اگر مقلد، غیر مقلد، شیعہ، حنفی، وہابی یا قادیانی کا لفظ رکھ دیا جائے تو ٹھیک یہ ہی قول ہمارے لئے موزون نہ ہوگا۔ پھر اس قول سے ہم کو کیا سبق ملا۔ یاد رکھو یہ قول معمولی شخص کا قول نہیں ہے کہ ہم اس کو ٹال جائیں۔ وہ تو ایسی ہستی کا قول ہے جو ہماری رگ رگ سے واقف ہے۔ خدا کے آگے سر جھکانے والا اور لوگوں پر احسان کرنے والا خواہ وہ عرب ہو یا ایرانی، انگریز ہو یا ہندوستانی، چینی ہو یا جاپانی۔ پارسی ہو یا یہودی ویسا ہی بہشت کا حقدار ہے جیسا کہ وہ طرفہ معجون مرکب قوم جو نہ ہندی ہے نہ ترک نہ جرمن ہے نہ فرانسیسی جس کی کوئی ملکی معاشرت، تہذیب و لٹریچر نہیں، یعنی وہ مذہبی قوم جو مسلمان کے نام سے مشہور ہے، جسکا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ عرب بننے کی کوشش میں نہ عربی بنتا ہے اور نہ غیر عربی اور آخر میں اس مذہبی جنون میں مبتلا پایا جاتا ہے جس میں دنیا کے سارے مذاہب باطل مبتلا ہیں کہ سوائے ان کے دنیا اور آخرت میں کسی دوسرے کو رہنے کا حق نہیں۔ یہ ہی مذہبی جنون ہے جس کا ادنےٰ کرشمہ " فَسَادًا فِي الْاَرْضِ " اور آخر میں وہی شخص جس کی ذات سے دنیا کو امن و راحت کی امید ہوتی ہے، قومی عناصر میں سب سے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ہم نے افواہاً سنا ہے کہ سندھ میں اسی قسم کے ایک عنصر نے اپنے ہاتھ سے قرآن پاک جلا کر ہندو مسلمانوں میں فساد کرا دیا۔ اور چند بے گناہ اور بے خبر غریب ہندوؤں کی جان

اُمتِ مُسلمہ بلڈنگس

پچھلے پرچوں میں عرض کیا جا چکا ہے کہ چند مخیّر بزرگوں کی توجہ سے اُمت مسلمہ گراؤنڈ میں تین کمرے، ایک چھوٹی سی دوکان اور ایک کنواں تعمیر ہو چکا ہے۔ اس ماہ میں کمروں کے آگے ایک عارضی برامدہ کا بھی انتظام ہو گیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

حاجی خواجہ محمد امین صاحب مالک صادق بوٹ ہاؤس اور آپ کے بڑے صاحبزادہ حاجی خواجہ محمد حسین صاحب نے مسجد کے لئے ایک چبوترہ اور وضو کے لئے ٹونٹیوں کا انتظام کر دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ جزائے خیر دے اور کاروبار میں برکت عطا فرمائے۔

اگرچہ محترم حاجی خواجہ محمد امین صاحب تسلّی دلاتے ہیں کہ وہ مسجد کے چبوترہ پر چھت کا انتظام کر دیں گے لیکن میں حاجی خواجہ محمد الدین صاحب مالک امین بوٹ شاپ سے درخواست کرونگا کہ وہ اپنے والد ماجد اور برادر بزرگ کی تقلید کرتے ہوئے چھت کی تعمیر کی ذمہ داری اپنے سر پر لیں۔ اور جلد از جلد چبوترہ کو مسقف کر کے اُسے ظہر اور عصر کی نماز کے قابل بنا دیں، کیونکہ گرمیوں کے دنوں میں موجودہ حالت میں اس چبوترہ پر نماز پڑھنا سخت مشکل ہے۔ (نیاز مند ابوالاحسان خادم شعبہ عمارات)

مواعظِ قرآن
(۲۳)

قَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ
قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ
وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (پ ۱)

اور یہود و نصاریٰ کا قول ہے کہ جنت میں بجز ان لوگوں کے جو یہود و نصاریٰ ہیں کوئی نہ جائیگا۔ یہ سب ان کے دل بہلانے کی باتیں ہیں۔ ان سے کہو کہ ان کے اس لاطائل قول کی دلیل کیا ہے، ہرگز نہیں، بلکہ ہر شخص جو خدا کے آگے اپنا سر جھکائے اور وہ لوگوں کے ساتھ نیکی کرے، خدا کے ہاں اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کو کوئی خوف و ہراس اور مایوسی نہ ہوگی۔

قرآن نے یہود و نصاریٰ کی محض ایک مثال دی ہے لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی جگہ اگر مقلد، غیر مقلد، شیعہ، حنفی، وہابی یا قادیانی کا لفظ رکھ دیا جائے تو ٹھیک یہ ہی قول ہمارے لئے موزون نہ ہوگا۔ پھر اس قول سے ہم کو کیا سبق ملا۔ یاد رکھو یہ قول معمولی شخص کا قول نہیں ہے کہ ہم اس کو ٹال جائیں۔ وہ تو ایسی ہستی کا قول ہے جو ہماری رگ رگ سے واقف ہے۔ خدا کے آگے سر جھکانے والا اور لوگوں پر احسان کرنے والا خواہ وہ عرب ہو یا ایرانی، انگریز ہو یا ہندوستانی، چینی ہو یا جاپانی۔ پارسی ہو یا یہودی ویسا ہی بہشت کا حقدار ہے جیسا کہ وہ طرفہ معجون مرکب قوم جو نہ ہندی ہے نہ ترک نہ جرمن ہے نہ فرانسیسی جس کی کوئی ملکی معاشرت، تہذیب ولٹریچر نہیں، یعنی وہ مذہبی قوم جو مسلمان کے نام سے مشہور ہے، جسکا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ عرب بننے کی کوشش میں نہ عربی بنتا ہے اور نہ غیر عربی اور آخر میں اس مذہبی جنون میں مبتلا پایا جاتا ہے جس میں دنیا کے سارے مذاہب باطل مبتلا ہیں کہ سوائے ان کے دنیا اور آخرت میں کسی دوسرے کو رہنے کا حق نہیں۔ یہ ہی مذہبی جنون ہے جس کا ادنےٰ کرشمہ " فَسَادًا فِي الْأَرْضِ " اور آخر میں وہی شخص جس کی ذات سے دنیا کو امن و راحت کی اُمید ہوتی ہے، قومی عناصر میں سب سے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ہم نے افواہاً سنا ہے کہ سندھ میں اسی قسم کے ایک عنصر نے اپنے ہاتھ سے قرآن پاک جلا کر ہندو مسلمانوں میں فساد کرا دیا۔ اور چند بے گناہ اور بے خبر غریب ہندوؤں کی جان

قربان گئی۔ خدا کرے یہ خبر غلط ہو۔ مگر میں اس سے بدتر واقعات تاریخوں میں پڑھ چکا ہوں۔ مذہب کے نام سے ہمارے ہاں اس سے زیادہ قتل و خونریزی کی گئی ہے کہ یہود و نصاریٰ میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوا۔ کم سے کم اس تہذیب و تمدن کے زمانے میں اگر مذہب کے نام سے بکریاں چھتی ہیں تو لکھنؤ، پنجاب، سندھ، عرب اور افغانستان میں، ہم نے اسلام کو ایک فرقہ وارانہ مذہب کی شکل دے رکھی ہے، حالانکہ اسلام نام ہے صرف نیکی اور خدا پرستی کا، جو صرف اس مذہبی قوم کے لئے مخصوص نہیں۔ اس مذہب کی تشکیل دینے والی وہ جماعت تھی جو قرآن سے صرف اسلئے عناد رکھتے تھے کہ وہ ان کے وجود و ضرورت کو باقی نہیں رکھتا تھا۔ اس جماعت نے منبروں پر پکار پکار کر، کتابوں میں لکھ لکھ کر ایک ایسا تاریک پردہ قرآن پر ڈال دیا ہے کہ وہ ہٹائے نہیں ہٹتا۔ جب تک حکومت کا ساتھ رہا انھوں نے دل کھول کر اپنی دکان کو فروغ دیا اور جب سلطنت کا ہاتھ اٹھ گیا تو اُن کو اپنا پیٹ پالنے کے لئے دو صورتیں نظر آئیں۔ ایک یہ کہ کہیں مدرسہ بنا کر خود مدرس بن جائیں اور یا رسالے اور کتابیں لکھ کر کمائی کریں اور اپنے اس زہریلے مواد کو جو قرآن کے مقابلے میں تیار کیا گیا ہے، فروغ دیں۔ ان لوگوں نے اسلام کو اس درجہ مسخ کر دیا ہے کہ مشکل سے کوئی ذوق سلیم اسے اختیار کرنے کو تیار ہو سکتا ہے۔ اور وہ ہوشمند قومیں جو قرآن سے معرفت و حکمت کے بیش بہا موتی جمع کر سکتی تھیں، وہ ان کے مدعیان کی بد اطواری سے اس درجہ بیزار ہو گئی ہیں کہ وہ قرآن کو کھول کر دیکھنا بھی نہیں چاہتیں، یعنی ہم رجعت قہقری کرتے کرتے ٹھیک یہودیت میں جذب ہو کر رہ گئے۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ یہود نے دین کو ہاتھ سے جانے دیا تو دنیا ہی کے ہو کر رہے اور ہم دونوں سے محروم ہوئے جاتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(حق گو)

بیان

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

"امن" "خوف" کی ضد ہے اور ایسی حالت نفس انسانی ہے جسے اطمینان کہتے ہیں یعنی اطمینان امن سے حاصل ہوتا ہے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ	جب اُن کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی پہونچتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔
وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ؕ	تم تو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے نہیں ڈرتے، بھلا میں کیسے ان سے ڈروں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو اور اس شرک بااللہ کی سند تم پر نازل نہیں ہوئی اب غور کرو کہ دونوں میں کس کو امن (جمیعت خاطر اور اطمینان قلب) ہونا چاہیے۔ جو لوگ ایمان لائے اور اُن کے ایمان میں ظلم کی آمیزش نہیں انہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

ان آیات میں "امن" کی تشریح کی گئی ہے کہ کس طرح حاصل ہوتا ہے۔ کائنات میں ہر ایک شے امن کی طالب ہے، یہ فطری تقاضا ہے اور اگر امن نہ ہو تو زندگی ناممکن ہو، تمام کائنات اللہ تعالےٰ کی سلطنت ہے، اور اگر سلطنت میں امن نہ ہو تو وہ سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے کل کائنات میں امن کا قیام اللہ تعالےٰ ہی فرماتا ہے۔ اور یہی نہایت مضبوط دلیل توحید پر ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ	اگر اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں اور بھی حکمران

ہوتے تو دونوں (آسمان و زمین) خراب ہوتے (اور یہ نظام عالم قائم نہ رہ سکتا)

اب کائنات میں تدبر کرو، اس میں ہر ایک شے دوسری کی ضد مشاہدہ ہوتی ہے اور اضداد ہی ایک دوسرے کو فنا کرتی ہیں، لیکن اللہ تعالےٰ نے ہر ایک شے کو ایسے اعتدال پر رکھا ہوا ہے کہ نہ صرف ایک شے دوسری کو نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ نفع رساں بھی ہے۔ آگ کا ایک شعلہ شہر بھر کو خاک سیاہ بنانے کے لئے کافی ہے۔ ہمارے نظام شمسی کا مرکز ہی کرہ آتش ہے۔ اسی کے فوائد پر

نظر کرو، اگر اسے کچھ اختیار ہوتا تو یہ نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا، اس کی فطری خاصیت ہی جلانا ہے، لیکن اللہ تعالےٰ نے اس کو اس طرح رکھا ہوا ہے کہ وہ اپنی حرارت سے ہمیں فائدہ پہنچا رہا ہے، اور اس کی روشنی میں رنگ روپ پیدا ہوتا ہے، اس کو دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا کرنا عبث ہے

اگر صد سال گبر آتش فروزد		چو یکدم اندر آں افتد بسوزد

"اگنی" دیوتا بھی سورج کا نمائندہ ہے۔ سطحی مشاہدہ نے انسان کو ان سے خائف بنا دیا؟ ورنہ یہ سب اشیاء تو ہمارے ہی فائدہ کے لئے مسخر ہو چکی ہیں اور مبارک ہے وہ قوم جو ان پر حکومت کرتی ہے، وہی خلیفۃ اللہ فی الارض ہے، اور جو لوگ ان سے ڈرتے اور ان کی پوجا کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ محکوم اور ذلیل رہیں گے، "ھنٹر" نے تاریخ ہند میں مسلمانوں کی حکومت کا بہت بڑا سبب یہ لکھا ہے کہ ہندوؤں کے مذہب کی تعلیم ہی انھیں محکوم بناتی ہے، اور مسلمانوں کا مذہب انہیں ان اشیاء پر حکومت کرنا سکھاتا ہے جن کے ہندو محکوم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وید مقدس کی یہ تعلیم نہیں، وہاں توحید کا تشبیہات میں بیان ہے، کیونکہ زمانہ کا فہم محسوسات سے بالاتر نہ تھا قرآن کی آیات بینات ہیں، اور اس میں توحید تنزیہی ہے، بُت پرستی تشبیہات سے اخذ کی گئی ہے۔ بہرحال موجودہ حالات میں جو کچھ ہندوؤں کی حالت ہے وہ واضح ہے، آیات ۱۵/۷ میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ہمیں اللہ کے سوا جن اشیاء کا خوف ہے خواہ وہ ہمارے جیسے انسان ہی کیوں نہ ہوں، وہ ہمیں ہرگز ہرگز "امن" میں نہیں رکھ سکتے، ان سے ڈرنا ہمارے ایمان کی کمزوری ہے، بلکہ بے ایمانی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی یاد ہی امن کی واحد ضامن ہے۔ قرآن میں اہل بہشت کا خاص نشان "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" ہے۔ یعنی نہ ان پر خوف طاری ہوتا ہے اور نہ انھیں اندوہ ہوتا ہے، ہر ایک شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ سکتا ہے اور اپنی نسبت خود ہی فتویٰ صادر کر سکتا ہے کہ وہ جہنمی زندگی تو بسر نہیں کر رہا۔ بات یہ ہے کہ ہم اللہ کو بھول چکے ہیں، جو اللہ کو یاد کرتے ہیں اللہ انھیں یاد کرتا ہے۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۲/۲	پس تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اور میرا شکر ادا کرو اور ناشکری مت کرو

اللہ کی یاد کیا ہے؟ اس کا جواب مستقل موضوع ہے، ملاحظہ ہو لفظ "ذکر" اور "خوف" حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں بُت پرستی زوروں پر تھی، آنحضرتؐ نے "بکہ" میں جس کو ملب "مکہ" کہتے ہیں اپنی ملت کا مرکز قائم کیا، یہ "واد غیر ذی زرع" ہے۔ قیاس ہو سکتا ہے کہ ایسی

ویران جگہ میں جہاں بھوک کا ہر وقت خوف دامنگیر ہو، کیا کشش ہو سکتی ہے؟ آنحضرتؐ کی اپنی مستقل رہائش ارض شام میں تھی، جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے۔ لیکن آنحضرتؐ نے "بکہ" کو مرکزی مقام بنایا کیونکہ اس جگہ "امن" تھا۔ حضرت داؤدؑ نے بیت المقدس کی بنیاد ڈالی اور حضرت سلیمانؑ نے تعمیل کرائی۔ اس شان کا معبد روئے زمین پر نہ تھا۔ یہ تعمیر ہوا اور ... لیکن حملہ آوروں نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور خود بنی اسرائیل کا تعلق اس قومی مرکز سے قطع ہو گیا، وادی مکہ میں حملہ آوروں کے لئے کچھ کشش نہیں، ایک دفعہ ایک مسیحی بادشاہ "ابرھہ" کو مذھبی جنون نے حملہ پر آمادہ کیا، اس کی غرض محض "کعبہ" کا انہدام تھا اور بس، جو کچھ اس کا حشر ہوا وہ سورہ فیل میں مذکور ہے اور تاریخی واقعہ ہے، یہ ممکن ہے کہ تاریخ پھر اسی واقعہ کا اعادہ کرے اور کوئی مسیحی طاقت فیل جنگ (TONK) سے وہی غرض لئے ہوئے حملہ آور ہو، ہمیں یقین کرنا چاہئے کہ اس کی تباہی کے لئے اللہ تعالیٰ "طیراً ابابیل" (طیارہ) ہندوستان سے بھیجدیگا۔

قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ میں اپنی ملت کا مرکز اسی لئے بنایا کہ آنحضرتؐ کی اولاد اور جو آنحضرتؐ کی ملت پر ہو اصنام پرستی سے بچا رہے، جس میں ایک دنیا گمراہ تھی۔ چنانچہ اس "بلد الامین" کا طغراء امتیاز مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا "ہو گیا۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ؕ	اس لئے کعبہ کے رہنے والوں کے لئے ہی واجب ہے کہ وہ اس گھر کے مالک کی بندگی کریں جسکی

برکت سے انھیں بھوک میں کھانا ملتا ہے اور خوف سے امن میں ہیں (حالانکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کے گردو نواح میں لوٹ گھسوٹ کا بازار گرم ہے)

اس موضوع پر مفصل بحث زیر لفظ "بکہ" ملاحظہ ہو۔

"الامین" یہ لقب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بلد الامین کا خطاب ملا۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۔ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۔ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۳۰/۲	تین اور زیتون اور طور سینین اور یہ بلد الامین شاہد ہیں کہ انسان کو ہم نے بہترین تقویم میں پیدا کیا (کہ بے انتہا ترقی کا اہل ہے)

تین اور زیتون کو کون جانتا تھا، مسیح جو اس جگہ اکثر آتے اور وعظ فرماتے یہ مقامات

مشہور ہوگئے، اسی طرح طور سینا کا حال ہے جو حضرت موسیٰؑ کے سبب مشہور ہے، غور کرنا چاہیئے کہ شہادت میں "یروشلم" کو پیش نہیں کیا گیا جو اسرائیلی مرکزی شہر ہے، "بلد الامین" شہر ہے اور "ام القریٰ" ہے "طور سینین" اسرائیلی "بداوت" کی اور "تین و زیتون" حضارت اور وحدہ برکت کی شہادت دے رہے ہیں، طور پر توریت اور تین و زیتون پر انجیل اور بلد الامین میں قرآن نازل ہوا" یہ برکت کلام اللہ سے وابستہ ہے، حضرت موسیٰؑ سے اسرائیلی قومیت کا آغاز ہوا اور مسیحؑ پر ختم ہوئی اس کے بعد اصلی مرکز "مکہ" کا دور شروع ہوا، جس کی بنیاد اسی غرض سے ڈالی گئی تھی کہ "دنیا جہاں کی قوموں کے لئے موجب برکت ہو" دونوں اسرائیلی پیغمبر قومیت کے نمائندہ ہیں اور آنحضرتؐ "انسانیت" کے۔ تینوں حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں، انہی کے ذریعہ دنیا کی قومیں برکت حاصل کر رہی ہیں۔ آنحضرتؐ کو بالخصوص "امین" اس لئے کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد الٰہی بلفظہ بے کم و کاست لوگوں تک پہنچا دیا" اور توریت و انجیل کی پیشگوئی بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام آنحضرتؐ کے منہ میں ڈالیگا اور وہ اپنی طرف سے (وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ) کچھ نہ کہیگا۔ بلکہ جو کچھ وحی ہوگا وہی کہیگا "(إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ) اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام رسول امین ہی تھے۔ لیکن آنحضرتؐ کو خاص امتیاز اس لئے بھی حاصل ہے کہ

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۳۰/۶

حضرت یوسفؑ کو فرعون مصر نے کہا کہ

إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ۱۳/۱ — آج سے تم ہمارے باوقار صاحب اعتبار ہو۔

آنحضرتؐ ایسے "امین" تھے کہ "ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ" آنحضرتؐ بقول سیدنا مسیحؑ جلال کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں" يد الله فوق ايديهم۔

امانت "ایسی شے ہے جو کسی کی حفاظت میں رکھی جائے اس خیال سے کہ اس شخص کے پاس محفوظ رہیگی۔ ایسا شخص "امین" کہلاتا ہے۔ اگر ایسا شخص امانت کو خورد برد کر جائے تو وہ "خیانت" کا مرتکب ہوتا ہے، اور "خائن" ہے، امانت ایسے شخص کے حوالہ کی جاتی ہے جو معتبر ہو، اور کسی شخص کا اعتبار اندھا دھند نہیں کرنا چاہیئے بعض لوگ سخت ریاکار ہوتے ہیں اُن کی چکنی چپڑی باتوں سے سادہ لوح لوگ حسن ظن سے کام لیتے ہیں،

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست — پس بہر دستے نباید داد دست

آیات قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ "امین" اجر کا بھی مستحق ہوتا ہے۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ١٩

(اور ہر ایک رسول نے اپنی قوم کو کہا کہ) میں تمہاری طرف رسول امین ہوں، باتباع فطرت ہوائے نفس سے بچو اور میرا کہا مانو، میں اس بات پر تم سے کچھ اجرت طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو کل کائنات کے پروردگار کے ذمہ ہے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ "رسالت" کا اجر بھی ضرور ہے اور اسی کے ذمہ ہے جو رسول بناتا ہے۔ اللہ تعالٰے ایسے نیک بندوں کو معتبر سمجھ کر رسالت کے عہدہ پر ممتاز فرماتا ہے۔ چنانچہ وہ لوگوں سے یہی کچھ کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰے نے ہم پر اعتبار کیا اور ایسا اہم کام ہمارے سپرد کیا اور اگر اس میں کچھ ہماری ذاتی غرض یا مفاد ہوتا تو اس کا اظہار کسی نہ کسی طرح ہم کرتے یا معاوضہ طلب کرتے، اسوقت یہ معاملہ ذاتی ہوتا اور فریق مخاطب کی مرضی پر موقوف ہوتا کہ اجرت معلوم پر کام کرائے یا نہ کرائے، لیکن یہ معاملہ "رسالت" ایسا ہے کہ رسول کا تعلق براہ راست اللہ اور اس کے بندوں سے ہوتا ہے، رسول مامور من اللہ ہوتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالٰے کا فرمان ہو وہ بندوں کے پاس پہنچا دیتا ہے اور بس، اسے اصطلاح میں "بلاغ" کہتے ہیں۔

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

لیکن کام اہم ہوتا ہے اور ایسا کمر شکن قول ثقیل ہے کہ رسول پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔ جو کچھ واقعات رسولوں کو پیش آتے رہے اس کا علم ہم سب کو ہے، ان کی زندگی اسی کام کے لئے وقف ہوتی ہے

قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ۝ ١٩

(ھود نے) کہا اے قوم میں کچھ بیوقوف تو ہوں نہیں (کہ اپنا وقت اور محنت بیفائدہ ضائع کروں) لیکن میں تمام کائنات کے پروردگار کی طرف سے رسول ہوں، اپنے پروردگار کے پیغام تمہارے پاس پہنچا رہا ہوں، اور تمہارے لئے خیرخواہ (اور اللہ کے نزدیک) معتبر ہوں۔

شیخ مدین کی لڑکی نے حضرت موسیٰؑ کی نسبت باپ کو

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ۝ ٢٠

کہا کہ اے باپ اس کو نوکر رکھ لے اس سے بہتر زور آور معتبر نوکر نہیں ملیگا۔

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ ہر ایک کام کا مناسب اجر ہوتا ہے، لیکن اجر اسی پر ہوتا ہے

جو کام پر لگائے۔ اسلئے جو شخص مامور من اللہ ہو وہ بندوں سے اجر نہیں مانگتا۔ جو شخص فطری تحریک پر کسی کام میں لگا ہو وہ در اصل مامور من اللہ ہوتا ہے

ہر کسے را بہر کارے ساختند

ہر ایک شخص کے دل میں کسی نہ کسی کام کی محبت ہوتی ہے، اور اسے اس کام کی دھن اس درجہ ہوتی ہے کہ لوگ اسے مجنون خیال کرتے ہیں، وہ نہ صرف لوگوں سے اُجرت طلب نہیں کرتا بلکہ جو کچھ اس کے پاس اپنا ہوتا ہے وہ بھی اسی کام میں لگا دیتا ہے، خود فقر و فاقہ میں بسر کرتا ہے لیکن اس کام کی تکمیل کے لئے جان سے بھی دریغ نہیں کرتا' عالم انسانی کی ترقی تمام تر ایسے ہی نیک لوگوں کی ذات سے وابستہ ہے۔ فطری تحریکات الہام اور القا ہوتا ہے اور ان میں انسانی تمناؤں کا دخل نہ ہونا چاہیئے ورنہ یہ پاک صاف باران آسمانی مٹی سے مل کر مکدر اور ناپاک ہو جاتا ہے' الہام اور القا ہر ایک قلب پر ہوتا ہے، لیکن

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست   در باغ لالہ روید و در شور خار و خس

تقوی اور فجور کا بھی الہام ہوتا ہے، باران آسمانی کا اس میں قصور نہیں بلکہ زمین کی قابلیت کا نتیجہ ہے، ہر ایک انسان کے لئے واجب ہے کہ اگر وہ خود ترقی کرنا چاہتا ہے اور افراد کی ترقی قوم اور ملک کی ترقی ہے تو وہ اسی کام میں مشغول ہو جس کی تحریک فطرت کرتی ہے' لیکن محکوم قومیں چونکہ عذاب جہنم میں مبتلا ہوتی ہیں اُن کے اختیار سلب کئے جاتے ہیں، وہ کسی کام کو اختیار نہیں کرتے، بلکہ ان کو کام میں لگایا جاتا ہے، وہ انسان نہیں بہائم ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ وہ " قِرَدَةً خَاسِئِينَ " بندر ہوتے ہیں، نقال ضرور ہوتے ہیں لیکن بے شعور، عقل و فکر سے کام نہیں کرتے۔

اللہ تعالٰے نے آدم کو اپنا خلیفہ فی الارض فطرۃً بنایا ہے، اور تمام کائنات اس کے لئے مسخر کردی ہے اور اُسے تصرف کا اختیار بھی دیا ہے، اور فطرۃً یہ ہدایت فرما دی ہے کہ اس میں تصرف باتباع فطرت کرے' فطری تحریکات لسان مذہب میں الہام سے تعبیر ہوتی ہیں یہ نہایت ہی موزوں اصطلاح ہے، اللہ تعالٰے کی طرف سے فطری تحریکات کے ذریعہ وقتاً فوقتاً انسان کو مناسب ہدایات ملتی رہتی ہیں، لیکن اگر قلب پر ہوا و ہوس کا غلبہ ہو تو انسان اتباع نفس " اَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ " کرتا ہے۔ اختیار تصرف تو اس کو ملا ہوا ہے، وہ تصرف تو کرتا ہے لیکن یہ " تصرف بے جا " اور اصطلاح میں " ظلم " سے تعبیر ہوتا ہے۔

بادشاہ اپنے نائب السلطنت سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ کاروبار سلطنت اس کے منشاء کے مطابق سرانجام دیگا اور اس لئے اُسے اپنا نائب بناتا ہے اور اس کے تصرف میں تمام سلطنت کر دیتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کو جب فرعون نے اپنا مقرب اور معتبر معتمد ٹھہرایا تو آنحضرت نے کہا کہ

اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ۱۳/۱	ملک کے خزانوں پر مجھے اختیار دیدو میں جانتا ہوں کہ اُن کی حفاظت کسطرح کرنی چاہئے۔

اللہ تعالےٰ ہر ایک شے کا خالق اور مالک ہے۔ تمام اسباب اسی کے پیدا کردہ ہیں اور وہ انہی اسباب سے کام لیتا ہے جو کام کے مناسب ہیں، اسی طرح انسان کی کیفیت ہے کہ وہ بھی منجملہ اسباب ہے اور اس سے اللہ تعالےٰ نیابت کا کام لیتا ہے جو اہم کام ہے اور ممتاز عہدہ ہے۔ اب اگر نائب بادشاہ کے منشاء کے مطابق کام نہ کرے اور خودسری اور خود مختاری کا اعلان کرے تو وہ "باغی" ہے (ملاحظہ ہو لفظ بغی) بادشاہ نے جو کچھ اُسے اختیار دے رکھا ہے وہ کچھ عرصہ کے لئے اس کا ناجائز فائدہ اُٹھاتا ہے۔ لیکن آخر شاہی افواج اُسے بے دست وپا کر دیتی ہیں۔ اور اس گمراہ کے ساتھ جو اور لوگ بھی گمراہ ہوتے ہیں اُن کو مناسب سزائیں ملتی ہیں، اسی طرح حضرت انسان کی کیفیت ہے، انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں اگر وہ حق نیابت آلٰہی ادا کر رہا ہے تو نیک شہری ہے اور اگر خیانت کرتا ہے تو سزاوار جہنم ہے، اس کے اختیارات سلب ہو جاتے ہیں۔ اور وہ قرنہا قرن تک اسی دوزخ میں رہتا ہے، وہ اس سے باہر نکلنے کی کوشش بھی کرتا ہے مگر پھر اسی میں دھکیل دیا جاتا ہے اور جب تک اس کی اصلاح خاطر خواہ نہ ہو۔ یہیں پڑا اپنے حال پر ماتم اور مرثیہ خوانی کرتا ہے۔ اس حقیقت کو حسب ذیل آیات میں واضح کیا گیا ہے:۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ الآیہ ۲۲	ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو سب نے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس

سے ڈر گئے اور انسان نے اُسے اُٹھا لیا۔ وہ نہایت ہی ظالم اور جاہل ہے۔ اس سے اللہ منافق مرد و زن کو اور مشرک مرد و زن کو عذاب فرماتا ہے اور مومن مرد و زن پر مہربانی فرماتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ان آیات میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ آدم کو ویسے تو فطرۃً خلافت کا اہل بنایا گیا ہے لیکن یہ اہلیت قوت سے فعل میں "علم" کے ساتھ آتی ہے، زمین پیدا وار دیتی ہے

ایک بیج پھوٹ کر درخت بن سکتا ہے لیکن مناسب اسباب کے ساتھ ان اسباب کا علم انسان کو ہونا چاہیئے اور اس علم کے ساتھ اس کو کائنات میں تصرف کرنا چاہیئے، ورنہ اس کا تصرف سراسر ظلم و جہل ہوگا، اور نتیجہ عذاب ہے اور یہ مشاہدہ ہو رہا ہے "الامانۃ" یہی تھی جو ارض و سما اور ما بینہما میں سے کسی شے کو حاصل نہیں۔ یہ کام ایسی ذمہ داری کا ہے کہ انسان نے بوجہ فطری قابلیت اسے قبول کیا اور وہی کچھ کر بھی رہا ہے، لیکن اکثر ظالم اور جاہل ہیں۔

حضرت یوسفؑ نے خزائن الارض کی اہلیت اپنے اعمال سے ثابت کی تھی۔ وہ عزیز مصر کی زوجہ سے ناجائز تعلق پیدا کر سکتے تھے جبکہ وہ خود اس امر کی طالب تھی، لیکن وہ حضرت موسیٰؑ کی طرح قوی اور امین نوکر تھے، اپنے نفسانی جذبات پر پورا قابو تھا اور آقا کے ننگ و ناموس میں خیانت گناہ عظیم خیال کیا۔ فرعون مصر پر یہ تمام حالات واضح ہو چکے تھے۔ اس لئے سلطنت کے تمام خزانے اُن کی تحویل میں کر دئے اور آنحضرتؐ نے حق امانت کما حقہٗ ادا کیا۔ اختیار تو تھا، چاہتے تو چند روز میں اسراف میں اڑا دیتے۔ لیکن نتیجہ معلوم ہے کہ عذاب کے سوا اور کچھ نہ ہوتا۔

انسان کو اپنے حالات میں تدبر کرنا چاہیئے کہ روئے زمین پر وہی ایک مخلوق ایسی ہے جسے کچھ اختیار تصرف دیا گیا ہے۔ جب وہ اس قلیل اختیار کا استعمال ناجائز کرتا ہے تو یہ بھی سلب ہو جاتا ہے، لیکن منشاء فطرت یہ ہے کہ انسان حضرت یوسفؑ کی طرح "امین" ثابت ہو اور اس کو زیادہ سے زیادہ اختیارات عطا ہوں، اور "خزائن الارض" اسکی تحویل میں ہوں۔

شخصیت پرستی[1]

(از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویزؔ)

اسلام کا نصب العین یہ تھا کہ وہ انسان اور خدا کے درمیان براہ راست تعلق پیدا کردے ایسا تعلق کہ عبد و معبود کے درمیان کوئی دوسرا واسطہ نہ رہے۔ ان کے درمیان کوئی دوسری قوت حائل نہ ہو۔ نبی اکرمؐ تشریف لائے اور اپنی عدیم النظیر تعلیم اور فقید المثال عمل سے بتادیا کہ اس بلند ترین تخیل، اس نزریں نصب العین کو کس طرح عمل میں لایا جاسکتا ہے چنانچہ حضور کا مشن ان شاندار الفاظ میں بتایا گیا!

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ ۴۱-۶

کہو کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، پس اسی کی طرف سیدھی راہ اختیار کرو۔ اس سے مغفرت مانگو اور مشرکین کے لئے بڑی ہی خرابی ہے۔

اور اسی کی تفسیر تھی جو پیکر اسلام جناب عمرؓ نے وادی ضجنان میں گذرتے وقت فرمایا۔ اللہ اکبر! یہ وہ وادی ہے جس میں ابن خطاب اونٹ چرایا کرتا تھا اور باپ کی سخت گیری برداشت کیا کرتا تھا اور آج اس رب العزت کا اتنا فضل ہے کہ عمر اور اس کے خدا کے درمیان کوئی دوسری طاقت حائل نہیں۔ اس سے مراد محض جسمانی اور روحانی طاقت ہی نہ تھی بلکہ ہر وہ طاقت جو انسان کے قلب و دماغ پر مستولی ہو کر اس کے اور اس کے خدا کے درمیان حاجب و دربان بن جاتی ہے۔

لیکن ہر دقیق نظریہ کی طرح یہ نظریہ تھا بڑا لطیف۔ اور ہر حقیقت عظمیٰ کی مانند یہ حقیقت تھی بڑی غیر محسوس۔ محسوسات کا خوگر انسان "کہ جس کے سجدہ ہائے جبین نیاز بسیط سے بسیط حقیقت مجردہ کو بھی لباس مجاز میں دیکھنے کے لئے رقصاں و جنباں رہتے ہیں، اس غیر محسوس تعلق سے زیادہ عرصہ تک کیف اندوز نہ ہوسکا اور اس نے وہ تمام پردے ایک ایک کرکے پھر سے گرالئے جو اس کے اور اس کے خدا کے درمیان حائل تھے اور جنہیں نبی عربیؐ نے ایک ایک کرکے اٹھایا تھا۔ قرآن کریم نے بڑی شرح و بسط سے ان تمام مقامات کو ایک ایک کرکے گنا دیا تھا جہاں سے یہ پردے قلب و دماغ اور سمع و بصر پہ گرا کرتے ہیں، لہذا جب تک قرآن آنکھوں کے سامنے رہا، کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ان

---

[1] منقول از ترجمان القرآن

پردوں کو پھر سامنے لاسکے کہ چراغ کا روشن ہونا ہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ اندھیرا وہاں نہ آسکے، لیکن جب قرآن مہجور ہوگیا۔ جب بنی اسرائیل کی طرح اس نور مبین کو پس پشت ڈالدیا گیا تو وہی کچھ ہوا جو ہوتا چلا آتا تھا کہ فطرت کے قوانین اٹل اور اس کا دستور غیر متبدل ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔ آئیے ان مختلف پردوں اور ان کے حسین وجمیل نقش ونگار کی سیر کریں جو عقیدت وارادت کے رنگوں سے مزین اور اطاعت ومطابعت کے جواہر سے مرصع ہیں۔

رسول پرستی خدا کے بعد ماننے والوں کے نزدیک ہمیشہ رسول کی ہستی اشرف ترین مخلوق ہوتی ہے، لہٰذا اگر انسانوں میں سے کسی کو خدا کی جگہ دیئے جانے کا احتمال ہوسکتا ہے تو سب سے پہلے وہ رسول ہی کی ہستی ہوسکتی ہے۔ امم سابقہ کی روش اس باب میں جو کچھ رہی ہے اس پر قرآن تفصیلی روشنی ڈالتا ہے، وہ فطرت انسانی کے اس کمزور پہلو سے واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کس طرح حضرات انبیاء کرامؑ خدا بنائے گئے، اس کے بیٹے قرار دئے گئے، الوہیت وابنیت کی مقدس چادر اڑھا کر انھیں کس طرح مافوق البشر منوایا گیا۔ قرآن کریم اس خطرناک چور دروازہ کو سیسہ پلائی ہوئی دیواروں سے بند کرنا چاہتا تھا۔ آپ کسی صورت کو دیکھئے۔ لفظاً معناً مجملاً تفصیلاً اس غلط عقیدہ کے ہر گوشہ کی تردید اس میں موجود ہوگی یعنی قرآن کریم میں جس درجہ خدا کی توحید پر مختلف عنوانات سے زور دیا گیا ہے، اسی درجہ رسولوں کی بشریت بھی متنوع اعتبارات سے بے نقاب کی گئی ہے۔ انھیں بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ بتایا گیا (۶-۴۱) انھیں خدا کا عبد کہا گیا۔ وہ ہدایت بھی کرتے تھے تو اپنے مالک حقیقی کے حکم ہی سے کرتے تھے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ (۲۱-۷۳)

اور ہم نے اُن کو امام و پیشوا بنایا جو لوگوں کو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے اور ہم نے اُن کو نیکی کرنے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور وہ سب ہماری بندگی کرتے تھے۔

وہ حضور خدا کے دروازے کے بھکاری ہوتے تھے۔

فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ (۲۸-۲۴)

اور موسیٰ نے کہا کہ پروردگار آپ جو کچھ بھی بہتری میرے لئے بھیجیں میں اسکا محتاج ہوں

[illegible] کا احتیاج ہوتا تھا

"کہدو کہ میں اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ چاہے
اگر میں غیب کے امور سے واقف ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا۔ اور کوئی
مضرت مجھ پر واقع نہ ہوتی۔ میں تو صرف ایمان والوں کے لئے نذیر و بشیر ہوں (۷-۱۸۸)

جو وحی ان پر نازل ہوتی تھی وہ خود اس پر ایمان لاتے تھے وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ اور اس کی اتباع کرنے پر اسی طرح مامور تھے جس طرح اور ماننے والے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (۱۰-۱۵) ہر چند اللہ تعالےٰ نے اپنے حفظ امن میں لیکر اُن کو ایسا بنایا تھا کہ ان سے معصیت کا سرزد ہونا ممکن[1] ہی نہ تھا، لیکن ان کی بشریت و عبودیت کو پختہ ترین طریق پر واضح کرنے کے لئے یہاں تک بھی فرما دیا کہ بفرض محال اگر یہ بھی شرک و معصیت کریں تو ان پر بھی اسی طرح عذاب ہو جس طرح دوسرے انسانوں پر (۱۰-۱۵، ۱۶-۱۲) نہیں بلکہ ان کو عام لوگوں سے دُگنا عذاب ہو۔

"اگر (بفرض محال)[2] ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک پڑتے
اور اس صورت میں ہم تمہیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دُگنا عذاب دیتے
اور کوئی ہمارے خلاف تمہارا مددگار نہ ہوتا" (۱۷-۷۴)

کفار اعتراض کرتے کہ رسول بھی ہمارے ہی جیسے انسان کیوں ہوں؟ لیکن قرآن بار بار اس بات پر زور دئے جاتا کہ ہاں وہ انسان ہی ہیں اور اُنھیں انسان ہی ہونا چاہیے تھا وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

"اور کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ یہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا
پھرتا بھی ہے (۲۵-۷)

جواب ملتا ہے کہ:۔

"ہم نے تم سے پہلے بھی جس قدر رسول بھیجے وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں
میں چلتے پھرتے بھی تھے" (۲۵-۲۰)

اور پھر عام انسانوں کی طرح اپنے وقت پر مدت حیات ختم کرکے اس دنیا کو چھوڑ جاتے تھے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاْئِنْ ... اور ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا

[1] قرآنی توحید اور محمد (صلوات اللہ علیہ) کی مبارک تعلیم اس عقیدہ کی قطعاً متحمل نہیں (بلاغ)

[2] یہ لفظ آیت پر اضافہ ہیں جن کا سیاق آیت سے کوئی تعلق نہیں (بلاغ)

پردوں کو پھر سامنے لا سکے کہ چراغ کا روشن ہونا ہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ اندھیرا وہاں نہ آ سکے، لیکن جب قرآن مہجور ہو گیا۔ جب بنی اسرائیل کی طرح اس نور مبین کو پس پشت ڈال دیا گیا تو وہی کچھ ہوا جو ہوتا چلا آتا تھا۔ کہ فطرت کے قوانین اٹل اور اس کا دستور غیر متبدل ہے۔ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبْدِیلًا۔ آئیے ان مختلف پردوں اور ان کے حسین و جمیل نقش و نگار کی سیر کریں جو عقیدت و ارادت کے رنگوں سے مزین اور اطاعت و مطابعت کے جواہر سے مرصع ہیں۔

رسول پرستی خدا کے بعد ماننے والوں کے نزدیک ہمیشہ رسول کی ہستی اشرف ترین مخلوق ہوتی ہے، لہٰذا اگر انسانوں میں سے کسی کو خدا کی جگہ دیئے جانے کا احتمال ہو سکتا ہے تو سب سے پہلے وہ رسول ہی کی ہستی ہو سکتی ہے۔ امم سابقہ کی روش اس باب میں جو کچھ رہی ہے اس پر قرآن تفصیلی روشنی ڈالتا ہے، وہ فطرت انسانی کے اس کمزور پہلو سے واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کس طرح حضرات انبیاء کرام خدا بنائے گئے، اس کے بیٹے قرار دئے گئے، الوہیت و ابنیت کی مقدس چادر اڑھا کر انھیں کس طرح مافوق البشر منوایا گیا۔ قرآن کریم اس خطرناک چور دروازہ کو سیسہ پلائی ہوئی دیواروں سے بند کرنا چاہتا تھا۔ آپ کسی صورت کو دیکھئے۔ لفظاً، معناً، مجملاً، تفصیلاً اس غلط عقیدہ کے ہر گوشہ کی تردید اس میں موجود ہوگی یعنی قرآن کریم میں جس درجہ خدا کی توحید پر مختلف عنوانات سے زور دیا گیا ہے، اسی درجہ رسولوں کی بشریت بھی متنوع اعتبارات سے بے نقاب کی گئی ہے۔ انھیں بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ بتایا گیا (۶-۴۱) انھیں خدا کا عبد کہا گیا۔ وہ ہدایت بھی کرتے تھے تو اپنے مالک حقیقی کے حکم ہی سے کرتے تھے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ (۲۱-۷۳)	اور ہم نے اُن کو امام و پیشوا بنایا جو لوگوں کو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے اور ہم نے اُن کو نیکی کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی، اور وہ

سب ہماری بندگی کرتے تھے۔

وہ خود خدا کے دروازے کے بھکاری ہوتے تھے۔

فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (۲۸-۲۴)	اور (موسیٰ) نے کہا کہ پروردگار! آپ جو کچھ بھی بہتری میرے لئے بھیجیں میں اسکا محتاج ہوں

انھیں اپنی ذات تک کے لئے نفع و نقصان کا اختیار نہ ہوتا تھا۔

"کہدو کہ میں اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اگر میں غیب کے امور سے واقف ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا۔ اور کوئی مضرت مجھ پر واقع نہ ہوتی۔ میں تو صرف ایمان والوں کے لئے نذیر و بشیر ہوں (۱۸۸-۷)

جو وحی ان پر نازل ہوتی تھی وہ خود اس پر ایمان لاتے تھے وَ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ اور اس کی اتباع کرنے پر اسی طرح مامور تھے جس طرح اور ماننے والے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ (۱۵-۱۰) ہر چند اللہ تعالیٰ نے اپنے حفظ امن میں لیکر اُن کو ایسا بنایا تھا کہ ان سے معصیت کا سرزد ہونا ممکن ہی نہ تھا[۱] لیکن ان کی بشریت و عبودیت کو پختہ ترین طریق پر واضح کرنے کے لئے یہاں تک بھی فرما دیا کہ بفرض محال اگر یہ بھی شرک و معصیت کریں تو ان پر بھی اسی طرح عذاب ہو جس طرح دوسرے انسانوں پر (۱۲-۱۶ و ۱۵-۱۰) نہیں بلکہ ان کو عام لوگوں سے دُگنا عذاب ہو۔

"اگر (بفرض محال[۲]) ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک پڑتے اور اس صورت میں ہم تمہیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دُگنا عذاب دیتے اور کوئی ہمارے خلاف تمہارا مددگار نہ ہوتا" (۴-۱۷)

کفار اعتراض پر اعتراض کرتے کہ رسول بھی ہمارے ہی جیسے انسان کیوں ہوں؟ لیکن قرآن بار بار اس بات پر زور دئے جاتا کہ ہاں وہ انسان ہی ہیں، اور انھیں انسان ہی ہونا چاہیے تھا وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

"اور کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ یہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے (۷-۲۵)

جواب ملتا ہے کہ:-

"ہم نے تم سے پہلے بھی جس قدر رسول بھیجے وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے" (۲۰-۲۵)

اور پھر عام انسانوں کی طرح اپنے وقت پر مدت حیات ختم کر کے اس دنیا کو چھوڑ جاتے تھے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ اور ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا

[۱] قرآنی توحید اور محمد (صلوات اللہ علیہ) کی مبارک تعلیم اس عقیدہ کی قطعاً متحمل نہیں (بلاغ)

[۲] یہ لفظ آیت پر اضافہ ہیں جن کا سیاق آیت سے کوئی تعلق نہیں (بلاغ)

مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (۲۱-۳۴) تجویز نہیں کیا۔ پھر اگر تم انتقال کر جاؤ گے تو کیا یہ ہمیشہ رہیں گے۔

البتہ ان کی علمی بصیرت حقائق و معارف کے اس افق اعلیٰ پر ہوتی ہے جہاں عام انسانوں کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔ ان کے مزکیٰ و مقدس نفوس کی روحانیت کائنات کے اس معراج کمال پر ہوتی ہے جہاں عام انسانوں کے شہپر تخیل کے بھی پر جلتے ہیں۔ ان کے قلب و دماغ کی یہ بلندیاں اپنی نظیر آپ ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ وہ تمام نوع انسانی کے لئے ایک نمونہ بناکر بھیجے جاتے ہیں۔ باینہمہ وہ ہوتے انسان ہی ہیں۔ بشریت کے حدود سے خارج نہیں ہوتے۔ خدا کے عبد ہی ہوتے ہیں۔ خود معبود نہیں ہوتے۔ اور جیسا کہ شروع میں کہا گیا ہے آتے اسلئے نہیں کہ انسانوں کو اپنی غلامی اور عبودیت سکھلائیں بلکہ اس لئے کہ اپنی تعلیم و عمل سے انسانوں کو خدا کی ایسی عبودیت اور غلامی سکھلائیں کہ جس سے تمام دنیا کی غلامی کے طوق و سلاسل اتر جائیں۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (۳-۷۸)

کسی انسان کو یہ بات زیبا نہیں کہ خدا اسے کتاب و حکمت و نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ (وہ یہی کہیگا) کہ تم اللہ والے بن جاؤ کہ تم کتاب سکھاتے بھی ہو اور پڑھتے بھی ہو۔

حضور خاتم النبیین ہو کر تشریف لائے اور اس مقصد رسالت کو اس انداز سے پورا کیا کہ آپؐ کے بعد نہ کسی اور پیغام کی ضرورت باقی رہی اور نہ اس پیغام پر کسی نئے سرے سے عمل کر کے دکھانے والے کی۔ کہ یہ پیغام ازلی یہ صوت سرمدی قرآن کی دفتین میں محفوظ و مصئون چلا آتا ہے کہ باطل اس کے پاس تک نہیں چھو سکتا' اور اس پیغام پر عمل' ان نقوش قدم کے ذرّے ذرّے سے آفتاب کی طرح روشن اور زندہ ہے کہ جن نقوش قدم سے صراط مستقیم کے نشان ادہر سے اُدہر تک سیدھے ملتے چلے جاتے ہیں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

لیکن ذرا غور کیجئے کہ مسلمانوں نے اپنے رسول کے ساتھ کیا کیا؟ کیا وہی نہیں جس سے روکنے کے لئے حضور تشریف لائے تھے؟ یہ احد بے میم (احمد) یہ عرب بلا عین (رب) یہانتک کہ

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر ۔۔۔ اُتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر

وہ جن کے متعلق خدا کا ارشاد تھا کہ اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں بلکہ خدا کے محتاج ہیں

انھیں تمام دنیا کے نفع ونقصان کا مالک ومختار قرار دیدینا انھیں (معاذ اللہ) خدا بنا دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ خدا کے عبد کو خدا کہنا عجیب توحید ہے۔ جب اعتراض کیا جائے تو کہدیتے ہیں کہ صاحب! یہ صہبائے عشق ومحبت کی سرمستیاں ہیں، انسان سب کچھ اپنے محبوب کو ہی سمجھتا ہے۔ عوام کی عقیدت کو جوش میں لانے کے لئے فی الواقع یہ جواب معقول نظر آتا ہے۔ لیکن سوال صرف اتنا ہے کہ اُمم سابقہ نے جو اپنے رسولوں کو خدا بنالیا تھا تو کیا بغض وعناد کی بنا پر بنایا تھا؟ وہاں بھی یہی غلو محبت ہی تو تھا جس نے ان کے محبوب کو وہ کچھ بنادیا جسے قرآن کریم نے شرک قرار دیا۔ بغض وعناد اور نفرت سے کبھی کسی نے رسولوں کو خدا نہیں بنایا۔ تو کیا پھر یہ دلیل پرلطف نہیں کہ جو کچھ پہلی اُمتوں نے کیا وہ شرک۔ اور اگر وہی کچھ اسی جذبہ کے ماتحت مسلمان کریں تو عین توحید؟ ایک ہی بیج اور ایک ہی درخت سے دو مختلف پھل لینا فطرت کا مذاق اُڑانا ہے۔ حضور کی محبت جزو ایمان ہے۔ ایسی محبت جو ماں باپ اولاد، اموال بلکہ خود اپنی جان کی محبت سے بھی زیادہ ہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک محبت نہ ہو اتباع کامل ہو نہیں سکتا۔ جس عمل کی محرک آتش عشق ہو اس کا ایک لمحہ سو سال کی ٹھنڈے پانی سے وضو کردہ سرد نمازوں سے زیادہ وزنی ہوتا ہے کہ یہ صرف سر جھکاتا ہے اور وہ سر کٹاتا ہے۔ یہ زندہ رہنا چاہتا ہے کہ موت کے بعد کا کھٹکا مٹ جائے۔ اور وہ مرتا ہے کہ زندگی کسی پر سے نچھاور ہوکر ٹھکانے لگے۔ اسے ابھی حشر، نشر، حساب، کتاب کے جھگڑے درپیش ہوتے ہیں اور اس کی یہ حالت کہ تمیز ہی نہیں کیا جاسکتا کہ تلوار رگ جاں سے پہلے چھوئی تھی، یا جان باب جنت سے ۔

عشق نے اک جست میں طے کردیئے قصے تمام　　اس زمین وآسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

لیکن صہبائے عشق کی سرمستیوں میں حفظ مدارج ومراتب بھی قرآن ہی نے سکھایا ہے جو پی کر بہک گیا وہ خمخانہ یثرب کا متوالا نہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جنت کی شراب میں سب کچھ ہے لیکن سکر نہیں ہے۔ لہٰذا خدا، خدا ہے۔ اور رسول، رسول۔ اور رسول کا رتبہ یہی ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اس سے آگے بڑھنا بھی اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس سے پیچھے ہٹنا۔ کہ مومن ہونے کو جہاں بندے کے لئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت کی ضرورت ہے۔ وہاں محمد کے لئے عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کی شہادت کی بھی۔ اور یہی ایمان ومحبت کی صحیح تصویر ہے۔ اس تصویر کے صحیح رُخ کے لئے دور رسالت اور صحابہ کبار کا طرزِ عمل دیکھئے۔ حضور کی عمر بھر یہی تعلیم وتلقین رہی کہ اپنے آپ کو عام انسانوں سے

بلند حیثیت نہ دیں۔ اور اپنے ماننے والوں کے قلب و دماغ پر خدا بن کر نہ چھا جائیں۔ اس کے لئے حضور نے ان میں حریت فکر و نظر کی ایسی روح پھونکی کہ آج اس مزعومہ جمہوریت کے دور میں بھی اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ معاملات میں مشاورت صحابہؓ کا کئی ایک مواقع پر حضور کی رائے سے اختلاف اور اختلاف کی کامل آزادی۔ حضور کی رائے کے متعلق یہ تحقیق کہ آپ نے وہ رائے یا حکم بہ منصب رسول دیا ہے یا بہ حیثیت محمدؐ" یہ سب اس بات کا آئینہ دار ہے کہ حضور ایک عبد مومن میں کس درجہ انسانیت کی آزادی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور ایک کا غلام بنا کر کس طرح دنیا بھر کی مادی غلامی سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ یہی تھا وہ ماحول جس میں عقل انسانی نے صحیح نشوونما پائی۔ اور جس انسان کو خدا نے اس طرح پیدا کیا تھا کہ وہ حیوان کی طرح سر جھکا کر نہ چلے" وہ فی الحقیقت اس قابل ہو گیا کہ دنیا میں سر اٹھا کر چلے۔ اسلام انسان کو یہی سربلندیاں اور سرفرازیاں بخشنے آیا تھا ور یہی اس دین فطرت کی خصوصیت تھی۔ ہم نے جب یہ خصوصیت کھو دی تو پھر وہیں جا گرے جہاں سے ابھرے تھے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ کس قدر صحیح حقیقت ہے۔

آئمہ پرستی رسولوں کے بعد عوام کی عقیدت کے مرکز مذہبی پیشوا اور دین کے ائمہ ہوتے ہیں قرآن کریم نے امم سابقہ کے کوائف و حالات سے ہمیں بتایا ہے کہ رسولوں کے بعد یہی لوگ ہیں جن کو خدا کا درجہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳۱-۹)	ان لوگوں نے خدا سے ورے ہی اپنے مذہبی علماء و پیشوایان دین کو خدا بنالیا۔

اس کے متعلق جب نبی اکرمؐ سے عرض کیا گیا کہ حضور! یہود و نصاریٰ کبھی اپنے احبار و رہبان کو سجدے تو نہیں کیا کرتے تھے۔ تو حضور نے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس چیز کو حلال نہیں سمجھتے تھے جسے وہ حلال بتا دیں، اور اسے حرام جسے وہ حرام کہدیں؟ یہی ارباباً من دون اللہ بنانا ہے یعنی جو منصب و حیثیت خدا کے لئے ہے وہ ان لوگوں کو دیدیں۔ یہی ان کی پرستش ہے اس سے معلوم ہوا کہ آئمہ مذہب کی پرستش یہ ہے کہ

(۱) ان کے فیصلوں کو خدا کے فیصلوں کی جگہ دیدی جائے اور

(۲) ان کے ارشادات کو تنقید سے بالاتر سمجھا جائے۔

امم سابقہ نے ایسا کچھ اس لئے کیا تھا کہ ان کی آسمانی کتابوں کے اجارہ دار و محافظ ان کے مذہبی رہنما تھے۔ لوگ رشد و ہدایت کے لئے ان کے محتاج تھے۔ چاہیئے یہ تھا کہ لوگ ان کے فیصلوں کے لئے کتاب کی سند مانگتے، لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا بلکہ جو کچھ ان اراکین مذہب نے کہدیا اسے بھی فرمودۂ الٰہی سمجھ لیا۔ ظاہر ہے کہ عوام ان کے فیصلوں کو اسی لئے خدا کا فیصلہ سمجھتے تھے کہ ان کے نزدیک وہ فیصلے خدا کے احکام کے مطابق ہوتے تھے یعنی وہ ایسا باور کر لیتے تھے۔ رفتہ رفتہ حالت یہ ہو گئی کہ لوگ خدا کے فیصلوں سے بے نیاز ہو گئے اور انہی احبار و رہبان کو خدا کا قائم مقام سمجھ لیا۔ اب ان کا ہر حکم وحی منزل کی طرح واجب التسلیم اور ان کا ہر فیصلہ آیت الٰہی کی طرح بالا از تنقید قرار دیا گیا۔ اسی کو قرآن کریم نے شرک قرار دیا ہے

قرآن کریم نے فرمایا کہ

قُلْ إِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ (۲-۳)　　　　ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے۔

لہذا اتباع واجب قرآن ہی کی ہوئی۔ پھر

(۳) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو واضح، مفصل اور آسان بنا دیا کہ اس کے سمجھنے کے لئے کوئی خاص "برہمنوں" کی جماعت ہی مختص نہ ہو جائے۔

(۴) پھر قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود اللہ نے لے لی کہ قیامت تک اس میں نہ ردو بدل ہو سکے نہ ترمیم و تنسیخ۔

ان بدیہات سے ظاہر ہے کہ دین کا تقاضا ہے کہ ہر زمانہ کے مسلمان قرآن کریم کی روشنی کے ماتحت عقل صحیح سے کام لے کر صراط مستقیم پر چلتے جائیں۔ خود بخود منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ ان کو راستہ میں اندھوں کی طرح لاٹھی کی ضرورت ہی نہیں کہ روشنی بھی موجود ہے اور بینائی بھی۔ لیکن غور سے دیکھئے، کیا ہم واقعی اسی روش پر چل رہے ہیں؟ عوام کو تو چھوڑ دیجئے کہ اوّل تو وہ قرآن کریم کا مصرف بیش ازیں کچھ نہیں جانتے کہ قسم اٹھانے کے کام آتا ہے اور اگر ان میں سے بعض قرآن پڑھتے بھی ہیں تو ایسے کہ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ۔ صرف الفاظ کی تلاوت کرتے ہیں۔ خواص کہ جو مذہب کے واحد اجارہ دار بن بیٹھے ہیں، ان کی یہ حالت کہ کسی معاملہ کے متعلق دینی فیصلہ پوچھئے۔ بتا دیں گے کہ فلاں امام نے اس کے متعلق یہ فرمایا ہے۔ فلاں علامہ کی یہ رائے ہے۔ نسفی میں ایسا لکھا ہے۔ شارح وقایہ کا یہ خیال ہے غرض کہ ان کی سند کسی نہ کسی انسان تک جا کر رہ جائیگی اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکیگی۔

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۔کہیں خدا کا نام نہیں۔کسی جگہ قرآن کا ذکر نہیں ۔اور اعتراض کیجئے تو جھٹ کہدیں گے کہ میاں! ان حضرات (علیہم الرحمۃ) نے بھی تو قرآن پڑھ کر ہی ایسا لکھا ہے۔ان سے بڑھ کر اور کون قرآن کو سمجھ سکیگا! غور فرمائیے! اس جواب میں اور اس میں جو یہود و نصاریٰ اپنے احبار و رہبان کے متعلق دیتے تھے کیا فرق رہ جاتا ہے؟ کیا انھوں نے ان کو ارباباً من دون اللہ ایسا ہی کچھ سمجھکر نہیں بنایا تھا؟

معاملہ یوں ہوا کہ جب اسلامی سلطنت قائم ہوئی تو سلطنت کو لامحالہ تدوین قانون کی ضرورت لاحق ہوئی۔اسلام میں چونکہ دین و دنیا الگ الگ شعبے نہیں ،اس لئے یہ قانون بھی مذہب ہی کی روشنی میں مرتب ہونا تھا۔علماء عظام اور ائمہ کرام (علیہم الرحمہ) کہ جن کو اللہ نے قلب و دماغ کا نور عطا فرمایا تھا، جمع ہوئے اور وقت کی ضروریات کو سامنے رکھکر قانون کے ضابطے مرتب کئے۔ یہ ضابطے سرکاری توثیق سے مستند کرکے عدالتوں میں بھجوا دئے گئے کہ مقدمات کے فیصلے انہی کے مطابق ہوا کریں۔ظاہر ہے کہ جب کسی آئینی حکومت کے ضوابط قانون مرتب ہوکر نافذ العمل ہو جائیں تو پھر سوائے حکومت کے اور کسی کو اجازت نہیں رہتی کہ وہ بھی قانون مرتب کر سکے یا ان میں ترمیم و تنسیخ کر سکے۔بعینہٖ جسطرح سرکاری ٹکسال کے بعد کسی کو سکہ رائج الوقت بنانے کی اجازت نہیں ہوتی ۔یہ تھی فقہ کی ابتدا۔اور یوں دوسروں کو ایک ہی فقہ کے مطابق فیصلے کرنے پر مکلف اور اس میں کمی بیشی یا رد و بدل کرنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن اس سے ظاہر ہے کہ

(۱) نہ تو حضرات فقہاء قیامت تک کا علم رکھتے تھے کہ ہر زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق ایک ہی وقت میں مکمل قانون وضع کردیں۔

(۲) نہ وہ (نعوذ باللہ) خدا ہونے کا دعویٰ کرتے تھے کہ وہ استنباط مسائل میں اپنے نتائج کو تنقید سے بالاتر قرار دیں۔

زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے ان قوانین میں تبدیلی کا ہونا بھی ضروری تھا اور اس قانون پر کسی معیار اعلیٰ (قرآن کریم) کی روشنی میں تنقید بھی کی جا سکتی تھی لیکن سلطنت نے جس بنا پر دوسروں کو قوانین میں رد و بدل کرنے (بالفاظ دیگر مزید اجتہاد) سے روکا تھا وہ علت تو نظروں سے اوجھل ہوگئی اور بعد میں آنے والوں نے سمجھ لیا کہ بس اب تدبر و تفکر کا دروازہ باب نبوت کی طرح بند ہوگیا۔قرآن جتنا سمجھا جانا تھا سمجھا جا چکا۔اس سے جو کچھ لیا جا سکتا تھا، حاصل کر لیا گیا۔

اب اس کا وجود تبرکاً دنیا میں رہے تو رہے۔ عملی حیثیت سے امت اس سے بے نیاز ہو چکی۔ اس کے پڑھنے سے ثواب ضرور ملتا ہے لیکن اس کا سمجھنا دین پر اضافہ کرنا ہے۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے کہ رفتہ رفتہ قرآن حکیم جیسی زندہ اور زندگی بخش کتاب منتروں کا مجموعہ بن کے رہ گئی۔ جس سے جھاڑ پھونک گنڈہ تعویذ کا کام لیا جا سکے یا زیادہ سے زیادہ اس کی ادبی اور لسانی لطافتوں پر بحث کر کے اسے الفاظ کا گورکھ دھندا سمجھ لیا جائے۔ کیا یہی تھی وہ غرض جس کے لئے قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی تھی؟

تدوین فقہ کا تعلق معاملات کی دنیا تک ہی تھا۔ اگر باب اجتہاد بند ہوتا تو وہ اسی حصہ تک بند ہوتا، لیکن آہستہ آہستہ دین کے قصر رشید کا ہر ایک دروازہ اور کھڑکی بند کر دی گئی۔ حقائق و معارف پر بھی وہی چادر تقلید چھا گئی، حتیٰ کہ نوبت بایں جا رسید کہ دین سے قطع نظر دیگر علوم و فنون میں بھی جو کچھ سلف نے لکھ دیا قول فیصل اور حرف آخر سمجھ لیا گیا۔ اب زمانہ کچھ کہے، آپ کی بصیرت کا تقاضا کچھ ہو، آپ نہ اس کے خلاف نہ اس سے زیادہ کچھ سمجھ سکتے ہیں جو سمجھا جا چکا، اور نہ کہہ سکتے ہیں جو کہا جا چکا۔ نہ سر میں دماغ اپنا ہو سکتا ہے، نہ سینے میں آپ کا دل اپنا۔ نہ آپ کی اپنی آنکھیں نہ سننے کو کان أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۔ دنیا کہیں سے کہیں چلی گئی۔ لیکن امت مسلمہ کی سطح فہم و ادراک جو ہزار سال پہلے تھی وہی آج ہے۔

وہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد کے مردے اکھڑ گئے
یہ مری جبین نیاز ہے کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

غور تو کیجئے کیا یہ سلف کی پرستش نہیں؟ کیا یہ ان کو احبار و رہبان کی طرح خدا کا درجہ دینا نہیں؟ کیا ان کی نگاہ کو قیامت تک کے آنے والے واقعات کا مبصر اور تمام حالات و کیفیات کا واقف سمجھنا اور ان کے فیصلوں کو تنقید سے بالاتر قرار دینا، انھیں خدائی صفات کا حامل سمجھنا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اللہ والے (ربانیین) بننے کے لئے قرآن کریم کو ہی معیار قرار دیا تھا (۳/۷۹)۔ اس نے تو قرآن کریم کو نازل فرما کر اس کی تبیین و تفصیل بھی اپنے ذمہ لے لی تھی کہ لوگ اس باب میں بھی دوسروں کے محتاج ہو کر ان کی عبودیت اختیار نہ کر لیں۔

الٓر ۚ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ۔ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنَّنِي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ (۱۱/۱-۲)

ایسی کتاب کہ جس کی آیات محکم بنائی گئی ہیں پھر (اس کے ساتھ) صاف صاف بھی بیان کی گئی ہیں خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے تاکہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبدیت اختیار نہ کرو (۱۱/۱) میں تم کو اس کی طرف سے آگاہ کرنے اور بشارت دینے

کے لئے آیا ہوں۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ اللہ تعالے اس دین کی غرض کیا بتلاتا ہے جو نبی اکرمؐ کے واسطہ سے دنیا تک پہنچا۔ سورہ جاثیہ کے دوسرے رکوع میں سلسلہ کلام یوں شروع ہوتا ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو کتاب و حکمت و نبوت عطا فرمائی۔ ان کو دیگر اقوام عالم پر فضیلت عطا کی، اور انہیں دین کی بینات بھی دی گئیں۔ لیکن انھوں نے علم آ جانے کے بعد باہمی ضد اور ہٹ سے اختلافات پیدا کر لئے۔ ان کے اختلافات کا تو قیامت میں فیصلہ کر دیا جائیگا، لیکن دنیا کو تو ضرورت تھی کہ خدا کا وہ دین جو انسانی اختلافات کی نذر ہو کر مسخ ہو چکا تھا پھر سے دنیا کو مل جائے۔ اس کے لئے

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (۴۵-۱۸)	پھر ہم نے تمہیں (اے رسولؐ) دین کی ایک شریعت پر مبعوث کیا۔ پس اس کا اتباع کرو۔

اور ان لوگوں کے خیالات کا اتباع مت کرو جن کو علم نہیں ہے۔

یہ دین و شریعت کہاں ہے، اس کا جواب بھی وہیں ہے کہ

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۴۵-۲۰)	یہ (قرآن) ہے جو تمام نوعِ انسانی کے لئے بصیرت ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت و رحمت

قرآن ہر زمانے کے انسانوں کے لئے بصائر ہے۔ اس لئے اس میں بار بار غور و فکر، تدبر و تعقل کی تاکید کی گئی ہے۔ جو ایسا نہیں کرتے اُن کو کہیں شر الدواب کہا گیا، کہیں کالانعام بتایا گیا، جہنم ان سے بھری گئی، ان کے قلوب پر مہریں، ان کی آنکھوں پر پردے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ بتائے گئے۔ کہئے کہ جو کتاب اس طرح عقل و بصیرت کو دعوت دیتی ہو اور جس کے لانے والے کا سب سے پہلا دعویٰ یہ ہو کہ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ اس میں کورانہ تقلید کی کہاں گنجائش ہے، جمود و تعطل وہ کب روا رکھ سکتی ہے؟ قرآن انسانوں کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے جانے کے لئے آیا تھا، لیکن آنکھیں بند کر کے بیٹھ رہنے والا تو خواہ ظلمت میں ہو خواہ نور میں یکساں ہے۔ علم اجتماعی حیثیت سے قوموں میں وراثۃً منتقل ہوتا اور قومی سرمایہ کی طرح بڑھتا رہتا ہے، لیکن جو قوم علم کی کسی خاص سطح کو منتہائے کمال سمجھ کر فارغ ہو بیٹھے اس کا مآل معلوم! چنانچہ وہ قوم جو دنیا میں تمام نوع انسانی کی امامت کے لئے آئی تھی، ہمیشہ دنیا کے پیچھے پیچھے رہنے کی عادی ہو گئی۔ وہ ملت جس کے ہاتھ میں اس قدر عظیم الشان قندیل دی گئی تھی کہ جس کی روشنی مشرق و مغرب کے امتیازات مٹا کر اقصائے

عالم کو منور کرنے والی تھی۔ اب ہر جگنو کو شمع راہ سمجھ کر اس کے پیچھے لپکنے کی خوگر ہوگئی۔ یہ راستہ آسان تھا۔ اس میں سہل انگاری، اور آرام طلبی تھی، اجتہاد کے لئے ذہنی جہاد اور اس کے ساتھ ساتھ جسمانی مجاہدے کی ضرورت تھی۔ تقلید میں اس کی کوئی ضرورت نہ تھی جس کو باپ دادا کے ورثہ سے ریاست مل جائے وہ خود محنت کیوں کرے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وراثت میں سکہ ان کو وہ ملے جو اصحاب کہف کے سکہ کی طرح صدیوں پہلے کا ہو۔ درحقیقت تقلید اختیار ہی وہ قوم کرتی ہے جس میں مجاہدانہ روح باقی نہ رہے۔ ہر قوم کی تاریخ ہمیں ایسا ہی بتاتی ہے۔ خود قرآن کریم اس پر شاہد ہے۔

"تم سے پہلے (بھی) کوئی رسول کسی بستی میں نہیں آیا کہ وہاں کے خوش حال (آرام طلب) لوگوں نے یہ نہ کہدیا ہو کہ ہم نے اپنے آباء کو ایک طریق پر پایا اور ہم۔ انہی کے نشانات کی اقتدا کرتے چلے جا رہے ہیں (۲۳-۴۳)

لیکن یہ یاد رہے کہ اُس مکافات عمل کے دن کہ جب "سمع وبصر و قلب" ہر ایک سے الگ الگ باز پرس ہوگی، آپ یہ کہکر نہیں چھوٹ سکیں گے کہ ہم نے فلاں امام کی تقلید کی تھی، فلاں عالم کا اتباع کیا تھا۔ متبوع حضرات آپ کے اس اتباع ہی سے انکار کر دیں گے، کیونکہ انھوں نے کبھی کسی کو ایسے اتباع کا حکم نہیں دیا تھا۔

"جس وقت وہ لوگ جو متبوع تھے اپنے متبعین سے بیزار ہو جائیں گے اور سب عذاب کا مشاہدہ کریں گے، ان کے باہمی تعلقات سب منقطع ہو جائیں گے (۱۶۶-۳)

اس وقت متبعین سے پوچھا جائیگا کہ تم نے جو ان کی پرستش شروع کر دی، کیا تمہارے پاس پیغمبر بینات لیکر نہیں آئے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہاں آئے تو تھے (۵۰-۴۰)

اس سے خود سمجھ لیجئے کہ مقصد کیا ہوا۔

ہمارا مطلب یہ نہیں کہ سلف سے جو کچھ تمہارے پاس آیا ہے معاذ اللہ سب گمراہ کن ہے۔ ایسا کون کہہ سکتا ہے، مطلب صرف یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں ان سے ملا ہے آنکھیں بند کرکے اس کی پیروی نہ کرو بلکہ شمع قرآنی کی روشنی میں ہمیشہ آنکھیں کھلی رکھو۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح کے انسان تھے غلطی کر سکتے تھے، لیکن قرآن کی کسوٹی کبھی غلطی نہیں کر سکتی۔ جو اس کسوٹی پر پورا اُترے دین وہی ہے اور بس۔ ذلک الدین القیم

یہ تو ائمہ فقہ اور علمائے سلف کی تقلید و اتباع سے متعلق تھا۔ ائمہ پرستی ہیں ان کے ...

ایک اور جماعت بھی ہے، لیکن وہ ہمارے اس موضوع سے خارج ہے، اس لئے کہ وہ اپنے ائمہ حضرات کو معصوم اور منصوص مانتے ہیں۔ اور اس امامت کو ایک خاندان میں مقید و محدود سمجھتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس شخص کو فہم قرآن اس عقیدہ کی اجازت نہ دے اس کے نزدیک تو یہ عقیدہ سرتاسر نسل پرستی بن کے رہ جاتا ہے اور یہ ایک ایسا بنیادی اور اصولی فرق ہے جس کی وجہ سے ہمارا ان حضرات سے تخاطب ہی بے معنی ہے (باقی)

معاونین بلاغ سے ایک اہم اپیل

چودہ سال سے بلاغ قرآن عظیم کی نہایت معقول انداز میں اشاعت کر رہا ہے۔ بلاغ کے شیدائی اپنی اپنی وسعت کے مطابق اس کی آج تک خدمت کرتے رہے ہیں۔ اس خدمت کا فرض صرف چند خدمتگاروں پر عائد نہیں ہوتا بلکہ تمام حاملین کتاب وطالبین حکمت پر ہونا لازم ہے کہ وہ اس کار خیر میں بیش از بیش نظر آئیں۔

خدمتگاروں کے مالی حالات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ایسے اوقات میں نئے خدمتگار پیدا ہونے چاہئیں۔ پرانے خدمتگار کب تک زندہ رہیں گے، قومی کاموں کے لئے ہر وقت قربانی کرنے والے رضاکاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ افراد مر جاتے ہیں لیکن قومیں زندہ رہتی ہیں۔ بلاغ قومی امانت ہے۔ اس کی زندگی قوم کی بیداری پر مبنی ہے۔ ضرورت ہے کہ بلاغ کے معاونین ہر طرح کا ایثار کریں تاکہ خدائے واحد کا نام بلند کیا جائے، اور اس کی کتاب حکیم کی تبلیغ ہوتی رہے اور اس کی تعلیمات کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو سکے۔ ذاتی قربانی کے علاوہ اپنے اپنے احباب پر بھی بلاغ کی خوبیاں روشن کی جائیں اور اس طرح نئے معاونین مہیا کئے جائیں۔

بلاغ کی توسیع اشاعت کے ساتھ یہ امر بھی نہایت ضروری ہے کہ دفتر بلاغ کے مطبوعات کو بھی دوستوں میں مقبول بنایا جائے۔ دفتر بلاغ کے جملہ مطبوعات قرآن مجید کے مطالعہ کے شوق کو بڑھاتے اور اس عدیم النظیر صحیفہ کی دلوں میں سچی محبت اور حقیقی عظمت پیدا کرتے ہیں۔

اُمید واثق ہے کہ "بلاغ" کی زندگی کے خواہشمند حضرات ضرور مالی امداد فرمائیں گے اور اپنے حلقوں میں اس کے لئے تبلیغ بھی کریں گے (آصغر بی۔ اے)

رسولِ کریمؐ کا اُسوۂ حسنہ

(از جناب خان بہادر ڈاکٹر سید نجم الدین احمد جعفری)

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف جماعتیں مختلف نظر سے دیکھتی ہیں۔ کوئی افراط کی صورت میں گیا، تو کہدیا کہ احمد کو بے میم کے دیکھو۔ کسی نے کہا کہ آپ کو دیکھنا ہو تو ان واقعات میں دیکھو، جو آپ کی پیدائش کے وقت ظہور میں آئے۔ اور ان واقعات کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ حضرت آمنہ کو دردِ زہ نہیں ہوا، کسریٰ اور قیصر کے محلوں کے کنگرے گر پڑے۔ لات وعزیٰ میں جان پڑ گئی اور وہ سرنگون ہو گئے۔ کسی نے آپ کو نور مجسم قرار دیدیا اور آپ کے جسم خاکی کو صرف آنکھوں کا قصور بتایا اور دلیل یہ پیش کی کہ جب آپ چلتے تو زمین پر آپ کا سایہ نہ پڑتا۔ غرضکہ بھانت بھانت کی بولیاں سنائی پڑتی ہیں، مگر جب خدا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو قرآن کریم میں نبیؐ کی زبان سے یہ اعلان کرایا جاتا ہے کہ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ جس کی تفسیر حالی نے یوں کی ہے

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم ۔۔۔ کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی ۔۔۔ کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی اس کا اعلان کیا کہ آپ صاحب معجزہ ہیں نہ کرامت سے لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کی بلکہ جب عرب کے لوگوں نے آپ سے فرمائش کی کہ اگر آپ نبی ہیں تو کچھ معجزے یا کرامات دکھائیے۔ اس وقت آپ نے قرآن کریم کے الفاظ میں یہ جواب دیا کہ

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا تَلَوْتُہٗ عَلَیْکُمْ وَلَآ اَدْرٰىکُمْ بِہٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ تم مجھ سے معجزات اور کرامات کی فرمائش کرتے ہو۔ میں نے تو اپنی ساری زندگی تمہارے ہی درمیان بسر کی ہے۔ کیا یہ کافی نہیں؟ اسے دیکھو اور امتحان کرو۔ کیا میں نے جھوٹ بولا؟ کبھی دھوکہ دیا؟ کبھی بے ایمانی کی۔ اگر نہیں تو پھر اب کیوں تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو اور معجزہ وکرامات مانگتے ہو؟ یہی نہیں بلکہ جب آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو اس دن چاند گرہن تھا۔ توہمات کے دلدادہ لوٹ پوٹ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ابراہیم کی موت سے

چاند کو گرہن میں ڈالدیا اور یہی محمدؐ کے سچے نبی ہونے کی نشانی ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے پاس جا کر کہا کہ اے محمدؐ اب ہم جان گئے کہ تم سچے نبی ہو۔ ہم سب تم پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ موقعہ تھا کہ اگر آپ چاہتے تو ان توہمات سے نفع اُٹھا کر اس گروہ کو مسلمان کر لیتے، مگر آپ تو توہمات کی بیخکنی کے لئے مبعوث ہوئے تھے اس لئے ان لوگوں سے صاف صاف کہدیا کہ اگر تم اس واقعہ کو معجزہ سمجھکر مسلمان ہو رہے ہو تو میں اعلان کرتا ہوں کہ گرہن کا میرے بیٹے کی موت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ تھا وہ اُسوۂ حسنہ جو آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ معجزات کی جگہ اپنی زندگی پیش کی اور خوارق کی جگہ سچائی کی عظمت کو ظاہر کیا، لیکن ہم ہیں کہ اپنی زندگی سے بے خبر ہیں اور اس پیام صداقت سے بے پروا۔ صرف کرامت اور معجزات کی تلاش ہے اور اس کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی کہ محمدؐ کی تعلیم میں اور ان کے پیام میں اپنے لئے ہدایت کی جستجو کریں۔ مانا کہ جتنے معجزے اور جتنی کرامتیں ہمارے نبی سے منسوب کی جاتی ہیں، وہ سب صحیح ہیں تو ذرا معجزات و کرامات کے دلدادہ اصحاب ہمیں بتائیں کہ اُن سے ہمیں کیا حاصل ہوتا ہے؟ ہم ان پر قادر نہیں ہیں۔ اسلئے یہ ہمارے لئے مثال نہیں بن سکتے اور ان کے عدم یا وجود سے ہمارے جسم یا روح کو کوئی نفع نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ہمارے لئے جو چیز مفید ہے وہ آنحضرتؐ کا پیام اور آپ کی زندگی ہے۔ پیام وہی ہے جس کے لئے آپ نے اپنے آپ کو ایلچی کہا، یعنی خدا کا کلام۔ اور زندگی اس کلام کی عملی تشکیل ہے جسے اُسوۂ حسنہ کہا گیا ہے۔

ہمارا سب سے بڑا اور پہلا فرض یہ ہے کہ ہم قرآن کو پڑھیں اور سمجھیں۔ قرآن مسلمانوں کے لئے ایک کتاب ہدایت اور مذہبی اور تمدنی قانون ہے۔ وہ اسلئے آیا ہے کہ ہم اسے سمجھیں اور اس کی تعلیمات پر عمل کریں۔ نہ اس لئے کہ اسے جزو دان میں بند کر کے رکھدیں، مگر افسوس ہے کہ آج قرآن کو سمجھنے کی غرض سے پڑھنے والے مسلمان نہیں نظر آتے۔ اسوقت تو یہ صورت ہے کہ خاشعًا متصدعًا کی جگہ سارے قرآن کو یکساں سروں میں پڑھ دیا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ قرأت ہوگئی۔ قرآن میں قصص ہیں۔ قوانین ہیں۔ احکام ہیں۔ دعائیں ہیں۔ عذاب و ثواب کی آیات ہیں مگر یہ سب ایک ہی لب و لہجہ سے پڑھی جاتی ہیں اور ورد و طلب کی جاتی ہے ذرا بھی موقع محل کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ذرا غور کیجئے کہ اگر کوئی حکومت یہ قانون بنا دے کہ زانیوں کو سزا کے تازیانہ دیجائیگی اور ہم اس قانون کو سمجھنے اور اس سے خائف رہنے کے بجائے

اس کے الفاظ کو تال اور سُر کے ساتھ دُہرائیں یا ڈھولک کی تھاپ پر لگائیں تو کیا یہ مضحکہ خیز بات نہ ہوگی؟ لیکن قرآن کے ساتھ ہم ہر روز یہی مضحکہ کرتے ہیں اور ہمیں ذرا بھی حجاب نہیں ہوتا مثلاً الزانیۃ والزانی فاجلدو اکل واحد منھما مایۃ جلدۃ کی آیت میں زنا کی سزا بیان کی گئی ہے مگر ناسمجھ ملّا اسے حافظ کی غزل کی طرح ترنم کے ساتھ پڑھتا ہے۔

ستم پر ستم یہ کہ آج ہم نے خود تلاوت کے معنی بدل دئے۔ تلاوت کے معنی تقلید اور نقش قدم پر چلنے کے ہیں۔ لیکن قرآن کی تلاوت کا فرض ہم اس طرح ادا کرتے ہیں کہ بے سمجھے بوجھے محض متن کے الزام دہرا کر مطمئن ہوجاتے ہیں۔ ظاہر بات یہ ہے کہ جب اس چیز ہی کو نہ سمجھا جائے جس پر مدار اسلام ہے تو اسلام کہاں رہیگا؟ قرآن کو سمجھے بغیر ہمیں خدا کے احکام اور قرآنی تعلیمات کا کیونکر علم ہوگا اور پھر اس علم کے بغیر ہم محمدؐ کے مبعوث ہونے کا مقصد کیونکر سمجھیں گے اور ایسی حالت میں اگر ہمارے موجودہ مذہبی اعمال سے ہماری حالت میں کوئی اصلاح نہ ہو تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ ایسے ہی مسلمانوں کے بارے میں قرآن پاک میں یہ کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن نبی کریم سے پوچھا جائیگا کہ تمہارے پیرؤوں کی ایسی زبون حالت کیوں ہے؟ تو آپ فرمائیں گے یَارَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا۔ اے میرے پروردگار میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ نہیں فرمائیں گے کہ اُنھوں نے سلامت شاہ کو چھوڑ دیا یا امام سلیم کی تقلید نہیں کی۔ یا شبینے نہیں پڑھے یا قبروں پر چڑھادے نہیں چڑھائے اور سجدے نہیں کئے۔

غرضکہ ہمارا اولیں فرض ہے کہ ہم قرآن کو سمجھیں اور اُسوہ حسنہ یعنی نبی کریم کی زندگی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں۔ نبی کریمؐ کی زندگی کا لب لباب صرف دو لفظوں میں ہے۔ یعنی "رحمۃ للعالمین" یہی دو الفاظ اگر کوئی شخص اپنا مطمح نظر اور مقصد زندگی بنالے تو وہ زندگی کا بہترین نمونہ پیش کرسکتا ہے اور آج سیاسیات عالم میں اگر یہ دو الفاظ کارفرما ہو جائیں تو دنیا کا انتشار رفع ہوجائے۔ نفسا نفسی اور کشاکش دور ہوجائے اور امن عالم کا جو مقصد بڑی بڑی کانفرنسوں سے حاصل نہیں ہو سکا وہ آن واحد میں حاصل ہوجائے اسلئے کہ ہر فرد اور ہر قوم اپنی خلقت کا راز سمجھ کر ایک دوسرے کی بیخ کنی کرنے کے بجائے یہ لہکر ایک دوسرے سے بغلگیر ہوجائے کہ ؎ من تو شدم تو من شدی۔ من جاں شدم تو تن شدی
یہی اسلام کا مقصد اعلیٰ اور نبی کریمؐ کا نمونہ تھا۔　　　(حمایت اسلام)

ریویوز

ترجمان وہابیہ } از نواب صدیق حسن خاں مرحوم۔ ضخامت ۱۴۴ صفحات تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی قیمت ۴ر ملنے کا پتہ :۔ منیجر حقانی بک ڈپو امرتسر

غدر دہلی میں برٹش گورنمنٹ کو جو بدگمانی فرقہ وہابیہ کی نسبت ہوئی اس کی وجہ کچھ تو اس گروہ کے مخالفین کی شکایات، کچھ خود ان کے امام سید اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے رفقاء کی مجاہدانہ سرگرمیاں اور پنجاب کی مذہبی جنگیں تھیں۔ گورنمنٹ کو اچھی طرح ذہن نشین ہو گیا تھا کہ یہی لوگ بغاوت کے بانی اور غدر کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ اکثر علمائے وہابیہ کو بغاوت کے جرم میں سخت سے سخت سزاؤں کا حکم دیا گیا اور ہر وہابی شک کی نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ اُسوقت جبکہ وہابی کا لفظ باغی کے مترادف سمجھا جاتا تھا، بہت سے اہل قلم اور صاحب رسوخ لوگوں نے اس گروہ کی صفائی کے لئے جو کچھ ہو سکا کیا۔ اس کوشش میں سرسید مرحوم کا حصہ سب سے زیادہ ہے جو آج تک اس فرقہ کے ہدفِ ملامت بنے ہوئے ہیں۔ یہ رسالہ بھی اسی غرض کے لئے لکھا گیا تھا۔

مجاہد ہند } از محمد اسحاق حنیف امرتسری مدیر مبلّغ۔ ضخامت ۲۳ صفحات تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ اور کتابت و طباعت اوسط۔ قیمت ۲ر ملنے کا پتہ :۔ حقانی بکڈپو امرتسر

اس رسالہ میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے مختصر سوانح حیات، اُن کی تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں اور اُن لڑائیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اُنھوں نے احیائے توحید کے لئے پنجاب کی سکھ حکومت کے ساتھ ۱۸۲۶ء سے ۱۸۳۱ء تک مختلف مقامات پر لڑیں۔

سراپائے رسولؐ } از اعجاز الحق صاحب قدوسی واعظ سرکار عالیہ حیدر آباد دکن۔ ضخامت ۵۴ صفحات ۲۲×۲۹/۱۶۔ کاغذ اور طباعت و کتابت اوسط

اس مختصر رسالہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل و شمائل، اخلاق و معاشرت اور عام طرزِ زندگی پر نہایت مختصر پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ مجموعی حیثیت سے رسالہ بہت سبق آموز ہے۔ قیمت ۶ر علاوہ محصولڈاک۔

ملنے کا پتہ :۔ دفتر رسالہ ترجمان القرآن خیریت آباد حیدر آباد دکن

(قیس)

جواہرِ انتخاب

مناظرات و جدل کی اشاعت

"جب خدا کسی قوم کے ساتھ برائی کرنا چاہتا ہے تو اُن پر مناظرہ کا دروازہ کھول دیتا ہے اور اُن کو عمل سے روک دیتا ہے۔" (امام اوزاعی)

گذشتہ دور میں بھی مناظرات کا وجود پایا جاتا ہے چنانچہ امام شافعیؒ نے اکثر ان مناظرات کا ذکر کیا ہے جو ان کے اور محمد بن حسن فقیہ عراق کے درمیان ہوئے، لیکن وہ عام طور پر علماء کے درمیان شائع نہ تھے، اور جہاں تک بظاہر معلوم ہوتا ہے، ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ حکم صحیح کا استنباط کیا جائے، اور جب ان پر حق ظاہر ہو جاتا تھا تو اپنی رایوں کے بدلنے سے ان کو کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی، کیونکہ وہ لوگ اپنی رائے میں آزاد تھے اور کسی مذہب اور رائے کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس دور کے مناظرات کی ابتدائی اشاعت، ان کے محرک اور ان کے نتیجہ کے متعلق حالات بالکل بدل گئے۔

ان مناظروں کی مقدار کا یہ حال تھا کہ مناظرہ کی مجلسوں کا بہت زیادہ رواج ہوا، یہاں تک کہ کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جو اس قسم کی مجلسوں سے خالی ہو جو دو بڑے عالموں کے درمیان مناظرہ کی غرض سے منعقد کی گئی ہوں بالخصوص عراق و خراسان میں۔

مناظرہ کی یہ مجلسیں وزراء و کبراء کے سامنے منعقد ہوتی تھیں اور ان میں بہت سے اہل علم شریک ہوتے تھے اور مجالس عزا میں بھی ان کا انعقاد ہوتا تھا (طبقات الشافعیہ تذکرہ شیخ ابواسحاق شیرازی میں دیکھو) چنانچہ ابوالولید الباجی کہتے ہیں کہ بغداد میں رسم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسے شخص کی وفات کا صدمہ ہوتا تھا جس کو وہ معزز سمجھتا تھا تو وہ چند دن گھر کی مسجد میں بیٹھتا تھا اور اس کے ساتھ ان دنوں میں اس کے پڑوسی اور بھائی بند بھی بیٹھتے تھے، جب چند دن گزر جاتے تھے تو اس کو صبر و تسلی دیتے تھے، اور اس کے معمولی کاروبار کی طرف اس کو واپس لاتے تھے لیکن یہ دن جن میں وہ اپنے پڑوسیوں اور بھائی بندوں کے ساتھ اپنی مسجد میں تعزیت کے لئے بیٹھتا تھا اکثر اوقات تلاوتِ قرآن یا مسائل کے متعلق فقہا کے مناظرے کے ساتھ کاٹے جاتے تھے، قواعد مناظرہ کے متعلق کتابیں تالیف کی گئیں اور ان کا نام علم ادب البحث رکھا گیا۔ پہلے مناظرہ کی مجلسیں علم کلام

کے متعلق قائم کی جاتی تھیں اور اس نے ان لوگوں میں اس قدر تعصبات فاحشہ اور کھلی ہوئی خصومتیں پیدا کردیں کہ ان کی وجہ سے خونریزی اور شہروں کی بربادی کی نوبت پہنچ گئی۔ اسلئے بعض امراء فقہی مناظرے کی طرف مائل ہوئے، بالخصوص ان کا میلان اس طرف زیادہ ہوا کہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں جو اولیٰ ہو اس کا اظہار کیا جائے، اب لوگوں نے علم کلام اور دوسرے علوم کو چھوڑدیا اور خصوصیت کے ساتھ ان مسائل پر جھک پڑے جو امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان مختلف فیہ تھے اور امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ اور امام احمدؒ کے ساتھ اختلاف کرنے میں تساہل سے کام لیا۔

ان لوگوں کا نفس اگرچہ ان کو یہ دھوکا دیتا تھا کہ ان مناظرات سے ان کا مقصد دقائقِ شریعت کا استنباط، عللِ مذاہب کا اثبات اور اصولِ فتاوی کی تمہید ہے، لیکن ان کے لئے اس کا اصل محرک امراء کی خوشنودی تھی، چنانچہ امام غزالی نے اس کو ثابت کیا ہے اور اس معاملے میں وہی حجت ہیں کیونکہ وہ ان کے رؤسا میں تھے، اور نہایت تیز زبان اور دقیق النظر تھے، اس کے بعد ان کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ اُٹھا تو اُنھوں نے ان دلفریب مناظر اور جھوٹی شہرت کو چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کیا اور حالت نفسیہ کے عیوب کے اظہار کے لئے ہم کو اس سے زیادہ بہتر شخص نہیں مل سکتا جو خود اس میں مبتلا ہو، پھر اس کو چھوڑ دے، امام غزالی کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے نفس کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ طلب حق کے لئے باہمی تعاون دین سے ہے کیونکہ اس کے لئے آٹھ شرطیں ہیں۔

(۱) چونکہ یہ فرض کفایہ سے ہے، اس لئے اس میں اس شخص کو مشغول نہیں ہونا چاہیے جو فرضِ اعیان سے فارغ نہ ہوا ہو، اور جس شخص پر فرضِ عین باقی ہے اور وہ فرضِ کفایہ میں مشغول ہوا اور اس نے یہ خیال کیا کہ اس کا مقصد حق ہے تو وہ کذاب ہے، اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو خود نماز کو چھوڑ کر کپڑوں کے حاصل کرنے اور ان کے بننے میں مشغول ہو جائے اور یہ کہے کہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس شخص کی ستر پوشی کروں جو برہنہ نماز پڑھتا ہے اور کپڑا نہیں پاتا۔ کیونکہ ایسا اتفاق کبھی کبھی ہوتا ہے اور اس کا واقع ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ فقیہ کا خیال یہ ہے کہ جن نوادرِ مسائل سے علم الخلاف میں بحث کی جاتی ہے ان کا وقوع ممکن ہے۔ لیکن جو لوگ مناظرہ میں مشغول رہتے ہیں وہ ان امور کو چھوڑ دیتے ہیں جو بالاتفاق فرضِ عین ہیں۔ جس شخص کو فی الحال ودیعت واپس کرنا ہو اور وہ نماز کو چھوڑ کر جو خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے اس کے واپس کرنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہو وہ اس کے ساتھ گنہگار ہوا۔ اس لئے کسی شخص کے فرمانبردا

بندہ ہونے کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ اس کا فعل طاعات کی جنس سے ہے، جب تک کہ اس میں وقت، شرط اور ترتیب کا لحاظ نہ رکھے۔

(۲) مناظرہ سے زیادہ کسی فرض کفایہ کو اہم نہ سمجھے، لیکن اگر اس نے کسی فرض کفایہ کو اس سے زیادہ اہم سمجھا، اور اس کے علاوہ دوسرے فرض کو انجام دیا تو اس فعل پر گنہگار ہوا اور اس کی مثال اس شخص کی مثال ہوگی جس نے پیاسوں کی ایک جماعت دیکھی جو قریب بہ ہلاکت تھی اور لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا، اور وہ پانی پلا کر ان کو زندہ رکھ سکتا تھا، لیکن وہ فن حجامت کے سکھانے میں مشغول ہوا اور یہ خیال کیا کہ وہ فرض کفایہ میں سے ہے، اور اگر شہر اس فن سے خالی ہو جائیگا تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ لیکن جب اس سے کہا گیا کہ شہر میں حجاموں کی ایک جماعت موجود ہے اور وہ کافی ہے، تو اس نے کہا کہ یہ اس کے فرض کفایہ ہونے سے اس کو نہیں نکالتا، تو جو شخص ایسا کرتا ہے اور مسلمان پیاسوں کی جماعت کے واقعۂ حال کو چھوڑ دیتا ہے، اسکی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جو مناظرہ میں مشغول رہتا ہے، حالانکہ شہر میں اور بھی بہت سے فروض کفایہ چھوٹے ہوئے ہیں اور ان کو کوئی انجام نہیں دیتا۔ ان سب سے قریب تر طب ہے۔ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی۔

(۳) مناظر کو مجتہد ہونا چاہئے، جو اپنی رائے سے فتویٰ دے، نہ کہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے ساتھ۔ یہاں تک کہ جب اس کو یہ معلوم ہو کہ حق امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں ہے تو اس مسئلہ کو چھوڑ دے جو امام شافعیؒ کی رائے کے موافق ہے اور جو رائے اس کو حق معلوم ہوئی ہے اس کے مطابق فتوے دے، لیکن جس کو اجتہاد کا درجہ حاصل نہیں ہے اور ہر اہل زمانہ کا حال یہی ہے تو اس کو مناظرہ سے کیا فائدہ؟ درآنحالیکہ اس کا مذہب معلوم ہے اور وہ دوسرے مذہب کے موافق فتوے نہیں دے سکتا۔

(۴) صرف اس مسئلہ کے متعلق مناظرہ کرے جو واقع ہوا اور زیادہ تر قریب الوقوع ہو لیکن یہ لوگ ان مسائل کے انتخاب میں جن کی ضرورت عام طور پر پیش آتی ہے، اہتمام نہیں کرتے بلکہ صرف طبولیات کی جستجو کرتے ہیں، جو سنے جاتے ہیں اور اس میں جو کچھ بھی ہو مناظرہ کی بہت زیادہ گنجائش ہوتی ہے اور جو مسائل کثیر الوقوع ہیں اُن کو بسا اوقات چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خبر یہ مسئلہ ہے یا زوایا سے ہے، طبولیات سے نہیں۔

(۵) محفلوں اور اکابر و سلاطین کے سامنے سے زیادہ مناظرہ کو خلوت میں پسندیدہ ہونا چاہئے

کیونکہ خلوت میں سمجھ میں انتشار پیدا نہیں ہوتا، اور ذہن وفکر کی صفائی اور ادراک حق سے اس کو زیادہ موزونیت ہوتی ہے اور مجمع کے سامنے ایسے اسباب پیش آتے ہیں جو محرکات ریاء کو تحریک دیتے ہیں اور ہر شخص کے لئے چاہے وہ حق پر ہو یا باطل پر اپنی مدد کرنا واجب کر دیتے ہیں حالانکہ تم کو یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ مجامع ومحافل کے حریص خدا کے لئے نہیں ہوتے، بلکہ ان میں بعض لوگ اپنے حریف کے ساتھ مدتوں خلوت میں رہتے ہیں اور اس سے کلام نہیں کرتے اور بسا اوقات ان کے سامنے مسئلہ پیش کیا جاتا ہے اور وہ اس کا جواب نہیں دیتا، لیکن جب کوئی مجمع ہوتا ہے تو ہر ممکن تدبیر اس کی کرتا ہے کہ اس کو خاص طور پر گفتگو کا موقع ملے۔

(۶) حق کی جستجو میں اس کی حالت اس شخص کی سی ہو جو گم گشتہ چیز کی تلاش کرتا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کرتا کہ وہ گم گشتہ چیز اس کے ہاتھ لگیگی یا اس کے معاون کو ملیگی اور وہ اپنے رفیق کو معاون سمجھے حریف نہ سمجھے، اور جب وہ اس کی غلطی بتا دے اور اس کے لئے حق کو ظاہر کر دے تو وہ اس کا شکر گزار ہو، لیکن ہمارے زمانہ کے مناظرہ کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ جب ان میں کسی کے حریف کی زبان سے حق ظاہر ہوتا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کو شرمندگی لاحق ہوتی ہے اور وہ اس کے انکار میں اپنی انتہائی قدرت سے کام لیتا ہے اور جو شخص اس کو چپ کر دیتا ہے عمر بھر اس کی برائی کرتا ہے۔

(۷) جس شخص سے مناظرہ کرے اس کو دلیل سے دوسری دلیل کی طرف اور ایک مثال سے دوسری مثال کی طرف انتقال کرنے کی ممانعت نہ کرے، اور اپنے کلام سے مناظرۂ مبتدعہ کے تمام مفید ومضر دقائق کو نکال ڈالے، مثلاً اس کا یہ قول کہ "اس کا ذکر میرے لئے ضروری نہیں" اور "یہ میرے پہلے کلام کے مناقض ہے اسلئے مجھ سے قبول نہیں کیا جائیگا" حالانکہ حق کی طرف رجوع کرنا باطل کے مناقض ہے، اور اس کا قبول کرنا واجب ہے، لیکن تم دیکھتے ہو کہ تمام محفلوں کا خاتمہ مدافعات ومجادلات پر ہوتا ہے۔

(۸) ایسے شخص سے مناظرہ کرے جس سے فائدہ حاصل کرنے کی توقع ہو اور وہ علم میں مشغول ہو، لیکن اکثر یہ لوگ فحول واکابر کے مناظرے سے اس ڈر سے احتراز کرتے ہیں کہ حق انہیں کی زبان سے ظاہر ہوگا، اور ان سے کم درجہ کے لوگوں کی طرف مائل ہوتے ہیں تاکہ ان میں اپنے باطل کو رواج دے سکیں الخ ملخصاً

اس کے امام غزالی نے اس کے ساتھ ایک اور فصل شامل کی ہے جس میں مناظرہ کی

آفتیں بیان کی ہیں، اور ان میں حسب ذیل آفتوں کو شمار کیا ہے

(۱) حسد

(۲) لوگوں پر تفوق حاصل کرنا، یہاں تک کہ لوگ بعض مجالس میں بلندی، پستی اور صدر کے مسند سے قرب و بعد اور تنگ راستوں میں پہلے داخل ہونے کی خواہش پر جھگڑتے ہیں، اور ان میں بعض غبی اور مکار لوگ یہ حیلہ تراشتے ہیں کہ وہ علم کی عزت کا تحفظ چاہتے ہیں اور مسلمان کو اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس بنا پر یہ لوگ تواضع کی تعبیر ذلت سے اور تکبر کی تعبیر غرسب کی عزت سے کرتے ہیں، تاکہ ایک نام میں تحریف کریں اور لوگوں کو اس کے ذریعہ سے گمراہ کر دیں۔

(۳) حقد یعنی سخت اور مخفی دشمنی جس سے تقریباً کوئی مناظر خالی نہیں ہوتا۔

(۴) غیبت، کیونکہ ہر مناظر اپنے حریف کے کلام کی نقل اور اس کی مذمت ضرور کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اپنا تحفظ اس قدر کرتا ہے کہ اس کی نقل و حکایت میں صداقت سے کام لے اور اس سے نقل کرنے میں جھوٹ نہ بولے۔ لیکن لازمی طور پر اُس سے ایسی چیزیں نقل کرتا ہے، جس سے اس کے کلام کا قصور، اس کا عجز اور اُس کے فضل کا نقصان ثابت ہو اور اسی کا نام غیبت ہے۔

(۵) تجسس، اور لوگوں کی برائیوں کا ٹوہ لگانا، کوئی مناظر اپنے ہمسروں کی لغزشوں کی تلاش اور اپنے حریفوں کی برائیوں کے ٹوہ لگانے سے خالی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ جب اس کو اپنے شہر میں کسی مناظر کے آنے کی خبر ہوتی ہے تو وہ ایسے شخص کی جستجو کرتا ہے جو اس کے اندرونی حالات کی خبر دے اور وہ سوال کرکے اس سے نتائج نکالتا ہے، یہانتک کہ بوقت ضرورت اسکی رسوائی اور شرمساری کے لئے ان کو اپنے لئے ایک سرمایہ خیال کرتا ہے، یہانتک کہ اس کے بچپن کے حالات اور اس کے بدن کے عیوب تک کا انکشاف کرتا ہے، تاکہ اس کی کسی لغزش یا اس کے کسی عیب مثلاً گنج وغیرہ ہونے پر واقف ہو جائے، پھر جب اس کا ادنےٰ سا غلبہ بھی محسوس کرتا ہے تو اگر وہ رکھ رکھاؤ کا آدمی ہوتا ہے تو تعریضاً اس کا اظہار کرتا ہے اور اس کی یہ تعریض مستحسن خیال کی جاتی ہے اور گالی گلوچ کے لطائف میں شمار کی جاتی ہے، لیکن اگر وہ سفیہ اور مسخرا ہوتا ہے تو علانیہ اس کا اظہار کرتا ہے، جیسا کہ اکابر مناظرین سے منقول ہے۔

(۶) لوگوں کے رنج سے خوشی اور اُن کی خوشی سے رنج، کیونکہ جو شخص اظہارِ فضل کے ذریعہ

تفاخر حاصل کرنا چاہتا ہے اُس کو اس کے مقابل حریفوں کے رنج پر لازمی طور پر مسرت ہوتی
اور ان کے درمیان سوتوں کی طرح بغض ہوتا ہے، جس طرح ایک سوت دوسری سوت
ب دور سے دیکھتی ہے تو اس کا جسم کانپنے لگتا ہے، اور اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے، اسی
ح جب ایک مناظر دوسرے مناظر کو دیکھتا ہے تو اس کا رنگ بدل جاتا ہے، اور اُس سے
لو اضطراب لاحق ہو جاتا ہے، اور ایسی ناگواری کا اظہار کرتا ہے گویا وہ شیطان یا کسی
رہ جانور کو دیکھتا ہے۔

(۷) نفاق، جس پر یہ لوگ مجبور ہوتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ حریفوں، اُن کے دوستوں اور اُن کے
یعوں سے ملتے ہیں اور مجبوراً زبان سے دوستی، شوق اور ان کے مرتبہ کا اظہار کرتے ہیں۔
ن   مخاطب اور ہر وہ شخص جو اُن سے یہ سنتا ہے جانتا ہے کہ یہ جھوٹ، زُور،
ق، اور فجور ہے، کیونکہ یہ لوگ زبان سے دوست اور دل سے باہم دشمن ہیں۔

)، حق سے روگردانی، اس کی کراہت اور اس کے متعلق جھگڑنا، یہاں تک کہ مناظر کے لئے
ے سے زیادہ مبغوض چیز یہ ہے کہ اُس کے فریق کی زبان سے حق کا اظہار ہو اور جب وہ
کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ اپنی انتہائی کوشش سے اُس کے انکار کے لئے مستعد
یاتا ہے اور اس کے رد کرنے کے لئے انتہائی مکر، فریب اور حیلہ سے کام لیتا ہے، یہاں تک
، کے متعلق جھگڑنا، اس کی طبعی عادت بن جاتا ہے، اس لئے جب کوئی کلام سنتا ہے تو
کی طبیعت میں اس پر اعتراض کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، یہاں تک کہ ادلہ، قرآن
لفاظ شرع کے متعلق بھی اُس کے دل پر اس کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور وہ ایک کو دوسرے
فلوط کر دیتا ہے،

)، ریاء، لوگوں کا لحاظ، اور اُن کے دل اور اُن کے چہروں کے مائل کرنے کی کوشش
ریا، ایک ایسا سخت مرض ہے جو اکبر الکبائر کا محرک ہوتا ہے، اور مناظر کا مقصد صرف
تا ہے کہ لوگوں میں نمایاں ہو اور لوگ اس کی تعریف کریں۔

مناظرہ کے یہ عظیم الشان نتائج ہیں جو فقہاء کو اُس سطح سے گرا دیتے ہیں جس پر متمکن ہونا
ئیے، کیونکہ وہ شریعت کے حامی اور دین کے محافظ ہیں، اس لئے ان میں کامل ترین اخلاق
اف ہونے چاہئیں، لیکن ان مناظرات نے جو خالصۃً لوجہ اللہ نہ تھے، اُن میں بہت
فقہا کو اُس حالت تک پہنچا دیا جس کی شرح ایک ایسے شخص نے کی ہے جو اُسی حالت میں

مبتلا تھا خدا اس کو معاف کرے۔

ابن سبکی نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ ابو حیان توحیدی کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ابو حامد مَر کو طاہر عبادانی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ " جو کچھ تم مجھ سے مجلس مناظرہ میں سنتے ہو اُس کو ہر گز نہ لکھو کیونکہ اس میں جو گفتگو ہوتی ہے اُس سے حریف کو جلکہ اور مغالطہ دینا اور اس کی تردید کرنا اور اس پر غلبہ حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، اسلئے ہم خالصتہً لوجہ اللہ تعالےٰ گفتگو نہیں کرتے، اگر ہمارا یہ مقصد ہوتا تو طویل گفتگو سے زیادہ ہم خاموشی کی طرف شرعت کے ساتھ بڑھاتے، اگرچہ زیادہ تر اس گفتگو میں خدا کا غضب لیکر لوٹتے ہیں۔ لیکن اُس کے ساتھ ہم خدا کی رحمت کی وسعت کے بھی متوقع ہوتے ہیں۔" (منقول از تاریخ فقہ اسلامی)

اُمّتِ مُسلِمہ کا سالانہ اجتماع

اللہ عزوجل پر بھروسہ رکھتے ہوئے اُمت مسلمہ امرتسر نے ہر سال دسہرہ کی تعطیلات میں ایک عظیم الشان جلسہ کے انعقاد کا فیصلہ کر دیا ہے۔ چنانچہ امسال مورخہ ۱۲ و ۱۳ اکتوبر ۳۷ء بروز منگل و بدھ سالانہ جلسہ ہوگا جس کو کامیاب بنانے کے لئے تیاریاں شروع ہو گئی ہیں اور اس مقصد کے لئے ایک مجلس استقبالیہ مقرر کر دی گئی ہے۔ مجلس عاملہ اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب قرآن حکیم کو جمیع ضروریات وحی کے لئے کافی سمجھنے والے دوستوں کا فرض ہے کہ

(الف) وہ جہاں کہیں بھی ہوں اس جلسہ میں شمولیت کے لئے تشریف لائیں اور اپنے اعزہ و احباب کو بھی شمولیت کی ترغیب دلائیں۔

(ب) جلسہ کے مصارف کیلئے خود بھی عطیات دیں اور اپنے حلقۂ اثر میں بھی امداد کے لئے اپیل کریں۔

(ج) علمأ اُمت سو کام چھوڑ کر بھی شامل اجلاس ہوں اور اپنے مواعظ حسنہ اور پاکیزہ خیالات سے حاضرین و سامعین کو مستفید فرمائیں۔

(د) جلسہ کو کامیاب اور بارونق بنانے کیلئے نوجوان دوست بحیثیت رضا کار اپنا نام پیش کریں اور اپنے افسروں کے حکم کے مطابق فرائض منصبی ادا کرکے ضبط و نظم کا ثبوت پیش کریں۔

(ہ) تشریف لانے والے دوست اور بزرگ اپنی تشریف آوری کی اطلاع اخیر ستمبر تک سکرٹری مجلس استقبالیہ کو پہنچا دیں۔

(و) رہائش و خوراک کا انتظام مجلس انتظامیہ کے ذمہ ہوگا لیکن موسم کے مطابق بستر ہمراہ لانا ضروری ہے۔

(ز) اکابر علماء امت سے تشریف آوری کے متعلق خط و کتابت کی جارہی ہے، بعض مقامات پر وفود کی روانگی کا بھی انتظام کیا جائیگا۔ اُمید ہے کہ ستمبر کے اخیر تک مکمل پروگرام شائع کر دیا جائیگا۔

(ح) جن احباب کی خدمت میں پوسٹر و اشتہارات وغیرہ بھیجے جائیں وہ براہ کرم اُن کی تقسیم وغیرہ کا انتظام کرا دیں۔

(ط) جہاں کہیں قرآن مجید کو کافی ماننے والے دوست ہوں آپ خود بخود اُنہیں جلسہ کی اطلاع بھجوا دیجئے ورنہ مجلس استقبالیہ کو لکھئے تاکہ وہ ایسے دوستوں کو اطلاع دے سکے۔

(ی) ایسے مفید مشوروں سے مستفید فرمائیے جو جلسہ کی کامیابی کا موجب ہوں۔

امید ہے کہ صاحبدل اکابر احباب اس نیک مقصد میں ہماری دستگیری فرما کر عند اللہ ماجور ہونگے۔

آپ کا خادم ابو الاحسان سکرٹری شعبہ نشر و اشاعت اُمت مسلمہ امرتسر ۲۴ جولائی ۳۷ء

حساب آمد و خرچ امت مسلمہ امرتسر از ۲۴ مئی تا ۲۳ جولائی ۱۹۳۴ء

آمد تبلیغ

حاجی محمد اسحاق محمد اسمٰعیل صاحبان	۱۰ عـہ
شمس العلماء مولانا احسان الحق صاحب	ے
شیخ ظہور احمد صاحب بحرین	۳۰ عـہ
اکرم خاں صاحب	۸/
میاں فیصلی	عہ
بابو عبدالرحیم صاحب	۸/
مستری تاج دین صاحب	۸/
مستری اسمٰعیل صاحب	۴/
بابو ذوالفقار علی صاحب	۶
میاں مہر بخش صاحب چاندیوالہ	عـہ
خواجہ عبدالکریم صاحب کلکتہ	۱ ے
غازی فیروز الدین صاحب	۸/
پروفیسر تبسم صاحب	ے
محمد احمد علی صاحب کپورتھلہ	ے
حکیم غلام حیدر صاحب سیتاپور	ے
افتخار حسین صاحب	۶
عبداللہ خاں صاحب	عہ
بابو فضل کریم صاحب	عہ
خواجہ ثناء اللہ صاحب	۸/
فرخ صاحب	۲/
بابا تاج دین صاحب مستری	؏
بابو محمد شفیع صاحب	؏
بابو ظہور الدین صاحب	۲/
بابو چراغ دین صاحب سدھو	ے/
شیخ بدرالدین صاحب	۲/
جلال الدین صاحب	۴/
دیدار علی صاحب	۲/
جناب حق گو صاحب	صہ
چوہدری غلام غوث صاحب	؏
نامعلوم الاسم	عہ
فضل الٰہی صاحب	ے/
غلام کبریا صاحب	۸/
فضل الٰہی صاحب راولپنڈی	ے/
محمد اکرم صاحب	۴/
بقایا سابقہ	۳۰ عـہ
میزان	۶ ــ ۳ ــ ۱۳۵

آمد ہال فنڈ

میاں مہر بخش صاحب چغتائی	عـہ
میاں الٰہی بخش صاحب احسان پوری	عہ
حکیم طالب علی صاحب	صہ
مولوی محمد شفیع صاحب	۲۰ عـہ
بابو غلام مصطفیٰ صاحب	صہ
خواجہ انعام اللہ صاحب	عہ
میاں عبدالرحیم صاحب	ے
لبھو پہلوان	صہ
ڈاکٹر غلام حسن صاحب	صہ
حاجی خواجہ ثناء اللہ صاحب	عـہ
خواجہ عبدالکریم صاحب کلکتہ	۴۰ للعہ
اصغر صاحب	عـہ
مہر نظام الدین صاحب	۱۱۱
میزان	۲۰۷ روپیہ

کل آمد

آمد تبلیغ	۶ ــ ۳ ــ ۱۳۵
چندہ ماہانہ	ــ ۸ ــ ۵۸
عطیات	۔ ــ ۔ ــ ۲
فروخت کتب	ــ ۵ ــ ۲۴
ہال فنڈ	۔ ــ ۔ ــ ۲۰۷
میزان کل	۶ ــ ۔ ــ ۴۲۷

کل خرچ

دفتر تبلیغ	۳ ــ ۸ ــ ۱۳۸
تعمیر ہال	۶ ــ ۱۳ ــ ۱۸۱
واپسی قرض	ــ ــ ۳۰
مدرسہ و لائبریری	۶ ــ ۱۴ ــ ۶
میزان کل	۳ ــ ۴ ــ ۳۵۷

بقایا

کل آمد	۶ ــ ۔ ــ ۴۲۷
کل خرچ	۳ ــ ۴ ــ ۳۵۷
بقایا	۳ ــ ۱۲ ــ ۶۹

كُلَّمَآ أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۔ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ ۲۹/۱ جب کبھی اس جہنم میں کوئی فوج ڈالی گئی، اس کے داروغوں نے ان سے پوچھا، کیا تمہارے پاس کوئی نذیر نہیں آیا؟ اُنھوں نے کہا کیوں نہیں۔ ہمارے پاس ضرور نذیر آیا۔ سو ہم نے جھٹلایا اور کہا کہ خدا نے کچھ نہیں اُتارا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ:-

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَآءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا بَلَىٰ ۲۴/۵ کافر لوگ جہنم کی طرف زمرہ زمرہ کرکے ہانکے گئے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اس کے دروازے کھولے گئے اور اُن کو جہنم کے داروغوں نے کہا۔ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے جو تم پر تمہارے رب کی آیات کی تلاوت کرتے تھے اور تمہیں تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے؟ تو اُنھوں نے کہا کیوں نہیں

اور یہ یاد رہے کہ آیات اللہ کی تلاوت کرنے والے ہمیشہ وہی لوگ نہیں ہوا کرتے جن پر خود وہ آیتیں نازل ہوں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۱/۱۷ اور جب ان پر ہماری روشن آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو تو (اے رسول) کافروں کے چہروں میں تغیر حالت کو مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ قریب ہوتے ہیں کہ ان لوگوں پر دست درازی کریں جو اُن پر ہماری آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔ وغیر ذلک من الآیات

قرآن مجید میں بظاہر الفاظ ایسے ہی رسولوں کو فرمایا گیا ہے کہ:-

يَآ أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۳/۱۸ اے رسولو! پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور صلاحیت والے اعمال بجا لاؤ۔ بلاشبہ میں تمہارے کاموں کو جاننے والا ہوں اور یہ تمہاری جماعتیں ایک ہی جماعت ہیں۔ اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس مجھ ہی سے ڈرو (یعنی فرقہ بندی کی بنیاد اکھاڑ ڈالو) سو انھوں نے اپنے اصلی مقصود کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہے۔ ہر گروہ اسی پر پھول رہا ہے جو ان کے پاس ہے۔

پھر یہ بھی واضح ہے کہ ہمارے رسول خدا کے ساتھ کفار نے بڑی مخالفتیں اور سخت لڑائیاں کیں۔ حضور پُر نور پر اس طرح بڑی مصیبت کے وقت آئے۔ بہت سے لوگوں نے مسلمان ہو کر بھی اس عسرت کی ساعت میں آپ کا ساتھ نہیں دیا۔ یہ لوگ فتح مکہ کے موقع پر بھی بہانے بنا کر پیچھے رہ گئے۔ پھر مہم تبوک پر جانے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ اسوقت اللہ تعالے نے فرمایا کہ

فَإِن رَّجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ

سو اگر تجھ کو اللہ ان میں سے ایک گروہ کی طرف واپس لائے پھر یہ تجھ سے (اس آسانی کے وقت میں) نکلنے کی اجازت مانگیں۔ تو تو نے کہنا کہ تم میرے ساتھ کبھی بھی نہیں نکلو گے اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن سے لڑنے پاؤ گے۔ بالتحقیق تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے پر راضی ہوئے۔ سو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔

اس آیہ کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کو رسول کریمؐ کے ساتھ حضور کی زندگی میں کسی جنگ پر نکلنے کی اجازت ہرگز ہرگز نہیں دیجا سکتی تھی۔ ہاں پس از وفات رسولؐ اگر کوئی خلیفہ کسی لڑائی کے وقت انھیں بلائے اور انھیں جانبازی کرنے اور اپنی صفائی دکھلانے کا موقعہ دے تو یہ بالکل بجا ہے۔ مگر ان کا اس خلیفہ کے ساتھ نکلنا حکم آیہ مذکورہ خود حضور کے ساتھ نکلنا نہیں کہلائیگا۔ وہ لوگ اس خلیفہ کے ساتھ نکلنے میں اس خلیفہ کے ہی مطیع ہونگے۔ حضور کی اس اطاعت کے علاوہ جو قرآن مجید کے ماننے میں ہی آجاتی ہے۔ آنجنابؐ کی باقی اپنی الگ انتظامی اطاعت آپ کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ حضور کی وفات کے بعد خود اس خلیفہ کی انتظامی اطاعت جس کے ساتھ وہ نکلیں گے بالکل اسی طرح سے فرض ہو جائیگی۔

اللہ تعالے فرماتا ہے کہ

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِن تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ لَّيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ

وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ۲۶ جب تم غنیمتوں کے لینے کے لئے چلوگے تو یہ پیچھے رہنے والے کہیں گے کہ ہمیں بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے کلام کو بدل ڈالیں۔ تو کہہ کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جانے پاؤگے اللہ نے یونہی پہلے فرمادیا ہے۔ سو یہ لوگ کہیں گے کہ نہیں تم ہم سے حسد کرتے ہو۔ نہیں نہیں بلکہ انھیں کم ہی سمجھ ہے۔ تو پیچھے رہنے والے اعراب سے کہہ دے کہ تم قریب ہی ایک سخت جنگ آور قوم کی طرف بلائے جاؤگے (یعنی میں تمہیں اپنی زندگی میں نہیں بلا سکتا۔ لیکن میرے بعد کوئی خلیفہ تمہیں بلائیگا) تم اُن سے لڑوگے یا وہ فرمانبردار ہوجائیں گے۔ پھر اگر تم (اس خلیفہ کی) اطاعت کروگے تو اللہ تمہیں نیک اجر دیگا۔ اور اگر مُنہ موڑوگے جیسا کہ تم نے پہلے مُنہ موڑا ہے تو وہ تمہیں دردناک عذاب دیگا۔ اندھے پر کوئی تنگی نہیں (نہ اب اور نہ آئندہ اور (اسی طرح) لنگڑے پر کوئی تنگی نہیں اور نہ مریض پر کوئی حرج ہے اور جو اطاعت کریگا اللہ کی (یعنی قرآن اور حق کی) اور اس کے اس رسول کی تو اللہ اسے ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور جو مُنہ موڑیگا تو وہ اسے دردناک عذاب دیگا۔

حاصل یہ ہے کہ اگر یہ بات سچ ہے کہ رسول کی انتظامی اطاعت منتقل ہونیوالی چیز ہے تو جس شخص میں وہ رسول والی انتظامی اطاعت منتقل ہوگی وہ ویسی ہی منتظمانہ خدمت کی بجا آوری کے لحاظ سے رسول کہلا سکتا ہے۔

ایسے ہی رسولوں کا آیۂ ذیل میں بھی ذکر ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ۳۵ اے بنی آدم اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آویں جو تمہارے آگے میری آیتیں بیان کریں۔ تو جو شخص تقوےٰ کرے اور سدھر جائے تو ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غم کرینگے۔

ایسے آنیوالے رسول قرآن مجید کی ہی آیتیں سنائینگے۔ اگر یہ بات سچ ہے کہ قرآن مجید الٰہی ذمہ واری کے ساتھ قیامت کبریٰ تک محفوظ رہنے والی کتاب ہے۔ تو یہ مبارک کتاب قیامت کبریٰ تک لوگوں کو پہنچتی بھی رہیگی اور قرآن مجید فرماتا ہے کہ
وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ جس کو بھی یہ قرآن پہنچے اس کے لئے یہی نذیر

ہوگا" پس قرآن مجید قیامت کبریٰ تک غیر منسوخ رہنے والی کتاب ہے۔

اس بیان سے صاف کھل جاتا ہے کہ رسول کا لفظ بڑے وسیع معنوں میں مستعمل ہوسکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے مبلغین اور خلفاء (رسول) ہماری ختم نبوت کی بحث سے کوئی علاقہ نہیں رکھ سکتے۔

رسول کے معنی مذکورہ بالا معنوں سے خاص تر بھی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تمام نوع انسان کے لئے علوم دینی کا ایک کورس مقرر فرمایا ہے۔ اس کورس کے کسی سبق کو جو لوگ بلا واسطہ کسی انسان کے خدا تعالیٰ کی وحی خاص سے دنیا میں لاتے رہے ہیں۔ وہ خاص رسول ہیں۔ اور جس کے ہاتھ پر وہ کورس مکمل و مشرح ہو کر ختم ہوا ہے وہ خاتم النبیین ہے۔ ایسا خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ ایسی ختم نبوت کا دعویٰ حضورؐ کے بعد آج تک کسی نے نہیں کیا۔ جناب بہاء اللہ صاحب ختم نبوت کے سرے سے ہی منکر ہیں۔ پس وہ بھی ایسا دعویٰ ہرگز نہیں کر سکتے۔ ان کے نزدیک حکیم مطلق خدا کے علوم دینی کبھی بھی ناقابل تنسیخ نہیں ہوسکتے[۱]۔ بلکہ خود خدا تعالیٰ بھی تمام نوع انسان کو کبھی کوئی ایسی وحی نہیں دے سکتا جس پر لوگ مطمئن ہو کر ہمیشہ کے لئے صدق دل سے اور یقین کامل کے ساتھ عمل پیرا ہو سکیں اور صحیفہ فطرت کی طرح اسے اپنی یقینی تحقیقات کی بنیاد بنا سکیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی بھی قابل تنسیخ کتاب یقینی تحقیقات کی بنیاد نہیں بن سکتی۔

مخفی نہ رہے کہ قرآن مجید نے میراث کے قواعد نہایت معقول طور پر مقرر کئے ہیں قرآن پاک نے حرام عورتوں کی فہرست بھی قدرتی اصولوں کی بنا پر پیش کی ہے۔ قرآن حکیم نے نکاح کے قواعد بالکل سیدھے سادھے تجویز فرمائے ہیں۔ اور میاں بیوی کی جدائی کو بہت ناپسند کیا ہے اور اس پر رکاوٹیں ڈالی ہیں۔ اگر منصفوں کے فیصلہ کے بعد طلاق دیا بھی جاوے تو اس طلاق سے رجوع کر لینے کے تین مہینے مقرر فرمائے ہیں۔ اور اگر حمل کا پتہ لگ جاوے تو تمام مدت حمل تک رجوع کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ ان کے خاوندان میعادوں میں ان کے موڑ لینے کے بڑے حقدار ہیں بشرطیکہ اصلاح کا ارادہ کریں۔

---

[۱] یعنی ہمیشہ قابل تنسیخ رہتے ہیں۔

لوگ ان اصلاحوں کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور اپنی ایسی رسموں کو قائم رکھنا چاہتے تھے جن سے یہ اصلاحیں ملیامیٹ ہو جائیں۔ اندریں صورت کامل کتاب کے لئے ضروری تھا کہ ایسی رسوم کی مناسب طور پر بیخ کنی کر دے تاکہ اس کتاب کی اپنی اصلاحیں مکمل اور قابل عملدرآمد ہوسکیں۔

یہ امر مخفی نہیں ہے کہ جب لوگ عیاشی کو پسند کرتے ہیں تو وہ خواہ مخواہ طلاق دینے اور نئے نئے نکاح کر لینے پر بڑے حریص ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کی اصلاحیں ابتداءً کئی مومنوں پر بھی گراں گزریں۔ وہ رجوع کے لئے انتظار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اسلئے اُنھوں نے کفر کی رسم ظہار سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ لوگ اپنی بیوی کو ماں کہدیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اب رجوع کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ظہار کو طلاق قرار دینے سے رجوع کے تمام قواعد ملیامیٹ کئے جا سکتے ہیں۔ اس پر خداتعالٰے نے نہایت ہی حکمت و رحمت سے فرمایا کہ ظہار نری بکواس ہے۔ ماں کہنے سے بیوی ماں نہیں بن سکتی۔

یہ امر سورج کی طرح روشن ہے کہ ناجائز اور مضر باتوں کے عہد توڑنے کے لائق ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں اپنی ماں سے کلام نہیں کرونگا یا فلاں عورت سے بدکاری کرونگا۔ یا اپنی بیوی کو ماں جانوں گا تو ایسی قسموں کو توڑ دینا اور کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔ لیکن اگر کوئی مرد یا عورت ضرورۃً یہ عہد کر لیویں کہ ہم اپنے زوج کی وفات کے بعد کوئی اور نکاح نہیں کرینگے تو ایسا عہد جائز ہوسکتا ہے اور ان سے خواہ مخواہ اس عہد کا تڑوانا منع ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص شرعی قواعد کو اصولاً توڑنے کے بغیر وقتی ضرورت کے لحاظ سے کسی کو دعی (متبنٰے یا مُنہ بولا بیٹا) بنالیوے تو یہ عہد بھی جائز ہوسکتا ہے۔ لیکن اس عہد کا اثر ان عہد والوں کی ذات تک ہی محدود رہیگا۔ آگے متعدی نہیں ہوسکیگا۔ مثلاً اگر دعی (منہ بولا بیٹا) بنانیوالا اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اپنے دعی سے کر دیوے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر اپنے دعی کی بہن یا بھتیجی سے خود نکاح کر لیوے تو اس میں بھی کوئی ممانعت نہیں ہوسکتی۔ لیکن اگر بیٹا حقیقی ہو تو ایسے نکاح قطعاً ناجائز ہیں۔ اسی طرح اگر دعی اپنی بیوی کو طلاق دیدیوے تو یہی قاعدہ وہاں بھی چلیگا۔ اس صورت میں بھی اسے حقیقی بیٹا نہیں قرار دیا جائیگا۔ اگر دعی کو حقیقی بیٹا سمجھکر آگے حقیقی بیٹے والے ہی قواعد جاری کئے جائیں تو اس سے میراث اور حلت وحرمت عورات اور نکاح وطلاق کے قواعد سب درہم برہم ہو جائیں گے۔

کفار دعی کو حقیقی بیٹا قرار دیتے تھے اور اس کا نسب بھی دعی بنانے والے کے ساتھ ہی نام کرتے تھے۔ حقیقی باپ کا نام بھی نہیں لیتے تھے۔ اس سے ادعیاء کے اپنے خاندانوں اور والدینوں کا پتہ تک نہیں رہا تھا۔ اور یوں اصلی حقوق میراث اور قواعد حلت وحرمت ملک سے جاتے رہے تھے اور حقیقی کی جگہ مصنوعی نے لے لی تھی۔ اندریں حالات اسلامی قواعد کی تکمیل کے لئے یہ ضروری تھا کہ مصنوعی کا یہ زور دشور توڑ دیا جائے۔

رسول اکرم نے زید کو دعی بنایا تھا۔ زینب ایک نیک عورت تھی۔ لیکن شکل وصورت کے لحاظ سے پسندیدہ نہ تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے رسول خدا نے یہ سمجھ کر کہ زید اپنی حالت پر نظر کرکے اس نکاح کو غنیمت جانیگا اور زینب بھی آرام سے بیٹھ جائیگی۔ زینب کا زید سے نکاح کرا دیا تھا۔ خدا تعالےٰ نے زید وزینب کے معاملہ کی تمہید میں مرد وعورت کی وہ خوبیاں بیان فرمائی ہیں جو روحانی پاکیزگی اور دلی اخلاص سے تعلق رکھتی ہیں۔ (اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ ۳۵) ان میں کسی جسمانی خوبی کا ذکر تک نہیں کیا۔ آگے فرمایا کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ لائق نہیں ہے کہ جب اللہ کے فیصلہ کے مطابق اللہ کا رسول فیصلہ کر دیوے تو ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی رہ جاوے۔ اس کے آگے دکھلایا ہے کہ مومن عورت زینب نے نہیں بلکہ مومن مرد زید نے رسول کے فیصلہ کی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ اس پر اللہ نے اور اس کے رسول نے بہت سے انعام واکرام کئے تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قصور سراسر زید کا تھا۔ ورنہ یہ فرمانے کے بعد کہ کسی مومن مرد اور عورت کو مخالفت لائق نہیں آگے صرف مرد کا ہی قصور بیان نہ کیا جاتا۔ اگر عورت کی طرف سے بھی کوئی قصور واقع ہوا ہوتا تو موقعہ بیان میں اس عورت کو تنبیہ کرنا بھی ضرور تھا۔ ہمارے رسول اکرم خدا تعالےٰ کے فیصلہ کے مطابق زید کو فرماتے تھے کہ تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے اور خدا سے ڈر۔ حضور کا یہ فرمانا بالکل صحیح تھا۔ اور یہی وہ ایک امر تھا جو اوپر کی آیت (اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا) میں مذکور ہوا ہے۔ اسی امر کا رسول مقبول صلعم نے فیصلہ الٰہی کے مطابق زید کو حکم کیا تھا۔ فیصلہ الٰہی کے مطابق عمل کرانے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ رسول خدا کا یہ امر یقیناً صحیح تھا۔ مگر اس میں ایک بات افسوس کے لائق بھی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ اس امر کی تہ میں رسول خدا کو اپنا ذاتی بچاؤ زیادہ مقصود تھا۔ حضور انور چاہتے تھے کہ زید کسی طرح بھی طلاق نہ دے تاکہ حضورؐ پر ایسے نکاح کا موقعہ ہی نہ آئے۔ طبعی بیزاری کے علاوہ حضور

اور ایسے نکاح کے لئے خود بھی نشانہ بننے سے ڈرتے تھے۔ جس کے لئے آپ کا کوئی تابعدار بھی جرأت نہیں کرتا تھا۔ حاصل یہ ہے کہ اسوقت آپ لوگوں سے زیادہ ڈرتے تھے۔ لیکن زید نے باوجود ممانعت کے طلاق دے ہی دی۔ زید نے زینب کو تمام مدت نکاح میں ہاتھ تک بھی نہیں لگایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے زید و زینب کے معاملہ میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر مس کرنے کے بغیر ہی طلاق دیا جائے تو خاوندوں پر کسی عدت کے گننے کی تکلیف نہیں ہے۔ اس مسئلہ کا بیان بظاہر سورہ بقرہ یا نساء یا طلاق میں زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے مگر حکیم مطلق خدا نے اس مسئلہ کو اسی جگہ بیان کرنا زیادہ مناسب دیکھا۔
جب زید نے طلاق دیدی اور رسول پر نمونہ بننے کا موقعہ عائد ہو گیا تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۔ اے نبی اللہ سے ڈر اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ مان "

اگر اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو یہ حکم نہ دیتا تو معلوم ہوتا کہ خدا تعالےٰ کے نزدیک میراث و حرمت و حلت عورات اور نکاح و طلاق کے احکام صرف مخول ہی ہیں۔ اس حکم کے بغیر وہ احکام بالکل نامکمل بلکہ نکمے بن جاتے۔ اور ان کی تکمیل کے لئے کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت باقی رہتی۔ پس رسول اکرم کا اس ابتلا میں پاس ہو جانا اور لوگوں کے خوف کو بالائے طاق رکھکر صرف اللہ کے خوف کو ہی اختیار کرنا آپ کے خاتم النبیین ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ اور اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور انور فی الواقع شاھد و مبشر و نذیر اور سراج منیر تھے۔ اور بلا شبہ آپ صلوۃ خدا و ملٰئکہ و مومنین کے مستحق تھے۔ اور بالضرور قرآن مجید کے ذریعہ سے مومنوں پر فضل کبیر ہوا ہے۔ افسوس لوگ اس نکاح کو طعن کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید اسے رسول خدا کے خاتم النبیین ہونے کی دلیل ٹھہراتا ہے اور مذکورہ بالا خوبیوں کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ؀ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کا بھی باپ نہیں (زید تو رہا درکنار) لیکن اسے تمام انسانوں کی بہتری دیکھنا باپ سے بھی بڑھکر منظور ہے۔ اس لئے کہ

وہ اللہ کا رسول ہے اور اللہ یہ نہیں چاہتا کہ ایسے نکاح کا موقعہ پیدا ہونے پر اُسے ایسا حکم نہ دیکر اپنے پیغاموں کو نکما اور ناقص کردے۔ اور ان حکموں کی تکمیل کے لئے کسی اور نبی کی ضرورت باقی رکھے۔ ہرگز نہیں۔ بالضرور یہی) خاتم النبیین ہے اور اللہ کو تمام باتوں کا علم ہے (ایسے علم والا خدا تمام نوع انسان کے لئے اپنے علوم دینی کی مکمل کتاب بالضرور پیش کرسکتا ہے جو ہمیشہ کے لئے کام دے سکے اور اس کو منسوخ کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے)

اس آیہ مبارکہ سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ خاتم النبیین کی کیا حقیقت ہے۔ یہ ایک ایسا وصف ہے جو نہ پہلے کسی کو ملا اور نہ بعد کو ہی کوئی اس کا مستحق ہوگا۔ یہ خاص نام خدا تعالےٰ کی طرف سے آج تک کسی کو نہیں دیا گیا۔ مخالف مخالفتیں کرتے ہیں مگر خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ نام کسی اور کو ملا ہوا نہیں دکھلاتے۔

پھر جبکہ دنیا ابھی تک ایک گھر کے حکم میں نہیں آئی تھی۔ مختلف قوموں میں مختلف مذاہب موجود تھے۔ ان کے پاس اصل حق بھی تھا۔ مگر وہ اپنی اپنی قومی خصوصیات بھی رکھتے تھے۔ جن کے باعث فرقہ بندیاں پیدا ہوجانی لازم تھیں۔ جب تمام دنیا کے ایک بننے کا وقت آیا تو اسوقت جمیع انسانوں کے لئے ایک متحد کردینے والی کتاب کی ضرورت تھی جو ان کو یہ بتلائے کہ تمام مذاہب کی مشترکہ باتیں اصل دین کا ہی بیان ہیں اور قومی خصوصیات اصول دین کی متابعت میں عقل وشورے کے ماتحت عمل درآمد کیا جاسکتا ہے اور فضول اختلافات کے بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کی طرف سے ایسی کتاب نہ آتی جو تمام نوع انسان کے لئے کارآمد ہوتی اور انھیں ایک بننا سکھاتی تو وہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اپنی فرقہ بندیوں کے لئے مجبور ہیں۔ ہم خدائی حکموں پر ہی چلتے رہے ہیں۔ اگر یہ فرقہ بندیاں غلط تھیں تو خدا تعالےٰ اپنی ہی تعلیم سے ہمیں ایک بننے کا راستہ سکھاتا۔ ہم تمام عقل والوں کے کہنے سے ان احکام کو کیسے ترک کرسکتے تھے جو بظاہر الفاظ خدائی احکام تھے؟ اندریں حالات ضرور تھا کہ رسولوں کے بند ہونے کے وقت تمام نوع انسان کے لئے ایک ایسی کتاب آئے جو انھیں ایک بننے کے سچے اور معقول طریق سکھائے تاکسی کو یہ کہنے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا متحد کرنیوالا بشیر ونذیر نہیں آیا دیکھئے یہود ونصارےٰ کے لئے اصلی تعلیم پیش کرکے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا

مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ فَقَدْ جَآءَکُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۵؎

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو رسولوں کے بند ہونے کے وقت تمہارے لئے بیان کرتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس بشیر و نذیر نہیں آیا (اہل کتاب کے پاس ہزاروں بشیر و نذیر آئے تھے۔ مگر یہ بشیر و نذیر رسولوں کے بند ہونے کے وقت پر آنیوالا تھا) سو تحقیق تمہارے پاس بشیر و نذیر آگیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مصباح المنیر میں فترۃ کے معنی یوں لکھے ہیں:۔

"وقولہ تعالےٰ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ اے علی انقطاع بعثھم ودروس اعلام دینھم" یعنی اللہ کے قول عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ کے معنی ہیں رسولوں کی بعثت کے منقطع ہونے پر اور ان کے دین کے نشانوں کے گم ہونے پر"۔

اور یہی معنی صحیح ہیں۔ ورنہ اہل کتاب کے پاس تو ہزاروں بشیر و نذیر آچکے تھے۔ اب صرف یہی بشیر و نذیر باقی تھا جس کے نہ آنے پر ان کی مذکورہ بالا حجت قائم ہو سکتی تھی۔

اس آیت سے بھی سورج کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے بشیروں[1] اور نذیروں کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

تمام قومیں خاتم النبیین کی حقیقت کو مانتی آئی ہیں۔ لیکن وہ یہ چاہتی رہی ہیں کہ ہمارا رسول ہی خاتم النبیین ہو اور یہ سورج کی طرح ظاہر ہے کہ خاتم النبیین صرف ایک ہی ہو سکتا ہے جس کے سوا دوسرے کو خاتم ٹھہرانا منع ہوگا۔ مومن آل فرعون نے اپنی قوم سے کہا کہ تم یوسف علیہ السلام کی زندگی میں اس کی وحی میں بھی شک کرتے رہے اور جب وہ فوت ہو گیا تو تم نے کہا کہ اب خدا تعالےٰ اس کے بعد کوئی رسول مبعوث نہیں کریگا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی وحی میں شک کرنا بھی برا تھا۔ اور اس وحی کو خاتم الکتب بنانا بھی صحیح نہیں تھا۔ خاتم الکتب صرف ایک ہی کتاب ہو سکتی ہے اور بس۔

مومن آل فرعون نے یوسفؑ کی ختم نبوت کی نفی کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق ختم نبوت کا وہ منکر نہیں تھا۔

پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی اور کہا:۔

وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ اِنَّا ھُدْنَآ اِلَیْکَ قَالَ عَذَا بِیْ

[1] جو براہ راست وحی الٰہی سے ہدایت پاکر لوگوں کی رہنمائی کرنیوالے ہوں۔

أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ۚ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَوٰةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيٰتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيلِ ۫ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ قُلْ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۹/۱۰ اور (اے خدا) ہمارے لئے اس دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھلائی لکھ دے۔ ہم تیرے لئے طیبات کو چھوڑ کر تیری طرف ھودٌ بن کر آئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا میرا عذاب جو ہے میں اُسے جسے چاہتا ہوں پہنچاتا ہوں۔ اور میری رحمت جو ہے اُس نے تمام چیزوں کو سما لیا ہے۔ سو میں اسے (خاصکر) ان لوگوں کے لئے لکھ دونگا جو تقوےٰ کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور وہ جو ہماری آیتوں کو (ہی) مانتے ہیں (یعنی وہ جو نہایت سیدھا سادھا دین رکھتے ہیں۔ آگے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں) یہ وہ لوگ ہیں جو اس رسول نبی امیؐ کی پیروی کرتے ہیں جسے اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ اُنھیں معقول باتوں کا حکم دیتا ہے اور اُنھیں نامعقول باتوں سے روکتا ہے۔ اور ان کے لئے طیبات کو حلال کرتا ہے اور ان پر خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان سے ان کے بوجھ اور طوق جو اُن پر پڑے تھے اُتارتا ہے۔ پھر جنہوں نے اسے مانا اور اسے قوت دی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اُتارا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (جب بات یہ ہے تو) تو کہدے اے انسانو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پس تم اللہ اور اس کے اس رسول نبی اُمی پر ایمان لاؤ جو خود اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے۔ اور (ایسے عالیشان ایمان میں) اس کی پیروی کرو تاکہ تم بھی ہدایت والے بن جاؤ۔

ان آیات بینات سے کئی باتیں واضح ہوتی ہیں:۔

(۱) رسول کریمؐ کی اُمت خدا تعالےٰ کی خاص رحمت کی مستحق ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی کتاب قرآن مجید کی ناسخ آئے تو ضرور ہوگا کہ وہ اُمت مسلمہ کو خدا تعالیٰ کی خاص رحمت سے نکالنے والی ہو۔

(۲) رسول کریمؐ معقول باتوں کا حکم دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی کتاب معقول باتوں کو منسوخ کرنیوالی آئیگی تو کیا وہ نامعقول کا حکم دینے والی نہیں ہوگی؟

(۳) رسول مقبولؐ نامعقول باتوں سے روکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی کتاب اس طریق کو مٹانے والی سمجھی جائے تو ضرور ہے کہ وہ معقول باتوں سے روکنے والی بھی ہو۔

(۴) رسول خدا طیبات کو حلال ٹھہراتے ہیں۔ پس اس طریق کو منسوخ کرنے والی کتاب طیبات کو حرام بنانے والی ہی ہوگی!

(۵) رسول مبینؐ خبیثات کو حرام کرتے ہیں۔ جب بات یہ ہے تو کیا اس حکم کی ناسخ کتاب خبائث کو حلال نہیں کردیگی؟

(۶) رسول امینؐ لوگوں کے بوجھ اور طوق جوان پر پڑے ہوئے ہیں ان سے اُتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ اب اگر اس رحمت کو مٹانے والی کسی کتاب کا انتظار کیا جائے تو ضرور ہے کہ وہ کتاب نئے بوجھ لادنے والی اور نئے طوق ڈالنے والی ہوگی!

برادران! رسول اکرمؐ کے یہ سب احکام اُس نور سے ملے ہیں جو حضور کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ قرآن مجید کا منصب ان اصلاحوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اگر کوئی کتاب ان اصلاحوں کی ذرہ بھر بھی مخالفت کریگی تو وہ خود اصلاح سے دور ہوگی اور اگر کچھ بھی مخالفت نہیں کریگی تو وہ قرآن مجید کے اُٹھادینے والی اور اس کو منسوخ بنادینے والی نہیں ہوسکتی۔

یہی وجہ ہے کہ رسول مقبول بحکم رب العالمین بڑی تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں جمیع انسانوں کے لئے احکم الحاکمین کا رسول ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص کل نوع انسان کے لئے رسول ہوگا وہ اصولی تعلیم لیکر ہی آئیگا اور اصولی تعلیم کا یہ وصف ہے کہ وہ نہ منسوخ ہوسکتی ہے اور نہ بدل سکتی ہے۔ بلاشبہ ہمارے رسول خدا جمیع انسانوں کے لئے اللہ کے رسول تھے۔ جمیع کے لفظ میں جس قدر وسعت ممکن ہے اس کو خواہ مخواہ مٹانے کی کوشش کرنا بالکل فضول ہے۔ رسول اکرمؐ صرف اپنے زمانہ کے جمیع انسانوں کے لئے ہی رسول نہ تھے بلکہ ان تمام زمانوں کے لئے بھی رسول تھے جن میں قرآن محفوظ دنیا میں موجود

رہیگا اور لوگوں کو پہنچایا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ بزبان رسول فرماتا ہے کہ

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ پ اور میری طرف یہ قرآن اسلئے وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تم کو اس کے ساتھ ڈراؤں اور اس کو بھی جس کو یہ پہنچے۔

برادران! اس قرآن کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے ذمہ لیا ہوا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو یہی قرآن ہمیشہ تک آدمیوں کو پہنچتا رہیگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جس کو بھی یہ قرآن پہنچے اس کے نذیر رسول مقبول ؐ ہی ہونگے۔

پس قرآن مجید کے احکام تمام نوع انسان کے لئے اسوقت تک نافذ رہیں گے جب تک یہ قرآن انسانوں کو پہنچتا رہیگا۔ اس سے سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ یہی قرآن جمیع انسانوں کے لئے ہمیشہ تک نذیر رہیگا۔ سورہ جمعہ کی آیہ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ○ ھُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۱۱ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (تعالیٰ) کے نور (قرآن) کو اپنے مونہوں (کی پھونکوں) سے بجھا دیں۔ اور اللہ اپنے نور (قرآن) کو پورا کئے بغیر نہیں ٹلیگا۔ اگرچہ کافر برا منائیں۔ خدا ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین الحق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اگرچہ مشرک برا مانیں۔

اس آیہ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے دین الحق کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے۔ اندریں حالت ضروری ہے کہ اس دین الحق کے سامنے ہر دین مغلوب ہو خواہ وہ باب اثم ہو یا بہا ازم۔ سب ادیان پر غالب ہونے والا دین الحق بالضرور خاتم الادیان ہے اور اس کا لانیوالا رسول خاتم النبیین ؐ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ اپنے نور کو پورا اور مکمل کر دیا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اور آگے کو صرف دین اسلام پر ہی راضی ہوا ہے وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ ایسے دین کے بعد کسی اور دین کی کونسی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

دلیل دوم

پہلی دلیل کا تعلق زیادہ تر رسول و نبی کے لفظ کے ساتھ تھا۔ لیکن قرآن مجید میں خود قرآن کے متعلق بھی ایسی خصوصیتیں بیان کی گئی ہیں جن سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ قرآن نہ منسوخ ہونے کے لائق ہے اور نہ تبدیل کئے جانے کے قابل۔

جب بات یہ ہے تو ایسی کتاب بالضرور خاتم الکتب ہوگی اور اس کا لانے والا رسول خاتم النبیین ہوگا۔ اس کے لئے چند ایک شواہد درج ذیل ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کی توصیف میں فرماتا ہے:۔

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۲۹﴾ (یہ قرآن علم الیقین اور عین الیقین ہی نہیں بلکہ یہ یقین کے سب سے اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا ہے) یہ یقیناً حق الیقین ہے۔

اور یہ امر بالکل واضح ہے کہ حق الیقین نہ منسوخ ہو سکتا ہے اور نہ بدلا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ﴿۱۱﴾ یعنی پھر حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق الیقین قرآن کو منسوخ کرنے والا (مدعی نبوت) خود غلط کار اور گمراہی کا سکھلانے والا ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان سے کہلواتا ہے:۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۸﴾ پھر کیا میں اللہ کے سواء کوئی اور حکم تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری طرف یہ مفصل کتاب اُتار دی ہے اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن تیرے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ اُتارا گیا ہے۔ پس تو شک کرنے والوں سے مت بننا۔ اور تیرے رب کے کلمے صدق اور عدل میں مکمل ہیں۔ اس کے کلموں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید ایک مفصل کتاب ہے اور صدق اور عدل میں مکمل ہے۔ اس کا بدلنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اور اس لئے اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں

بنایا جاسکتا - ایسا قرآن یقیناً خاتم الکتب ہے - اس کو منسوخ کہنے والا محکم قرآن سراسر بھولا ہوا ہے -

(۳) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

الٓمٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ الٓمٓصٓ یہ (قرآن) ایک (عالیشان) کتاب ہے جو تیری طرف نازل کی گئی ہے - پس تیرے سینہ میں اس کے ساتھ ڈرانے سے کوئی تنگی نہ ہو اور (یہ) مومنوں کے واسطے نصیحت ہے - (اے لوگو) تم اس (قرآن) کی جو تمہارے رب سے تمہاری طرف اُتارا گیا ہے پیروی کرو اور اس کے سوا اور اولیاء کی پیروی مت کرو تم کم ہی دھیان کرتے ہو -

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالےٰ نے اُتارا ہے - ہمیں اسی کی پیروی کرنا لازم ہے اور اس کے سوا کسی شخص یا کتاب کو بطور بنیادی وحی الٰہی کے اپنا ولی یا امام بنانا قطعاً ممنوع ہے - جب بات یہ ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن مہیمن اپنے خاتم الکتب ہونے کا دعویدار نہیں

پھر اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :-

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۲۹/۲۲ یعنی پھر اس قرآن کے بعد اور کس بات کو مانیں گے ؟

اس آیت سے بھی وہی نتیجہ نکلتا ہے جو اوپر کی آیت سے برآمد ہوتا ہے -

(۴) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۱۵/۱۱ جن وانس اکٹھے ہو کر اور ایک دوسرے کی مدد کر کے بھی اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے -

یہ بھی ارشاد کیا کہ

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۲/۴ اگر یہ سچے ہیں تو اس کی مثل ایک ہی بات لے آویں -

یہ بھی فرمایا ہے کہ

فَاِلَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰہِ ۱۴/۱۱ اگر یہ لوگ (قرآن کی مثل لانے کا چیلنج) قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم کے مطابق نازل کیا گیا ہے۔
کفار کہتے تھے کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ
قُلۡ اَنۡزَلَہُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۱۸/۱۹ تو کہدے کہ اس (قرآن) کو اس (اللہ تعالےٰ) نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین میں تمام اسرار کو جانتا ہے۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید خدا تعالےٰ کے علم اور اسرار کے مطابق نازل ہوا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے علم کے برخلاف کوئی اور کتاب نہیں بھیجیگا اور اپنے علوم و اسرار کے ساتھ کبھی ذرہ برابر اختلاف بھی پیدا نہیں کریگا۔ اور حسب فرمان خدا کوئی مخلوق بھی اس قرآن کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوگا۔ اندریں حالات اگر یہ مانا جائے کہ اب یا آئندہ کوئی ایسی کتاب آسکتی ہے جو قرآن مجید کو منسوخ کرنے والی ہو تو ضرور ہے کہ وہ کتاب یہ دعوے بھی کرے کہ قرآن حکیم پورا پورا علم الٰہی کے مطابق نازل نہیں ہوا اور یہ بھی ضرور ہے کہ وہ کتاب اپنے وقت میں قرآن عزیز کی بے مثلیت کو توڑ کر اپنی فوقیت کا دعوے کرے۔ لیکن یہ سب باتیں بحکم قرآن قطعًا باطل ہیں۔ لہٰذا یہی حق ہے کہ قرآن مجید خاتم الکتب ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب عزیز یعنی غیر مغلوب اور نہ ٹوٹنے والی ہے۔ اس کے پاس باطل نہ آگے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے ۴۲/۱۹۔

دلیل سوم

خدا تعالےٰ نے اپنے غیر محدود علم سے صحیفہ فطرت کو بنایا ہے۔ یہ صحیفہ فطرت ہمارے تمام علوم کی ماں یعنی بنیاد ہے۔ بلاشبہ ہم نیچر کی کتاب کے سمجھنے میں غلطیاں بھی کرتے ہیں لیکن چونکہ ہماری تحقیقات کی بنیاد یعنی کتاب فطرت خود بے غلط اور محفوظ اور ناقابل تبدیل ہے۔ اس لئے ہماری غلطیاں پھر اسی کی طرف رجوع کرنے سے رو بہ صحت ہوتی جاتی ہیں۔ بنیاد تحقیقات کا اپنی ذات میں بے غلط اور محفوظ اور ناقابل تنسیخ ہونا ازبس ضروری ہے۔ اگر صحیفہ فطرت اپنی ذات میں قابل رد و بدل ہوتا تو مشتبہ بنیاد سے یقینی نتائج کا نکالنا ناممکن محض ہوتا۔

پھر یہ بھی واضح ہے کہ بہت سی ضروری صداقتیں نیچر کی گہرائیوں میں مدفون ہیں۔ جہاں سے اُن کو نکال لانا ہماری عقلوں کے لئے سخت دشوار ہے۔ کلام الٰہی نے اُن

صداقتوں کو ہمارے لئے سہل الحصول اور زیادہ قریب کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام الٰہی کا منصب نیچر سے بھی زیادہ وضاحت کر دینا ہے۔

سو جب صحیفہ فطرت کا بے غلط اور بے بدل اور محفوظ ہونا واجب ہے تو اس کلام الٰہی کا جو تمام نوع انسان کی ہدایت کے لئے مقصود ہے بالضرور بے غلط اور ناقابل تنسیخ اور محفوظ اور غیر عنصر کی ملاوٹ سے پاک ہونا یقیناً لازم ہے۔

چونکہ مختلف قوموں کی خصوصیتوں کا تمام نوع انسان پر ڈال دینا اور ان کے بوجھوں اور سزائی احکام کا سب انسانوں پر لاد دینا سراسر ظلم ہے، اسلئے ضرور ہے کہ وہ کلام الٰہی جو تمام انسانوں کے لئے مقصود ہے ایسے تمام بوجھوں اور سزا کے طور پر ڈالے ہوئے حکموں سے پاک ہو۔

جو کتاب کل انسانوں کے لئے مقصود ہو گی وہ بحیثیت مجموعی کل انسانوں کے لئے اصولی شریعت پیش کریگی اور ان اصولوں کے ایسے نمونے دکھلائیگی جو ہمیشہ کے واسطے مفید اور سبق آموز ہوں۔ خدا کا کلام بہت سی باتوں کو ہماری عقل و شوریٰ پر بھی چھوڑتا ہے خدا کا کلام اسلئے نہیں آتا کہ نوع انسان کو اپنی عقل و ضمیر اور صحیفہ فطرت سے کام لینے سے روک دے کلام الٰہی کی صرف اس لئے ضرورت ہے کہ وہ صحیفہ فطرت کے ساتھ ہمیں ہمیشہ مدد دے سکے۔ پس نیچر کی مدد کے لئے تمام نوع انسان کو خدا تعالےٰ کا ایک ایسا کلام ملنا چاہیئے جو بے غلط اور بے بدل اور غیر مخلوط اور ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو کر موجود رہے۔

ایسی کتاب بیشمار جزئیات سے قطع نظر کرکے جمیع انسانوں کے لئے اصولی رنگ میں ہی آئیگی اور ان جزئیات اور وقتی ضرورتوں کو عقل و شوریٰ پر ہی چھوڑ دیگی۔ ایسی کتاب کے ملنے کے بعد جزئیات کے جھگڑوں میں ڈالنے والے رسولوں کا آنا نوع انسان کو دوبارہ تنزل کے گڑھے میں گرانا اور اصولی کتاب کی ناقدری کرنا ہے۔

اگر وہ نئی آنے والی کتاب خود اصولی رنگ میں ہے تو وہ اپنے آپ کو کیوں خاتم الکتب نہیں کہتی۔ وہ تو اُلٹا یہ کہہ رہی ہے کہ تغیرات عالم کے سبب دوسری کتاب میری جگہ لینے والی ہے۔ لیکن یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ تغیرات عالم اصولوں کو مٹانے والے کبھی نہیں بن سکتے۔ بلکہ تغیرات عالم خود اصولوں کے ماتحت واقع ہوتے رہتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ جو خدا صحیفہ فطرت جیسی بے بدل کتاب بنا سکتا ہے۔ کیا وہی صحیفہ فطرت

أفغير الله أبتغي حكما وهو الذي أنزل إليكم الكتب مفصلا

بلاغ



اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

[illegible]

قیمت سالانہ ۲ روپے
فی پرچہ ۳ آنے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۱۳/۹

بلاغ

جلد ۱۴ امرتسر ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۶ھ مطابق ستمبر سنہ ۱۹۳۷ء نمبر ۹

فہرست مضامین

شذرات

(از م آ ص)

شذرات کا مطالعہ کرنے سے پیشتر آپ چند منٹ کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لیجیے۔ آپ تاریکی کے ایک گہرے سمندر میں ڈوب جائیں گے۔ آپ محسوس کریں گے کہ یہاں نہ آسمان ہے، نہ زمین ہے، نہ رنگ ہے نہ روشنی ہے، نہ دھوپ ہے، نہ چھاؤں ہے، نہ قدرت کے حسین وجمیل نقش ونگار ہیں اور نہ انسانی مصنوعات کی نمائش۔ چند ہی لمحوں کے اندر اندر آپ کی طبیعت بے چین ہو جائے گی، گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں بے اختیار آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی اور آپ سکون واطمینان کی تروتازہ دنیا میں واپس پہنچ جائیں گے، لیکن فرض کیجیے کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے اور کسی زبردست قوت کے سامنے، کئی گھنٹے کے لئے اپنی آنکھیں بند رکھنے پر مجبور ہیں، تو فرمائیے، آپ کا کیا حال ہوگا؟ یقین جانیے، آپ کا دل بے قرار، دماغ پریشان اور روح بے تاب ہو جائے گی اور عجب نہیں کہ آپ کرب واضطراب کے شدید احساس سے متاثر ہو کر چیخ پکار اور آہ وبکا تک کے لیے مضطر ہو جائیں۔

گلی کوچوں اور بازاروں میں، دکانوں اور گھروں کے دروازوں پر آپ نے صدہا مرتبہ اندھے بچوں، نوجوانوں اور بوڑھوں کو صدائیں دیتے، ہاتھ پھیلاتے اور آہ وزاری کرتے دیکھا ہوگا — شاید ہی کبھی آپ کے دل میں یہ احساس پیدا ہوا ہو کہ یہ مخلوق بھی ہماری طرح کے انسان ہیں، شرف انسانیت میں آدم کے وارث ہیں اور رشتہ داروں، ہمسایوں، دوستوں اور مسافروں کی طرح ہم ان کے حقوق کے بھی ذمہ دار اور جواب دہ ہیں، لیکن افسوس کہ دنیا درد سے خالی ہو گئی، احساس مٹ گیا، وفا اُٹھ گئی اور آج زمین کا دامن اہل مصیبت کے آنسوؤں سے لالہ زار ہو کر رہ گیا ہے۔ آہ! وہ بدقسمت انسان جو دکھ کی تاریکی میں پیدا ہوئے، جنھوں نے بچپن کے آغوش میں والدین کے شفیق چہرے نہیں دیکھے جنھوں نے چاند اور تاروں کا دل فریب حسن نہیں دیکھا، زمین اور آسمان کی دیدہ زیب بہاریں نہیں دیکھیں، طراوت انگیز سبزہ نہیں دیکھا، کیف انگیز پھول نہیں دیکھے، جھومتے ہوئے بادل نہیں دیکھے اور وہ سب کچھ نہیں دیکھا جن کا دیکھنا حیات ونشاط انسانی کا جزو حقیقی سمجھا جاتا ہے، ہماری غفلت اور بے حسی کے سبب ذلت وبے بسی کی اتھاہ گہرائیوں میں نالہ کناں ہیں، آہ وفریاد کی مجسم تصویریں ہیں،

دنیا کی تمام مہذب قوموں اور حکومتوں نے نابیناؤں کی حفاظت، تربیت اور دستگیری

کے لیے مستقل ادارے قائم کر رکھے ہیں، جہاں ان کی تعلیم و معاش کا بہترین انتظام ہے، ان کی تمام ضروریات خوراک، لباس، کتابیں، اخبارات و رسائل، گراموفون، ریڈیو، سائیکل، بورڈنگ ہاؤس، ریڈنگ روم اور لائبریریاں موجود ہیں۔ اندھوں کے مخصوص صنعتی سکول اور ورک شاپ قائم ہیں جہاں وہ کرسیاں صوفے اور چارپائیاں بنتے ہیں، جرابیں، بنیانیں اور سویٹر تیار کرتے ہیں اور مختلف چھوٹی موٹی دستکاریاں سیکھ کر رزق و معاش کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں حکومت کی طرف سے اُن کی ملازمتوں کا بھی معقول انتظام ہے۔ یہ انتہا ہے کہ حکومت برطانیہ جتنا روپیہ انگلستان کے اندھوں پر خرچ کرتی ہے، اتنا روپیہ ہندوستان کے سارے نظام تعلیم پر خرچ نہیں ہوتا۔ اس سے بھی زیادہ قابل ذکر چیز یہ ہے کہ حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدہ دار، ڈیوک اور لارڈ، اندھوں کی تعلیمی اور معاشری سرگرمیوں سے بالواسطہ دلچسپی رکھتے ہیں، اُن کے جلسوں میں شامل ہوتے ہیں، عہدہ دار بنتے ہیں اور اُن کے مشاغل کی سرپرستی قبول کرتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان ایک غلام ملک ہے اور اپنے یہاں کے اندھوں کی تعلیم و تربیت کے لیے انگلستان اور امریکہ کی طرح شاہانہ مصارف برداشت نہیں کر سکتا لیکن بایں ہمہ مسلمانوں کے سوا دوسری قومیں اپنے فرائض سے غافل نہیں ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں کے ہاں بے شمار ایسے یتیم خانے آشرم اور ادارے موجود ہیں، جہاں عام یتامیٰ اور اپاہج بچوں کے ساتھ ساتھ اندھوں کے لیے بھی باعزت روٹی اور زندگی کا انتظام ہے، لیکن افسوس! مسلمانوں میں جہاں اور بہت سی کمزوریاں پائی جاتی ہیں، وہاں نابینوں کی کس مپرسی کا معاملہ بھی ایک تلخ حقیقت اختیار کر چکا ہے۔ آپ سارا دن بازاروں میں چکر کاٹتے رہیں، لیکن مسلمانوں کے سوا دوسری قوموں کا ایک بھی نابینا آپ کو گداگری کرتے ہوئے نظر نہیں آئے گا، بلکہ ایسا معلوم ہوگا کہ برادران وطن کے ہاں اندھے پیدا ہی نہیں ہوتے۔

" اُمت مسلمہ امرتسر" کے مقاصد حیات میں سب سے بڑا مقصد مسلمانوں کی قومی اور اصلاحی خدمت ہے۔ غالباً ہندوستان بھر میں یہی ایک جماعت ہے، جس نے پہلی مرتبہ اندھوں کے دردناک مصائب کی طرف توجہ کی اور انھیں عزت نفس اور کسب معاش کی راہ پر گام زن ہونے کی دعوت دی ہے، ان الفاظ کی تسوید تک پانچ نوجوان نابینے " مدرسۃ العمیان " میں داخل ہو چکے ہیں۔ ایک حافظ صاحب جو عربی، فارسی اور انگریزی میں معقول دست گاہ رکھتے ہیں اپنی خدمات پیش کر چکے ہیں۔ انگریزی زبان میں اُبھرے ہوئے حروف کی بیس کتابیں دفتر میں پہنچ چکی ہیں اور درسگاہ کے لیے دو مخصوص کمروں کی تعمیر شروع کر دی گئی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی رحمت شامل

سلوک کرکے عزت و آزادی کی تمام مہمات سے عہدہ برآ ہونے کا دعویٰ نہ کرتی اور صرف اپنے ہی جھنڈے کو فتح و نصرت کا باعث سمجھ کر قوم کو دوسری جماعتوں سے بے نیاز ہو جانے کی ترغیب نہ دیتی، تو یقیناً اس وقت مسلمان ایک نئی زندگی کے مالک ہوتے۔

مسلمانوں نے فرد اور جماعت کی حیثیت متعین کرنے میں بھی بہت بڑی ٹھوکر کھائی۔ فرد کا خیال تھا کہ اس کے ذاتی معاملات، قوم سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ جماعت کا نظریہ یہ تھا کہ اُسے فرد کی تعمیر کی اتنی پروا نہیں، جتنی قومی اصلاح کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف فرد اپنی حالت پر مطمئن ہو گیا، دوسری طرف جماعت اس کی اصلاح سے غافل ہو گئی اور چونکہ انفرادی اصلاح کے بغیر قومی تعمیر کا دروازہ نہیں کھل سکتا تھا، اس لیے مسلمانوں کی حالت روز بہ روز گرتی چلی گئی

اس موقع پر ایک مثال کی ضرورت ہوگی۔ فرض کیجیے، زید ایک شریف اور نیک انسان ہے۔ وہ کسی کے ساتھ فریب نہیں کرتا، کسی کو دھوکا نہیں دیتا، جھوٹ نہیں بولتا۔ غیبت نہیں کرتا اور اپنے بیوی بچوں، رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ نہایت اخلاق، رواداری اور مروت کے ساتھ پیش آتا ہے، تو اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ جتنے افراد کے ساتھ اس کے تعلقات قائم ہوں گے، صلح اور آشتی پر مبنی ہوں گے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے یار و احباب اور عزیز و اقارب کے دلوں پر اس کے اخلاق کا عکس پڑے گا اور اُن کی اخلاقی تربیت صحیح نشوونما حاصل کر سکے گی۔ اسی طرح ایک بُرے انسان کی مثال دے کر بہ آسانی یہ واضح کیا جا سکتا ہے کہ لوگ اس کی بداخلاقی سے متاثر ہوں گے اور اس کی ذات بڑی حد تک شر و فساد کا موجب ہوگی۔

کئی ماہ کا ذکر ہے کہ ہندوستان کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان جاپان میں تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد یہاں کے ایک اسلامی ادارے کو ان کے متعلق یہ شکایت موصول ہوئی کہ انھوں نے ٹوکیو کے ایک پریس اور ہوٹل کے بل ادا نہیں کیے اور مسلمانوں کا ایک فنڈ بھی غبن کر لیا ہے۔ دفتر کے مدیر نے راقم الحروف سے مشورہ کرتے ہوئے کہا، شخصی غلطیاں معاف کی جا سکتی ہیں، لیکن قومی غداری معاف نہیں کی جا سکتی۔ میں اپنے اخبار کے کالموں میں اس شخص کے خلاف شدید نکتہ چینی کروں گا، تاکہ اس کی رسوائی سے دوسرے لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ راقم الحروف نے عرض کیا، اگر آپ صرف اس وجہ سے اُن کے خلاف لکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے ایک قومی نقصان کے مرتکب ہوئے ہیں، تو سب سے پہلے

آپ خود اپنے خلاف لکھیے ۔ آپ کی صحت اچھی نہیں ۔ فرمائیے، آپ کا کیا حق ہے کہ آپ اپنی صحت سے غافل رہ کر قوم میں ایک مریض اور کمزور فرد کا اضافہ کریں ؟

ان حقائق کے پیش نظر امت مسلمہ کا آئندہ طریق کار کیا ہوگا؟ سب سے زیادہ ضروری اور سب سے زیادہ مقدم چیز ایک منظم پروگرام کی ترویج و تکمیل ہے ۔ مسلسل غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اقتضائے حالات کے مطابق، مسلمانوں کو دو چیزوں کی شدید ضرورت ہے ۔ ایک یہ کہ قوم کے کثیر التعداد بے کار نوجوانوں کو دو وقت کی روٹی مہیا کی جائے، اُن کے پیٹ کی آگ بجھائی جائے اور اُنھیں فاقہ مستی کی مصیبت سے نجات دلا کر اُن کے فکر و احساس کی قوتوں کو زندہ کیا جائے ۔ دوسرے یہ کہ اُنھیں قرآن مجید کی روشنی میں زندگی کی منزلیں طے کرنے کی دعوت دی جائے ۔ اُمت مسلمہ نے تقسیم کار کے اصول کے مطابق اپنے دائرہ عمل کے لئے ان دو مقاصد کو منتخب کر لیا ہے، ہم اس دائرے سے باہر نہیں جائیں گے، کسی دوسری جماعت کے ساتھ پرخاش نہ رکھیں گے اور اپنے نصب العین کے حصول کی خاطر ہر ممکن کوشش، تکلیف اور ایثار برداشت کرنے کے لیے تیار رہیں گے اور اس خیال سے کہ مسلمان پے در پے ٹھوکروں کے بعد اپنے مستقبل کے متعلق بڑی حد تک مایوس ہو چکے ہیں اور اب نئے سرے سے اُن کا اعتماد حاصل کرنا آسان نہیں، ہمیں اور بھی زیادہ صبر و استقلال کے ساتھ کام کرنا ہوگا ۔

اُمت مسلمہ کے بنیادی مقاصد آپ نے سمجھ لیے ۔ اب صرف یہ عرض کرنا باقی رہ گیا کہ محض مقاصد اور تقسیم کار کا اعلان کر دینے سے قومی مشکلات کا سدّ باب نہیں ہو سکتا، انہیں عملی جامہ پہنانے کے لیے عزم و ہمت کی ضرورت ہے، اخلاص و جہاد کی ضرورت ہے، صبر و استقلال کی ضرورت ہے، محنت و ایثار کی ضرورت ہے اور ایسے جوان ہمت کارکنوں کی ضرورت ہے، جو تکمیل مقاصد کے لیے اپنا وقت پیش کر سکیں اور نہ صرف اپنا مال و دولت خرچ کر سکیں، بلکہ ضرورت کے وقت اپنی جانیں تک حاضر کر سکیں، لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب ہم انفرادی اعمال کی اہمیت سے کماحقہ' واقف ہو جائیں ۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ اکیلے کیا کر سکتے ہیں؟ حالانکہ وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں اور اگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تو یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ اپنی ذاتی اصلاح و تعمیر کی طرف متوجہ ہوں، اپنی خامیوں کو دور کریں، اپنی زندگی ایک خاص نصب العین کے ماتحت بسر کریں اور اس اُمید میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات ضائع نہ کریں، کہ جب ساری قوم آمادہ عمل ہو گی تو ہم بھی کام شروع کر لیں گے ۔ سطور بالا میں ایسے

ضرات کی دل جمعی کے لیے جو حقائق پیش کیے جا چکے ہیں، وہ یقیناً کافی ہیں۔ انھیں ایک مرتبہ پھر نفرادیت عمل" کے فلسفہ پر غور کرنا چاہیے، اپنی کوششوں کو ایک مرکز کے ساتھ وابستہ کرنا چاہیے اور ین رکھنا چاہیے کہ خدمت اور نیکی کا کوئی کام، خواہ وہ ذرہ برابر ہو، کبھی ضائع نہیں جا سکتا۔

اُمت مسلمہ ان درد مندانہ معروضات کے ساتھ فرزندان توحید کے سامنے اپنا پروگرام پیش تا ہے۔ مارچ ۴۰ء تک کے لیے طے کیا گیا ہے کہ

(۱) "بلاغ" کے لیے دو سو[۲۰۰] جدید معاون فراہم کیے جائیں۔ اس سلسلے میں "سرمایہ اشاعت بلاغ" نام سے ایک فنڈ کھول دیا گیا ہے۔ اس وقت تک تین[۳] روپے جمع ہو چکے ہیں، طے کیا گیا ہے مرف آٹھ آنے وصول کر کے تین[۳] اصحاب کے نام چھ چھ ماہ کے لیے رسالہ جاری کر دیا جائے، اونین کرام کا فرض ہے کہ وہ اپنے حلقۂ احباب کو اس گرانقدر رعایت سے مستفید ہونے پر آمادہ یں اور اس فنڈ کی تقویت کے لیے اپنے اپنے عطیات دفتر میں ارسال کریں۔

(۲) دسہرے کی تعطیلات میں اُمت مسلمہ امرتسر کا سالانہ جلسہ منعقد ہو رہا ہے۔ مقامی اور غیر مقامی ضرات کا فرض ہے کہ وہ ضروری اخراجات سے عہدہ برا ہونے کے لیے دفتر اُمت کی امداد میں ش از بیش حصہ لیں، خود تشریف لائیں اور اپنے دوستوں کو شرکت کی دعوت دیں۔

(۳) ایک سٹور روم اور ایک مسجد کے لئے دو عمارتوں کی ضرورت ہے۔ سادہ اور پختہ تعمیر کے لیے از کم آٹھ سو روپیہ چاہیے۔

(۴) سب سے آخری لیکن سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مختلف قصبوں اور شہروں میں اُمت مسلمہ کی دس ماتحت شاخیں مارچ ۴۰ء کے اختتام سے پہلے پہلے قائم کر دی جائیں۔ یہ جماعتیں مرکز تر اُمت کے نظام کو تقویت دیں گی۔ اس کے مقاصد کی اشاعت کریں گی اور قرآن مجید کی تعلیم ردستکاری کے شعبے قائم کر کے مسلمانوں کے اقتصادی اور دماغی افلاس کو دور کرنے کی کوشش یں گی۔ ممبران کے داخلے اور جماعت کی تشکیل کے لیے مطبوعہ فارم دفتر سے طلب کیے جائیں۔

اسلام کی عمارت، جان و مال کی قربانی سے تعمیر ہوئی۔ جان و مال کا بخل مسلمانوں کے زوال باعث ہوا اور آئندہ جب کبھی اُس کے عروج و حیات کا ستارہ طلوع ہوگا، جان و مال کی ربانی کی ضرورت پڑے گی۔

گذشتہ چند ہفتوں سے دفتر اُمت کے مالی حالات و مقاصد کو نہایت ہی خوشگوار امداد

حاصل ہو رہا ہے۔ محترم علی احمد خاں صاحب بی۔ اے نے ۳۰۰ روپیہ کا گراں قدر عطیہ ارسال فرمایا ہے، ۴۰۰ روپے ڈاکٹر احسان اللہ صاحب نے عنایت فرمائے ہیں۔ مہر نظام الدین صاحب نے عمارت فنڈ میں ایک سو روپیہ کی امداد عطا فرمائی ہے اور اسی فنڈ میں جناب مہر بخش صاحب چغتائی نے ۱۵ روپے بھیجے ہیں۔ ایک بزرگ جو اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتے، چار روپے ماہوار کی مستقل امداد عطا فرمانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ ان مبارک عطیات کے علاوہ "سرمایہ اشاعت بلاغ" میں مندرجہ ذیل رقوم موصول ہوئی ہیں:-

جناب امین الدین صاحب ۵ر جناب پیر قمر الدین صاحب لعبہ ۱ر سر ۱ ۵ر
معرفت مستری تاج الدین صاحب ۴ر سر ۱ ۲ر میزان ۳۰ روپے

ہمارے پاس ان حضرات کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ کا کوئی ذخیرہ نہیں۔ ہمارے دل کا گوشہ گوشہ ان کے اخلاص و امداد کا شکر گذار ہے۔ ہم خدائے کردگار کے حضور سچے دل کے ساتھ دست بہ دعا ہیں کہ ان کی نیک خدمات کو شرف قبول حاصل ہو، انہیں دنیوی اور اخروی سعادتوں سے بہرہ مندی نصیب ہو اور ان کی مثال قومی خیرات و صدقات کی فراوانی کی باعث ہو۔

---

۲۲ اگست کی شام کو امت مسلمہ کا دوسرا ماہوار جلسہ منعقد ہوا۔ میاں محمد یعقوب صاحب بی اے نے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی الخ کی تشریح کرتے ہوئے ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور عمل صالح کی حقیقت و ماہیت پر مفصل روشنی ڈالی۔ تقریر بہت موثر اور دلنشین تھی۔ آپ کے بعد عرشی صاحب نے نماز کے موضوع پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا، قرآن مجید کے نزدیک نماز کی ایک خاصیت یہ ہے تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وہ بدی اور بے حیائی سے روک دیتی ہے۔ خدا تعالےٰ کا دوسرا ارشاد یہ ہے وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ جب تم کسی مصیبت اور تکلیف میں پھنس جاؤ تو صبر اور استعانت کرو۔ گویا نماز ایک قلعہ ہے، جس میں داخل ہونے سے ہماری زندگی ہر طرح کے مصائب و مشکلات سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ آپ نے اسلاف میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، اور متاخرین میں مولانا عبد اللہ غزنوی اور حضرت میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کی پر خلوص نمازوں کی مثالیں دیتے ہوئے حاضرین سے اپیل فرمائی کہ وہ پابندی، شوق اور اخلاص کے ساتھ نماز پڑھا کریں۔ اہل جلسہ پر آپ کی تقریر کا بہت عمدہ اثر ہوا۔ برادران امت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ ہم سب کو عمل و خدمت کی توفیق عطا فرمائے

اِطّلاعاتِ اُمّتِ مُسلِمہ

(امرتسر ۲۰ اگست ۱۹۳۷ء)

ابھی ایک سال بھی نہیں گذرا، اُمتِ مسلمہ کی مالی حالت بیحد کمزور تھی۔ کوئی ۶-۷ سال کی تگ و دو سے ایک قطعہ اراضی خریدا گیا، لیکن اس کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ارکانِ اُمت کو خطرہ تھا کہ کہیں آہستہ آہستہ لوگ اراضی مذکور کی مٹی اکھیڑ اکھیڑ کر زمین کو بیکار نہ کردیں، لیکن باوجود اس خطرہ کے بھی تہیدستی کسی معقول انتظام کے راستہ میں حائل رہی یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اراضی مذکور میں کئی بڑے بڑے گڑھے بنادیئے۔ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ اراضی کی آبادی کی تجویز کی جائے۔ چنانچہ پہلے ایک، اور پھر تین کمروں کی تعمیر کے لئے ایک سب کمیٹی بنادی گئی جس نے چندہ کی فہرست کھول دی۔ چنانچہ بعض مقامی شرفاء کی توجہ سے مجوزہ کمروں کے علاوہ ایک چھوٹی سی دکان بھی تعمیر ہوگئی۔ فالحمد للہ۔

ابھی مذکورہ کمرے نامکمل ہی تھے کہ اللہ تعالےٰ کے ایک نیک بندے نے چاہ کی تعمیر کی جانب توجہ فرمائی اور ایک دوسرے مخیر بزرگ نے مسجد کے لئے ایک واجبی چبوترہ تعمیر کرادیا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔

اسی اثناء میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں میں نابیناؤں کی تعداد بمقابلہ دیگر اقوام کے بہت زیادہ ہے، لیکن ان بیچاروں کا وسیلہ معاش کسی نہ کسی ذریعہ سے بھیک مانگنے کے سوائے اور کچھ نہیں، بحالیکہ ہمسایہ اقوام نے اندھوں کی تعلیم و تربیت کے معقول انتظام کر رکھے ہیں اسلئے تجویز کیا گیا کہ توکلاً علی اللہ اندھوں کے سکول کا افتتاح کردیا جائے چنانچہ باوجود بے سروسامانی کے اعلان کردیا گیا اور آج ہم اس حقیقت کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ مَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسۡبُہٗ

اگرچہ مدرسۃ العمیان (اندھوں کے اسکول) میں فی الحال صرف ۵ نابینا موجود ہیں اور ان کے لئے خوراک، لباس، بستر، چارپائیوں، کھانے پینے کے لئے برتنوں وغیرہ کی فوری ضرورت تھی۔ لیکن میں نہایت مسرت سے اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ

میاں عبدالرحیم صاحب قریشی، خواجہ محمد شفیع صاحب، خواجہ خدابخش صاحب۔

خواجہ عطاء اللہ صاحب، خواجہ میاں محمد صاحب، مائی برکت صاحبہ دائی، برخوردار ڈاکٹر خواجہ احسان اللہ۔ عزیزم خواجہ سخاء اللہ، برخوردار خواجہ معراج الدین۔ عزیزم خواجہ الہ بخش۔ عزیزم خواجہ ثناء اللہ، خواجہ دوست محمد صاحب، چچا خواجہ نعمت اللہ صاحب، منشی محمد عبداللہ صاحب مستری غلام محمد صاحب، خواجہ الہ بخش صاحب سٹی والا وغیرہ وغیرہم نے میری درخواست پر تمام ضروری سامان مہیا کر دیا۔ جزاہم اللہ

اگرچہ عرصہ سے مہمان خانہ کی تجویز زیر غور تھی لیکن افلاس کی وجہ سے اس تجویز کو جامۂ عمل پہنانا مشکل تھا۔ اندھوں کے اسکول کی وجہ سے مہمان خانہ کا افتتاح ناگزیر ہو گیا۔ چنانچہ مجلس نے راقم الحروف کو مہمان خانہ کے افتتاح اور اس کے لئے چندہ وغیرہ کے کلی اختیارات عطا فرمادیئے مجھے کافۂ اہل اسلام سے بالعموم اور اپنے اعزہ و احباب سے بالخصوص توقع ہے کہ وہ مہمان خانہ کے اخراجات بہم پہنچانے کے لئے مستقل ماہوار چندوں کا انتظام کر دیں گے۔ ماہ گذشتہ میں مہمانخانہ اور نابیناؤں کے لئے مندرجہ ذیل رقوم وصول ہوئیں :۔

(۱) محترم جناب بابو غلام قادر صاحب پنشنر عہ (۲) محترم جناب بابو فضل کریم صاحب پاور ہوس امرتسر ۵ (۳) محترمہ مائی برکت بی بی صاحبہ دائی عہ (۴) برخوردار امان اللہ ۹ر (۵) برخوردار احسان اللہ ۴ر (۶) میاں معراج الدین صاحب سوداگر جوڑی عا (۷) میاں مولا بخش صاحب عہ (۸) رازی صاحب ۱۲ر کل ۳۰

لیکن یہ رقم نابیناؤں کی خوراک، موسم کے مطابق چائے، سکنجبین، شربت وغیرہ اور باورچی خانہ کے اخراجات کے علاوہ وقتاً فوقتاً دوسرے مہمانوں، مسافروں کی خدمت اور سکول کے اخراجات کے لیے سخت ناکافی تھی اس لیے چند روپیہ راقم الحروف کو قرض دینے پڑے۔ مجھے یقین ہے کہ احباب کی نظر توجہ سے نہ صرف یہ کہ قرضہ ہی اتر جائیگا بلکہ مہمان خانہ کے لیے اس قدر مستقل امداد حاصل ہو جائیگی کہ یہ شعبہ کامیابی سے چل سکے۔

نابیناؤں کے لیے مخصوص یونیفارم اور اُن کی رہائش کے لیے دو علیحدہ کمروں کی شدت سے ضرورت تھی چنانچہ میں نے ان دونوں خدمات کے لیے اپنے بڑے لڑکے ڈاکٹر احسان اللہ کو آمادہ کرلیا۔ اللہ کے فضل و کرم سے کمرے زیر تعمیر ہیں اور یونیفارم تیار ہو رہی ہے فالحمد للہ علیٰ ذالک

جو کمرے پہلے تعمیر ہوئے ان کے سلسلہ میں ایک سو روپیہ کے قریب مزدوروں اور مسالہ والوں کا قرضہ تھا میں نے اپنی گرہ سے ۲۱ روپیہ دیکر چھوٹے چھوٹے قرضوں کو بیباق کر دیا ہے

بتوفیقہٖ تعالیٰ لیکن ابھی ۔۔۔ کے قریب قرضہ ہے، احباب سے مخلصانہ درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد اس قرضہ کو بیباق کرنے کی جانب توجہ مبذول فرمائیں۔ مَنْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

یہ خبر مسرت سے سنی جائیگی کہ جناب میاں علی احمد خاں صاحب داشمن بی۔ اے مکینیکل انجینئر نے مبلغ تین صد روپیہ عطا فرمایا ہے، چنانچہ عمارت سب کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ اس رقم سے ریڈنگ روم کے لیے ایک کمرہ معطی کے نام پر تعمیر کیا جائے۔ کمرہ تو بفضلہ تعالیٰ ممدوح کی فیاضی سے عنقریب تیار ہو جائیگا لیکن ریڈنگ روم کے لیے اخباروں کے چندہ اور مہتمم ریڈنگ روم کی تنخواہ، میز، کرسی وغیرہ کی ضرورت ہے، کیا احباب ان اخراجات کے لیے بھی کوئی سبیل پیدا کریں گے؟

جلسہ کی تاریخیں قریب آرہی ہیں، ارادہ ہے کہ جلسہ شاندار ہو اور علماء اُمت کو بڑی بھاری تعداد میں جمع کیا جائے، اس مقصد کے لیے بھی روپیہ درکار ہے۔ خدا کے مخیر بندوں سے امید ہے کہ وہ جلد از جلد توجہ فرمائیں گے، الحاصل

(۱) بلاغ کی توسیع اشاعت کے لیے امداد کی ضرورت ہے۔
(۲) اندھوں کے اسکول اور مہمان خانہ کے لیے مدد کی درخواست ہے۔
(۳) ریڈنگ روم کے قیام کے لیے روپیہ کی حاجت ہے۔
(۴) جلسہ کو کامیاب بنانے کے لیے اخراجات درکار ہیں۔

اُمید ہے کہ ان تمام ضرورتوں کے لیے احباب مستقل امداد فرمائیں گے اور معطی حضرات عطیات بھیجتے وقت واضح طور پر تحریر فرماویں گے کہ وہ کس شعبہ کے لیے عطیات بھجوا رہے ہیں کیونکہ ہماری یہ دلی تمنا ہے کہ کوئی پیسہ معطی کے منشاء کے خلاف خرچ نہ ہو وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ

(خواجہ) ضیاء اللہ قائم مقام سکرٹری اُمت مسلمہ۔

جواہر انتخاب

مذہب کا جنون

ایک راہب صاحب نے تیس سال تک صرف نانِ جویں اور خاک آلود پانی پر بسر کی تھی۔ ایک اور بزرگ مدۃ العمر ایک تنگ و تاریک غار میں رہا کئے اور کبھی روزانہ غذا میں پانچ انجیروں سے زیادہ نہ کھایا۔ ایک تیسرے بزرگوار ان سے بھی بڑھ چڑھ کر تھے۔ یہ حضرت سال بھر میں صرف ایک ایسٹر کے دن اپنی حجامت بنواتے تھے، نہ کبھی کپڑے دھوتے تھے اور نہ کبھی لباس بدلتے تھے، تاوقتیکہ وہ خود ہی پارہ پارہ ہوکر جسم سے علیحدہ نہ ہوجائے۔ آنکھوں کی بصارت نے شدت فاقہ کشی سے جواب دیدیا تھا اور جسم کی جلد مثل پتھر کے سخت اور کھرکھری ہوگئی تھی۔ اسی طرح سینٹ میکیریس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ چھ ماہ تک برابر ایک دلدل میں سویا کئے تاکہ اُن کے برہنہ جسم کو زہریلی مکھیاں ڈسیں۔ نیز یہ کہ یہ ہمیشہ ایک من لوہے کا وزن اپنے اوپر لادے رہتے تھے۔ ان کے مرید سینٹ یوسیبس اس سے بھی بازی لے گئے تھے کہ یہ حضرت ہمیشہ تقریباً دو من لوہے کا وزن لادے رہتے تھے اور تین سال تک ایک خشک کنوئیں کے اندر مقیم رہتے تھے۔ سینٹ سیبنس ہمیشہ وہ غلہ استعمال کرتے تھے جو ایک مہینہ تک پانی میں پڑے پڑے سڑ گیا ہو۔ سینٹ بیسرین نے چالیس شبانہ روز خاردار جھاڑیوں کے اندر گزارے اور چالیس سال تک سونے کے وقت کبھی لیٹے نہیں۔ سینٹ پیکومیس بھی پندرہ سال تک اس ریاضت پر عامل رہے۔ بعض حضرات نے سینٹ مارکیین کی طرح یہ عادت ڈال لی تھی کہ رات دن میں صرف ایک بار کھانا کھاتے تھے اور وہ بھی صرف اس مقدار میں کہ رشتۂ حیات منقطع نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اسی جماعت کے ایک رکن کی بابت منقول ہے کہ ان کی روزانہ غذا صرف ۱۲ چھٹانک روٹی اور چند بری بوٹیاں تھیں، وہ کبھی بستر یا چٹائی پر نہیں سوئے بلکہ کبھی استراحت کے طریقہ پر لیٹے تک نہیں، یہاں تک کہ اکثر فرط بیداری سے یہ حالت ہوتی کہ کھانا کھاتے کھاتے انھیں نیند کا جھونکا آجاتا اور مُنہ سے نوالہ بے اختیار گرجاتا۔ بعض حضرات ایک دن ناغہ دیکر کھانا کھاتے بلکہ ایک گروہ کی بابت یہاں تک مشہور ہے کہ ایک ایک ہفتہ تک وہ مُنہ میں دانہ نہیں ڈالتے تھے۔ چنانچہ سینٹ میکریس کی بابت روایت ہے کہ وہ ہفتہ بھر فاقہ کرتے تھے اور اتوار کے دن کچی جڑی بوٹیاں کھاتے تھے۔ اسی طرح ایک اور مشہور راہب یوحنا کے متعلق منقول

ہے کہ وہ متصل تین سال تک کھڑے ہوئے عبادت کرتے رہے، اس مدت میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہ بیٹھے نہ لیٹے بلکہ جب بہت تھک جاتے تو چٹان پر اپنے جسم کو سہارا دے لیتے اور ہفتہ میں صرف ایک بار کھانا کھاتے اور وہ کھانا کیا ہوتا؟ صرف وہ تبرکات جو اتوار کے دن گرجا سے لائے جاتے تھے۔ راہبوں کے مسکن علی العموم اُسوقت مکانات نہیں ہوتے تھے، بلکہ وحشی درندوں کے غار، خشک کنوئیں یا قبرستان بعض زاہد لباس کسی قسم کا نہیں استعمال کرتے تھے، ستر پوشی کا کام اپنے جسم کے بڑے بالوں سے لیتے تھے اور چوپایوں کی طرح ہاتھ پیر کے بل چلتے تھے۔ عراق و شام میں ایک اور طائفہ اہل زہد کا رہتا تھا جس کا مسلک یہ تھا کہ یہ لوگ ہمیشہ کھلے میدانوں میں، پہاڑوں کی وادیوں میں رہتے تھے اور گوشت یا روٹی کی بجائے صرف گھاس کھاتے تھے۔ جسم کی طہارت روح کی پاکیزگی کے منافی سمجھی جاتی تھی اور جو زاہد مرتبۂ زہد میں جتنی زیادہ ترقی کرتے جاتے تھے اسی قدر وہ مجسمۂ غلاظت و عفونت ہوتے جاتے تھے۔ سینٹ اتھینیس نہایت فخر سے بیان کرتا ہے کہ سینٹ انٹونی باین کبرسنی کبھی مدۃ العمر اپنے پیر دھونے کے عصیان کا مرتکب نہیں ہوا۔ سینٹ پیسن میں اس قدر استقلال نہ تھا، اس سے آخری عمر میں ایک بار یہ گناہ سرزد ہو گیا تھا اور جب بریت میں اُس نے یہ کہا کہ میرا مقصود اس سے جسم کشی نہیں بلکہ جذبات کشی ہے تو زاہدین و راہبین کی جماعت فرطِ حیرت سے اس کا مُنہ دیکھنے لگی۔

سینٹ ابراہام جنکی بابت خوش عقیدہ راویوں کا بیان ہے کہ وہ حُسن و جمال میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے اور اُن کے چہرے سے نور باطن ٹپکتا تھا اپنی وضع کے ایسے پکے تھے کہ پنجاہ سالہ مسیحی زندگی میں انھوں نے اپنے چہرے یا پیر پر پانی کی کبھی چھینٹ نہ پڑنے دی۔ سینٹ امین نے کبھی اپنے تئیں برہنہ نہیں دیکھا۔ پیلویا ایک مشہور دوشیزہ ہوئی ہیں، اُن کا سن شریف ساٹھ سال تک پہنچ گیا تھا اور بارہا کثافت کے باعث سخت بیمار ہوئیں لیکن کبھی بجز اپنی انگلیوں کے اور کسی حصہ جسم میں پانی نہ لگنے دیا۔ سینٹ بوفریک ۱۳۰ کنواریوں کی ایک جماعت میں شریک ہوئی جن کا اصول یہ تھا کہ یہ کبھی اپنے پیر نہیں دھوتی تھیں اور غسل کے نام سے تو لرز اُٹھتی تھیں۔ ایک زاہد صاحب ایک بار رستہ میں چلے جاتے تھے کہ حضرت کی نظر اپنے عکس پر پڑی تو یہ دیکھکر کہ جنگل میں اُن کے آگے آگے ایک ننگا دھڑنگا مرد جس کا سارا جسم شدت کثافت و غلاظت سے سیاہ پڑ گیا ہے چلا جا رہا ہے۔ مگر خوش عقیدگی کا بھلا ہو کہ حضرت اُسے بجائے اپنا عکس سمجھنے کے یہ سمجھے کہ کوئی شیطان وسوسہ اندازی کے لیے اُن کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

مصر کی سینٹ میری اپنے زمانے میں ایک بہت حسین عورت تھی، اُس نے اپنے گناہوں

کا کفارہ یوں ادا کیا کہ پورے ۴۰ سال تک کبھی اپنے کسی حصۂ جسم کو نہیں دھویا۔ بعض زاہد کبھی جرأت کر کے صفائی کی طرف توجہ بھی کرتے تو لعن طعن ہوتی۔ (تاریخ اخلاق یورپ ۶۶ تا ۸۰)

تحریکِ عمل

(از جناب خواجہ فقیر احمد صاحب آسلم کاشمیری لاہور)

آہِ خاموش کو پھر نالۂ سوزاں کر دے
دِل کے تاریک شبستاں کو فروزاں کر دے

آج ہستی تری خاکسترِ پامال ہے کیوں؟
سوزِ قلبی سے اُسے پھر شرر افشاں کر دے

تیری راہوں میں جو بوئے ہیں عدو نے کانٹے
بارشِ خوں سے ، نہیں بھی چمنستاں کر دے

تیرے ہر ذرّے میں ہو برقِ عمل کی چشمک
اپنے ہر سانس کو اک گردشِ دوراں کر دے

ظلمتیں کفر کی ہوں نورِ عمل سے کافور
اپنی ہستی کو تجلّی گہِ ایماں کر دے

ہر طرف آج تری بزم میں سنّاٹا ہے
زمزموں سے اسے عشرتگہِ جاناں کر دے

ہے اگر دل میں تمنائے حیاتِ جاوید!
اپنی ہر چیز کو اسلام پہ قرباں کر دے

ظلمتِ دہر میں خاکستر تاریک نہ بن
اپنے ہر ذرّے کو خورشیدِ درخشاں کر دے

ہر طرف محفلِ توحید میں تاریکی ہے
شمعِ تبلیغ کو پھر آج فروزاں کر دے

آسلم سوختہ جاں گھر میں تو خاموش نہ بیٹھ
جا کے گلشن میں عنادل کو غزلخواں کر دے

اِبتسامِ تبسُّم

تمہید سے کچھ غرض نہ تکبیر سے کام
قرآں سے واسطہ نہ تفسیر سے کام

عُقبیٰ کی اُسے فکر نہ دُنیا کا خیال
مُلّا کو مُسلمان کی تکفیر سے کام

سرمایۂ اشاعتِ بلاغ

گذشتہ اشاعت میں "بلاغ" کی مالی مشکلات پر ایک مختصر سا تعارف "سپرد قلم کیا گیا تھا اور احباب سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس کی توسیع اشاعت کی کوشش کریں۔ الحمدللہ ہماری آواز رائگاں نہیں گئی اور بلاغ کی اعانت کے لیے مفصلہ ذیل رقوم دفتر میں پہنچ چکی ہیں:-

میاں امین الدین صاحب صہ ریبر قمرالدین صاحب لعہ ۱۹ - سرا چہ میزان ۳۰ہ

طے کیا گیا ہے کہ اس رقم سے تیس ۳۰ اصحاب کے نام صرف آٹھ آٹھ آنے وصول کر کے چھے چھے ماہ کے لیے پرچہ جاری کر دیا جائے۔ معاونین کرام کا فرض ہے کہ وہ "بلاغ" کی خدمت کا حق ادا کریں، "سرمایہ اشاعت بلاغ" کو تقویت دیں اور اگر وہ اس خدمت کی استطاعت نہیں رکھتے تو کم از کم اپنے احباب سے آٹھ آٹھ آنے بھجوا کر انھیں حلقۂ بلاغ میں ضرور شامل کریں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیعُ اَجْرَ الْعٰمِلِینَ

دارالمطالعہ / داشمن ریڈنگ روم

جناب علی احمد خاں صاحب داشمن بی اے کی مرسلہ رقم سے داشمن ریڈنگ روم کے نام سے اُمت مسلمہ گراؤنڈ میں ایک کمرہ زیر تعمیر ہے۔ طے کیا گیا ہے کہ اُمت مسلمہ لائبریری اس عمارت میں منتقل کر دی جائے۔ اُمت مسلمہ لائبریری کے نام (بلاغ کے تبادلے میں) تیس سے زائد ماہوار جرائد اور ہفتہ وار اخبارات مستقل طور پر جاری ہیں، لیکن کسی روزانہ اخبار کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے دارالمطالعہ کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ احباب کا فرض ہے کہ وہ اس اہم ضرورت کی طرف متوجہ ہوں اور زمیندار، انقلاب، ایسٹرن ٹائمز یا مدینہ بجنور میں سے کوئی ایک دو اخبار اپنی گرہ سے دفتر اُمت مسلمہ کے نام جاری کرا دیں یا اس غرض کے لیے براہ راست اپنی رقوم دفتر میں بھیجکر شکر گذاری کا موقعہ دیں۔　　　(لائبریرین)

حلاج و اقبال

(از عرشی)

محبت کس قدر سحر آفریں معلوم ہوتی ہے + کہ وہ "جو بات" کہدیں دلنشیں معلوم ہوتی ہے
مسطورہ بالا شعر کو ایک دفعہ اور دیکھئے اور "جو بات" کی وسیع معنویت کو دلنشین کیجئے۔ اقلیم عشق میں یہ "مغالطہ دلفریب" ایک بہت بڑی لذت کا حامل ہو سکتا ہے، لیکن دنیائے مذہب میں اس کی مضرتیں "مسلسل ہلاکتیں" بن جاتی ہیں۔ ایک مذہبی انسان اپنے خلاف عقیدہ رکھنے والے کروڑوں اشخاص میں کوئی خوبی نہیں دیکھتا، اس کے نزدیک ان کا علم، جہالت اور ان کا زہد و تقویٰ، فسق و فجور کا مرادف ہے، اسی طرح اس کو اپنے مرشد و مطاع اور پیر و ملا کے تمام افعال و اقوال میں خدائی صفات جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ اگر آپ اس حقیقت کو مجسم و مشہود دیکھنا چاہیں تو صرف ایک نظر سے دار التادیل قادیاں کو دیکھ لیں، جہاں علم و دانش اور عدل و انصاف کو کھلے بندوں ذبح کیا جاتا ہے، آیات قرآن مجید پر دن دہاڑے آرے چلائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے آدمیوں کی آنکھوں میں مٹی ڈالکر اوپر سے کس کر پٹی باندھ دی جاتی ہے تاکہ ان میں بینائی کا شمہ بھی باقی نہ رہے اور اس مٹی اور پٹی کو محسوس بھی نہ کر سکیں —— یہ ہے ایک کھلا ہوا نمونہ جو بطور مثال پیش کیا گیا ہے، ورنہ ہر خانقاہ، ہر گدی، اور ہر حجرۂ مقدس میں، اسی بدعنوانی اور ناہنجاری کی حکومت ہے، خدا کے بندوں کو شیطان کی بندگی پر مجبور کیا جاتا ہے، طہور کوثر کو گندی نالیوں میں پھینکا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور حلم خداوندی ایک مناسب وقت تک اس کو ڈھیل دئے ہوئے ہے ؎

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں — کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

لیکن الحمد للہ کہ قرآن شریف اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ اہل طلب آج بھی اس سے گوہر مراد حاصل کر سکتے ہیں۔ اس بارۂ خاص میں اس کی روش بغایت معتدل اور منصفانہ ہے، وہ جس کے عیب بیان کرتا ہے، کھلے لفظوں میں اس کی خوبیوں کا بھی اعتراف کرتا ہے اور جس کے فضائل شمار کرتا ہے اس کی

کوئی تاویل نہ کرتا ہوا اس کو ان کا ذمہ وار ٹھہراتا ہے۔ بنی اسرائیل کی گمراہیوں اور شقاوتوں کے بیان سے بہت سی سورتیں معمور ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن نے ان کے اچھوں کو اچھا کہا اور بتخصیص کہا

لَيْسُوا سَوَآءً ۚ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ○ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ (۴/۳)

(پھر بھی ان سب کا حال) یکساں نہیں۔ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راتوں کو (نماز میں) کھڑے رہکر آیات الٰہی پڑھتے اور (خدا کے آگے) سجدے کرتے ہیں (اور) اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے (کام کرنے) کو کہتے اور برے (کاموں) سے منع کرتے اور (خود بھی) نیک کاموں میں دوڑ پڑتے ہیں اور یہی لوگ نیک بندوں میں (داخل) ہیں اور نیکی کسی طرح کی بھی کریں ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ اُن کی اس نیکی کی قدر نہ کی جائے اور اللہ پرہیزگاروں (کے حال) سے خوب واقف ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (۹/۱۰)

اور موسیٰ کی قوم میں سے کچھ لوگ (ایسے بھی) ہیں جو حق بات کی ہدایت اور حق ہی کے مطابق (لوگوں کے معاملات میں) انصاف (بھی) کرتے ہیں۔

یہانتک کہ ایک مقام پر شیطان لعین کے ایک قول کو "حق" کہکر کائنات علم و دیانت کی حقیقی رہنمائی فرمائی کہ سونا کسی بھنگی اور چمار کے ہاتھ میں ہو تو اس کی قدر و منزلت کم نہیں ہو جاتی، کوئی شخص اس کو پیتل نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح عالیشان انبیائے کرام (علیہم السلام) کی بعض بشری کوتاہیوں کو واضح کیا بلکہ اس بارۂ خاص میں ان کے اتباع سے بھی منع فرما دیا۔ کما قال

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ (۲۳/۱۴)

(شیطان نے) کہا تیری (ہی) عزت کی قسم ہے کہ ان (بنی آدم) میں جو تیرے خالص بندے ہیں ان کو چھوڑ کر سب کو گمراہ کر کے رہوں گا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا ہاں یہ سچ ہے۔ اور ہم بھی سچ کہتے ہیں کہ ہم تجھ سے اور تیرے پیروؤں سے جہنم

لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ الخ ۲۹/۲ (اے محمد) مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی مانند نہ ہو جانا الخ

اس کا نتیجہ صاف ہے کہ کوئی غلطی کسی بڑے آدمی کے کرنے سے صحیح نہیں بن جاتی، پیتل کسی پوتر برہمن، مقدس سید یا ذی حشم بادشاہ کے ہاتھ میں آکر سونا نہیں ہو جاتا۔

مجھے اس موقعہ پر ایک واقعہ یاد آگیا، خدا بخشے حکیم سلطان احمد مرحوم نے بیان کیا کہ ایک دفعہ وہ اور ایک دوسرا شخص اُن کی دکان پر بیٹھے تھے، اتنے میں بازار سے ایک بزرگ صورت شخص گزرا، حکیم صاحب کے ہم نشین نے اس کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ کیسا نورانی چہرہ اور فرشتوں کا سا معصوم تقدس ہے کہ خواہ مخواہ دل کھچا جاتا ہے!" حکیم صاحب نے کہا "تم اس بزرگ کو نہیں جانتے، یہ مشہور عبدالستار وہابی ہے"۔ شخص مذکور نے فوراً پیشانی پر بل ڈال کر کہا "اچھا! یہی ہے وہ منحوس! دیکھو تو اس کے چہرے پر کیسی لعنت برس رہی ہے!"

ٹھیک یہی ہے آجکل کی صحیح مذہبی ذہنیت ـــــ لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بلاغ کو ہمیشہ اس کور چشمی سے محفوظ رکھا جس میں عام مذہبی جرائد و رسائل مبتلا ہیں، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ، ان اوراق میں جہاں حضرت خواجہ مرحوم کے فضائل و کمالات کو کئی دفعہ سراہا گیا ہے، وہاں اُن پر جائز نکتہ چینی سے کبھی اغماض نہیں کیا گیا، اہلِ تحقیق نے ان کے خلاف مضمون لکھے اور بلاغ نے شائع کئے، خود اُنھوں نے بلاغ کی اس روش کو پسند فرمایا، بلاغ نے ان لوگوں کی خوبیوں کا بھی ہمیشہ اعتراف کیا ہے، جو اختلافِ عقیدہ کے سبب بلاغ کی روش پر متشددانہ بلکہ معاندانہ نکتہ چینی کرنے سے نہیں چوکتے ـ اور ان بزرگوں کے خلاف اظہار رائے میں کبھی مداہنت نہیں برتی جن کے علم و کمال اور احسان و عنایت کے سامنے بلاغ کا سرِ عقیدت ہمیشہ خم رہیگا ـــــ ذیل کا مختصر مضمون اسی دعویٰ پر دلیل ہے جو آج سے ۵ سال پیشتر ۱۹۳۲ء میں روزنامہ حریت لاہور میں شائع ہوا تھا۔ راقم مضمون کے ذہن و دماغ کے بہت سے گوشے بالواسطہ و بلا واسطہ حضرت علامہ سر اقبال کے فیضِ علم و کمال سے مستفیض ہیں لیکن اس کا یہ اقتضا نہیں کہ اگر کسی مسئلہ میں اُن سے اختلاف ہو تو خواہ مخواہ اس کی تاویل و تطبیق میں ضمیر کو مجروح کیا جائے نہ حضرت

علامہ اس کو برداشت کریں گے کہ کوئی شخص قلبی تسلی کے بغیر ان کی ہر بات پر "جی ہاں" کہتا جائے، علمائے ربانی ہمیشہ تقلید کے دشمن اور تحقیق کے قدردان رہے ہیں۔ میں نے آپ کی زبان فیض ترجمان سے ایک صحبت میں سنا ہے، آپ نے فرمایا دنیا بھر کی الہامی کتابوں میں صرف قرآن ہی ایک ایسا صحیفہ ہے جو کھلے لفظوں میں دلیل مانگتا ہے (هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ) اور اپنی بات بے دلیل نہیں منواتا (اَدْعُوا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ) پس اس کے بعد کس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو اپنی تقلید پر مجبور کرے ـــــ اس مضمون کی اشاعت اولی کے دن علامہ ممدوح ولایت جانے کے لئے جہاز میں سوار ہو چکے تھے، اسلئے غالباً آپ اس پر توجہ نہیں فرما سکے ہونگے ـــ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اپنے ناقص خیال میں قرآن کی محبت اور قرآن کی روشنی میں عرض کیا ہے۔ اگر آپ آج اسپر انعطاف توجہ فرمائیں گے تو یہ ان کے اپنے ارشادات اور کلام اللہ کے باہمی تعلق پر نظر ثانی ہو گی، جس سے مجھ ایسے کئی طلباء متجسسین کو فائدہ پہنچنے کی توقع ہے۔ وهدانا اللّٰه الصراط المستقیم (زبیری)

ـ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو پہلی دفعہ مجھے علامہ سر اقبال مدظلہ، کی خدمت بابرکت میں شرف باریابی حاصل ہوا۔ اگرچہ مجھے بڑے لوگوں کی ملاقات سے عموماً احتراز ہوتا ہے۔ لیکن برادرم، تبسم ایم۔ اے کے حکم کو نہ ماننا میرے بس کی بات نہیں۔ میں اُن کی اقتدا میں چند احباب کے ساتھ اس بارگاہِ علم و کمال میں پہنچا جہاں ایشیا کا اپنے رنگ کا سب سے بڑا شاعر جلوہ افروز تھا۔ میں نے اس ستودہ صفات ہستی کو تبسم صاحب کی تصریحات کے مطابق مناسب حد تک بے تکلف اور وسیع المشرب پایا۔ قبل اس کے کہ میں آپ کے اس وقت کے ارشادات کو بیان کروں۔ اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے حضرت علامہ کے تمام مطبوع اور بعض غیر مطبوع اشعار کو کم از کم ایک دفعہ ضرور دیکھا یا سنا ہے اور آپ کے کلام کو عروض و زبان کی میزان پر تولنے کا گناہ بہت کم کیا ہے، بلکہ ہمیشہ اس کی الہامیت وحقیقت میں غرق رہا۔ اور اُس کا مرتبہ ظواہر و عوارض پر لڑنے والوں کی پرواز فکر سے بدرجہا بلند سمجھا، بالخصوص آپ کی تصنیف لطیف "جاوید نامہ" کے مطالعہ سے بہت زیادہ متاثر ہوا، اور کئی مقامات پر تو آنسوؤں کو بھی ضبط نہیں کر سکا۔ میرا دل اس قدر زیادہ سے مسحور ہو گیا جس نے شاعر کو اس تحریر پر آمادہ کیا۔ میں یہی خیال کرتا تھا کہ شاعر کے بعد سب سے زیادہ اس آگ نے مجھ کو جلایا ہے حالانکہ میں شاعر محترم کے آتشکدۂ افکار کا اندازہ کرنے

سے قطعاً قاصر ہوں۔ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ اس سیر افلاک میں میں ہر مقام پر شاعر کے ساتھ ہوں اور شاعر کے الہامی مکالمات کو اپنے کانوں سے سن رہا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ میری روحانیت کی شتاب روی بھی اُس کی مادیت کی گرد تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس سے اُس کی رفیع روحانیت کا قیاس کر لیجئے۔ اس معراج فکر کی اثناء میں سدرہ مرتبت شاعر کی معیت میں منصور حلاج کی زیارت ہوئی اور شاعر کے سوال پر کہ حقیقت محمدی کیا ہے اُس کی رموز و اسرار سے معمور گفتگو سنی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ؎

عَبدہٗ از فہم تو بالاتر است		زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است
عَبدہٗ صورت گر تقدیر ہا		اندرو ویرانہ ہا تعمیر ہا
عَبدہٗ دہر است و دہر از عبدہٗ است		ماہمہ رنگیم او بے رنگ و بوست
کس ز سرِ عبدہٗ آگاہ نیست		عبدہٗ جز سرِ اِلّا اللہ نیست
لَا اِلٰہ تیغ و دم او عبدہٗ		فاش تر خواہی بگو "ھو عبدہٗ"

اگر یہ آواز بریلی، گولڑہ، علی پور اور دہلی کے رین بسیرا کی وساطت سے میرے کان میں پہنچتی تو میرے نظام اعصاب و رفتار فکر میں کوئی تغیر واقع نہ ہوتا۔ میں اس کو سورج کی دھوپ اور بادل کے پانی کی طرح ایک قدرتی چیز سمجھتا۔ لیکن اس احساس نے مجھے یکسر حیرت بنا دیا کہ یہ زمزمۂ ثنویت ایک معلم قرآن موحد کی معرفت محض سماعت ہو رہا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ میں اس مطالب سمجھنے سے قاصر ہوں۔ جس چیز کو بظاہر خلاف قرآن سمجھ رہا ہوں ممکن ہے کہ وہ موافق قرآن ہو۔ مجھے کافی تحقیق کے بغیر کوئی رائے قائم نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ پروفیسر تبسم صاحب کی وساطت سے حضرت علامہ سے اُس کی تشریح معلوم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میری نارسائی فہم

(۱) عبدہٗ (محمدؐ) تیرے فہم سے بالاتر ہے، اس لیے کہ وہ 'بظاہر' آدم ہے اور 'حقیقتاً' ذات ہے۔
(۲) عبدہٗ تقدیروں کا خالق ہے، اس میں عدم کو وجود ملتا ہے۔
(۳) عبدہٗ خود دہر ہے اور دہر کی علت بھی ہے۔ ہم تمام رنگ (مادی) ہیں اور وہ بے رنگ و بو (غیر مادی) ہے۔
(۴) عبدہٗ کے راز سے کوئی واقف نہیں، عبدہٗ بالکل "الا اللہ" کا راز ہے۔
(۵) لا الٰہ تیغ ہے اور عبدہٗ اس کی دھار ہے، اگر زیادہ وضاحت چاہتے ہو تو کہو "ھو عبدہٗ" یعنی وہ خود ہی اپنا بندہ ہے۔

ابھی اُسی منزلِ اول میں تھی۔ آخر ۹ اکتوبر کو بے واسطہ گفتگو کی سعادت نصیب ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ تقریر منصور مندرجہ "جاوید نامہ" کا مطلب میں نہیں سمجھ سکا۔ اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔

حضرت علامہ:۔ یہ بات سمجھنے کی نہیں ہے۔

راقم:۔ پھر اس کی طباعت و اشاعت کی کیا ضرورت تھی۔

علامہ محترم:۔ جو لوگ اس راز سے واقف ہیں وہ سمجھ لیں گے۔

راقم:۔ یہ تو تحصیل حاصل ہے۔ میں آپ کی تعلیمات کا سرچشمہ قرآن کو سمجھتا ہوں۔ آخر یہ تقریر کس آیت سے مستفاد ہے؟

علامہ:۔ قرآن کو صرف وہی لوگ سمجھتے ہیں جن پر قرآن نازل ہوتا ہے۔

راقم:۔ خود قرآن نے اپنے فہم کے لئے عربیت و عقل کے سوا کوئی شرط نہیں بتائی۔

علامہ:۔ اور قلب سلیم۔

راقم:۔ اگر قلب سلیم کا مفہوم عقل میں داخل نہیں ہے تو اس کا بھی اضافہ کر لیجئے۔

علامہ:۔ آپ جس طریق سے قرآن کو سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے لئے وہی درست ہے۔

راقم:۔ میں نے کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ میں جو کچھ سمجھ چکا ہوں اُس میں اصلاح و اضافہ کی گنجائش نہیں۔ میرا دامن ہر وقت علم کے لئے پھیلا ہوا ہے۔

علامہ:۔ میں نہیں سمجھا سکتا۔ مگر میں ایسے لوگوں کا وجود مفقود نہیں سمجھتا جو سمجھا سکتے ہوں۔

راقم:۔ اگر یہ نازل ہونے سے سمجھا جا سکتا ہے تو انسانی سعی بیکار ہوگی۔

علامہ:۔ انسانی توجہ کی بھی سخت ضرورت ہے۔

راقم:۔ میں پندرہ بیس سال سے مطالعہ قرآن شریف میں مصروف ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اس درس کی کبھی تکمیل نہ ہوگی۔

یہ تخمیناً اس گفتگو کا کم و بیش خلاصہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ اس وقت اس نوع کی گفتگو کے لیے تیار نہیں تھے۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اُنھوں نے برادرم تبسم صاحب سے اس مسئلہ پر جو ارشادات فرمائے تھے اُن میں ہرگز فہم و تفہیم سے انکار نہ تھا۔

مجھے یقین ہے کہ حضرت علامہ بہت سلیم الطبع اور معقول پسند واقع ہوئے ہیں اور بڑے آدمیوں کے خلاف ان میں یہ عظیم الشان خوبی بھی موجود ہے کہ وہ اپنے خیالات کی اصلاح و

تبدیل میں زعیمانہ ہٹ نہیں کرتے۔ اُس کا بین ثبوت یہ ہے کہ اسرارِ خودی کے اشعار متعلقہ خواجہ حافظ سے قوم کے جذبات عقیدت و احترام کو ٹھیس لگی تو آپ نے دوسری اشاعت میں اُنکو خارج کر دیا۔

میرا اس تحریر سے مقصد یہ ہے کہ آپ ان اشعار پر نظرِ ثانی فرمائیں اور غور کریں کہ ان کی موجودگی میں آپ کی تمام عمر کی تعلیم توحید کو کس نظر سے دیکھا جائیگا اور انسان پرستوں کے لیے کتنی مضبوط دستاویز مہیا ہو جائیگی۔ چند خواص کی خاطر جو پہلے ہی سمجھے ہوئے ہیں بیشمار عوام کی کوتاہی فہم و استعداد ضلالت کی پروا نہ کرنا غیر مناسب ہے۔ آپ اپنے غیر فانی کلام کی وسیع تاثیر کو دیکھیں اور اس سے متاثر ہونے والی موجودہ و آئندہ نسلوں کے امیال و عواطف کا اندازہ لگائیں۔ پھر یا تو اپنے قلم مبارک سے ان کی کوئی معقول و موافق قرآن توجیہ فرما دیں یا میرے ایسے کم فہموں کی کجروی کو خیال میں لا کر آئندہ اشاعت میں اس سے احتراز فرمائیں۔

میں ابھی یہ مضمون ختم نہ کر چکا تھا کہ "نیرنگ خیال" کا اقبال نمبر موصول ہوا۔ میں نے فہرست پر نظر ڈالی اور سب سے زیادہ مستحق توجہ حافظ اسلم صاحب جیراجپوری کے مضمون "تبصرہ بر جاوید نامہ" کو سمجھا۔ معلوم ہوا کہ تقریر حلاج کو اُنھوں نے بھی خلاف قرآن سمجھا ہے مذکورہ مکالمہ کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ہوئیں جن کو بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ لیکن ایک بات کہے بغیر میں رہ نہیں سکتا۔ ابن عربی اور مولانا رومی کے متعلق آپ نے فرمایا کہ "ان بزرگوں کے کلام میں الماس ریزے اور کوئلے ملے جلے ہیں"۔ یہ رائے بالکل صحیح ہے۔ لیکن جاوید نامہ کے آخر میں "نژاد نو" کو مثنوی کی طرف دعوت دی گئی ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اُس کا سمجھنا آسان نہیں۔ اس کے سمجھنے کے مدعیوں نے اس کو آجتک نہیں سمجھا۔ صرف ظاہری رقص و سرود میں اُلجھ کر رہ گئے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ "نژاد نو" اس کو کیا سمجھے گی؟ الماس ریزوں اور کوئلوں میں کس طرح تمیز کریگی؟ کیوں نہ "نژاد نو" کو قرآن شریف کی طرف متوجہ کیا جائے جب کہ خدا کا کلام پاک میسر ہے (لیسرنا القرآن) نوآموز جماعت کو انسانوں کے محتمل المعنیین کلام کی طرف متوجہ کرنا غالباً کچھ زیادہ مفید نہیں۔ اخیر میں میں اس جسارت مجبور کی معافی چاہتا ہوں۔ ما ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔

اِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا

دو دن اور دو راتیں

اللہ عزوجل پر بھروسہ رکھتے ہوئے اُمت مسلمہ امرتسر نے ہر سال دوسہرہ کی تعطیلات میں ایک عظیم الشان جلسے کے انعقاد کا فیصلہ کر دیا ہے۔ چنانچہ امسال مورخہ ۱۲، ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء بروز منگل و بدھ سالانہ جلسہ ہوگا جس کو کامیاب بنانے کے لیے تیاریاں شروع ہوگئی ہیں اور اس مقصد کے لیے ایک مجلس استقبالیہ مقرر کر دی گئی ہے۔ مجلس عاملہ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب قرآن حکیم کو جمیع ضروریات وحی کے لیے کافی سمجھنے والے دوستوں کا فرض ہے کہ

(ا) وہ جہاں کہیں بھی ہوں اس جلسہ میں شمولیت کے لیے تشریف لائیں اور اپنے اعزہ و احباب کو بھی شمولیت کی ترغیب دلائیں

(ب) جلسے کے مصارف کے لیے خود بھی عطیات دیں اور اپنے حلقۂ اثر میں بھی امداد کے لیے اپیل کریں۔

(ج) علمائے اُمت سب کام چھوڑ کر بھی شامل اجلاس ہوں، اور اپنے مواعظ حسنہ اور پاکیزہ خیالات سے حاضرین و سامعین کو مستفید فرمائیں

(د) جلسہ کو کامیاب اور بارونق بنانے کے لیے نوجوان دوست بحیثیت رضاکار اپنا نام پیش کریں اور اپنے افسروں کے حکم کے مطابق فرائض منصبی ادا کر کے ضبط و نظم کا ثبوت پیش کریں۔

(ہ) تشریف لانیوالے دوست اور بزرگ اپنی تشریف آوری کی اطلاع اخیر ستمبر تک سکرٹری مجلس استقبالیہ کو پہنچا دیں۔ مقررین و شعراء اپنی تقریر و نظم کے عنوان و موضوع سے ۱۵ ستمبر تک دفتر بلاغ کو اطلاع دیں تاکہ اُن کے اسمائے گرامی شامل پروگرام ہو سکیں۔ (د) رہائش و خوراک کا انتظام مجلس انتظامیہ کے ذمہ ہوگا لیکن موسم کے مطابق بستر ہمراہ لانا ضروری ہے (ز) اکابر علماء امت سے تشریف آوری کے متعلق خط و کتابت کی جا رہی ہے، بعض مقامات پر وفود کی روانگی کا بھی انتظام کیا جائیگا۔ اکتوبر کے بلاغ میں مکمل پروگرام شائع کر دیا جائیگا۔

(ح) جن احباب کی خدمت میں پوسٹر و اشتہارات وغیرہ بھیجے جائیں وہ براہ کرم اُن کی تقسیم وغیرہ کا انتظام کر دیں (ط) جہاں کہیں قرآن مجید کو کافی ماننے والے دوست ہوں آپ خود انھیں جلسہ کی اطلاع بھجوا دیجئے ورنہ مجلس استقبالیہ کو لکھئے تاکہ وہ ایسے دوستوں کو اطلاع دے سکے (ی) ایسے مفید مشوروں سے مستفید فرمائیے جو جلسہ کی کامیابی کا موجب ہوں + اُمید ہے کہ صاحبدل اکابر احباب اس نیک مقصد میں ہماری دستگیری فرما کر عند اللہ ماجور ہونگے + آپکا خادم ابوالاحسان سکرٹری شعبہ نشر و اشاعت اُمت مسلمہ امرتسر

بیان

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے)

اہل اس لفظ کے مفہوم میں ایک مناسبت ہے جو دو امور میں ہو، جس سے نسبت دی جائے اور جس کو نسبت دی جائے ان میں تعلق صوری یا معنوی ہونا چاہیئے یعنی قابلیت ولیاقت وغیرہ مثلاً اہل الذکر ۱۴/۱۴، اہل التقویٰ اور اہل المغفرۃ (۲۹/۱۹)، اہل الکتب ۴/۳، اہل الانجیل وغیرہ ذلک

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۲۲/۱۷ — اور یہ قانون الٰہی ہے جو کبھی تبدیل وتحویل نہیں ہوتا کہ) بُری تدبیر (کی بُرائی) کرنے والے ہی پر پڑتی ہے۔

وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۲۶/۱۱ — (اللہ کا رسول اور مسلمان جن کو اللہ نے اطمینان قلب عطا فرمایا اور تقویٰ پر جمائے رکھا) اس کے سزاوار اور لائق بھی تھے۔

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ ۵/۱۰ — (جو شخص مومن ہو کر کسی مومن کو نادانستہ قتل کردے) تو ایک مومن بردہ آزاد کردے اور وارثان مقتول (اہل) کو خونبہا دے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ۵/۳ — اور اگر میاں بیوی میں کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کی طرف سے اور ایک عورت کی طرف سے انہی کے اہل میں سے مقرر کرو۔

مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ ۶/۲ — (قسم کا کفارہ متوسط درجہ کا کھانا مسکینوں کو کھلانا) جیسے کہ تم اپنے اہل کو کھلایا کرتے ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ۲۸/۱۹ — مسلمانو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آتش جہنم سے بچاؤ۔

وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي - هَارُونَ أَخِي ۱۶/۱۱ — اور میرے اہل میں سے ہارون میرے بھائی کو میرا بوجھ اٹھانے والا بنا۔

فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا ۱۶ — پس (موسیٰ نے) اپنے اہل کو کہا کہ یہاں ٹھہرے رہو

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا ۱۲ | (عزیز مصر کی زوجہ نے خاوند کو) کہا کہ اس شخص

کی کیا سزا جو تیرے اہل سے بدی کا ارادہ کرے۔

ان آیات سے لفظ "اہل" کی تشریح بخوبی ہوتی ہے، ان سے ایسا تعلق واضح ہوتا ہے جو ایک ہی خاندان میں ان لوگوں کا باہمی ہوتا ہے جو قرابت قریبہ رکھتے ہیں اور جو اس تعلق کا حق بجا ادا کر سکتے ہیں، لفظ "اہل" اگر "بیت" کے ساتھ استعمال ہو تو اس کا صحیح ترجمہ اُردو محاورہ میں گھر والی یا گھر والیاں ہے۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۱۲ | (بیٹے کی ولادت کی خوشخبری سُنکر سارہ نے تعجب کیا تو مہمانوں نے) کہا کہ اللہ کے امر سے تعجب کرتی ہو اے گھر والی اللہ کی رحمت

برکت تم پر نازل ہو وہ بلاشبہ حمید و مجید ہے۔

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ ۲۰ | (موسیٰ کی بہن نے) کہا کیا میں تمہیں ایک

گھر والی کا پتہ بتاؤں۔

يٰنِسَاۗءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاۗءِ . . . اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۲۲ | اے نبی کی عورتو تم کچھ عام عورتوں کی طرح ہو نہیں . . . اے گھر والیو خدا کو تو یہی منظور ہے کہ تم سے اباحیت اور شرک وغیرہ

کی گندگی کو دور کرے اور تم کو بالکل پاک و صاف بنائے۔

"اھل" کا اطلاق وسیع ہے اور کسی مناسبت کی وجہ سے ہوتا ہے، لیکن اگر متکلم و مخاطب میاں بیوی ہوں تو ان میں سے ایک اور ان لوگوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو قرابت قریبہ رکھتے ہوں اور حق قرابتداری ادا کرنے کے لائق ہوں، اور اہل بیت سے زوجہ یا ازواج ہی مراد ہونگے۔

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ڶ فَلَا تَسْـَٔــلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۱۲ | اے نوح وہ تیرے اہل سے ہرگز نہ تھا اس کا عمل اچھا نہ تھا جس چیز کی حقیقت تم کو [illegible] نہیں اس کی نسبت ایسا سوال کرنا کہ گویا تم کو علم ہے نا واجب بات ہے، ہم تم کو سمجھائے

دیتے ہیں۔ کہ نادانوں کی سی باتیں نہ کرو۔

بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ یہ شخص جس کو حضرت نوحؑ اپنا بیٹا سمجھتے تھے حقیقی بیٹا ہی تھا اور چونکہ اس کے اعمال صالح نہ تھے اسلیے غرق ہوا۔ اصولاً یہ صحیح ہے کہ

در یں رہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

محققین حسب ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں :۔

ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرات نوح و امرات لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتھما الایہ ۲۸/۲۰	اور ان لوگوں کی مثال جنہوں نے کفر کیا اللہ نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی دیتا ہے کہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے تحت تھیں

پھر دونوں نے خیانت کی تو دونوں کے شوہر باوجودیکہ پیغمبر تھے) اللہ کے مقابلہ اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے اور حکم ہوا کہ دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ نوحؑ کی زوجہ خیانت کی مرتکب ہوئی ۔ لفظ "خیانت" کا مفہوم "زنا" بھی ہے۔

ذلک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب ۱۲/۱۲	(یوسف نے کہا) اسلیے (میں نے تحقیقات پر زور دیا ہے کہ) واضح ہو جائے کہ میں نے اس (عزیز مصر) کی پس پشت خیانت نہیں کی۔

آیت تطہیر سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کی بیویوں سے کوئی عمل خلاف تقویٰ سرزد ہونا ممکن ہے اور آیت زیر بحث میں تو نص موجود ہے کہ نوح اور لوط کی بیویوں نے خیانت کی، اس لیے خوش اعتقادی کہ نبی کے اہل بیت معصوم ہوتے ہیں خیال باطل ہے۔

حضرت نوحؑ اس کو اپنا بیٹا ہی سمجھتے تھے "ونادی نوح ابنہ" (اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی) اور اس کو غرق ہوتا ہوا دیکھکر فریاد کی "رب ان ابنی من اھلی" اے میرے پروردگار بلاشبہ میرا بیٹا میرے اہل سے ہے۔ اس آیت سے "اھل" کا مفہوم واضح ہوتا ہے اگر آیات محولہ بالا سے ملا کر پڑھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ بھائی، بیٹا، زوجہ، خاوند سب اہل میں داخل ہیں، اہل عمومیت کو لئے ہوئے ہے اور ابن، اخی وغیرہ خصوصیت کو، حضرت نوحؑ سے وعدہ الٰہی یہ تھا کہ

و اھلک الا من سبق علیہ القول و من امن ۱۲/۴	اور اپنے اہل کو اُن کے سوا جن کی نسبت پہلے ارشاد ہو چکا ہے اور جو ایمان لا چکے ہیں (کشتی میں سوار کر لو)

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا ۱۲ (عزیز مصری زوجہ نے یوسف سے کہا کہ اس شخص کی کیا سزا جو تیرے اہل سے بدی کا ارادہ کرے۔

ان آیات سے لفظ "اہل" کی تشریح بخوبی ہوتی ہے (اس سے ایسا تعلق واضح ہوتا ہے جو کسی خاندان میں ان لوگوں کا باہمی ہوتا ہے جو قرابت قریبہ رکھتے ہیں اور جو اس تعلق کا حق ادا کر سکتے ہیں، لفظ "اهل" اگر "بیت" کے ساتھ استعمال ہو تو اس کا صحیح ترجمہ اُردو محاورہ گھر والی یا گھر والیاں ہے۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۱۲ (بیٹے کی ولادت کی خوشخبری سُنکر سارہ نے تعجب کیا تو مہمانوں نے کہا کہ اللہ کے امر سے تعجب کرتی ہوئے گھر والی اللہ کی رحمت اور برکت تم پر نازل ہو وہ بلاشبہ حمید و مجید ہے۔

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ ۲۰ (موسیٰ کی بہن نے) کہا کیا میں تمہیں ایک گھر والی کا پتہ بتاؤں۔

يٰنِسَاۗءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاۗءِ ۔ ۔ ۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۲۲ اے نبی کی عورتو تم کچھ عام عورتوں کی طرح ہو نہیں ۔ ۔ ۔ اے گھر والیو خدا کو تو منظور ہے کہ تم سے جاہلیت اور شرک وغیرہ کی گندگی کو دور کرے اور تم کو بالکل پاک و صاف بنائے۔

"اهل" کا اطلاق وسیع ہے اور کسی مناسبت کی وجہ سے ہوتا ہے، لیکن اگر متکلم و مخاطب میاں بیوی ہوں تو ان میں سے ایک اور ان لوگوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو قرابت قریبہ رکھتے ہوں اور حق قرابتداری ادا کرنے کے لائق ہوں، اور اہل بیت سے زوجہ یا ازواج ہی مراد ہونگے۔

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ڶ فَلَا تَسْـَٔــلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۱۲ اے نوح وہ تیرے اہل سے ہرگز نہ تھا اس کا عمل اچھا نہ تھا جس چیز کی حقیقت تم کو معلوم نہیں اس کی نسبت ایسا سوال کرنا کہ گویا تم کو علم ہے نا واجب بات ہے ہم تم کو سمجھائے دیتے ہیں۔ کہ نادانوں کی سی باتیں نہ کرو۔

بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ یہ شخص جس کو حضرت نوحؑ اپنا بیٹا سمجھتے تھے حقیقی بیٹا ہی نہ تھا اور چونکہ اس کے اعمال صالح نہ تھے اسلیے غرق ہوا۔ اصولاً یہ صحیح ہے کہ

دریں رہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

یہ محققین حسب ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں :-

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا الایہ ۲۸/۲۰	اور ان لوگوں کی مثال جنہوں نے کفر کیا اللہ نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی دیتا ہے کہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے تحت تھیں

پھر دونوں نے خیانت کی تو دونوں کے شوہر باوجودیکہ پیغمبر تھے) اللہ کے مقابلہ اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے اور حکم ہوا کہ دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ نوحؑ کی زوجہ خیانت کی مرتکب ہوئی۔ لفظ "خیانت" کا مفہوم "زنا" بھی ہے۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ ۱۲/۱۳	(یوسف نے کہا) اسلیے (میں نے تحقیقات پر

زور دیا ہے کہ) واضح ہو جائے کہ میں نے اس (عزیز مصر) کی پس پشت خیانت نہیں کی۔

آیت تطہیر سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کی بیویوں سے کوئی عمل خلاف تقویٰ سرزد ہونا ممکن ہے اور آیت زیر بحث میں تو نص موجود ہے کہ نوح اور لوط کی بیویوں نے خیانت کی، اس لیے یہ خوش اعتقادی کہ نبی کے اہل بیت معصوم ہوتے ہیں خیال باطل ہے۔

حضرت نوحؑ اس کو اپنا بیٹا ہی سمجھتے تھے "وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ" (اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی) اور اس کو غرق ہوتا ہوا دیکھکر فریاد کی "رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ" اے میرے پروردگار بلاشبہ میرا بیٹا میرے اہل سے ہے۔ اس آیت سے "اہل" کا مفہوم واضح ہوتا ہے اور اگر آیات محولہ بالا سے ملا کر پڑھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ بھائی، بیٹا، زوجہ، خاوند سب اہل میں داخل ہیں، اہل عمومیت کو لئے ہوئے ہے اور ابن، اخی وغیرہ خصوصیت کو، حضرت نوحؑ سے وعدہ الٰہی یہ تھا کہ

وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۱۲/۴	اور اپنے اہل کو اُن کے سوا جن کی نسبت پہلے ارشاد ہو چکا ہے اور جو ایمان لا چکے ہیں کشتی

پر سوار کرلو)۔

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِكَ سُوْٓءًا ۱۲

(عزیز مصر کی زوجہ نے اللہ تعالیٰ کو کہا کہ اس شخص کی کیا سزا جو تیرے اہل سے بدی کا ارادہ کرے

ان آیات سے لفظ "اہل" کی تشریح بخوبی ہوتی ہے۔ ان سے ایسا تعلق واضح ہوتا ہے جو ایک ہی خاندان میں ان لوگوں کا باہمی ہوتا ہے جو قرابت قریبہ رکھتے ہیں اور جو اس تعلق کا حق بخوبی ادا کر سکتے ہیں، لفظ "اھل" اگر "بیت" کے ساتھ استعمال ہو تو اس کا صحیح ترجمہ اردو محاورہ میں گھر والی یا گھر والیاں ہے۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۱۲

(بیٹے کی ولادت کی خوشخبری سُنکر سارہ نے تعجب کیا تو مہمانوں نے کہا کہ اللہ کے امر سے تعجب کرتی ہو اے گھر والی اللہ کی رحمت اور برکت تم پر نازل ہو وہ بلاشبہ حمید و مجید ہے۔

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ ۲۰

(موسیٰ کی بہن نے) کہا کیا میں تمہیں ایک گھر والی کا پتہ بتاؤں۔

يٰنِسَاۗءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاۗءِ . . . اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۱۲

اے نبی کی عورتو تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں . . . اے گھر والیو خدا کو تو یہی منظور ہے کہ تم سے جاہلیت اور شرک وغیرہ کی گندگی کو دور کرے اور تم کو بالکل پاک و صاف بنائے۔

"اھل" کا اطلاق وسیع ہے اور کسی مناسبت کی وجہ سے ہوتا ہے، لیکن اگر متکلم و مخاطب میاں بیوی ہوں تو ان میں سے ایک اور ان لوگوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو قرابت قریبہ رکھتے ہوں اور حق قرابتداری ادا کرنے کے لائق ہوں، اور اہل بیت سے زوجہ یا ازواج ہی مراد ہوں گے۔

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ڶ فَلَا تَسْـــَٔـلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۱۲

اے نوح وہ تیرے اہل سے ہرگز نہ تھا اس کا عمل اچھا نہ تھا جس چیز کی حقیقت تم کو [illegible] نہیں اس کی نسبت ایسا سوال کرنا کہ تو یہ تم کو علم ہے ناواجب بات ہے ہم تم کو سمجھائے دیتے ہیں۔ کہ ناوانوں کی سی باتیں نہ کرو۔

بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ یہ شخص جس کو حضرت نوحؑ اپنا بیٹا سمجھتے تھے حقیقی بیٹا ہی
ا اور چونکہ اس کے اعمال صالح نہ تھے اسلیے غرق ہوا۔ اصولاً یہ صحیح ہے کہ

دریں رہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

قین حسب ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں :-

ب اللہ مثلاً للذین کفروا امرات ن وامرات لوط کانتا تحت عبدین عبادنا صالحین فخانتاھما الایہ ۲۸/۲	اور ان لوگوں کی مثال جنہوں نے کفر کیا اللہ نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی دیتا ہے کہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے تحت تھیں

ر دونوں نے خیانت کی تو دونوں کے شوہر (باوجودیکہ پیغمبر تھے) اللہ کے مقابلہ اُن کے کچھ بھی
نہ آئے اور حکم ہوا کہ دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ نوحؑ کی زوجہ خیانت کی مرتکب ہوئی۔ لفظ "خیانت" کا مفہوم
ا" بھی ہے۔

ک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب ۱۲/۱۷	(یوسف نے کہا) اسلیے (میں نے تحقیقات پر

ر دیا ہے کہ) واضح ہو جائے کہ میں نے اس (عزیز مصر) کی پس پشت خیانت نہیں کی۔

آیت تطہیر سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کی بیویوں سے کوئی عمل خلاف تقویٰ سرزد ہونا ممکن
اور آیت زیر بحث میں تو نص موجود ہے کہ نوح اور لوط کی بیویوں نے خیانت کی، اس لیے
رش اعتقادی کہ نبی کے اہل بیت معصوم ہوتے ہیں خیال باطل ہے۔

حضرت نوحؑ اس کو اپنا بیٹا ہی سمجھتے تھے "ونادی نوح ابنہ" (اور نوح نے اپنے بیٹے
واز دی) اور اس کو غرق ہوتا ہوا دیکھکر فریاد کی "رب ان ابنی من اھلی" اے میرے
ردگار بلاشبہ میرا بیٹا میرے اہل سے ہے۔ اس آیت سے "اھل" کا مفہوم واضح ہوتا ہے
گر آیات محولہ بالا سے ملا کر پڑھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ بھائی، بیٹا، زوجہ، خاوند سب اہل
داخل ہیں، اہل عمومیت کو لئے ہوئے ہے اور ابن، اخی وغیرہ خصوصیت کو، حضرت نوحؑ
وعدہ الٰہی یہ تھا کہ

ھلک الا من سبق علیہ القول و ن امن ۱۲/۴	اور اپنے اہل کو اُن کے سوا جن کی نسبت پہلے ارشاد ہو چکا ہے اور جو ایمان لاچکے ہیں (کشتی

سوار کر لو)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اہل میں سے بھی کچھ مستثنیٰ ہیں، جن کے ساتھ وعدہ نجات تھا اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ نہ تھا کہ تیرے تمام اہل کو بچا لونگا، حفاظت کا وعدہ عام نہیں کیونکہ استثنا بھی ہے "لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ" کا مفہوم اگر یہ ہو کہ اہل ایمان نہیں اس لئے اسے تجھ سے نسبت نہیں تو صحیح نہیں کیونکہ اہل کا تعلق حضرت نوح کی ذات سے ہے نہ کہ ایمان سے، ایمان کی نسبت علیحدہ بیان ہے، اس لیے "لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ" کا مفہوم یہی ہے کہ وہ آنحضرت کا بیٹا نہ تھا، یہ ممکن ہے کہ حضرت نوحؑ کو غلط فہمی ہوئی ہو یا یہ محض آنحضرتؑ کی تمنا ہو کہ ان کی اولاد خواہ وہ کیسی ہو ہلاک نہ ہو۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو ارشاد الٰہی ہوا کہ میں تجھے امام لوگوں کا بناؤنگا تو آنحضرتؑ نے اپنی اولاد کے لیے بھی امامت کی استدعا کی ارشاد ہوا "لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ" ۱/۱۵ آنحضرتؑ کا والد مشرک تھا، اس کے حق میں دعاء مغفرت قبول نہ ہوئی — یہ دائمی قانون الٰہی ہے، البتہ تمناؤں سے کوئی نبی اور رسول بھی خالی نہ تھا، اس لیے اگر وہ حضرت نوحؑ کا بیٹا بھی ہوتا لیکن اس کا عمل غیر صالح ہوتا تو وہ پھر بھی ہلاک ہی ہوتا، اور اگر بیٹا نہ ہوتا اور عمل صالح ہوتا تو ضرور بچ جاتا، اس میں کچھ خصوصیت کسی کے بیٹے ہونے کی نہیں ہے، ایمان اور اس کے مناسب عمل کی ضرورت ہے اور یہ وعدہ الٰہی ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے مغفرت ہے، اللہ تعالیٰ نیکی کا اجر ضرور دیتا ہے اور بدی کی سزا بھی ملتی ہے لیکن اگر وقت پر توبہ کی اور اصلاح بھی کر لی تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

جو لوگ یہ خام خیال پختہ کئے بیٹھے ہیں کہ وہ نبیوں اور رسولوں اور ولیوں اور اماموں کی اولاد میں، اسلئے اہل نجات اور اہل جنت ہیں خواہ ان کے اعمال کیسے غیر صالح ہوں وہ یہود کی ذہنیت رکھتے ہیں جو ایسی ہی توقعات رکھتے تھے۔ ایسے شخص دُگنی سزا کے سزاوار ہیں (۲۲/۲) وجہ ظاہر ہے کہ اُن کو وراثت میں وہ کچھ ملا ہے جو دوسروں کو میسر نہیں، انتہا درجہ کا کفران نعمت ہے کہ اگر وہ بداعمال ہوں بلکہ وہ اپنی مثال سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

لفظ اہل واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، البتہ ضمیر جیسی صورت ہو واحد یا جمع ہوگی، "اھل" لفظ مذکر ہے اس لئے ضمیر ہمیشہ مذکر ہوگی خواہ مونث کی طرف راجع ہو (۲۲/۲)

اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا (۱۶/۲)	(مریمؑ) جب اپنے اہل سے شرقی مکان میں کنارے ہوئی تو ان لوگوں سے اوٹ میں ہو گئی۔

آل ۔ عربی میں "ھا" ہمزہ سے بدل جاتا ہے اور عموماً دیگر السنہ میں بھی بدلتا ہے، اصل میں
"اھل" اور "آل" ایک ہی لفظ ہے، جب زبان میں ایک ہی لفظ کی دو مختلف صورتیں ہوں
ن کے مفہوم میں کچھ فرق ضرور ہوتا ہے، اور اس کا استعمال بھی مختلف ہوتا ہے مثلاً "آل" کسی شخصیت
ساتھ استعمال ہوتا ہے جو مذکر ہو، مثلاً آل ابراھیم (۳/۳) آل لوط (۱۹/۱۴) آل عمران، آل فرعون
) قوم "کا اطلاق وسیع تر ہے، (ملاحظہ ہو لفظ "قوم")

قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ إِلَّا آلَ ... ۱۴/۴	(مہمانوں نے ابراہیم سے) کہا کہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں لیکن اس میں آل لوط شامل ہیں۔

اس آیت میں آل کا مفہوم خاندان ہے۔
... أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ ۹ اور فَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ - ان آیات میں ہر ایک شخص جو فرعون
، وابستہ تھا، مراد ہے۔ آل ابراہیمؑ سے مراد آنحضرتؐ کی ذریت بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل ہیں
، فرعون فرعون کی اپنی ہی قوم بلحاظ نسل تھی (ملاحظہ ہو لفظ فرعون) اسلئے آل کا اطلاق
ہی نسل کے لوگوں پر ہوتا ہے۔ آل کو نسبت ایسی ہی شخصیت سے دیکھا جائیگی جو ممتاز ہو خواہ
مورث اعلیٰ نہ ہو مگر آل سے نسلی تعلق رکھتا ہو، اہل کا اطلاق اور امور کی نسبت سے بھی ہوتا
لیکن جب کسی شخصیت سے نسبت ہو تو ضرور نہیں کہ نسلی تعلق بھی ہو، اگرچہ نسلی تعلق اس
، داخل ہے، آل کا اطلاق ضرور ہے کہ نسلی تعلق کے ساتھ ہو،

مواعظ قرآن

(۲۲)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا
أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۲/۲۱) بیشک وہ لوگ جو خدا کی بھیجی ہوئی
کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے میں دنیا کی قلیل بضاعت وصول کرتے ہیں
ایسے لوگ اپنے پیٹ میں سوائے دوزخ کے انگارے کے کچھ نہیں بھر رہے ہیں۔
قیامت کے دن ایسے لوگوں سے خدا مخاطب بھی نہ ہوگا اور نہ اُن کو پاک کریگا اور
اُن پر دردناک عذاب ہوگا۔

خدا کی کتاب کو پردہ میں رکھنے والے کا کیا حشر ہوگا؟ چشم بینا سے اُس کو خود پڑھ لو۔ اگر عذاب کے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی بھی لئے جائیں تو بہرحال یہ واضح ہے کہ اس کا مجرم ان بدبختوں کے ساتھ کھڑے ہونے کے قابل ہے جو فاسق و فاجر ہیں، زانی و کذاب ہیں۔ یتامیٰ کا مال ہضم کرنے والے ہیں۔ لوگوں پر جور و جفا کرنے والے غرض کہ بدترین انسان ہیں۔ یعنی ان میں اور اس کافر میں کوئی فرق نہیں جن پر عذاب دوزخ مستولی ہونے والا ہے بلکہ ان پر تو عذاب بھی اسی دنیا سے شروع ہو جائیگا۔ انا للہ۔ الامان۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خدا کی کتاب چھپانے اور اس کے عوض دنیا کا مال وجاہ وحشم مول لینے کے کیا معنی ہیں اور اس کے مجرم کون ہیں۔ خدا کی کتاب چھپانے کی چند صورتیں یہ ہیں:

(۱) کتاب کی اشاعت کو ممنوع قرار دینا۔

(۲) یہ کہنا کہ ہر شخص اس کتاب کو ترجمہ ... سمجھ ... گنہگار ہے ... [illegible]
... [illegible] ... جاتے ہیں۔

(۳) کتاب کو ... [illegible]

(۴) ... [illegible] ... ہو جاتا۔

۲/۲۱ ... [illegible] ... بھی ... [illegible] ... کی

... [illegible] ... نہیں لیکن ظاہری ...

سے نہ ہوتی ہو اور اُنہی کی تبلیغ و اشاعت میں سعی کرنا۔

(۵) اس بات کا اعلان کرنا کہ جو شخص کتاب کو اپنی عقل سے سمجھے وہ دوزخ میں جائیگا۔

(۶) کتاب کو دعا۔ تعویذ و منتر کی صورت میں بدل دینا۔

(۷) ان لوگوں کی تکفیر، تفسیق و توہین کرنا جو خدا کی کتاب کو مذہب اور ایمان کے لئے کافی جانتے ہوں اور اس پر عمل کرنا ذریعہ نجات۔

یہ باتیں تمام ان قوموں نے کی ہیں جن کو خدا کی کتاب دیگئی تھی۔ مگر سوائے مسلمانوں کے اور دوسری قوموں کے لیے یہ بہانہ تھا کہ ان کے ہاں احبار و رہانیین کا وجود پہلے سے ایک مذہبی حکم کی صورت میں تھا۔ اور احبار و رہانیین کا پیٹ اسی وقت بھریگا جب لوگ ان کے ہاتھ میں ہوں گے اور جس طرح ان کو وہ چلائیں گے چلیں گے۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ خدا کی کتاب پر پیر رکھکر وہ خود کھڑے ہو جائیں۔ کتاب اُن کے پیر سے نکال دو تو وہ دھڑام سے گر جائیں گے۔ ہم مسلمانوں کو البتہ یہ طرۂ امتیاز حاصل ہے کہ ہمارے پیروں، مفتیوں، محدثوں اور اماموں نے کتاب چھپانے کی ساری باتوں پر عمل کیا مگر خود اپنے وجود و ضرورت کو خدا کی کتاب سے ثابت نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اور ان کے پرستاروں کے لئے وہ حیلہ شرعی بھی نہیں رہا جو یہود و نصاریٰ کے لئے تھا۔ کہ یہود و نصاریٰ کی احباریت کا جواز خود اُن کی کتاب سے ثابت تھا۔ اور ہم دونوں گناہوں کے مرتکب ہوئے، یعنی اماموں، محدثوں، مفتیوں اور پیروں کی بدعت شروع کی، اور ان لوگوں کو قرآن کے ساتھ یہ عمل کرنے کا موقع بھی دیا۔

میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ قرآن نے عربوں کے اس سوال پر کہ محمد صلعم سچے ہیں تو عربی زبان کے بجائے دوسری زبان میں قرآن سنا دیں اور قرآن کا یہ جواب دینا کہ کیا خوب۔ عربی اُمت عجمی قرآن کچھ عجیب سا ہے۔ کیا اب جبکہ عجمی قومیں بکثرت سے مسلمان ہوگئی ہیں کہ عربی [illegible] بھی نہیں۔ کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سبحان اللہ عجمی اُمت اور عربی قرآن! کیا کوئی

[illegible] یہ ہے کہ قرآن مجید کو مختلف ممالک کی مقامی زبانوں میں منتقل [illegible] ہندوستان کے متعلق اُن کا خیال ہے کہ یہاں چھتیس زبانیں بولی جاتی ہیں [illegible] بھی چھتیس ہی زبانوں میں ہونا چاہیئے۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ پنجاب کا قرآن [illegible] اور بنگال کا الگ۔ سی پی کا قرآن اور ہوگا اور مدراس کا اور۔

[illegible] میں دو بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا ہوگا: اول یہ کہ قرآن آہستہ آہستہ اپنی الہامی

نئی قسم ایک منٹ کے لئے اس بات کو اپنے ذہن میں بغیر خندہ ہوئے لاسکتا ہے کہ بچوں کو عربی میں طوطے کی طرح قرآن رٹا دیا جائے اور پھر طاق پر ہمیشہ کے لئے بند کر کے رکھدیا جائے اور ان بچوں سے اُمید کی جائے کہ بڑے ہوکر یہ مسلمان بن کر دنیا میں رہیں گے جب کہ اُن کا اسلام چند آیتوں کو نماز میں بغیر سمجھے بوجھے دہرا لینا ہے اور ہم اس اُمید میں ہیں کہ نہ صرف وہ مسلمان ہوکر رہیں گے بلکہ دنیا کی اور غیر مسلم قومیں بھی مسلمان ہوجائیں گی۔ آج ہندوستان میں مسلمان کی اولاد نو کروڑ کے قریب ہے اور ہندوستان میں کم از کم پچیس زبانیں بولی جاتی ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ بجز ایک مخلوط زبان اُردو کے کسی دوسری ہندوستانی زبان میں قرآن کے ترجمہ[۱] کرنے کی کسی کو توفیق و ہمت ہوئی؟ اور اس کے ساتھ یہ حوصلہ ہے کہ اسلام تمام قوموں میں پھیل جائے۔ یا للعجب! (حق گو)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱

زبان سے محروم ہوجائیگا، حتیٰ کہ عرب میں بھی چودہ سو سالہ قدیم زبان چھوڑکر موجودہ مخلوط عربی میں قرآن رائج کرنا پڑیگا۔ آج ہم عیسائیوں اور یہودیوں کو اُن کی کتابوں کی غیر اصلیت پر طعن کرتے ہیں، کل ہمیں خود مطعون ہونا پڑیگا۔ دوسری بڑی مصیبت یہ ہے کہ الگ الگ صوبوں اور ملکوں کے مسلمانوں کا جو تھوڑا بہت باہمی اشتراک و اختلاط آج عربی قرآن کے ذریعے، دیکھنے میں آ رہا ہے، غیر عربی قرآن کی صورت میں تو اتنی بھی امید نہ رکھئے۔

"عجمی اُمت اور عربی قرآن" کی مشکل کا صحیح حل یہ ہے کہ تراجم پچیس چھوڑ پچاس ہو جائیں، لیکن مسلمانوں کو متن قرآن اور اُس کی تفہیم سے غافل نہ ہونے دیا جائے۔ (ص ا)

[۱] ہندی، گورمکھی، پشتو، انگریزی وغیرہ زبانوں کے ترجمے بازار میں ملتے ہیں (بلاغ)

شخصیت پرستی

(۲)

(از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز)

رواۃ پرستی اس جامد تقلید کی خرابیوں کا احساس آج سے کچھ عرصہ پہلے ہوا اور ایک جماعت پیدا ہوئی جس نے اس کی شکست و ریخت کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ یہ کوشش بڑی مبارک تھی، لیکن شاید ابھی مسلمانوں کے ابتلاء کا زمانہ ختم نہیں ہوا تھا، اسلیے ان کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ

خواستم پیکاں برآرم در جگر نشتر شکست

آئمہ پرستی کے کانٹوں سے دامن چھڑانے گئے تھے، خود ایک اور جھاڑی میں الجھ کر رہ گئے۔

نبی اکرمؐ نے خدا کا پیغام دنیا تک پہنچا دیا اور اس پر عمل کر کے دکھا دیا کہ یہ ہے دین جس کی تکمیل ہوئی ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ دین نام ہوا قرآن کریم اور اسوۂ حسنہ کا۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ تو خود باری تعالیٰ نے لے لیا! رہا اسوۂ حسنہ تو وہ چونکہ ایک محسوس شے تھا، وہ قرناً بعد قرنٍ متواتر چلا آتا ہے[1]، لہٰذا یہ دونوں یقینی ہیں۔ ان کے علاوہ حضورؐ کے جو اقوال و افعال اور اس عہد مبارک کے جو حالات ہم تک بروایت احاد پہنچیں گے، وہ یقینی نہ ہونگے، ظنی ہوں گے۔ احادیث کا مجموعہ اسی شق میں داخل ہے، اگر وہ بھی جزو دین ہوتا تو حضورؐ احادیث مقدسہ کو قرآن کی طرح لکھوا کر، یاد کرا کر، سنا کر، حفظ و ضبط کا اطمینان فرما کر تشریف لے جاتے کہ منصب رسالت کا یہ تقاضا تھا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ جب بعد میں اس عہد مبارک کے حالات، جو سینہ بسینہ روایات کی صورت میں چلے آتے تھے، قلمبند ہوئے، تو احادیث کے مجموعے بھی مرتب ہوئے۔ مورخین نے علم تاریخ کی چھان بین اپنی بساط و احتیاط کے مطابق کی۔ جامعین احادیث (علیہم الرحمۃ) نے احادیث کی اس سے بھی زیادہ تحقیق اور احتیاط سے تدوین کی، کہ یہ محبوب اور ہادی کی باتیں تھیں۔ ان کی جمع و تدوین میں محبت و عقیدت کا جذبہ بھی شامل تھا۔ مزید احتیاط انہوں نے یہ کی کہ جن جن واسطوں سے کسی قول یا فعل منسوب الی الرسول کو سن لیا تھا، وہ واسطے بھی محفوظ کر لیے۔ فجزاہم اللہ احسن

[1] اب آپ کا یہ فرض ہے کہ جس طرح قرآن تمام امم اسلامیہ ... [illegible] ... چلا آتا ہے اسی طرح [illegible]
[illegible]

الجزاء لیکن احادیث کے ان مجموعوں کی چھان بین اس نہج سے کی گئی کہ جس جس راوی سے کوئی حدیث ملی تھی، اس کے متعلق حتی الامکان یہ تحقیق کرلیا گیا کہ وہ ثقہ تھا، صحیح الحفظ تھا، پرہیزگار تھا، متقی تھا، عام طور پر جھوٹ نہیں بولتا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ اب اس سلسلہ میں دیکھئے کہ کس قدر انسان راستہ میں آ گئے۔

(۱) لاکھوں رواۃ حدیث،

(۲) علماء جرح وتعدیل،

(۳) جامعین احادیث۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مجموعے تمام تر انسانی کاوش و احتیاط کے رہین منت ہیں اور ہرچند تاریخ کی دیگر کتب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں، لیکن بالآخر ہیں تو انسانی کارنامے ہی، خدا کی حفاظت کی ذمہ داری تو ان کے ساتھ نہیں۔ اب ان جامعین احادیث اور علماء جرح وتعدیل کو تنقید سے بالاتر سمجھ لینا اور ان کی ہر بات کو جوں کا توں تسلیم کرلینا، ان کو بشریت کی سطح سے اوپر لے جانا ہے۔ اور حضرات رواۃ کے متعلق خواہ وہ کتنے ہی ثقہ اور عدول ہوں، یہ عقیدہ رکھنا کہ ان سے غلط بیانی یا مفہوم کو غلط سمجھنے یا غلط ادا کرنے کا امکان ہی نہ تھا، ان کو معصوم اور منزہ عن الخطا قرار دینا ہے۔ جو صرف حضرات انبیاء کرام ہی کا حصہ ہے۔ یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جو بات کانوں کے راستے قلب تک پہنچے اور پھر قلب سے زبان کی راہ باہر آئے اس پر قلب انسانی کی رنگینی کا کچھ نہ کچھ اثر ہو جانا مستبعد نہیں اور جب یہ سلسلہ دس بیس کڑیوں تک مسلسل چلا جائے تو ظاہر ہے کہ قول اول اور قول آخر میں کس قدر انسانی قلوب کی آمیزش ہو جائیگی۔ ضروری نہیں کہ یہ آمیزش ارادۃً ہی ہو، غیر ارادی طور پر غیر محسوس طور پر اس کا اثر اس میں آجائیگا (اور آمیزش کسی نے بالارادہ کردی ہو، اس کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں) یا تو یہ ہوتا کہ قرآن کی طرح حفظ احادیث بھی باللفظ ہوتا، یعنی الفاظ رسول اللہؐ حفظ کئے جاتے یا لکھے جاتے اور بعینہٖ وہی الفاظ حرفاً حرفاً منتقل کئے جاتے، لیکن ایسا لفظی تواتر تو سوائے چند احادیث کے اور کہیں ثابت نہیں۔ تواتر معنوی میں اس فطرت انسانی کو نظر انداز کردینا فی الحقیقت ان انسانوں کو ما فوق البشر سمجھ لینا ہے اور ارباب

؎ حدیث کے لفظ سنئے انما انا بشر اخطی و اصیب میں بشر ہوں مجھ سے خطا بھی سرزد ہوتی ہے اور صواب بھی۔ ہاں تبلیغ وحی میں انبیاء کو واقعی معصوم اور منزہ عن الخطا ہونا لازم ہے (بلاغ)

جرح وتعدیل کے متعلق یہ کہدینا کہ اُنھوں نے جھوٹ اور سچ کی تمیز میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا بہت بڑا دعویٰ ہے۔ اس قسم کا علم غیب تو خود نبی اکرمؐ کو بھی نہیں دیا گیا تھا۔
اب اس قسم کے کسی مجموعہ کو جزو دین قرار دینا اور یہ کہنا کہ یہ قرآن کی طرح جوں کا توں واجب العمل ہے، دین پر بہت بڑا اضافہ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان مجموعوں کو سب "اقوال منسوب الی الرسول" ہی قرار دیتے ہیں۔ پھر ان کو ایسا سمجھتے ہوئے بھی "اقوال الرسول" کی طرح واجب الاطاعت جاننا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ قرآن سے پیشتر کی تمام کتب سماوی کو جو قرآن کریم نے ظنی اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اس کی وجہ یہی تو تھی کہ ان کی حفاظت بالالفاظ نہیں ہوئی تھی۔ اصل صحائف کے ضائع ہو جانے کے بعد ان کے جامعین نے ان صحائف کو اسی طرح سے مرتب کیا تھا جس طرح احادیث کے مجموعے ایک مدت کے بعد مرتب ہوئے۔ چنانچہ جس طرح ان میں تحریف، وضع، الحاق، ترمیم اور نسیان کی گنجائش تھی، اسی طرح احادیث کے مجموعوں میں بھی تھی، اُن میں بھی ایسا کچھ ہوا اور ان میں بھی۔ واضعین احادیث کے تذکرے خود اس پر شاہد ہیں۔ ارباب جرح وتعدیل نے جو لاکھوں حدیثوں کو غیر معتبر سمجھ کر مسترد کر دیا وہ اس کی زندہ دلیل ہے۔ اب اگر کتب سابقہ کا کوئی نسخہ یقینی طور پر ان رسولوں کا قول قرار نہیں دیا جا سکتا تو احادیث کا کوئی مجموعہ کس طرح یقینی طور پر حضورؐ کے ارشادات گرامی کا مجموعہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ اتباع حدیث میں آپ بزعم خویش اطاعت رسول کر رہے ہوتے ہیں، لیکن غور فرمائیے کہ ایک حدیث کو جزو دین ماننے کے لیے آپ کتنے انسانوں کو معصوم اور منزہ عن الخطاء ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں؟ مقلدین نے تو زیادہ سے زیادہ چار انسانوں کو منزہ عن الخطاء قرار دیا تھا مگر یہ اپنے آپ کو تقلید کے پھندے سے آزاد سمجھتے ہوئے لاکھوں انسانوں کو منزہ عن الخطاء قرار دے رہے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم آزاد ہو گئے۔

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پابگل کیا وہ آزادی جہاں یہ حال ہو آزاد کا

حقیقت یہ ہے کہ احادیث کی تنقید میں اسناد سے بڑھ کر معیار قرآنی کو اہمیت دینی چاہیے تھی ہمارے پاس قرآن ایک مستند ضابطہ دین موجود ہے، ظاہر ہے کہ نبی اکرمؐ کا کوئی ارشاد اصول قرآنی کے خلاف قطعاً نہیں ہو سکتا؟ لہذا ظنی شے کو یقینی شے سے پرکھ لیجیے۔ معاملہ طے ہو جائیگا۔ اسناد کو مدار صحت قرار دینے میں یہ خرابی ہے کہ جب آپ نے ایک سلسلہ رواۃ کے متعلق یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ثقہ ہیں تو اب جو بات بھی ان کی وساطت سے آپ تک پہنچے گی، اُسے لازمی طور پر "قول رسول" ماننا پڑیگا، خواہ اس کی حیثیت قرآنی میزان میں کچھ ہی کیوں نہ اُترے؟ حالانکہ یہ

بدیہیات میں سے ہے کہ ایک شخص کا متقی و پرہیزگار ہونا اس بات کے لئے بھی مستلزم نہیں کہ اس کی یادداشت درست ہو اور اگر یادداشت بھی درست ہو تو یہ ضروری نہیں کہ اس میں معانی و حقائق کے سمجھنے کی استعداد اور پھر انھیں اصل اسپرٹ اور موقع و محل کی فقیہانہ جزئیات کو ملحوظ رکھ کر آگے منتقل کرنے کی صلاحیت بھی بدرجہ اتم پائی جائے۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے، جسے کوئی عقیدہ جھٹلا نہیں سکتا۔ اس قسم کی روایت پرستی نے ہمیں اصل دین سے اس قدر دور پھینک دیا ہے، جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں شبہ نہیں کہ اصول حدیث میں یہ بات بھی داخل ہے کہ صحیح حدیث وہ ہے، جو اصول قرانی کے خلاف نہ ہو، لیکن احادیث کے مجموعوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قاعدہ کی رعایت میں بہت سہل انگاری برتی گئی ہے۔ اگر آج یہ اعتراض کیا جائے کہ فلاں حدیث قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف پڑتی ہے تو اس کا جواب فوراً یہ دیدیا جاتا ہے کہ یہ تمہارے فہم قرآن کا نقص ہے قرآن جیسا آئمہ متقدمین سمجھ گئے ہیں، آج کون ویسا سمجھ سکتا ہے؟ لہذا آپ کو ماننا ہوگا کہ یہ ظاہری تعارض در اصل تعارض نہیں ہے، خواہ اس کے ماننے میں آپ کی بصیرت بغاوت کرے اور خود قرآن کریم کی کھلی کھلی تعلیم اس کی تردید کر رہی ہو۔ حیرت ہے کہ جب یہی دلیل اہل فقہ، فقہ کے وجوب میں لائیں تو یہ پائے چوبیں قرار دیجائے، لیکن جب اپنے دعوے کا اثبات مقصود ہو تو اس کو حصن حصین سمجھ لیا جائے۔ چونکہ آج ہمارا دین یا تو وہ ہے جو تقلید کے راستے سے آیا ہے یا وہ جو روایات کے ذریعے سے پہنچا ہے، اس لیے آج جو دین سے عام بغاوت نظر آرہی ہے (مقلدین مغرب کا میں ذکر نہیں کر رہا، ان کے علاوہ بھی) وہ ہونی ضروری تھی، اور میرا تو خیال یہ ہے کہ جس طرح مقلدین حضرات بعض فقہی مجبوریوں کے وقت ادہر اُدہر کے راستے تلاش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اسی طرح روایات کے پابند حضرات پر بھی کبھی نہ کبھی ایسی حالت ضرور آجاتی ہوگی کہ جس چیز کے صحیح ماننے پر ان کی بصیرت دلالت نہ کرتی ہو (بشرطیکہ وہ فہم قرآن پر مبنی ہو) وہ اپنے آپ کو اسے صحیح ماننے پر طوعاً و کرہاً مجبور کرتے ہوں کہ ایسا نہ کرنے سے انھیں ہزار ہا ایسے انسانوں کو الزام ماننا پڑتا ہے جنہیں وہ اپنی عقیدت کی رو سے بالاتر از انسان سمجھے بیٹھے ہیں، حالانکہ اگر یہ حضرات اتنی سی بات سمجھ لیں کہ قرآن یقینی ہے اور اس کے ماسوا ہمارے دیگر ذرائع علم ظنی، تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ یقین کو چھوڑ کر ظن کا اتباع کسی طور پر بھی جائز نہیں ہوسکتا۔

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۔ ۱۰/۳۶	ان میں سے اکثر ظن کا اتباع کرتے ہیں، حالانکہ ظن انسان کو حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا، اور

اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

روایات پرستی (بلکہ رواۃ پرستی) کے مظاہرے کی ہمارے سامنے دو اہم شہادتیں، یعنی سنی اور شیعہ جماعتوں کا وجود ہے۔ سنی حضرات کے مجموعے اپنے ہیں اور ان کا سلسلۂ روایت تابعین و صحابہ (علیہم الرحمۃ) تک پہنچتا ہے۔ جو تعلیم ان مجموعوں میں جناب نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، اس سے بہت ہی مختلف تعلیم احادیث کے اُن مجموعوں میں ہے جو شیعہ حضرات کے پاس ہیں اور جن کا سلسلۂ روایت بھی اسی طرح تابعین و صحابہ (علیہم الرحمۃ) تک پہنچتا ہے۔ اب یہ حضرات (کم از کم سنی حضرات) تو یہ تصور میں بھی نہیں لا سکتے کہ جو بزرگان دین ان احادیث کے راوی ہیں جو شیعہ حضرات کے مجموعوں میں ہیں، وہ (نعوذ باللہ) سب جھوٹے اور غیر معتبر تھے۔ ان کو بھی لا محالہ ثقہ ماننا پڑیگا۔ اب صورت معاملہ یوں ہوئی کہ ثقہ رواۃ کی جماعت سے وہ احادیث اُمت کو ملیں، جو سنی حضرات کے ہاں صحیح ہیں اور ثقہ رواۃ ہی کی ایک دوسری جماعت سے وہ احادیث ملیں جو شیعہ حضرات کے ہاں صحیح ہیں اور دونوں آپس میں ٹھہریں متناقض۔ رواۃ کی جہت سے احادیث پرکھنے کے اصول پر آپ کو لازماً ان دونوں قسم کی احادیث کو اقوال رسولؐ ماننا پڑے گا اور یہ دونوں مجموعے واجب الاتباع ہو جائیں گے۔ اب فرمائیے کہ احادیث کو دینی حجت (یقینی شے) نہ ماننے والوں کے خلاف آپ جو معصیت رسول کا الزام عائد کرتے ہیں، اگر وہی اعتراض شیعہ حضرات آپ پر وارد کریں (اور وہ ایسے اعتراضات اکثر و بیشتر کرتے رہے ہیں) تو آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ احادیث کو قرآن کریم کے معیار پر جانچ لیجئے۔ یہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ اگر کسی راوی کے ثقہ ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ ارباب جرح و تعدیل یا جامعین احادیث کا ہم مسلک بھی ہو، تو یہ تو صاف پارٹی بازی ہے۔ انصاف نہیں ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جو جماعت آپ کی ہم مسلک نہ ہو، اس میں سب کے سب جھوٹے اور غیر معتبر ہی ہوں؟ باقی رہی معصیت رسول، سو اگر آج کوئی بات ثابت ہو جائے کہ وہ حضورؐ کا ارشاد ہے تو پھر اسے جو دین نہ مانے اس کو دین سے کیا علاقہ کہ یہ وہ معصیت رسول ہے جس کی سزا ابدی جہنم [1] ہے۔

---

[1] رسول کی زبان سے دو قسم کی باتیں نکلتی ہیں (۱) وحی، اور وہ صرف قرآن ہے۔ اس کا انکار خدا کا انکار ہے اور ابدی جہنم کو مستلزم ہے (۲) غیر وحی، اس کی پھر دو قسمیں ہیں (ا) حاکمانہ۔ اس کا انکار بغاوت اور دنیا و آخرت میں عذاب و رسوائی کا موجب ہے لیکن یہ اطاعت رسول کے بعد خلفاء میں منتقل ہو جائیگی قرآن کی طرح دائمی نہ رہیگی (ب) غیر حاکمانہ، اس کا انکار حیات رسول میں کئی مردوں عورتوں (از زید بریرہ (وغیرہ) نے کیا اور ابدی جہنم کے سزاوار نہ ہوئے بلکہ اُن کے اسلام میں بھی کچھ فرق نہ آیا۔ فافہم (بلاغ)

پھر ایک چیز اور بھی ہے۔ یہ تو سب کو تسلیم ہے کہ حضورؐ کے بعض ارشادات بہ منصب رسالت ہوتے تھے اور بعض بالکل ذاتی حیثیت سے۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں اُلجھنا چاہتا کہ یہ ایک کھُلی ہوئی حقیقت ہے، اور اس کی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ احادیث کے موجودہ مجموعوں میں جس قدر حضورؐ کے اقوال و اعمال درج ہیں ان میں یہ تخصیص تو کہیں نہیں کی گئی کہ حضورؐ نے کس حیثیت سے ایسا کیا یا ایسا فرمایا اور اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ اُمت کے لیے اطاعت اسی کی واجب ہے، جو حضورؐ نے بہ منصب رسالت فرمایا ہو۔ ذاتی حیثیت کے متعلق تو خود حضورؐ کے ارشادات موجود ہیں کہ وہ واجب الاتباع نہیں۔ اب ہم ان احادیث میں سے کسے واجب الاتباع قرار دیں اور کسے نہ قرار دیں؟ ظاہر ہے کہ جس چیز کا پہلے قول رسولؐ ہونا ہی ظنّی ہو، اور پھر یہ بھی یقینی نہ ہو کہ اسے حضورؐ نے کس حیثیت سے فرمایا تھا، اسے دین قرار دیدینا کسقدر زیادتی ہے مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ کا اطلاق اگر عمومی بھی مان لیا جائے، تو بھی احادیث کے مجموعے تو اس ذیل میں آتے ہی نہیں، کیونکہ یہ مجموعے تو رسول اللہؐ نے ہم کو نہیں دیئے۔ رسولؐ اور اُمت کے درمیان اس باب میں تو لاکھوں متفرق انسان آگئے ہیں۔ اور پھر یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ لاکھوں حدیثوں کو یہ کہہکر مسترد کردیں کہ وہ اقوال رسولؐ نہیں ہو سکتیں، تو آج اُمت سے یہ حق کیوں چھن گیا کہ وہ امام بخاریؒ یا دیگر ائمہ احادیث کے مجموعوں کو بھی پرکھ سکیں؟ اگر آج بھی ان مجموعوں کو قرآن کریم کی روشنی میں پرکھ کر ایک الگ مجموعہ تیار کرلیا جائے تو ہر چند وہ بھی یقینی تو نہیں ہو سکیگا، لیکن اس میں ایسی باتیں تو نہ ہونگی، جنہیں رسول اللہ کی طرف منسوب کرنے کی قرآن اجازت نہ دے اور جن سے انسانی بصیرت اباء کرے۔ چونکہ یہ مجموعہ پھر تنقید سے بالاتر نہیں ہو سکتا، اسلیے ممکن ہے کہ آنیوالے زمانہ میں جوں جوں فہم قرآن بڑھتا چلا جائے، یہ مجموعہ اور مہذب ہوتا چلا جائے۔

لیکن سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ان حضرات کی خدمت میں جب کبھی ایسی بات پیش کیجیئے، وہ عوام کے جذبات کو فوراً یہ کہہکر مشتعل کردیتے ہیں کہ لو بھئی، دیکھو! یہ کہتا ہے کہ (نعوذ باللہ)، سب صحابہ رضؓ جھوٹے تھے اور رسول اللہ کی سب باتیں (نعوذ باللہ)، رطب و یابس ہیں۔ توبہ توبہ استغفر اللہ! اتنا کہہکر وہ خوش ہوجاتے ہیں کہ بس اب خدائی فوج ان ملاحدہ و زنادیق کو زندہ نہ چھوڑے گی، لیکن وہ یقین مانیں کہ ان "ملاحدہ و زنادقہ" کے استیصال کے بعد بھی قرآن زندہ رہیگا اور ہر اس چیز کو مٹا کر چھوڑے گا جو اس کے خلاف پڑے گی، خواہ اسے آپ ائمہ سلف کی طرف منسوب کردیجیے خواہ خود نبی اکرمؐ کی ذات مقدس کی طرف اور اس کے بعد یا تو قرآن باقی رہیگا یا عمل متواتر (اسوۂ حسنہ) جو یقینی دین ہے۔ لہٰذا ڈرنا چاہیے اس وقت سے جب یہ پوچھا جائے گا کہ کیا تمہارے پاس میزان کے یہ دو پلڑے موجود نہ تھے کہ تم حق و باطل

شانِ محمدؐ

(اسلامیہ کالج امرتسر کے نعتیہ مشاعرہ منعقدہ ۲۹ ۵/۳۷ میں پڑھی گئی۔ (عرشی)

میں نے دیکھا حلقۂ انوار میں — جادہ پیما عالمِ اسرار میں
پیرِ رومی واقفِ سرِ حضور — سالکِ منزلگہِ دنیائے نور
عرض کی میں نے کہ اے فرخندہ خو — حرفے از شانِ محمدؐ باز گو
آہ کھینچی اور بچشمِ اشکبار — یوں کہا گوش دلت نزدیک آر!

"نیست[1] ترکیبِ محمدؐ لحم و پوست
گرچہ در ترکیب ہر تن جنس اوست"

جسم ہے لیکن سراسر نورِ جاں — ذی بصر کو بے نشانی کا نشاں

"گوشت[2] دارد، پوست دارد، استخواں
ہیچ آں ترکیب را باشد ہماں؟"

عزت و اوج و کمالِ کائنات — گیتیؔ مژدہ بہ بارانِ حیات

کاندراں[3] ترکیب باشد معجزات
کہ ہمہ ترکیب ہا گشتند مات

---

[1] حقیقتِ محمدیہ گوشت پوست سے مرکب نہیں ہے اگرچہ بشری حیثیت سے تمام اشخاص آنحضرتؐ کے ہم جنس ہیں۔

[2] آپ کا جسم بے شک گوشت، پوست اور ہڈیوں سے بنایا گیا ہے، لیکن انہی اجزا کی ترکیب سے

نقش باقی اور فانی کی جبیں! دیکھ فیضِ سعیِ ختم المرسلیں!

"چند بُت بشکست احمد در جہاں (۲)
تاکہ یارب گوئے گشتند اُمتاں"

ہے پُرسانِ شانِ احمدی اپنی ہستی کو بھی دیکھا ہے کبھی؟

"گر نبودے کوششِ احمدؐ تو ہم (۵)
مے پرستیدی چو اجدادت صنم"

کل جو دل تھا خشت و گِل کا مجو آج ہے وہ منزلِ "اللہ"

"آں سرت وارست از سجدہ بتاں (۶)
تا بدانی حق اُو بر اُمتاں"

سال و مہ، لیل و نہار و صبح و شام صد دعا و صد درود و صد سلام

"گر توانی شکرِ زیں رستن، بگو! (۷)
کز بتِ باطن ہمت برہاند او"

حاشیہ: (۱) کوئی دوسرا محمدؐ ہو تو دکھاؤ! (۲) حقیقت یہ ہے کہ آپکی بعثت و نبوت کاملہ میں تصرفات الٰہیہ کا اہم دخل ہے باقی تمام نبوتیں اور بعثتیں اپنی ناتمامی کا اعتراف کر رہی ہیں (۴) احمدؐ کی مقامی بُت شکنی کا نیا اثر ہے کہ عالم انسانیت کا اکثر حصہ بت پرستا توحید بن گیا (غیر مسلم جماعتیں بھی اپنی اپنی کتاب سے توحید کی تلاش میں سرگرم ہو گئیں) (۵) اگر آنحضرتؐ کی مبارک کوششیں نہ ہوتیں تو اے مسلمانو تم اپنے آباد و اجداد کی طرح بُت پرست ہی ہوتے (۶) آنحضرتؐ نے تمہارے سروں کو بتوں کے سامنے جھکنے سے نجات دلائی، اُمت پر آپ کا یہ حق ثابت ہے (۷) اگر تم سے ہو سکے تو آپ کی اس سعیٔ جمیل کا شکر گزاری سے اعتراف کرو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی تعلیمات سے تم اپنے اندر کے بت سے بھی نجات حاصل کر لوگے

کی مدد کے لئے اس کے ساتھ تمام نوع انسان کی خاطر اپنے علوم دین کا ایک معین و مشخص کورس جو ہمیشہ تک بے غلط، بے بدل اور محفوظ ہو، نہیں دے سکتا؟

اگر الٰہی کتابیں سب کی سب قابل تنسیخ ہوں، تو وہ ضرور دیر یا سویر ناقابل تسلیم و تعمیل بنتی جائینگی اور اس طرح اُن میں سے کوئی بھی علمی و عقلی تحقیقات کی صحیح بنیاد بننے کے قابل نہیں ہوگی۔ قابل ردّ و بدل کتاب سے صحیح نتائج ہرگز ہرگز نہیں نکالے جا سکتے۔ پس ایک کتاب کا ناقابل تنسیخ ہونا بھی لازم ہے۔ اسی کا لانے والا خاتم النبیین ہے۔

دنیا بھر کے دانا یہ چاہتے ہیں کہ تمام نوع انسان کے لئے ایک ریشنل (عقلی) دین تجویز کریں، لیکن وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ یہ کام خود خدا تعالےٰ نے بذریعہ قرآن حکیم ان سے بہتر و اکمل طور پر کر دیا ہوا ہے۔

دنیا کے علم دوست اصحاب تو صرف ایک ریشنل دین کے خواہاں ہیں، مگر افسوس ہے کہ اس روشنی کے زمانہ میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جن کے نزدیک خود خدا تعالےٰ بھی یہ کام نہیں کر سکتا۔ ان کے نزدیک خدائی کتابیں ہمیشہ قابل تنسیخ ہی ہوتی ہیں اور کل نوع انسان کو بھی کبھی کوئی ایسی کتاب نہیں دیجا سکتی، جو علمی اور عقلی تحقیقات کے لئے صحیح بنیاد قرار پا سکے اور جس پر تمام نوع انسان مطمئن ہو کر متحد ہو سکے۔ یہ لوگ اپنی ایک کتاب البیان[۱] کو تو تھوڑے ہی سالوں میں منسوخ کر چکے ہیں، اب ان کی کتاب اقدس[۲] بھی دیر سویر اپنے کسی جانشین کی منتظر ہے۔ اسی غلط اعتقاد کی وجہ سے یہ لوگ خاتم النبیین کے منکر ہیں۔ ان کی بنیاد گرنے والے کنارے پر ہے۔

جو لوگ چاہتے ہیں کہ اپنی بنیاد مضبوط چٹان پر رکھیں وہ قرآن عزیز کی طرف آئیں لیکن جو لوگ اپنی بنیاد کھسکنے والی ریگ پر رکھنی چاہتے ہیں، وہ بابیوں اور بہائیوں کی طرف جائیں۔

برادران! خدا تعالےٰ نے انسانی فطرت سچے دین کے مطابق بنائی ہے۔ انسانی فطرت بدلنے والی چیز نہیں۔ یہ کبھی دو اور دو کو تین یا پانچ سمجھنے والی نہیں ہوگی۔ حق ہمیشہ حق ہے اور باطل ہمیشہ باطل ہے۔ قرآن حکیم اسی بے بدل دین کو تمام اختلافات سے نکال کر عقل

---

[۱] محمد علی باب کی پیش کردہ کتاب۔

[۲] بہاء اللہ کی پیش کردہ کتاب۔

انسانی کے بلوغ کے وقت کل نوع انسان کے لئے لایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۳۱	پس تو مائل بحق ہو کر (اصل) دین کی طرف اپنی توجہ سیدھی کر (یعنی لازم پکڑ) خدا کی اس ساخت کو جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے خدا کی پیدائش کے لئے کوئی تبدیلی نہیں۔

یہی دین قیم ہے، لیکن اکثر آدمی علم نہیں رکھتے"۔

حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دینی علوم کے ایک ایسے کورس کے ملنے کی ضرورت ہے، جو اصل حق ہونے کے سبب ناقابل ترمیم و تنسیخ ہو اور جو اختلافات کے وقت حَکَم بن سکے۔ اس کورس کا ذمہ الٰہی کے ماتحت محفوظ اور غیر مخلوط ہونا بھی ضروری ہے۔

یہ کورس دنیا کو بتدریج سکھایا گیا ہے۔ کبھی اجمالی رنگ میں، کبھی زیادہ تفصیل ساتھ، اور پھر کبھی مکمل کر کے کل نوع انسان کو دیا گیا ہے۔ اس کی کوئی بات ایک دفعہ سکھلائی جا کر پھر کبھی منسوخ نہیں کی گئی۔ منسوخ ہونے والی باتیں بدلنے والی قومیتوں کے خصوصیات ہوتے ہیں، یا وہ بوجھ ہوا کرتے ہیں، جو کسی قوم پر ان کی سزادہی کے لئے ڈالے جاتے ہیں، تاکہ ان کو سبق دیا جائے کہ یہ باتیں نبھنے والی نہیں، لیکن اصل حق کبھی منسوخ ہونے کی قابلیت ہی نہیں رکھتا۔

اس کورس کا اپنے تفصیلی رنگ میں پہلے ہی انسانوں کو پورا پورا دے دینا حکمت الٰہی کے خلاف ہے اور چونکہ یہ کورس اپنی حقیقت کے لحاظ سے معین و مشخص ہے، اسلئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے مناسب وقت تک لوگوں کو پورا پورا پہنچ بھی جائے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کورس کا پوری تفصیل کے ساتھ شروع دنیا میں ہی دیا جانا کیوں حکمت الٰہی کے برخلاف ہے؟ اس کے ثبوت میں چند دلائل درج ذیل ہیں:-

اوّل: یہ بات سورج کی طرح ظاہر ہے کہ وید مقدس کی زبان قرآن کریم کے نزول سے بہت پہلے مر چکی تھی اور باوجود عرصہ دراز کے گذر جانے کے اس کی اشاعت ہندوستان کے باہر تو کبھی ہوئی ہی نہیں، بلکہ کسی دوسرے ملک میں اس کا ترجمہ تک نہیں پہنچا اور نہ اسے اس قابل ہی سمجھا گیا کہ اس کا ترجمہ کر کے ہی کسی کے آگے پیش کیا جائے، حالانکہ دعوے یہ کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب شروع دنیا میں ہی کل نوع انسان کے لئے مقصود تھی۔

اسی طرح دوسری مدعئے الہام کتابوں کی بولیاں بھی مردہ ہو چکی تھیں۔ بولیوں کا مرُ
زنا تو علیحدہ رہا حضرت مسیح علیہ السلام کی اپنی بولی والی انجیل تو دنیا میں موجود ہی نہیں
ہی تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی اپنی بولی کے وہ الفاظ تھے جو سخت مصیبت کے وقت
بے اختیار اُن کی زبان سے نکل گئے تھے۔ وہ لفظ یہ تھے

ایلی ایلی لما سبقتانی

اس بیان سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ نزول قرآن سے قبل زمانوں کی الہامی کتابوں کی بولیاں بھی مردہ ہو جائیں۔ اندریں صورت کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کتاب عزیز جس کو اس کی اصلیت کے لحاظ سے کل نوع انسان کو پہنچانا مقصود الٰہی تھا، ایسے زمانوں میں نازل کرنی مناسب تھی، جن کے متعلق اس احکم الحاکمین کا ارادہ وہ تھا جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔

دوم:- انسانوں کے پیدا ہونے کے بعد بولیاں بننی شروع ہوئیں۔ پھر فن تحریر بہت پیچھے ایجاد ہوا۔ فن تحریر پہلے پہل تصویری[1] رنگ میں تھا۔ فن تحریر کے مکمل ہونے کے بعد افسانہ نویسی کا زور ہوا اور افسانوں کے بعد تاریخی زمانہ آیا۔ فن تحریر سے پہلے جو تعلیم دنیا میں آئی ہوگی وہ ضرور ہے کہ زبانی روایات کی صورت میں ہو۔ ان حالات میں فن تحریر و فن تاریخ کے جاری ہونے سے پہلے کی تعلیم و کتب کے بحفاظت پہنچنے پر کوئی دلیل قائم نہیں کی جا سکتی

آریہ صاحبان کہتے ہیں کہ وید مقدس کے الہام کو قریباً دو ارب سال کا لمبا زمانہ گذرا ہے۔ لیکن بقول ان کے وید قید تحریر میں صرف چار یا پانچ ہزار سال سے لائے گئے ہیں۔ اندریں صورت کون کہہ سکتا ہے کہ احاطہ تحریر میں آنے سے پہلے ان میں کچھ تغیر و تبدل نہیں واقع ہوا؟

تعلیم اگرچہ بالکل معقول ہو، مگر اس کو یقینی بنیاد تحقیقات بنانے کے لئے وحی الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کی شہادت اور تصدیق کی ضرورت ہے۔ کسی بات کا نرا معقول ہونا اس کو وحی نہیں بنا دیتا جب تک اس کے ساتھ تصدیق و شہادت الٰہی بھی موجود نہ ہو۔ اگر وحی کی ضرورت نہیں، تو یہ سب جھگڑے فضول ہیں۔ اور اگر وحی الٰہی کی ضرورت ہے تو کسی بات کی معقولیت کے ساتھ اس کے محفوظ اور غیر مخلوط وحی الٰہی ہونے کا علم بھی لازم ہے۔ لیکن یہ بات سورج کی طرح ظاہر ہے کہ جو وحی الٰہی زمانہائے دراز تک زبانی روایات کی صورت میں ہی رہی

[1] یعنی حروف کی بجائے اشیاء کی تصویروں سے کام لیا جاتا تھا

ہو، اس کے محفوظ و غیر مخلوط ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ جو وحی الٰہی کل نوع انسان کے لئے مقصود ہو، اس کا تحریر و تاریخ کے زمانوں سے پہلے نازل کرنا بلاشبہ حکمت الٰہی کے خلاف ہے۔

قرآن مجید اپنے وقت کی عینی تاریخ ہے۔ یہ ہمیشہ حفظ کیا جاتا اور لکھا جاتا رہا ہے۔ پھر قرآن مجید بہت جلد دور دور کے ملکوں میں پہنچ گیا اور سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ قرآن عزیز تمام مدعیے الہام کتابوں میں سے سب سے پہلی کتاب ہے جو اپنے بلاواسطہ دیکھنے والوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی آج تک دنیا میں موجود[۵] ہے اور اس میں وہ تمام مناقشے، اور مباحثے اور اعتراض بمعہ جوابات کے درج ہیں، جو اس وقت کئے جانے ممکن تھے۔ کوئی مقابلہ و اعتراض پردۂ خفا میں نہیں رکھا گیا اور یہ ظاہر ہے کہ موقعہ کی صفائی سے بڑھ کر کوئی صفائی نہیں ہو سکتی۔

پھر اس قرآن میں پہلے ہی دن سے یہ فرمان الٰہی لکھا ہوا چلا آتا ہے کہ یہ کتاب عزیز ہے اس میں باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ اس کے پیچھے سے ہی آسکتا ہے اور فرمایا کہ اس ذکر کو ہم نے ہی اُتارا ہے اور ہم خود ہی بالضرور اس کے حافظ ہیں۔

سوم:۔ پہلے انسان (عراق کہو یا تبت) ایک خاص علاقہ میں پیدا ہوئے تھے۔ جب ان کی ترقی ہوئی اور وہ جگہ اور اس جگہ کی پیداوار ان کے لئے کافی نہ ٹھہری، تو ان میں اپنی بقا کے لئے لڑائی جھگڑے پیدا ہوئے۔ غالبوں کے ہاتھ سے مغلوبوں کو بھاگ کر کسی اور جگہ پناہ لینی پڑی۔ اس طرح نئے نئے علاقے آباد ہوتے گئے، چونکہ قومیں لڑائی جھگڑوں کے ذریعہ سے جدا ہوئی تھیں، اسلئے وہ ایک دوسرے کے ساتھ اپنے دلوں میں کدورتیں اور کینے رکھتے تھے اور ایک دوسرے کو ملیچھ، چنڈال اور راکشش کہتے تھے ان میں لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں، اور میل جول کے تمام راستے بند تھے۔ ان زمانوں میں جدائی کے محرکات کا زور تھا۔ ایسے تفریق کے زمانہ میں دین کی عام اشاعت نہیں ہو سکتی تھی۔ بجائے اشاعت کے غالب لوگ مغلوبوں کی کتابوں کو جلا دیا کرتے تھے۔ وید مقدس کی ۱۱۲۷ شاکھاؤں میں سے کتنی موجود ہیں؟ صحف ابراہیم علیہ السلام کہاں ہیں؟ صحف

[۵] لندن میوزیم میں ابتک وہ قرآن موجود ہے جس کی تلاوت کرتے ہوئے حضرت عثمان شہید ہوئے۔ ہمارے پیش نظر قرآنی نسخوں میں اور اس میں ایک حرف کا فرق نہیں۔

ؑ اور دیگر انبیاء کی کتابوں کا جو حال ہوا اُن کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔
پھر جن زمانوں میں برہمن، چھتری، ویش، شودر کی تقسیم ضروری سمجھی جاتی تھی اور
کا دھرم الگ الگ قرار دیا جاتا تھا اسوقت لوگ انسانی حریت و مساوات کے سبق
مراحل دُور تھے۔
المختصر جب دنیا آباد ہو گئی اور تلخ تجربوں سے عقل حاصل کر لی گئی اور ایک گھر بننے
ریب پہنچ گئی، تو اسوقت ان متفرقین (بچھڑے ہوؤں) کو ایک بنانے والا دینی علوم
ں کورس نازل کیا گیا اور اس کے لئے یہی وقت مناسب تھا۔
چھارم:۔ تمام علوم میں ان کی تدوین تک، تمام انتظاموں میں اپنے مناسب ڈھانچ
ے تک اور تمام کائنات میں اپنے بالغ و معتدل ہونے تک جلد جلد تغیرات ہوتے رہتے
۔ پھر ایک حالت پر پہنچکر وہ اپنا کام پورے طور پر بجالانے لگتے ہیں۔ بچپن یعنی نشوو
کے وقت میں ذرا ذرا بات کے لئے سرپرستی کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن جب وہ بچے
و بالغ ہو جاتے ہیں، تو بہت سے کام خود ان پر بھی چھوڑے جاتے ہیں۔
اور یہ ظاہر ہے کہ جب دینی علوم کا مکمل کورس آجائے، تو چونکہ وہ بے بدل ہے
ں لیے ضرور ہے کہ وہ اصولی تعلیم دے اور ان اصولوں کے ایسے نمونے پیش کرے
ہمیشہ تک مفید اور سبق آموز ہوں۔ پس وہ کورس جزوی و فروعی اختلافات کو
ضرور عقل انسانی پر ہی چھوڑ دیگا۔ اندریں صورت لازم ہے کہ وہ کورس عقل،
بلوغ کے وقت ہی مکمل طور پر ملے۔ سو الحمدللہ کہ وہ کتاب جس کے ساتھ جاہلیت اولی
اختتام ہوا، وہ صرف قرآن مجید ہی ہے۔
لیکن اگر وہ کورس تمام جزوی و فروعی اختلافات کا فیصلہ بھی اپنے ہی ہاتھ میں
لے، تو ایک تو عقل انسانی کو نکما بنا دیگا اور دوسرے وہ کورس اتنا بڑا بن جائیگا
ل دنیا میں بھی نہیں سما سکے گا۔ خدا تعالےٰ کے کلمات اس قدر بیشمار ہیں کہ اگر تمام
ندر سیاہی ہو جائیں، اور تمام درختوں کی قلمیں بنائی جائیں، تو بھی کلمات الٰہی ختم نہیں
سکتے۔
پنجم: چونکہ وہ علوم دینی کا کورس انسانوں کے اختلافات کو مٹانے والا اور
واعتزمات کو دور کرنیوالا ہوگا اس لئے لازم ہے کہ وہ کورس مکمل صورت میں

ئے جب کہ دنیا میں مذہبی اختلافات موجود ہوں اور دین کے متعلق اعتراضات کافی طور پر پیدا ہو گئے ہوں، تاکہ وہ علمی طور پر ان اعتراضات کا جواب دے سکے۔ نزول قرآن کے بعد اعتراضات نئے نئے بہروپ تو دھار سکتے ہیں، لیکن حقیقت کے لحاظ سے کوئی ایسا نیا اعتراض دین کے متعلق نہیں پیدا کیا جا سکتا، جس کا جواب قرآن مجید سے نہ نکل سکتا ہو۔ یہ صرف قرآن مجید ہی ہے جس نے اختلافات کو مٹانے اور اعتراضات کا جواب دینے میں علمی و عقلی بحثیں کی ہیں۔ کوئی مدعیے الہام کتاب اس بات میں قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ششم:۔ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کی پیدائش کے شروع میں جس انسان یا انسانوں کو پیدا کیا، ان میں یہ قابلیت و استعداد بھی پیدا کی تھی کہ خدا تعالیٰ ان سے ہمکلام ہو سکے۔ موجودہ زمانہ کے انسان بھی انہی پہلے لوگوں کی اولاد ہیں اور اسلئے وہی قابلیات و استعدادات ان میں بھی ہونی لازم ہیں۔ اگر اسوقت آدمیوں میں خدا تعالیٰ کے مکالمہ کا شرف پانے کی قابلیت و استعداد نہیں ہے، تو لازم ہے کہ یہ شرف پہلے انسانوں کو بھی نہ ملا ہو۔

کہ یہ صاحبان فرماتے ہیں کہ یہ شرف خاص نیک اعمال کی وجہ سے پہلے لوگوں کو ملتا ہے لیکن کیا وہ یہ بھی بتلا سکتے ہیں کہ وہ کون سے خاص نیک اعمال ہیں، جو اسوقت نہیں کیے جا سکتے ہیں اور اگر وہ نیک اعمال ہر وقت کیے جا سکتے ہیں، تو پھر ان کا نتیجہ یعنی الہامی پیدائش کا ملنا کیوں اسوقت نہیں حاصل ہوتا؟ اگر الہام نیک اعمال کا ہی نتیجہ ہے، تو کسی خاص وقت کے ساتھ محدود نہیں کیا جا سکتا اور صرف چار ہی رشیوں پر بند نہیں ہو سکتا

حاصل یہ ہے کہ الہام پہلے لوگوں کو بھی ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے۔

انسان کے لئے یہ ایک بڑا بھاری شرف ہے کہ اس کا مالک اس سے ہمکلام ہو، اس سے استقامت میں ترقی ملتی ہے، اطمینان قلبی حاصل ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے وجود پر ایک اور دلیل قائم ہو جاتی ہے۔

اگر یہ مانا جائے کہ دنیا کے شروع میں صرف ایک دفعہ الہام ہو کر پھر ہمیشہ کے لئے اس کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے، تو ہمارے لئے پہلی دفعہ کے الہام کے بھی سچ مچ واقع ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی، بلکہ تمام انسانوں میں مطلقاً الہام کا نہ پایا جانا اس بات کی دلیل ہوگی کہ پہلے بھی کوئی الہام نہیں ہوا۔

دنیا میں بیشمار آدمیوں نے الہام کے دعوے کئے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض جھوٹ بولنے والے بھی ہوں، لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ سب کے سب خدا تعالےٰ کا پختہ ایمان دکھلاتے ہوئے اپنی مشاہدہ کی ہوئی قلبی واردات کے بیان کرنے میں سرتا پا جھوٹ بول رہے ہوں۔

علاوہ بریں دنیا میں شاذ و نادر ہی اشخاص ہوں گے، جنہوں نے اپنی تمام مدت العمر میں کوئی نہ کوئی ایسا خواب نہ دیکھا ہو، جس نے حرف بحرف پورا ہوکر یہ نہ ثابت کردیا ہو کہ میں عالم الغیب خدا تعالےٰ کی طرف سے ہوں۔ خدا تعالےٰ کے تصرف پیچھے ہی نہیں رہ گئے بلکہ اب بھی وہ مناسب طور پر برابر تصرف کرتا ہے۔

ان تمام اشارات کے بعد اس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ الہام الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے۔

اندریں حالات اس تکلف کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ خدا تعالےٰ بےضرورت پہلے ہی دن اپنے علوم دینی کا مکمل کورس سارے کا سارا ہی ایسے لوگوں کو دیدیتا ہے، جو اس سے کچھ فائدہ بھی حاصل نہیں کرسکتے۔

برادران! وید منتروں کے مختلف مجموعوں پر مختلف رشیوں کے نام دیے گئے ہیں یہ رشی شروع دنیا میں نہیں پیدا ہوئے تھے، بلکہ بہت پچھلے لوگوں میں سے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ ان منتروں کے بنانے والے ہیں، اسلیے کہ کئی جگہ انہی رشیوں کے نام خود وید منتروں کے مقطع میں بھی درج ہیں۔ اگر ایک غزل پر غالب کا نام لکھا ہو اور اس کے مقطع کے شعر میں بھی غالب کا نام موجود ہو تو کون شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ غزل غالب کی بنائی ہوئی نہیں؟ لیکن آریہ صاحبان فرماتے ہیں کہ اوپر جو غالب کا نام لکھا ہے، وہ غالب شاعر ہی ہے جس نے اس غزل کے معنی سمجھے تھے اور اصل متن میں جو غالب کا لفظ آیا ہے اس کے معنی ہیں غلبہ پانے والا۔ پس یہ غزل پہلے انسانوں کو سکھائی گئی تھی۔ غالب نے تو پہلے پہل مراقبہ کرکے اس کے معنی سمجھے تھے۔

اچھا اگر یہی بات ہے، تو ان تمام منتروں میں سے کسی کے معنی بھی پہلے لوگوں کو معلوم نہ تھے، کیونکہ منتروں کے معنی جاننے والے رشی سب کے سب پیچھے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ اب بتائیے کہ ایسی حالت میں پہلے لوگوں کو ایسے منتروں کے سننے سے کیا حاصل ہوا؟

پہلے انسان بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ ان کے اصول اور چاروں اطراف میں سے کوئی نہ تھا۔ نہ ان کے بہن بھائی تھے، نہ ان کا کوئی دادا نانا تھا اور نہ وہ چچے ماموں ہی رکھتے تھے۔ پس ان کو ان رشتہ داروں کے متعلق کیسے کوئی حکم دیا جا سکتا تھا ان لوگوں کو کسی کل یا اُڑن کھٹولے کے بنانے کا طریقہ سکھانے کے بغیر ہی کہدینا کہ یہ کرو اور وہ کرو، بالکل بے معنی بات ہے۔

وہ ابھیشک یعنی رسوم تخت نشینی کو کیا جانتے تھے؟ اُنھوں نے گنگا جمنا کے مقام اتصال کو کب تیرتھ بنایا تھا؟ اُنھیں اسوقت انار یہ اقوام اور ملیچھوں اور چنڈا اور راکشسوں اور شودروں کا کیا علم تھا؟ اس وقت ان کے آگے نیوگ، بدمعاشیوا ڈاکہ زنیوں، قزاقیوں، اور لڑائی کے داؤں پیچوں اور چال بازیوں کا ذکر کرنا مستوں کو سرود سنانے کا مصداق تھا۔

آریہ صاحبان فرماتے ہیں کہ وید مقدس دنیا میں سب سے پہلے آدمیوں کو ملے تھے، لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ وید میں آریوں کے پہلے بزرگوں کا اور دیگر غیر اقوام کا بیان ہے۔ مگر وید تبت میں پہلے آدمیوں کو ملے ہوتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خود تبت ہی وید منتروں سے خالی ہوتا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صرف ہندوستان میں آنے والے آریہ ہی تمام وید منتروں کو اپنے ساتھ لے آتے اور چاروں ویدوں کے مالک بنتے؟ لیکن دوسرے ملکوں میں جانے والے آریوں میں سے کوئی ایک بھی وید کو اپنے ساتھ نہ لیجاتا؟ آریہ قوموں میں عناصر پرستی اور دیوتا پرستی کا تو ضرور اشتراک ہے، لیکن اصل وید منتروں کا ذرہ برابر بھی اشتراک نہیں

ویدوں میں ان وقتوں کا بیان ہے جب کہ آریہ ہندوستان کے اصلی باشندوں کو مغلوب کر رہے تھے۔ ویدوں میں تبت کے نہیں، بلکہ ہندوستان کے موسموں کا ذکر ہے اور شمالی ہند کی گرمی، سردی اور برسات کے لحاظ سے ہی مہینوں کا تقرر ہوا ہے۔ ویدوں میں بھی تیرتھ ہند کے ہی ہیں نہ تبت کے۔

ویدوں میں حسب فرمان سوامی دیانند صاحب مقلوب الفاظ بھی ہیں۔ مقلوب الفاظ لوگوں میں کثرت استعمال کے باعث بطور غلط العام کے جاری ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وید مقدس اُس زمانہ کے ہیں، جب کہ لوگوں میں مقلوب اور غلط العام الفاظ بھی بولے جاتے تھے۔ ایسے الفاظ خدا تعالےٰ کی ابتدائً الہام کی ہوئی بولی میں ہرگز

نہیں ہو سکتے۔

ویدوں میں گندھاری وغیرہ سُروں کے مطابق منتر بنائے گئے ہیں۔ جب لوگ کسی خاص علاقہ میں جا کر بستے ہیں، تو وہاں کی آب وہوا انہیں عرصہ تک رہنے کے سبب ان کے لب ولہجہ میں فرق واقع ہو جاتا ہے۔ اس طرح خاص سُروں[۵] کا خاص علاقوں سے ایک خاص تعلق ظہور میں آتا ہے۔ پس گندھاری سُر قندھار کے آباد ہونے کے مدت بعد پیدا ہو سکتی ہے اور ایسی سُر والے منتروں کا اس کے بعد ہی بنایا جانا قرین قیاس ہو سکتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ پہلے انسانوں کو ملی ہوئی کوئی کتاب دنیا میں موجود نہیں ہے اور نہ پہلے انسانوں کو ملی ہوئی کوئی تعلیم بلاواسطہ دیگر کتب کے ہمارے پاس پہنچی ہے۔ وید مقدس کو کسی ایک شخص نے بہت پیچھے لکھ کر پہلے انسانوں کی طرف منسوب کر دیا ہے، لیکن یہ صرف ایک خوش اعتقادی ہے۔

اگر پہلے انسانوں کو ہی دینی علوم کا مکمل کورس دیا گیا ہوتا تو چونکہ اکیلا وہی کل نوع انسان کے لئے مقصود تھا، اس لیے لازم تھا کہ وہ بحفاظت الٰہی سب کے پاس پہنچ بھی جاتا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس سے صاف پتہ لگ سکتا ہے کہ اس مکمل کورس کے پورا پورا ملنے کے لئے ابتدائے پیدائش کا وقت مناسب نہیں تھا۔ وہ کورس جو کل نوع انسان کے لئے مقصود الٰہی ہو اس کے لئے ضرور ہے کہ وہ سہل الحصول اور عام اشاعت کے قابل بھی ہو۔

آریہ صاحبان فرماتے ہیں کہ وید مقدس کو دنیا میں آئے ہوئے قریباً دو ارب سال گزرے ہیں۔ یہ کتنا لمبا زمانہ ہے، لیکن اس لمبے زمانہ میں بھی وید منتر ہندوستان سے باہر نہیں جا سکے۔ بلکہ چاروں ویدوں کا کوئی مستند ترجمہ بھی کسی اور زبان میں آریہ صاحبان پیش نہیں کر سکے۔ وہ ستیارتھ پرکاش کو نیا نیا بنا کے اور منو شاستر پر حاشئے چڑھا کے دنیا کو دے رہے ہیں، لیکن خود ویدوں کی اشاعت ان کے نزدیک ایسی ضروری نہیں ہے باوجود بار بار غیرت دلانے کے اصل ویدوں کی اشاعت کی طرف ان کی توجہ ہی مبذول نہیں ہوتی۔ اصلاح کرنے والوں کی اصلاحوں کا بہت کچھ پتہ مقابلہ سے لگا کرتا ہے۔ نہ صرف یک طرفہ اعتراضوں سے۔ دہریہ لوگ ہزاروں یک طرفہ اعتراض خدا تعالےٰ پر

---

[۵] جیسے پورنی، پہاڑی، وغیرہ

کردیتے ہیں، اگر مقابلہ میں اپنے طریق کا کچھ بھی معقول و
... الا شخص کوئی ... کو نکاح پر بھی ترجیح دے سا
دونوں کے نفع و نقصان کے مقابلہ سے ہی ہوتا ہے
کردینے سے اس کا غیر ضروری ہونا نہیں ثابت ...
حاصل یہ ہے کہ جس ...
بھی نہیں ہو سکی اس ...
...
یعنی دروازہ تھام ... بھی جو
کچھ وہ کر رہے ہیں ... کی توحید پر پردہ ڈالا گیا ہے
ہر طرف بت پرستی کی جھلک نظر آتی ہے۔

بائیبل کے ترجموں کی بلا شبہ بڑی اشاعت ہو رہی ہے لیکن کسی کتاب کی اشاعت سے اس کے محض ترجمہ کی اشاعت مراد نہیں ہے بلکہ ایسی اشاعت مقصود ہے جو معمولی علم والوں کو بھی اس قابل بنا سکے کہ وہ اصل متن کے ماتحت اس کے ترجمہ کو پرکھ سکیں اور خود معلوم کر سکیں کہ یہ ترجمہ اس متن کا ہے یا کسی غرض کے لئے کوئی تصرف کیا گیا ہے۔ ایسی اشاعت کے لئے اصل متن کی اشاعت بھی ساتھ ہی لازم ہے۔ پھر اس کتاب کی زبان بھی سہل الحصول ہونی چاہئے اور یہ ظاہر ہے کہ مردہ زبانیں سہل الحصول نہیں ہوا کرتیں۔ وید مقدس کے ایک ایک لفظ کے بیسیوں معنی بتلائے جاتے ہیں، لیکن جب ان کی زبان ہی مردہ ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس لفظ کے اس جگہ اور اس ترکیب میں فلاں معنی مستعمل ہیں۔ آگ کو سامنے رکھکر اگنی کے منتر پڑھنا اور پھر یہ دعوے کرنا کہ اگنی سے خدا مراد ہے حیرت انگیز بات ہے!

برادران! مذکورہ بالا قسم کی اشاعت قرآن مجید کے سوائے کسی مدعیے الہام کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ قرآن مجید میں ایسی طاقت ہے کہ وہ اپنی زبان کو خود ہی زندہ رکھے گا۔ کبھی مرنے نہیں دیگا۔ یہ ہر طرح سے زندہ الہام ہے۔ پس زندہ کے ہوتے ہوئے آگے اس کے

؎ اس مذہب کی اشاعت و ترقی کے متعلق بہت مبالغہ آمیز بیان شائع کئے جاتے ہیں۔ لیکن کتاب اقدس کسی قیمت پر نہیں مل سکتی۔ یا للعجب۔

[illegible] ہے اور جانشین بھی ایسا جس کے متعلق خود اس کے مدعیوں [illegible] ہے۔ بقول ان کے جب وہ مرجائیگا تو قرآن مجید برابر زندہ رہیگا (یقیناً)

[illegible] یا ہے کہ الہام کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ بلاشبہ لوگوں کا [illegible] بشارت دینے، دلوں کو ثابت رکھنے اور ان میں اطمینان اور [illegible] ینت ڈالنے کے لئے اب بھی الہام ہوتے ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دینی علوم کے مکمل دستور العمل کو بدلنے کے لئے بھی خدا تعالےٰ الہام کر دیتا ہے۔ ہرگز نہیں! اگر الہام محض قدرتی طور پر ہوں تو ان میں جذبات کا دخل ضرور ہو جاتا ہے، لیکن اگر الہام تصرف الٰہی سے ہوں تو ضرور ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے بے بدل کورس کو نہ بدلے۔ خدا تعالےٰ حق کو اپنے تصرف سے بالکل صحیح سالم پہنچاتا ہے، یہ نہیں کرتا کہ حق کو خواہ مخواہ بدل بھی دے۔

جناب میرزا صاحب کی قادیانی جماعت قرآن کریم کو کامل اور ناقابل تنسیخ سمجھتی ہے، اور قرآن مہیمن کے بعد کسی اور کتاب کے آنے کی قائل نہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن مجید ایسی کامل کتاب ہے کہ اس کی پیروی سے لوگ خود رسول و نبی بن سکتے ہیں، چنانچہ میرزا صاحب اسی کی پیروی سے اُمتی نبی بن گئے تھے، لیکن وہ ساتھ ہی یہ بھی دعوےٰ کرتے ہیں کہ اُمتی نبیوں کا نہ ماننے والا کافر ہے۔ کمترین کے نزدیک اُن کا یہ دعوےٰ سراسر غلط ہے بوجوہ ذیل:۔

اوّل: جو کامل قرآن اپنے تابعداروں کو نبی و رسول بنا دیتا ہے کیا وہی کامل قرآن خود موجود ہوتا ہوا دوسرے لوگوں کو بغیر میرزا صاحب کے، مسلمان بھی نہیں رہنے دیتا؟ افسوس!

جب میرزا صاحب نے قرآن مجید کی پیروی شروع کی تھی، لیکن ابھی نبی و رسول نہیں بنے تھے، تو جس طاقت سے قرآن کریم نے ان کو مسلمان اور مسلمان سے مومن اور مومن سے صالح اور صالح سے صدیق اور صدیق سے نبی بنا دیا تھا، کیا اس وقت میرزا صاحب کے نبی بن جانے کے بعد قرآن مجید نے معاذ اللہ اپنی اس طاقت کو کھو دیا ہے؟

ا؎ کتب بہائیہ کتاب اقدس، کتاب مبین وغیرہ۔

کر دیتے ہیں، مگر مقابلہ میں اپنے طریق کا کچھ بھی معقول و مفید ہونا نہیں دکھلاتے۔ اعتراض کرنے والا شخص کئی باتوں میں زنا کو نکاح پر بھی ترجیح دے سکتا ہے، لیکن اصل فیصلہ دونوں کے نفع و نقصان کے مقابلہ سے ہی ہوتا ہے۔ کسی بات کے نرے نقصان بیان کر دینے سے اس کا غیر ضروری ہونا نہیں ثابت ہو جاتا۔

حاصل یہ ہے کہ جس وید مقدس کی اشاعت بقول آریہ صاحبان دو ارب سال میں بھی نہیں ہو سکی اس کی قابلیت اشاعت کی حقیقت کا صاف پتہ لگ سکتا ہے۔

بہائی صاحبوں نے کتاب البیان کا جو کتاب اقدس کی طرف آنے کا باب یعنی دروازہ تھا گم کر دیا ہے، لیکن کتاب اقدس[1] کے گنبد بے در کی اشاعت بھی جو کچھ وہ کر رہے ہیں، معلوم ہے۔ اسلام کے اصل الاصول یعنی توحید پر پردہ ڈالا گیا ہے ہر طرف بہا پرستی کی جھلک نظر آتی ہے۔

بائیبل کے ترجموں کی بلاشبہ بڑی اشاعت ہو رہی ہے، لیکن کسی کتاب کی اشاعت سے اس کے محض ترجمہ کی اشاعت مراد نہیں ہے بلکہ ایسی اشاعت مقصود ہے جو معمولی علم والوں کو بھی اس قابل بنا سکے کہ وہ اصل متن کے ماتحت اس کے ترجمہ کو پرکھ سکیں اور خود معلوم کر سکیں کہ یہ ترجمہ اس متن کا ہے یا کسی غرض کے لئے کوئی تصرف کیا گیا ہے۔ ایسی اشاعت کے لئے اصل متن کی اشاعت بھی ساتھ ہی لازم ہے۔ پھر اس کتاب کی زبان بھی سہل الحصول ہونی چاہئے اور یہ ظاہر ہے کہ مردہ زبانیں سہل الحصول نہیں ہوا کرتیں۔ وید مقدس کے ایک ایک لفظ کے بیسیوں معنی بتلائے جاتے ہیں، لیکن جب ان کی زبان ہی مردہ ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس لفظ کے اس جگہ اور اس ترکیب میں فلاں معنی مستعمل ہیں۔ آگ کو سامنے رکھکر اگنی کے منتر پڑھنا اور پھر یہ دعوے کرنا کہ اگنی سے خدا مراد ہے حیرت انگیز بات ہے!

برادران! مذکورہ بالا قسم کی اشاعت قرآن مجید کے سوائے کسی مدعیٔ الہام کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ قرآن مجید میں ایسی طاقت ہے کہ وہ اپنی زبان کو خود ہی زندہ رکھے گا۔ کبھی مرنے نہیں دیگا۔ یہ ہر طرح سے زندہ الہام ہے۔ پس زندہ کے ہوتے ہوئے آگے اس کے

---

[1] اس مذہب کی اشاعت و ترقی کے متعلق بہت مبالغہ آمیز بیان شائع کئے جاتے ہیں۔ لیکن کتاب اقدس کسی قیمت پر نہیں مل سکتی۔ یا للعجب۔

کسی جانشین کی تلاش کرنا عبث ہے اور جانشین بھی ایسا جس کے متعلق خود اس کے مدعیوں کا دعوٰے ہے کہ وہ خود بھی مرنے[۵] والا ہے۔ بقول ان کے جب وہ مرجائیگا تو قرآن مجید اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ برابر زندہ رہیگا (یقیناً)

کمترین نے اوپر بیان کیا ہے کہ الہام کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ بلاشبہ لوگوں کا خوف وغم دُور کرنے، بشارت دینے، دلوں کو ثابت رکھنے اور ان میں اطمینان اور سکینت ڈالنے کے لئے اب بھی الہام ہوتے ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دینی علوم کے مکمل دستور العمل کو بدلنے کے لئے بھی خدا تعالےٰ الہام کردیتا ہے۔ ہرگز نہیں! اگر الہام محض قدرتی طور پر ہوں تو ان میں جذبات کا دخل ضرور ہو جاتا ہے، لیکن اگر الہام تصرف الٰہی سے ہوں تو ضرور ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے بے بدل کورس کو نہ بدلے۔ خدا تعالےٰ حق کو اپنے تصرف سے بالکل صحیح سالم پہنچاتا ہے، یہ نہیں کرتا کہ حق کو خواہ مخواہ بدل بھی دے۔

جناب میرزا صاحب کی قادیانی جماعت قرآن کریم کو کامل اور ناقابل تنسیخ سمجھتی ہے، اور قرآن مہیمن کے بعد کسی اور کتاب کے آنے کی قائل نہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن مجید ایسی کامل کتاب ہے کہ اس کی پیروی سے لوگ خود رسول ونبی بن سکتے ہیں، چنانچہ میرزا صاحب اسی کی پیروی سے اُمتی نبی بن گئے تھے، لیکن وہ ساتھ ہی یہ بھی دعوٰے کرتے ہیں کہ اُمتی نبیوں کا نہ ماننے والا کافر ہے۔ کمترین کے نزدیک اُن کا یہ دعوٰے سراسر غلط ہے بوجوہ ذیل:۔

اوّل: جو کامل قرآن اپنے تابعداروں کو نبی ورسول بنا دیتا ہے کیا وہی کامل قرآن خود موجود ہوتا ہوا دوسرے لوگوں کو بغیر میرزا صاحب کے، مسلمان بھی نہیں رہنے دیتا؟ افسوس!

جب میرزا صاحب نے قرآن مجید کی پیروی شروع کی تھی، لیکن ابھی نبی ورسول نہیں بنے تھے، تو جس طاقت سے قرآن کریم نے ان کو مسلمان اور مسلمان سے مومن اور مومن سے صالح اور صالح سے صدیق اور صدیق سے نبی بنا دیا تھا، کیا اس وقت میرزا صاحب کے نبی بن جانے کے بعد قرآن مجید نے معاذ اللہ اپنی اس طاقت کو کھو دیا ہے؟

[۵] کتب بہائیہ کتاب اقدس، کتاب مبین وغیرہ۔

یا کیا میرزا صاحب نے قرآن مہیمن کا تمام نور خود اپنی ذات میں ہی سمیٹ لیا ہے اور خود قرآن کا بلاواسطہ تعلق دوسروں کے ساتھ منقطع کر دیا[۵] ہے؟ جب سورج خود موجود ہے، تو چاند کے ذریعہ سے اس کی روشنی لینے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ سورج خود موجود ہو کر چاند کے بغیر اپنی روشنی نہیں دے سکتا۔ جب چاند سورج کو گھنا دیتا ہے تو چاند خود بھی ہم کو نور نہیں دے سکتا۔

دوم:۔ ایسے کامل قرآن نے ضرور ہے کہ پہلے تیرہ سو سال میں بھی بہت سے نبی و رسول بنائے ہونگے۔ جب بات یہ ہے تو کیا میرزا صاحب کے اُمتی نبی بننے سے پہلے، ان نبیوں اور رسولوں کے اقرار کے بغیر تمام مسلمان کافر ہی رہتے تھے اور اگر ان کے اقرار کے بغیر مسلمان، مسلمان ہی ہوتے تھے تو اب میرزا صاحب کے نہ ماننے سے کیوں کافر بننے لگ گئے؟

میرزا صاحب جب نرے مسلمان تھے۔ اسوقت آپ نے اکیلے قرآن مجید کی پیروی سے ہی ترقی کرنی شروع کی۔ ان دنوں آپ کے پاس یہی قرآن تھا۔ اس قرآن کا ترجمہ اور مطلب بھی آپ کو وہی معلوم تھا جو انسانی کوششوں اور عقلوں سے معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے لیے اسوقت زمانہ کی تاریکی آج سے کچھ کم نہ تھی۔ آپ کے سامنے کوئی شخص زندہ نمونہ بننے کو موجود نہ تھا۔ مسلمانوں میں سوائے جمود کے کوئی تنظیم بھی آج سے بڑھ کر نہیں پائی جاتی تھی۔ پھر میرزا صاحب اس وقت گزشتہ اُمتی نبیوں میں سے کسی قریب کے اُمتی نبی کے ماتحت ہو کر بھی قرآن مجید کی پیروی نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ اسوقت میرزا صاحب کسی اُمتی نبی کی ایسی اطاعت کے قائل ہی نہیں تھے۔ جب ایسی ایسی تمام حالتوں میں ایک سیدھے سادھے مسلمان یعنی میرزا صاحب کو قرآن مجید کی پیروی نے ہی نبی کے رنگ میں رنگ دیا تو اب اس قرآن کریم کی قدر گھٹانے کے لئے یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ اسوقت اکیلا قرآن مجید، میرزا صاحب کے بغیر کافی نہیں[۶] اور میرزا صاحب کے نمونہ کے بغیر یہ کچھ کام نہیں دیتا؟ اب چونکہ زمانہ تاریک ہے، اسلیے قرآن مجید کے ساتھ میرزا صاحب کا ماننا بھی ضروری ہے اور چونکہ اسوقت اختلاف بڑھے ہوئے ہیں، اسلیے میرزا صاحب کے الہامی ترجموں کی اشد ضرورت ہے۔ میرزا صاحب کے بغیر اکیلا قرآن تنظیم پیدا کرنے میں

۵ یعنی میرزا صاحب فیضان قرآنی کی راہ میں حائل ہو گئے ہیں، معاذ اللہ۔

۶ نہ محض بیکار کہا جاتا ہے۔

بھی قاصر ہے اور قرآن پاک کے ساتھ اُمتی نبیوں پر ایمان لانا بھی فرض ہے، وغیرہ وغیرہ۔
جب ان تمام باتوں کے بغیر اکیلے قرآن مجید کی پیروی نے ہی میرزا صاحب کو اس کمال پر پہنچا دیا تو کیا ان سب باتوں کے بغیر اکیلے قرآن مجید کی پیروی ہمیں مسلمان بھی نہیں رہنے دیتی؟ افسوس صد افسوس!

مسلمانوں نے تورات و انجیل وغیرہ کتب کی جگہ مکمل قرآن کو پاکر ان کی ضرورت کو قرآن مہیمن کے ساتھ مسلّم نہیں رکھا، لیکن قادیانی اصحاب نے قرآن عزیز کو کامل مانتے ہوئے اسے میرزا صاحب کے بغیر ناقص قرار دیدیا ہے

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

سوم: ہم جو نبیوں اور رسولوں کو مانتے ہیں تو اسلیے نہیں مانتے کہ معاذ اللہ اکیلے خدا تعالےٰ کا ایمان ان کے بغیر ناکارہ ہے یا ان کا ایمان اور دھیان وہی اثر رکھتا ہے جو خدا تعالےٰ کے ایمان اور دھیان کا ہے۔ اگر میں ایسا اعتقاد رکھوں تو میں یقیناً کافر و مشرک ہوں۔ میں نبیوں اور رسولوں کو محض بالتبع مانتا ہوں نہ بالاستقلال۔

ہم پر اکیلے خدا کا ایمان ہی لازم ہے اور اکیلے خدا کا ایمان ہی ہمارے دلوں کو نورانی بنا دیتا ہے۔ ہمارا خدا تعالےٰ کو ماننا اس بات کا مقتضی ہے کہ ہم اکیلے خدا کو ہی حکم بنائیں اور اس کی رضامندی کی راہوں پر چلیں۔ خدا تعالےٰ کی رضا کے احکام ہمیں قرآن مجید کی بنیادی و محفوظ وحی میں ملتے ہیں۔ پس ہم قرآن مجید کو اسلیے مانتے ہیں کہ وہ احکم الحاکمین کا سچا حکمنامہ ہے، نہ اسلیے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پیش کرتے ہیں صرف قرآن کریم کی سچائی ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم اسے بھی سچا رسول مانیں جو اُسے لایا ہے اور اُنھیں بھی سچے رسول جانیں جن کے ذریعے سے خدا تعالےٰ اپنے دخل خاص کے ساتھ ان صداقتوں کو وقتاً فوقتاً کھولتا رہا ہے۔ ہم پہلے قرآن مجید کی صداقت کو پاتے ہیں، پھر اس کے لانے والے کو سچا رسول مانتے ہیں۔ پس ہمارے نزدیک رسل و انبیاء کو خود ان کی ذات کے لحاظ سے ماننا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

میرزا صاحب اس قسم کے بالتبع ایمان کے لئے بھی دعویدار نہیں ہو سکتے، اسلئے کہ وہ صرف قرآن مجید کی بلاواسطہ پیروی کے ہی مدعی ہیں اور اپنے آپ کو امتی رسول ہی بتاتے ہیں۔ ایسے امتی رسول دنیا میں بیشمار ہو سکتے ہیں۔ لوگ کس کس کی تلاش کرتے

پھریں؟ جب وہ قران مجید کو ہی کامل سمجھتے ہیں اور اس کے کسی تکملہ کے لانے کے مدعی نہیں
و کیا اُنھیں کافر بنانے اور نئے نئے تفرقے ڈالنے کے لئے ہی تشریف لانا ضروری ہے؟
اُمتی نبی ہونا انسان کے لئے ایک ایسا ہی درجہ یا منزل ہو سکتی ہے جیسے صالحین
شہدا، اور صدیقین کے منازل۔ جب بات یہ ہے تو کیا یہ ہمارے ذمہ پر ڈالا گیا ہے کہ ہم
نیک و بد لوگوں کے منازل کا تجسس کرتے پھریں اور پھر ایمان لائیں کہ فلاں شخص کس پانی
میں ہے اور پھر ان کے حسن و قبح کا بیان کرکے دوسرے لوگوں کو ان کی طرف مائل یا ان سے
متنفر کرتے پھریں۔ ہمیں کسی کے ذاتیات میں پڑنے کے بغیر ہر جگہ سے محققانہ طور پر فائدہ
لے لینا چاہئے اور لوگوں کی نیکی اور بدی کا حساب خدا تعالیٰ پر چھوڑنا چاہیے۔ کامل کتاب
نے ہمارے لیے ایسی باتوں میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں رکھی۔

دلیل چہارم

تمام نوع انسان میں بیشمار اختلافات موجود چلے آتے ہیں۔ آدمیوں میں کوئی مرد
ہے، کوئی عورت، کوئی بچہ ہے کوئی جوان، کوئی کہل ہے کوئی شیخ، کوئی مجرد ہے کوئی بیاہا
ہوا، کوئی بیمار ہے کوئی تندرست، کوئی قوی ہے کوئی کمزور، کوئی تیز فہم ہے کوئی غبی،
کوئی مہذب ہے کوئی وحشی، کوئی خزانوں کا مالک ہے اور کوئی بالکل نادار، کوئی غلام
ہے اور کوئی آزاد، کوئی خوف میں دن کاٹ رہا ہے اور کوئی امن میں زندگی بسر کرتا ہے
پھر کوئی پہاڑوں میں رہتا ہے کوئی میدانوں میں، کوئی خشکی میں بستا ہے کوئی تری
میں کوئی گرم ممالک میں آباد ہے کوئی سرد علاقوں میں، کوئی غاروں اور گڑھوں میں
عمر گذارتے ہیں اور کوئی محلوں اور قلعوں میں کوئی ایک قسم کے کھانے کھاتے ہیں کوئی
دوسری طرح کے، کوئی ایک وضع کا لباس پہنتے ہیں کوئی دوسری قطع کا۔ مزدوری، تجارت
اور دیگر پیشوں کے لحاظ سے بھی لوگوں میں بیشمار اختلافات ہیں۔
حکومت بھی دنیا میں مختلف قسم کی چلی آئی ہے، کہیں جمہوری ہے، کہیں پارلیمنٹری
اور کہیں مطلق العنان۔
جنگ کے طریقے بھی مختلف قوموں میں مختلف رہے ہیں اور سامان جنگ بھی
الگ الگ قسم کے تیار ہوتے آئے ہیں۔ علاج و معالجہ کے طریقے بھی دنیا میں رنگا رنگ رہے ہیں
پھر خیالات و اعتقادات، اوضاع و اطوار، رسم و رواج اور آئین و قوانین کے

اختلافات بھی دنیا کے ہر ملک و قوم میں حد سے زیادہ موجود رہے ہیں۔

یہ تمام اختلافات قرآن مجید کے نزول کے وقت میں بھی برابر موجود تھے۔ باوجود ان تمام اختلافات کے کل نوع انسان کے لیے خدائے علیم وحکیم کی طرف سے صرف ایک قرآن ہی کافی سمجھا گیا اور ڈنکے کی چوٹ فرمایا گیا کہ یہ جمیع انسانوں کے لیے رسول اور تمام عالمین کے لیے نذیر ہے اور جس کو بھی یہ پہنچے اس کے لیے یہی ڈرانے والا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نوع انسان کے بیشمار اختلافات کے باوجود صرف ایک کتاب ہی تمام دنیا کے لیے کافی ہوسکتی ہے۔

اور جب اتنے بیشمار اختلافات کے باوجود کل نوع انسان کے لیے ایک اصولی رنگ کی کتاب آجاتی ہے اور وہ اکیلی ہی تمام نوع انسان کے لیے کام دے سکتی ہے، تو پھر کون سے اور اختلافات پیدا ہو سکتے ہیں، جو اس اصولی کتاب کو منسوخ کرنے والے بن جاتے ہیں؟

یہی خاتم الکتب ہے اور اسی کا لانے والا رسول خاتم النبیین ہے۔

جب کہ دنیا بمنزلہ ایک گھر کے بن جاتی ہے، تو اگر اس وقت جزوی اختلافات کی بنا پر نئی نئی کتابوں کا آنا ضروری سمجھا جائے، تو لازم تھا کہ ہمارے رسول کریمؐ کے عہد میں ہی ہر ہر ملک، بلکہ ہر ہر قریہ میں رسول آتے۔ یہی نہیں بلکہ اسوقت بھی رسولوں کا یہی حال ہوتا۔

کفار کا خیال تھا کہ یہ نبی اکیلا ہی تمام دنیا کے لئے کس طرح کافی رسول ہوسکتا ہے؟

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ۝ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۱۹/۳	اور اگر ہم چاہتے تو ہر ایک قریہ میں نذیر مبعوث کر دیتے۔ پس تو کافروں کی بات کو نہ مان اور اس قرآن کے ذریعے اُن کے ساتھ بڑی

کوشش کر (قرآن مجید اب بھی موجود ہے اور وہی حکم حضور کے جانشینوں کے لیے ہے)

دین کو تکمیل کی طرف لانے کے لیے جو رسول و نبی آتے رہے، وہ بلاشبہ نعمت الٰہی تھے، لیکن جب دین کامل ہوچکا اور اس طرح یہ نعمت پوری ہوگئی، تو اس وقت جو مدعی رسالت کامل نعمت کو ناقص بتلائے یا یہ دعوے کرے کہ یہ دین تو کامل ہے، مگر اب مجھ پر بھی ایمان لانا داخل دین ہوگیا ہے۔ پہلے تنہا قرآن ہی باعث نجات تھا اور لوگ مجھ کو

ماننے کے بغیر ہی مسلمان اور مومن ہو سکتے تھے، لیکن اب مجھ کو ماننے کے بغیر وہی قرآن کسی کو مسلمان نہیں بنا سکتا، تو ایسے لوگ کامل نعمت کی ناقدری کرتے ہیں، اور نعمت کی بیقدری سکھلانے والے خود نعمت نہیں ہو سکتے۔ فتدبروا

وہ کتاب جو دنیا کی فرقہ بندیوں سے بیزار ہو، اُنھیں شرک قرار دیتی ہو اور اختلاف مٹانے کے صحیح اور قابل عمل طریقوں پر بحث کرکے اُنھیں دنیا کے آگے پیش کرتی ہو اور اس طرح دنیا کو ایک بننا سکھاتی ہو، ایسی کتاب کے خلاف تعلیم دینے والا دنیا کے اتحاد کو مٹانے والا ہے، بدلنے والی کتابیں انسانوں کو ایک طریق مستقیم پر کبھی بھی قائم نہیں رہنے دے سکتیں۔ وہ آج ایک طریق کو مستقیم کہینگی اور کل دوسرے طریق کو مستقیم قرار دینگی

حاصل یہ ہے کہ ایک بے بدل کتاب کا دنیا میں ہونا ضروری ہے اور اسی کا لانیوالا خاتم النبیین ہے۔

دلیل پنجم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۳/۱۹ یعنی دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔

پھر اسی دین اسلام کے متعلق ارشاد کرتا ہے:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۚ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۳/۸۵

اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے، تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں گھاٹے والوں سے ہوگا۔

یہ اسلام کیا ہے؟ اس کو دکھلانے کے لیے قرآن حکیم کو قریبًا چار ہزار سال پہلے کی طرف جانا پڑا ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ حنیف یعنی مسلم تھے۔ تورات اور انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئیں، پھر ابراہیم کا یہودی یا نصرانی ہونا کیسے ممکن ہے؟ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ وغیرہم یہودی یا نصرانی تھے، ہرگز نہیں!

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہزار سال تو علیحدہ رہا چار ہزار سال کا لمبا زمانہ بھی دین اسلام کو منسوخ نہیں کر سکتا۔

ہاں حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں اسلام اجمالی رنگ میں تھا۔ بعد ازاں اگرچہ اسلام

غیر الله ابتغی حکما وهو الذی انزل الیکم الکتب مفصلا

برہان



اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

ایڈیٹرز:-
شہباز کاشمیری ایم۔ اے
مسٹر اصغر بی۔ اے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

بلاغ

قیمت سالانہ ے
فی پرچہ ۸ر

جلد ۱۴ - امرتسر - ماہ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق اکتوبر ۱۹۳۷ء نمبر ۱

فہرست مضامین

بلاغ کی اشاعت بڑھانا ہر محب قرآن کا فرض ہے ۔

نذیر پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام ڈاکٹر چوہدری علم الدین پرنٹر و پبلشر چھپکر دفتر بلاغ اُمت مسلمہ بلڈنگس بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع ہوا۔

شذرات

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا عظیم الشان اجتماع :-

دنیا نے ہزاروں روپ دھارے اور لاکھوں رنگ بدلے مگر عہدِ سعادت اور خلافتِ راشدہ کا نظارہ دوبارہ پیش نہ کر سکی، مسلمان کامل تیرہ صدیوں سے فرقہ بندی کے خوگر ہو چکے ہیں، اب اگر کوئی فرد یا جماعت اُنھیں اس پستی سے نکالنے کی کوشش بھی کرے تو وہ اسے بھی ایک فرقہ کہہ کر اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر دیتے ہیں۔ ائمہ عظام[1] اور صلحائے اُمت قطعاً فرقہ بندی کے حامی نہ تھے، لیکن عوام کی فرقہ وارانہ ذہنیت نے اُن کے نام سے جو فرقے بنائے ان کا شمار اتنا ہے کہ لا یعلمہٗ الا اللہ۔ سید احمدؒ بریلوی، اسمٰعیلؒ شہید کوئی فرقہ نہ تھے، اُن کی مساعی تمام مسلمانوں کے لیے تھیں، لوگوں نے اُن کو فرقہ بنایا۔ ایسے ہی سر سید مرحوم سب اسلامی فرقوں کے ساجھے تھے، سب کی یکساں خدمت کرتے تھے، لیکن اس اتہام سے وہ بھی نہ بچ سکے۔ خواجہ احمد الدین مرحوم کی زندگی کا ہر دن اور اُن کی تصانیف کا ہر ورق فرقہ بندی کے خلاف ایک مسلسل جہاد ہے۔ لیکن جن کی آنکھوں پر فرقہ بندی کی عینک تھی، اُنھوں نے اُن پر بھی یہی حربہ چلایا اور ایک مخصوص فرقہ کا بانی قرار دے لیا۔ بخدا ئے لایزال وہ فرقہ بازی کی شیطنت سے سخت نفور تھے۔ اگر اُنھیں معلوم ہو جاتا کہ لوگ اُن کی تحقیق و کاوش کا یہ صلہ دیں گے تو ممکن تھا کہ وہ اپنی تمام تصانیف کو جلانے پر آمادہ ہو جاتے اور اپنا سر پھوڑ لیتے۔ اُنھوں نے اس مظنہ سے بچنے کے لیے، اپنی مجلس کے لیے "اُمّت مسلمہ" کا پرانا نام پسند کیا جو ابراہیمؑ کا مجوزہ اور خدائے تعالیٰ کا مصدقہ ہے اور اپنے تمام دوستوں کو صرف مُسلم کہلانے پر رضامند کیا۔ اُمت مسلمہ امرتسر کا سالانہ اجلاس اللہ تعالیٰ کے فضل کی آبیاری سے حضرت مرحوم کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ اس مجلس کی خدمات تمام مسلمانوں کے لیے وقف ہیں، عمارات مجلس کے دروازے ہر صلح پسند مسلمان کے لیے کھلے ہیں، اُمّتِ مسلمہ کا جلسہ ہر اُس شخص کا اپنا جلسہ ہے جو نبوت محمدیہ پر اعتماد رکھتا ہو۔ تیرہ صدیوں کے جنگ و جدال کو بھول جاؤ، فروعی اختلافات کو وجہ نزاع نہ بناؤ — آؤ اصولی اور متحدہ تعلیم پر مجتمع ہو جائیں۔

---

[1] حضرت امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل و حضرات مولفین حدیث رحمہم اللہ

اے خدا تجھے معلوم ہے کہ ہمارے آنے والے اجتماع کا یہ مقصد ہے جو پیش کیا گیا، اس کو سال بہ سال فراوانی دے، مسلمانوں کو اس سے روشناس کرا اور نفع یاب کر

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل عنوانات پر تقریریں کی جائیں گی:- (۱) قرآن اور یورپ (انگریزی تقریر) (۲) قرآن اور ماڈرن لائف (انگریزی تقریر) (۳) اے کریٹیکل سٹڈی آف حدیث (انگریزی تقریر) (۴) تلاوت قرآن (۵) قرآن اور حفظ صحت (۶) رواداری (۷) تفریق بین المومنین (۸) ختم نبوت (۹) اصلاح رسوم (۱۰) کاملیت قرآن (۱۱) آیہ نور کی تفسیر (۱۲) سورہ اخلاص کی تفسیر (۱۳) توحید کے روحانی اور مادی فوائد (۱۴) اسلام اور کلچر (۱۵) تجاویز (۱۶) سالانہ رپورٹ (۱۷) اُمت مسلمہ اور فرقہ بندی (۱۸) نظمیں

اتحاد مذاہب کے متعلق مختلف المذاہب حضرات کی تقاریر بھی ہوں گی۔

اصحاب ذیل تشریف آوری کا وعدہ فرما چکے ہیں:- حضرت اصغر بی اے، مسٹر یعقوب بی اے خان بہادر صوفی ولی محمد صاحب، ڈاکٹر حکیم طالب علی صاحب، حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ، ڈاکٹر میر حبیب اللہ معہ رفقائہ، شیخ محمد شفیع صاحب بی اے جالندھری۔ سید محمد حسین صاحب حسرت بی اے سانوی۔ حضرت شیخ عطاء اللہ صاحب وکیل، مولانا ناقد پٹھانکوٹ، ڈاکٹر احسان صاحب، جناب عبدالرحیم صاحب یوسفانی بی ایس سی۔ خواجہ عباداللہ صاحب اختر بی اے

ذیل کے حضرات نے پیامات ہمدردی ارسال فرمائے ہیں جو جلسے میں پڑھ کر سنائے جائیں گے ہز ہائی نس شیخ محمد جہانگیر میاں والیے ریاست مانگرول، شمس العلماء مولانا محب الحق صاحب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری، چوہدری غلام احمد صاحب پرویز، سید مقبول احمد صاحب بی اے۔ پیر قمرالدین صاحب ریٹائرڈ ای۔ اے۔ سی۔ (عرشی)

[illegible]

چار ہزار برس گذرے، خدا نے اپنے ایک بوڑھے پیغمبر اور اس کے بیٹے (علیٰ نبینا و علیہما السلام) کو ایک جلسہ گاہ بنانے کا حکم دیا۔ ادھر خدا کا اشارہ ہوا، ادھر باپ بیٹے نے جلسہ گاہ کی تعمیر شروع کردی، يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ

تعمیر ہو چکی، جلسہ گاہ مکمل ہوگئی، خدا خود محرک بنا اور ابراہیمؑ کو سکرٹری بنایا، پھر ارشاد ہوتا ہے

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ	لوگوں میں اس اجتماع کے لیے اعلان کردے لوگ تیرے پاس دنیا کی تمام دور دراز راہوں

عَمِیْقٍ ۙ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ

سے آیا کریں گے، پا پیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر، جو مشقت سفر سے تھکی ہوئی ہوں گی۔ وہ اس لیے آئیں گے کہ اپنے فائدے پانے کی جگہ حاضر ہو جائیں اور ہم نے جو پالتو چارپائے اُن کے لیے مہیا کر دیے ہیں، اُن کی قربانی کرتے ہوئے مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔

یہ اس جلسے کے بنیادی اصول و مقاصد تھے، یعنی ایک یہ کہ یَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ، وہ ایک مقام پر جمع ہو کر، اپنی بہتری، بھلائی، ترقی اور کامیابی کے ذرائع پر غور کریں اور پھر اُن پر عمل کر کے علم، سیاست، مذہب، تجارت اور دوسرے اقتصادی اُمور سے فائدہ حاصل کریں مَنَافِعَ کا لفظ بہت وسیع المعنی ہے، یعنی دنیا اور آخرت کے تمام فوائد کے حصول کی کھلی کھلی ترغیب و اجازت عطا کی گئی ہے۔ آگے چل کر اس اجتماع کا دوسرا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ چند مقررہ دنوں کے لیے پالتو جانوروں پر اللہ کا نام لینا۔ ان الفاظ کی روح کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ بھیمۃ الانعام مقصود نہیں، ہاں مُشیر الی المقصود ضرور ہیں، جس کا صاف اور روشن مقصد یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ سے ظاہر ہو رہا ہے، یعنی بھیمۃ الانعام کو بتوں اور مورتوں کے سامنے قربان نہ کرو، یہ شرک ہے، اسے چھوڑ دو اور صرف خدا تعالےٰ ہی کے نام سے قربانی کرو۔

آج اگر کوئی جلسہ منعقد کیا جا رہا ہے اور اس جلسے کی بنیاد مسلمانوں کے منافع اور توحید کے قیام کی خاطر قائم کی جا رہی ہے، تو یہ جلسہ خدائی اور ابراہیمی مقاصد کو پورا کرنے والا ہے اور اگر کوئی شخص ایسے اجتماع کی شرکت قبول کرتا ہے تو وہ حقیقت میں خدا تعالےٰ اور ابراہیم کی دعوت قبول کرتا ہے۔

مسلمان خستہ ہو چکے ہیں، اُن کا شیرازہ بکھر چکا ہے، اُن کی عقلیں فاسد ہو چکی ہیں، اُن کی قوتیں ضائع ہو چکی ہیں اور اُن کی زندگی ذلت و محرومی کی زندگی ہے۔ یہ انتہا ہے کہ وہ تجارت سے محروم ہیں، زندگی کے نصب العین سے محروم ہیں، سیاسی دماغ اور جماعتی پروگرام سے محروم ہیں، عزت، دولت اور خودداری سے محروم ہیں، سچے لیڈروں اور مخلص کارکنوں سے محروم ہیں، خداوند آفاق کی اُن تمام نعمتوں سے محروم ہیں جو صرف آزاد و مختار اقوام ہی کو ودیعت کی جاتی ہیں اور ان ساری مصیبتوں کا علاج کیا ہے؟ ایک ایسا اجتماع، جو ابراہیمی مقاصد کی بنیاد پر قائم ہو، جو بلا تفریق

تمام مسلمانوں کو جمع کرکے اُنھیں دینی اور قومی فرائض سے آگاہ کرے۔ حال و استقبال کی تمام مشکلات اُن کے سامنے رکھے، اُنھیں فکر و عمل پر آمادہ کرے، اُنھیں وحدت اسلامی اور توحید آلہی کے مادی اور روحانی فوائد سے متعارف کرکے یک جہتی اور یک رنگی کی تعلیم دے۔ اُمتِ مسلمہ ان ہی مقاصد کے پیش نظر سالانہ اجلاس کا ایک مستقل نظام قائم کر رہی ہے۔ ہماری آرزو ہے کہ ہر دردمند اور فرض شناس مسلمان آگے بڑھے۔ اس عظیم القدر اجتماع میں خود بھی شریک ہو، اپنے حلقۂ احباب کو بھی شمولیت کی دعوت دے اور ہر ممکن ایثار و قربانی سے اُسے کامیاب بنانے کی کوشش کرے۔ (صابری)

نیو یارک کے ایک بوسیدہ اور پس ماندہ محلے میں، ایک غیر معروف شخص نے ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لیا۔ مکان کیا تھا، ایک تنگ و تاریک کوٹھری تھی، جس میں نہ روشن دان تھے، نہ کھڑکیاں تھیں، نہ الماریاں تھیں، نہ ٹیلی فون تھا، نہ آرائش و زیبائش کا دوسرا سامان۔ ایک کونے میں ایک شکستہ میز، ایک موم بتی، قلم دوات اور چند سادہ کاغذ — یہ تھی کل کائنات اس "دفتر" کی جہاں سے "نیو یارک ٹائمز" کا پہلا پرچہ شائع ہوا۔

یہی اخبار اب ایک ایسی عظیم و جلیل عمارت سے شائع ہوتا ہے، جو ۲۲ منزلوں پر مشتمل ہے، ہر منزل ۲۰ ہزار مربع گز کی وسعت لیے ہوئے ہے۔ اس کی روزانہ اشاعت چار لاکھ سے زیادہ ہے، ہفتہ وار اڈیشن ۸ لاکھ شائع ہوتا ہے، اس کے سٹاف میں دو ہزار ملازم کام کرتے ہیں جن کو دس لاکھ گنی سالانہ تنخواہ دی جاتی ہے۔ قریبًا بارہ لاکھ گنی کاغذ پر، ۵۰ ہزار گنی سیاہی پر اور دو لاکھ گنی تقسیم اخبار پر خرچ ہوتا ہے۔ اخبار کا نظم و اہتمام چھے شعبوں کے سپرد ہے ایک شعبہ خبریں فراہم کرتا ہے، دوسرا لیڈنگ آرٹیکل اور نوٹ لکھتا ہے۔ تیسرا اخبار کی آمدنی اور خرچ کا حساب رکھتا ہے، چوتھا پریس اور اُس کے علاوہ دوسری مشینوں کی حفاظت اور نگرانی کا کام کرتا ہے، پانچواں ملازموں کے کام اور اُن کی اُجرت کا ذمہ دار ہے اور چھٹا متفرق امور کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

"نیو یارک ٹائمز" کی ایک اپنی لائبریری ہے، جس میں ۲۵ ہزار بہترین کتابیں موجود ہیں ایک درجن برقی ٹائپ رائٹر ہیں، جو باہر سے آئی ہوئی خبروں کو از خود ٹائپ کر دیتے ہیں ایک کمرے میں لاسلکی کے آلات نصب ہیں، جہاں ہزاروں میل کی خبریں پہنچتی رہتی ہیں۔ ایک

کمرے میں ۷۰ کلرک ہیں جو صرف تار کے ذریعے خبریں حاصل کرتے رہتے ہیں۔ طباعت کا کام اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔ ۱۶۰۰ گھوڑوں کی برقی قوت والی ۲۰ موٹریں مشینوں کو چلاتی ہیں، ایک گھنٹے میں چار لاکھ سے زیادہ کاپیاں چھاپ کر تیار کر دیتی ہیں اور پھر بجلی ہی کے ذریعے چھپا ہوا اخبار دفتر اشاعت میں پہنچایا جاتا ہے۔ اخبار کا مالک اس وقت تک اڑھائی کروڑ گنی کما چکا ہے۔ ۳ فیصدی منافع حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور باقی سب کا سب اخبار کی بہتری اور ترقی میں صرف ہو جاتا ہے۔ آج اس اخبار کی تمام جائداد کی قیمت ۳۵ لاکھ گنی سے بھی زیادہ ہے۔

چند روز گذرے، راقم الحروف نے ایک دوست کے سامنے "نیو یارک ٹائمز" کا یہ حیرت انگیز افسانہ بیان کیا اور اُن سے اس بے مثال ترقی اور عدیم النظیر کامیابی کا سبب بھی دریافت کیا اُنھوں نے کہا، یہ صرف عزم و استقلال کی برکت ہے۔ ممکن ہے، اُن کا یہ جواب کسی حد تک درست ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل مغرب میں صرف عزم و استقلال ہی نہیں پایا جاتا بلکہ اس سے بھی ایک بڑی نعمت اُن کے پاس موجود ہے اور وہ یہ کہ اُن کے دل، اہل خدمت اور اہل دماغ کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی سے بھرپور ہیں۔ مشرق کے مصنف بھوکے مرتے ہیں ایڈیٹر فاقہ کش ہیں، قوم کے لیڈروں اور مذہب کے خادموں کو دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے جڑتی ہے۔ یہاں سرسیدؒ اور ابوالکلام جیسے قائدین کے اخبارات نہ چل سکے، وہاں ایک دیہاتی کمپوزیٹر نے "نیو یارک ٹائمز" ایسا کامیاب اخبار چلا رکھا ہے۔ یہ ملک و ملت کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو ان کی قوم ان کی طرف توجہ نہیں کرتی، وہ صرف اپنا پیٹ پالنا چاہتا ہے اور قوم اپنی دولت اس کے سامنے لا کر ڈھیر کر دیتی ہے۔

"بلاغ" چودہ پندرہ برس سے قرآن حکیم کی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ سب جانتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں اور نہ ہی کسی شخص کا ذاتی مفاد اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ خادمان قرآن کی ایک مختصر سی مجلس اس کے تمام اخراجات کا بار اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہے۔ مہینے میں ایک آدھ رقم باہر سے آجاتی ہے، کچھ چندہ مقامی طور پر جمع ہو جاتا ہے اور جوں توں کرکے یہ سلسلہ نبا ہا جا رہا ہے۔ معاونین قدیم کی خدمت میں گذشتہ تین چار ماہ سے برابر اپیل کی جا رہی ہے کہ وہ بلاغ کو اپنے قدموں پر کھڑا کرنے کی کوشش کریں، اپنے احباب کو حلقہ بلاغ میں شمولیت کی دعوت دیں اور خدمت کتاب

کا حق ادا کریں، لیکن ہماری اس اپیل کا اثر قرطاس حساب سے ظاہر ہے۔

گذشتہ ماہ "سرمایہ اشاعت بلاغ" کی میزان ۳۰ روپے تھی، ستمبر میں پانچ روپے جناب مہر بخش صاحب چغتائی نے اور ایک روپیہ آپ کی صاحبزادی نے ارسال فرمایا ہے۔ اس سرمائے سے ذیل کے تین حضرات کو ایک ایک روپے کی رعایت دیکر معاونین بلاغ میں شامل کیا گیا۔

(۱) حکیم حافظ عبدالکریم صاحب سندھ۔ (۲) ماسٹر گل محمد شاہ صاحب سندھ

(۳) جناب عبدالرحیم صاحب سندھ

اس کے علاوہ جناب شیخ ظہور احمد صاحب کی کوشش سے اصحاب ذیل نے بلاغ کی اعانت قبول فرمائی:۔

(۴) این۔ ایم صاحب قریشی بحرین (۵) ڈاکٹر گل محمد صاحب بحرین۔

اب اس فنڈ میں ۳۲ روپے موجود ہیں۔ ناظرین کرام کا فرض ہے کہ وہ اپنے احباب سے آٹھ آٹھ آنے وصول کرکے دفتر میں ارسال فرمائیں اور ان کے نام چھ چھ ماہ کے لیے بلاغ جاری کرادیں + (صابری)

دفتر میں عموماً ایسے خطوط بھی موصول ہوتے رہتے ہیں، جن میں رسالہ نہ پہنچنے کی تلخ شکایتیں ہوتی ہیں۔ ہم ان شکایتوں کی تردید نہیں کرسکتے، لیکن یہ عرض کردینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ پرچہ شائع ہی اس لیے ہوتا ہے کہ وہ معاونین کو بھیجا جائے اور ہر مہینے، تمام خریداروں کے پتوں کا، رجسٹر کے ساتھ مقابلہ کرکے، پوری باقاعدگی اور احتیاط کے ساتھ پوسٹ کیا جاتا ہے۔ اگر اتنی احتیاط و اطمینان کے باوجود کسی صاحب تک پرچہ نہ پہنچے، تو یہ دفتر کا قصور نہیں، بلکہ اس کی تمام تر ذمہ واری محکمہ ڈاک کے کارکنوں پر عائد ہوتی ہے۔ بعض احباب دو دو تین تین ماہ کے پرانے پرچوں کی شکایت کرتے ہیں۔ یہ بہت تکلیف دہ چیز ہے، احباب کو چاہیئے کہ وہ رسالہ نہ ملنے کی شکایت زیادہ سے زیادہ انگریزی ماہ کی ۱۵ تاریخ تک دفتر میں بھیج دیا کریں۔ بصورت دیگر شکایت کے ساتھ چار آنے کے ٹکٹ بھیجنے لازمی ہوں گے۔ مقررہ تاریخ کے بعد پرچہ مفت روانہ نہیں ہوسکے گا۔ (منیجر)

آمد و خرچ اُمّت مُسلمہ امرتسر از ۲۴ جولائی تا ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

آمد بلاغ

نام	روپیہ	آنہ	پائی
ڈاکٹر اقبال مند	۳	۰	۰
فروخت ردی	۲	۵	۰
میاں فیملی	۰	۸	۰
حاجی اسحٰق اسمٰعیل	۱۵	۰	۰
قاضی منظور حسین صاحب	۱	۸	۰
فروخت بلاغ	۰	۸	۰
عبدالرحیم صاحب	۰	۴	۰
چوہدری خیرالدین	۲۰	۰	۰
امین الدین صاحب	۵	۰	۰
معرفت مستری تاج الدین	۲	۴	۰
عرشی صاحب	۰	۴	۰
بابو چراغ الدین	۴	۰	۰
بشیر احمد صاحب	۳	۰	۰
پیر قمرالدین صاحب	۱۹	۱۰	۰
سترّاً	۱۵	۰	۰
مہر بخش چاندیوالہ	۵	۰	۰
مستری محمد اسمٰعیل	۰	۸	۰
جلال الدین	۰	۶	۰
عبداللہ خاں ناظم	۲	۰	۰
بنت میاں مہر بخش چغتائی	۱	۰	۰
میاں مہر بخش چغتائی	۱۱	۲	۰
یوسفانی عبدالرحیم	۲	۳	۰
حافظ عبدالکریم	۰	۸	۰
سید گل محمد	۰	۸	۰
شیخ کریم اللہ	۳	۰	۰
میزان	۱۱۸	۴	۰

آمد ہال فنڈ

نام	روپیہ	آنہ	پائی
مہر بخش چغتائی	۱۵	۰	۰
الٰہی بخش احسان پوری	۱	۰	۰
چوہدری کرم الدین	۲	۰	۰
علی احمد خان صاحب	۳۰۰	۰	۰
ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب	۵	۰	۰
محترمہ غلام فاطمہ صاحبہ	۵	۰	۰
میر محمد شریف صاحب	۱۰	۰	۰
میزان	۳۳۸	۰	۰

کل آمد

مد	روپیہ	آنہ	پائی
بقایا سابقہ	۶۹	۱۲	۳
بلاغ	۱۱۸	۴	۰
فروخت کتب	۱۲	۸	۰
رکنیت	۵	۱	۰
تبلیغ قرآن	۸	۰	۰
ہال فنڈ	۳۳۸	۰	۰
میزان	۵۵۱	۹	۳

کل خرچ

مد	روپیہ	آنہ	پائی
بلاغ	۱۲۸	۳	۳

عطاء الرحمٰن فی نکات القرآن [1]

کسی لفظ کا مفہوم متعین کرنے کے متعدد طریقے ہو سکتے ہیں

(۱) لفظ کے موضوع لہٗ کو بذریعہ تصویر پیش کرنا جیسا کہ بعض طبّی اور دیگر علوم و فنون کی کتابوں میں کیا جاتا ہے۔

(۲) لفظ کا ترجمہ دوسری زبان کے ایک یا چند الفاظ میں کر دینا جس کو مخاطب سمجھتا ہو۔

(۳) لفظ کا مترادف اسی زبان سے تلاش کرنا جس کا وہ لفظ ہو۔

(۴) لفظ کی حقیقت کشائی کے لیے اسی زبان سے دوسرا قریب المعنی لفظ بتلانا۔

(۵) لفظ کے سامنے اسی زبان کے ایک یا چند متضاد الفاظ رکھ دینا۔

پہلا طریق اسما و اعلام میں کسی قدر کام دے سکتا ہے، لیکن کیفیات و حالات کو مناسب و مربوط، ایجاز و اختصار سے بیان کر دینا اس کے بس کی بات نہیں۔

دوسرا طریق پہلے طریق سے بدرجہا بہتر لیکن "انتخاب لفظ" کی مشکلات سے محصور ہے

تیسرا، چوتھا، اور پانچواں طریق نسبتاً اقرب الی الصواب ہے، لیکن اس میں مترجم کے فرائض بہت بڑھ جاتے ہیں۔ وسعت نظر، عبور لغات، احاطہ الفاظ و محاورات، صحت حافظہ و استحضار وغیرہ کے بغیر یہ منزل طے نہیں ہو سکتی [2]۔ لیکن ان پانچوں طریقوں سے بہت

---

[1] یہ اس قلمی کتاب کا نام ہے جو حضرت شیخ عطاء اللہ صاحب وکیل گجرات نے دفتر بلاغ کو عنایت فرمائی ہے۔

[2] لغت کی بسیط کتابوں کے جامعین نے ایک لفظ کا ایک یا متعدد مفہوم بتاتے ہوئے استناد اور محل استعمال بتانے کی غرض سے ہر مقام پر اہل زبان کے کلام سے استفادہ کیا ہے لیکن اس میں بھی غلطی کا احتمال ہے، ممکن ہے کہ اہل زبان شاعر یا مصنف اور جامع لغت کے فہم میں تفاوت ہو۔ وہ ایک لفظ کو کسی اور مفہوم میں استعمال کرتا ہے، اور یہ اس سے دوسری مراد لیتا ہو۔ چنانچہ اس کی بہت سی مثالیں مختلف زبانوں کی کتب لغت سے مل سکتی ہیں۔ مرزا غالب مرحوم کی "قاطع برہان" اسی قسم کا ایک تنقیدی کارنامہ ہے جس میں انھوں نے فارسی کے مشہور لغت "برہان قاطع" کی غلطیاں نکالی ہیں۔ لیکن یہ طریق (باقی بر صفحہ)

زیادہ بہتر اور سلیم تر طریقہ ایک اور بھی ہے، جس کی صحت و تفوق میں شک کی بہت کم گنجائش ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ کسی تصنیف کا ترجمہ کرتے ہوئے خود صاحب تصنیف کا مافی الذہن دریافت کرنے کی کوشش کی جائے، یعنی اسی تصنیف کے الفاظ و محاورات اور اُن کے محل استعمال کو بنظر غائر دیکھا جائے۔ مصنف بسا اوقات ایک بات کو متعدد مرتبہ مختلف اسالیب سے بیان کرتا ہے، یا ایک لفظ کے لیے دوسرے مقام پر متقارب یا مترادف لفظ لاتا ہے، یا بعض فقروں میں اضداد الفاظ سے کام لیتا ہے۔ مترجم کو چاہیے کہ ایسے تمام مواقع پر مبصرانہ احاطہ کرے اور اُن سے حسب ضرورت فائدہ اُٹھائے۔ قرآن مجید کے مترجموں اور مفسروں نے پہلا طریق بہت کم اختیار کیا ہے، اور بعد کے چار طریقوں سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ لیکن آخری طریق جس کو "عطاء الرحمٰن فی نکات القرآن" کہنا بہت مناسب ہے، اب تک اس کی صرف بالالتزام کسی صاحب نے توجہ نہیں کی تھی۔ حضرت شیخ عطاء اللہ صاحب وکیل گجرات، جو فطرت سے ندرت کی قدرت اور جدت کی شدت لیکر آئے ہیں، اُنھوں نے اس بارہ خاص میں کامل انہماک سے کام لیا ہے۔ یعنی اپنی عمر عزیز کا بہترین حصہ اس نہج سے قرآن کو دیکھنے میں صرف کر دیا، اور اس بحر عمیق سے وہ موتی نکالے ہیں کہ باید و شاید۔

قرآن مجید صرف ایک معجزہ نہیں، مرقع معجزات ہے۔ جہاں اس کی فصاحت و بلاغت، انداز بیان، بشارت و نذارت، تعیین حدود، تحکیم دلائل، اجرائے قوانین، تخلیق اقوام، صحت روایت وغیرہ ہر چیز لفظی و معنوی حیثیت سے اعجاز کا حکم رکھتی ہے، وہاں یہ نکتہ بھی ایک کھلا ہوا معجزہ ہے کہ ہر مذاق کا محقق و متجسس اپنی تلاش و تفحص اور صدق و خلوص کے مطابق آیات مجید کو اپنی امداد و اعانت کے لیے آمادہ پاتا ہے۔ مختلف المذاق مفسرین کی تفسیریں اُٹھا کر دیکھیے آپ کو میرے اس بیان کی تصدیق ملیگی۔ زاہدوں نے اس کو زہد میں اپنا ہمنوا پایا، فلسفہ پسندوں کو اس

بقیہ حاشیہ ص۹

استخراج کہ ایک کتاب کے الفاظ کے معانی متعین کرنے کے لیے خود اسی کتاب کے دوسرے مقامات سے سند حاصل کی جائے، بہت کم غلطی کا امکان رکھتا ہے اس لحاظ سے پیش نظر لغت (عطاء الرحمٰن فی نکات القرآن) کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے، اس کا ایک ایک ورق، ورق نقرہ و طلا سے بہت زیادہ قیمتی ہوگا۔

۵ مصری تفسیر جواہر القرآن طنطاوی اسی طرز پر لکھی گئی ہے حال میں ہمارے ہندی مترجم مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے بھی اپنے ترجمہ قرآن کی جلد ثانی میں اہل مصر کے تتبع میں پہلا قدم اُٹھایا ہے۔

میں نکات عمیقہ اور لطائف دقیقہ نظر آئے۔ مجاہدین نے اس سے یکسر سعی و جہاد کا درس لیا۔ اہل تقوٰی نے توکل و سپردگی کا لطف اٹھایا۔ علیٰ ہذا القیاس اس کتاب عزیز کی اسی خوشہ افاضہ و افادہ اور شیوہ امداد و اعانت نے مصنف جلیل حضرت شیخ عطاء اللہ وکیل کی اوّل سے آخر تک رفاقت کی ہے اور ہر گام و منزل پر توشہ و زاد کا کام دیا ہے۔ خود قرآن مجید اپنی دلکش وادیوں کے مسافر اور رشک فردوس مثال بستانوں کے تماشائی کو اپنے غیر فانی نطق میں اطلاع دیتا ہے۔

لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ	اے جویائے حقیقت خدائے خبیر کی مانند کوئی شخص تجھ کو آگاہ حقیقت نہیں کر سکتا۔
ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ	اس قرآن کی اسرار کشائی ہمارے (اللہ تعالےٰ) کے ذمہ ہے۔
فَاسْئَلْ بِهِ خَبِيرًا	خدائے خبیر سے مسئلہ پوچھو۔
لَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَ أَحْسَنَ تَفْسِيرًا۔	قرآن کی بہترین تفسیر خود قرآن ہے۔
أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا	بہترین فیصلہ کرنے والے خدا نے مفصل کتاب اُتاری ہے۔

قرآن مجید میں اس قسم کی تصریحات بکثرت پائی جاتی ہیں جن کی بنا پر بہت ٹھیک تسلیم کیا گیا ہے کہ القران یفسر بعضہ بعضاً (اس قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے) اسی بنا پر بعض[1] مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس کا مستحسن التزام کیا ہے

عطاء الرحمٰن فی نکات القرآن کی تکمیل کے بعد قرآن مجید پر غور کرنے والوں کے سامنے علم کا ایک نیا دروازہ کھل جائیگا اور وہ جو کچھ اس کی راہ سے دیکھیں گے اُس پر بہت زیادہ اعتماد کیا جا سکیگا۔ وہ حبل اللہ سے اعتصام کی تسکین حاصل کریں گے اور ایسے عروہ وثقیٰ سے تمسک کر سکیں گے جس کو انفصام نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ مصنف کی آخری کوشش نہیں ہے اور نہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی انسان کی سعی ترقی کے دروازوں کو

[1] تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن (عربی) مصنفہ مولوی ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری اس کی بہترین مثال ہے۔ محترم مفسر نے یہ ثابت کرنے کی مستحسن کوشش کی ہے کہ قرآن اپنی تفسیر میں غیر قرآن کا محتاج نہیں۔ شکر اللہ سعیہ

زیادہ بہتر اور سلیم تر طریقہ ایک اور بھی ہے، جس کی صحت وتفوق میں شک کی بہت کم گنجائش ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ کسی تصنیف کا ترجمہ کرتے ہوئے خود صاحب تصنیف کا مافی الذہن دریافت کرنے کی کوشش کی جائے، یعنی اسی تصنیف کے الفاظ ومحاورات اور اُن کے محل استعمال کو بنظر غائر دیکھا جائے۔ مصنف بسا اوقات ایک بات کو متعدد مرتبہ مختلف اسالیب سے بیان کرتا ہے، یا ایک لفظ کے لیے دوسرے مقام پر متقارب یا مترادف لفظ لاتا ہے، یا بعض فقروں میں اضداد الفاظ سے کام لیتا ہے۔ مترجم کو چاہیے کہ ایسے تمام مواقع پر مبصرانہ احاطہ کرے اور اُن سے حسب ضرورت فائدہ اُٹھائے۔ قرآن مجید کے مترجموں اور مفسروں نے پہلا طریق[۵] بہت کم اختیار کیا ہے، اور بعد کے چار طریقوں سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ لیکن آخری طریق جس کو "عطاء الرحمٰن فی نکات القرآن" کہنا بہت مناسب ہے، اب تک اس کی صرف بالالتزام کسی صاحب نے توجہ نہیں کی تھی۔ حضرت شیخ عطاء اللہ صاحب وکیل گجرات، جو فطرت سے ندرت کی قدرت اور جدت کی شدت لیکر آئے ہیں، اُنھوں نے اس بارہ خاص میں کامل انہماک سے کام لیا ہے۔ یعنی اپنی عمر عزیز کا بہترین حصہ اس نہج سے قرآن کو دیکھنے میں صرف کر دیا، اور اس بحر عمیق سے وہ موتی نکالے ہیں کہ باید وشاید۔

قرآن مجید صرف ایک معجزہ نہیں، مرقع معجزات ہے۔ جہاں اس کی فصاحت وبلاغت، انداز بیان، بشارت ونذارت، تعیین حدود، تحکیم دلائل، اجرائے قوانین، تخلیق اقوام، صحت روایت وغیرہ ہر چیز لفظی ومعنوی حیثیت سے اعجاز کا حکم رکھتی ہے، وہاں یہ نکتہ بھی ایک کھلا ہوا معجزہ ہے کہ ہر مذاق کا محقق ومتجسس اپنی تلاش وتفحص اور صدق وخلوص کے مطابق آیات مجید کو اپنی امداد واعانت کے لیے آمادہ پاتا ہے۔ مختلف المذاق مفسرین کی تفسیریں اُٹھا کر دیکھیے آپ کو میرے اس بیان کی تصدیق ملیگی۔ زاہدوں نے اس کو زہد میں اپنا ہمنوا پایا، فلسفہ پسندوں کو اس

بقیہ حاشیہ ص۹

استخراج کہ ایک کتاب کے الفاظ کے معانی متعین کرنے کے لیے خود اسی کتاب کے دوسرے مقامات سے سند حاصل کی جائے، بہت کم غلطی کا امکان رکھتا ہے، اس لحاظ سے پیش نظر لغت (عطاء الرحمٰن فی نکات القرآن) کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے، اس کا ایک ایک ورق، ورق نقرہ وطلا سے بہت زیادہ قیمتی ہوتا۔

۵ مصری تفسیر جواہر القرآن طنطاوی اسی طرز پر لکھی گئی ہے۔ حال میں ہمارے ہندی مترجم مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے بھی اپنے ترجمہ قرآن کی جلد ثانی میں اہل مصر کے تتبع میں پہلا قدم اُٹھایا ہے۔

میں نکات عمیقہ اور لطائف دقیقہ نظر آئے۔ مجاہدین نے اس سے یکسر سعی و جہاد کا درس لیا۔ اہل تقویٰ نے توکل و سپردگی کا لطف اٹھایا علیٰ ہذا القیاس اس کتاب عزیز کی اسی خوبی افاضہ وافادہ اور شیوہ امداد و اعانت نے مصنف جلیل حضرت شیخ عطاء اللہ وکیل کی اوّل سے آخر تک رفاقت کی ہے اور ہر گام و منزل پر توشہ و زاد کا کام دیا ہے۔ خود قرآن مجید اپنی دلکش وادیوں کے مسافر اور رایٔ فردوس مثال بستانوں کے تماشائی کو اپنے غیر فانی نطق میں اطلاع دیتا ہے۔

لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ	اے جویائے حقیقت خدائے خبیر کی مانند کوئی شخص تجھ کو آگاہ حقیقت نہیں کرسکتا۔
ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ	اس قرآن کی اسرار کشائی ہمارے (اللہ تعالیٰ) کے ذمہ ہے۔
فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا	خدائے خبیر سے مسئلہ پوچھو۔
لَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ أَحْسَنَ تَفْسِيْرًا۔	قرآن کی بہترین تفسیر خود قرآن ہے۔
أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا	بہترین فیصلہ کرنے والے خدا نے مفصل کتاب اُتاری ہے۔

قرآن مجید میں اس قسم کی تصریحات بکثرت پائی جاتی ہیں جن کی بنا پر بہت ٹھیک تسلیم کیا گیا ہے کہ القرآن یفسر بعضہ بعضاً (اس قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے) اسی بنا پر بعض[1] مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس کا مستحسن التزام کیا ہے

عطاء الرحمٰن فی نکات القرآن کی تکمیل کے بعد قرآن مجید پر غور کرنے والوں کے سامنے علم کا ایک نیا دروازہ کھل جائیگا اور وہ جو کچھ اس کی راہ سے دیکھیں گے اُس پر بہت زیادہ اعتماد کیا جاسکیگا۔ وہ حبل اللہ سے اعتصام کی تسکین حاصل کریں گے اور ایسے عروہ وثقیٰ سے تمسک کرسکیں گے جس کو انفصام نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ مصنف کی آخری کوشش نہیں ہے اور نہ کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی انسان کی سعی ترقی کے دروازوں کو

[1] تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن (عربی) مصنفہ مولوی ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری اس کی بہترین مثال ہے۔ محترم مفسر نے یہ ثابت کرنے کی مستحسن کوشش کی ہے کہ قرآن اپنی تفسیر میں غیر قرآن کا محتاج نہیں۔ شکر اللہ سعیہ

سند گردیے۔ آپ نے ہر ملاقات میں اپنی تشنگی تحقیق یا بالفاظ دیگر ترقی پذیر تجسس کا اعتراف کیا ہے اس کے مطالعہ سے ناظر کریم کو معلوم ہوگا کہ جہاں روانی و بے تکلفی کی کثرت ہے کہیں کہیں تکلف و بے ربطی بھی پائی جاتی ہے جو اپنے "نقاش ثانی" کی منتظر ہے، اس طرح یہ سعی بنیاد کا کام دیگی اور آنے والے محقق اس پر اپنی فلک بوس عمارات تعمیر کرسکیں گے

اے خدا اس کو قبول کر اور اہل حق کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق دے

مصنف کا اسلوب بیان نہایت سادہ مختصر اور محتاط ہے۔ ترتیب میں حروف تہجی کی رعایت کی گئی ہے۔ ہر لفظ کے مقابل اس کا متقارب یا مترادف یا متضاد لفظ لکھ دیا ہے۔ جہاں ہر سہ یا ہر دو قسم کے لفظ مل گئے ہیں وہاں مجموعاً استفادہ کیا ہے، جہاں ایک قسم کا لفظ ملا ہے وہاں اسی پر قناعت کی ہے۔ بعض جگہ متعدد، مترادف، متضاد یا متقارب الفاظ مہیا ہوگئے ہیں وہاں ان سب کو لے لیا ہے اور استناد و استشہاد کے لیے ہر مقام پر ایک یا متعدد آیات لکھ دی ہیں اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں لکھا، صرف تخریج آیات اور تقارب، تضاد اور ترادف کی تعیین کر دینے سے اپنی بے نظیر فقاہت کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً

بحر کے لیے تین متضاد لفظ آتے ہیں

(۱) بحر۔ بر۔ سند اوّل۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

" ثانی۔ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ٦/٥٩

" ثالث۔ أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ٢٧/٦٣

(۲) بحر۔ رھو۔ سند۔ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُغْرَقُونَ ٤٤/٢٣

(۳) بحر۔ یبس۔ سند۔ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ٢٠/٧٧

بَدِيع کے دو مترادف بتائے ہیں۔

(۱) بدیع۔ خالق۔ سند۔ بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ٦/١٠١ و ٢/١١٧

قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ١٣/١٦

(۲) بدیع۔ فاطر۔ سند۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ٣٥/١

بَأْسَاءَ وَضَرَّاءَ متقارب ہیں۔

لے ہمارے زمانے کے بعض مذہبی فرقے (قادیانی، بہائی وغیرہ) تو خدا پر بھی یہ یقین نہیں رکھتے کہ وہ اپنی وحی و نبوت کو ناتمامی کے عیب سے محفوظ رکھ سکے۔

سند ۔ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

آخر میں ایک بات کہکر میں اس تعارف کو ختم کرتا ہوں، ممکن ہے کہ بعض الفاظ کو مصنف نے مترادف سمجھا ہو اور کوئی دوسرے صاحب اُنھیں متقارب کہدیں اور ایسے ہی کوئی شخص اُن کے متضاد کو متضاد نہ سمجھے ۔ میں کہتا ہوں ہر مخلص ناظر کو اس قسم کی تنقید کا حق ہے اور کوئی انسان خطا و لغزش سے پاک نہیں ۔ بلاغ کے صفحات اس قسم کی تحقیق کے لیے حاضر ہیں ۔

آئندہ نمبر میں اس کتاب کا نمونہ شریک اشاعت بلاغ کرنے کا ارادہ ہے ۔ اس کی عظمت وجلالت کا اقتضا یہ ہے کہ اُس کو نہایت عمدہ کاغذ پر ملک کے بہترین کاتب سے لکھوا کر یا ٹائپ کے حروف میں نہایت شان و احترام سے شائع کیا جائے ۔ یہ قرآن عزیز کی ایک مستقل خدمت ہوگی ۔ جس سے بلا اختلاف ملت ومشرب ہر محقق قرآن فائدہ اُٹھائیگا ۔ اس کا مرتبہ عہد حاضر تک کے تمام لغتہائے قرآن سے ممتاز ہوگا ۔ آئندہ زمانے کا کوئی مفسر و مترجم اس سے بے نیاز نہیں ہوسکیگا ۔ ضرورت ہے کہ کوئی صاحب دولت وایثار اس کام کو اپنے ذمے لیں، اس کے مسودات کی ترتیب وتدوین بہت زیادہ فرصت وتوجہ کی محتاج ہے ۔ اس کے لیے میں اللہ تعالےٰ سے توفیق مانگوں گا اور اپنے کاروبار سے فارغ اوقات کو ہر قسم کے علمی اشغال سے بچا کر اس میں مصروف ہو جاؤنگا انشاءاللہ العزیز ۔　　　　(عرشی)

جواہرِ انتخاب

تبلیغ میں استقلال:- ایک دن آپ (مولانا اسمٰعیل شہیدؒ) وعظ فرمانے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، بغل میں حمائل تھی اور فراشتابانہ قدموں سے جا رہے تھے۔ ایک بوڑھے شخص نے جس نے اپنی جان اسلام پر قربان کرنے کا ارادہ کر لیا تھا' آبدیدہ ہو کر کہا:-

اے ہمارے نوجوان ہادی تو اس طرح راہ حق دکھانے میں کوشش کرے اور تیری کوشش رائیگاں جائے۔ افسوس کیسے سنگدل لوگ ہیں جو تیری بات نہیں سنتے اور اگر سنتے بھی ہیں تو اس پر عمل نہیں کرتے۔

آپ نے مسکرا کر جواب دیا:-

"بڑے میاں ہر کام بتدریج ہوتا ہے۔ صدیوں کی خرابی صدیوں ہی میں دفع ہو سکتی ہے۔ بکایک کوئی سنگلاخ زمین پر بیج ڈال نہیں سکتا۔ اس اُمید سے کہ یہ بار آور ہو اور جس کا یہ خیال ہے' وہ ہوا پر نقش کرنا چاہتا ہے"

بوڑھے نے مُنہ اُٹھا کے یہ دعا دی:-

"تو قطعی کامیاب ہوگا' اے نوجوان ہادی! خدا تیری عمر میں برکت دے"

دوسرے راہگیر نے بہت زور سے آمین پکاری۔ یہ دعا فوراً مقبول ہوئی اور اس کا اثر دو گھنٹے کے بعد ظاہر ہو گیا۔ جب آپ وحدانیت پر وعظ فرما رہے تھے اور ایک پُر اثر اور پر جوش لہجہ میں ربانی مطالب کو حل فرما رہے تھے تو قریباً دو سو آدمیوں کے گروہ نے غل مچا کے یہ کہا' ہم نے شرک و بدعت سے توبہ کی اور آئندہ ہم عہد کرتے ہیں کہ اپنی حاجتیں سوائے خدا کے کسی کے پاس نہ لے جائیں گے۔ (حیات طیبہ صفحہ ۹-۷۸)

حدیث عہد صحابہ میں:- وہ صحابہ جو مدتوں تک اپنے مفخر موجودات اور رحمت عالم کے ہم رکاب رہ چکے تھے' انھیں خود صدہا حدیثیں یاد نہ تھیں' چنانچہ جب حضرت صدیق اکبرؓ سے دادی کے حصہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا' مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو کونسا حصہ دلوایا ہے۔ میں نے کبھی اس کی بابت نبی اکرمؐ کی زبان مبارک سے

کچھ نہیں سنا۔ پھر آپ نے ظہر کی نماز کے بعد لوگوں سے دریافت کیا کہ اگر کسی کو دادی کے حصہ کی بابت معلوم ہو تو بیان کرے۔ یہ سُنکر مغیرہ بن شعبہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے فرمایا۔ تیرے سوا اور بھی کوئی جانتا ہے؟ محمد بن سلمہ نے اس صداقت پر شہادت دی۔ حضرت ابو بکر صدیق کو اطمینان ہوا تو آپ نے دادی کو چھٹا حصہ دلوایا۔ جب یار غار کا یہ حال ہو کہ اُسے بہت سی حدیثیں یاد نہ ہوں، تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ چار مجتہدوں میں سے فلاں مجتہد کو تمام حدیثیں یاد تھیں؟ (حیات طیبہ سوانح شاہ اسمٰعیل شہیدؒ صفحہ ۵)

غیر نتیجہ خیز باتیں:۔ صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے اور خود بھی اسی طرح پڑھنے لگتے تھے۔ کیا مجال تھی، ایسی کوئی بات دریافت کرتے، جس سے کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوتا اور وقت ضائع ہوتا۔ نبی اکرمؐ نے حج کیا۔ صحابہ نے بھی اسی طرح ارکان حج ادا کئے۔ نبی اکرم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ وضو کے چھ فرض ہیں یا چار، نہ آپ نے یہ فرمایا کہ انسان بلا موالات وضو کرے یہاں تک کہ اس پر فساد یا صحت کا حکم کیا جائے۔ صحابہ اس قسم کی غیر نتیجہ خیز باتیں دریافت ہی نہیں کرتے تھے۔ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں، میں نے کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی، جو رسول اللہ کے اصحاب سے بہتر ہو۔ اُنھوں نے تمام زمانہ نبوت میں رسول اللہ سے صرف ۱۴ مسئلے دریافت کیے اور وہ سب مسئلے قرآن مجید میں موجود ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ مسئلہ ہے، تجھ سے شہر حرام میں قتال کرنے سے سوال کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس نے فرمایا ہے، اصحاب کبھی نبی اکرمؐ سے ایسا سوال نہ کرتے تھے کہ جو اُنھیں منفعت نہ بخشے۔ عبداللہ بن عمرضؓ فرماتے ہیں، ہم نے کبھی ایسا سوال نہیں کیا، جس کا نفع دائمی نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے۔ ایسی چیز کا سوال کرے، جو نا پید ہو۔ (حیات طیبہ، سوانح شاہ اسمٰعیل شہیدؒ صفحہ ۲۵۴)

عبدالرحمٰن ابن ابو حاتم اپنی کتاب "الجرح والتعدیل" سنا رہے تھے، یوسف ابن حسین رازی آئے۔ پوچھا، یہ کیا ہے؟ اُنھوں نے فرمایا، حالات اہل علم کہ کون معتبر اور کون نامعتبر تھا۔ یوسف نے کہا، شرم! یہ لوگ ایک یا دو سو برس سے داخل جنت ہیں اور تم ان کی غیبت کرتے ہو؟ عبدالرحمٰن روئے اور کہا اگر میں اس کی تصنیف سے قبل یہ بات سنتا تو اس کو تصنیف نہ کرتا۔ ایسا ہی ابو تراب النخشبی نے احمد بن حنبلؒ سے کہا، یا شیخ لا تغتب العلماء (تلبیس ابلیس صفحہ ۴۷)

ابوالحسن ثوری نے اذان سن کر طعن کیا اور کتے کی آواز سن کر لبیک وسعدیک کہا۔ سبب پوچھا گیا، تو کہا کہ وہ اُجرت پر اذان دیتا ہے اور یہ بے ریا تسبیح بحمدہٖ۔

پنجابی مسلمان

تحقیق کی بازی ہو، تو شرکت نہیں کرتا ۔۔۔ ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے ۔۔۔ یہ شاخِ نشیمن سے اُترتا ہے بہت جلد

نماز

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں ۔۔۔ اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ۔۔۔ ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

روایات کے پھندے

دنیا ہے روایات کے پھندوں میں گرفتار ۔۔۔ کیا مدرسہ کیا مدرسہ والوں کی تگ و دو
کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت ۔۔۔ وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

دین و تعلیم

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز ۔۔۔ ہو نہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و گزاف
اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم ۔۔۔ ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

(اقبال)

حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو۔

چھ فٹ زمین ہر امیر و غریب کو یکساں کر دیتی ہے۔

شخصیت پرستی (۳)

(از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز)

۴۔ پیر پرستی عبادات میں اخلاص کا ہونا ضروری ہے۔ اسے قرآنی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں اگر اخلاص نہ ہو تو پھر عبادت یا تو محض ریاکاری ہو جاتی ہے یا مشینی عمل کہ جس میں حرکت تو ہوتی ہے لیکن روح مفقود۔ جب عوام میں کچھ ظاہرداری آنے لگی تو حقیقت بین نگاہوں نے اخلاص پر زور دیا اور عبادات کے اصل مقصد یعنی تزکیۂ نفس اور صفائی قلب کی طرف توجہ دلائی یہ تھی تصوف کی ابتدا۔ لیکن جس طرح اور شعبوں میں غلو و تشدد ہوا اُسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر، اس شعبہ میں ہوا۔ رفتہ رفتہ ایک نیا دین قائم ہو گیا جس کا تعلق باطن سے قرار دیا گیا، اور جو دین متواتر چلا آتا تھا اُسے شریعت ظاہری کا لقب دیدیا گیا۔ آہستہ آہستہ اس ظاہری شریعت کے بے روح اور باطنی طریقت کے حقیقتِ دین قرار دیئے جانے سے اول الذکر ایک بے معنی فرسودہ اور بیکار سا عمل تصور ہونے لگا اور اصل شریعت یہی باطن پرستی ہو گئی۔ گویا یہ "مغز قرآن" تھا جسے اہل معرفت نے اپنے لیے مخصوص کر لیا اور "استخواں کا ڈھیر" "پیش سگاں" پھینکدیا۔ ظاہر ہے کہ جب شریعت ظاہری کو اس درجہ مہمل اور گھناؤنا بنا دیا جائے تو اس پر عمل بھی کیسے رہ سکتا ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ہوا یہ کہ وہ تمام عبادات و مناسک جن کے ذریعے صدرِ اول کے مسلمانوں (رضی اللہ عنہم) نے دین و دنیا کی برکات حاصل کر لی تھیں، اساطیر الاولین ہو گئیں اور ان کی جگہ ایسے اعمال و وظائف نے لے لی جو یا تو ایران کے آتشکدوں سے آئے تھے یا یونان کے اشراقیین کے زدایا سے۔ اس سے آگے بڑھے تو ہندوستان کی ویدانت نے اس کے ماتھے پر سیندور کا قشقہ لگایا۔ بغداد کی تباہی اونگھتے کے لیے ٹھیلتے کا بہانہ بن گئی۔ مرکز کی بربادی، ملت کا انتشار، نہ سینوں میں وہ دل، نہ دلوں میں وہ حوصلے۔ مجاہدانہ ولولے، سپاہیانہ اُمنگیں، چلہ کشی اور زاویہ نشینی میں بدل گئیں۔ اب نہ وہ عقائد تھے نہ اعمال۔ زندہ خدا کا زندہ مذہب جس نے سوئی ہوئی دنیا کو جگا دیا تھا، اب دنیا کو سلانے کے کام آنے لگا۔ چونکہ یہ تمام علوم سینہ بسینہ منتقل ہوتے چلے آ رہے تھے، اس لیے خدا، رسول، قرآن، شریعت، سب سمٹ سمٹا کر ایک انسان میں جمع ہو گئے جسے مرشد طریقت کہا گیا۔ انسان پرستی نسل پرستی کی طرف منجر ہوئی اور "ارضی خلافت" کی طرح اس "روحانی خلافت" کا سلسلہ بھی

وراثۃً منتقل ہونے لگا۔ اب اس میں اور برہمنیت میں کچھ زیادہ فرق نہ رہا۔ پیر کا حکم بلا سند خدا کا حکم ہے۔ اس کے کسی لفظ اور عمل پر تنقید نہیں ہو سکتی۔ لب کشائی تو ایک طرف دل میں بھی اس کے خلاف گرانی محسوس نہیں ہونی چاہیئے کہ پیر دل کی لغزشوں اور آنکھ کی خیانتوں سے حاضر و غائب اسی طرح واقف ہے جس طرح خدا۔ خدا کی ناراضی تو پھر بھی گوارا کی جا سکتی ہے۔ لیکن پیر کی ناراضی بڑی سخت چیز ہے کیونکہ اس سے تو انسان دنیا و عقبیٰ دونوں میں راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کہیں ٹھکانا ہی نہیں۔ پھر نہ خدا اس کی مدد کر سکتا ہے نہ کوئی انسان حتیٰ کہ اگر کسی وقت خدا اور پیر میں سے ایک کو چھوڑنے اور دوسرے کو رکھنے کی مجبوری لاحق ہو جائے تو فیصلہ یہ ہو کہ "ہر تیاگوں گر نا ہیں تیاگوں"[۵۷]۔ اللہ اکبر! اسلام انسانی استبداد مٹانے آیا تھا۔ ملوکیت کا استبداد تو انسان کے جسم تک ہی محدود تھا۔ لیکن اس استبداد کو دیکھیئے کہ دل و دماغ پر مستولی ہے۔ رگ و ریشہ میں اترا ہوا ہے۔ قلب و روح پر چھایا ہوا ہے۔ اگر پیر کی عظمت کے خلاف دل میں بھی کوئی خیال گذر جاتا ہے، تو یہ ڈرتا ہے، لرزتا ہے، کانپتا ہے۔ حالانکہ مومن کی شان یہ تھی کہ اسے خدا کے سوا دونوں عالم میں کسی کا ڈر نہیں ہو سکتا تھا۔ خوف کا نشیمن تو مشرک کا قلب ہے جو عاجز و درماندہ مخلوق کے سامنے جھکتا ہے

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ (۳:۱۵۱)	ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

اور ان انسانوں سے ڈرتا ہے جو خود اس جیسے ہیں

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ (۷:۱۹۴)	یقیناً جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ خود تمہارے ہی جیسے بندے ہیں۔

کہتے ہیں کہ صاحب ہم مرشد کو سجدہ تو نہیں کرتے[۵۸]۔ پھر یہ شرک کیسے ہوا۔ لیکن انھیں معلوم نہیں کہ شرک ایک سجدہ تک ہی محدود نہیں۔ غیر کو سجدہ تو شرک کی ایک محسوس شکل ہے۔ اس کے علاوہ بڑی بڑی صورتیں ایسی بھی ہیں جو غیر مرئی اور غیر محسوس ہیں۔ وہاں تو شرک کی وسعت اس حد

---

۵۷ خدا کو چھوڑ سکتا ہوں۔ لیکن پیر کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ ایک مشہور صوفیانہ ہندی دوہے کا آخری مصرع ہے (پرویز)

بھیکھا وہ نرکوڑ ہے جو گر کو جانے اور　　　ہر روٹھے گر میل دے گر روٹھے نہیں ٹھور

یعنی مرشد کو خدا سے الگ جاننا گمراہی ہے۔ خدا روٹھ جائے تو مرشد منا سکتا ہے مرشد روٹھ جائے تو کوئی ٹھکانا نہیں (بلاغ)

۵۸ صاحب! سجدہ تعظیمی کیا چیز ہے، حسن نظامی صاحب اس پر ایک مستقل تصنیف رکھتے ہیں وہ دیکھیئے (بلاغ)

تک ہے کہ

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ (۲۵:۴۳) | کیا تم نے اس کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنا لیا۔

فرمائیے! اتباعِ خواہشات میں کس کو سجدہ کیا جاتا ہے؟ اس میں شرک یہی ہے کہ اتباع جو صرف خدا کے فرمان کا ہونا چاہیئے تھا، غیر خدا کی طرف منتقل ہو گیا۔ غیر خدا چاہے وہ انسان کا اپنا نفس ہی کیوں نہ ہو، جب مالک و مطاع بنا لیا جائے، اور خدا کے فرامین سے بے نیاز ہو کر اس کی پیروی کی جائے تو یقیناً شرک ہے۔ اب دیکھیے کیا پیر کی اطاعت اس طرح نہیں کی جاتی کہ جو کچھ وہ حکم دے بلا سند کتاب و سنت، واجب الاتباع سمجھ لیا جائے؟ کہتے ہیں کہ ہم پیر کی اطاعت اس لیے کرتے ہیں کہ ع

سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

لیکن کیا یہود و نصاریٰ جس بنا پر اپنے احبار و رہبان کی اطاعت کرتے تھے، وہ اس سے کچھ مختلف تھی؟ پھر خدا نے قرآن میں اس کو شرک کیوں قرار دیا؟ کہتے ہیں کہ ہم اطاعت مرشد تقربِ الٰہی کے لیے کرتے ہیں۔ لیکن دیکھیے کہ مشرک کس غرض سے غیر اللہ کی بندگی کرتے تھے:-

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفَىٰ (۳۹:۳) | اور جو لوگ خدا کے سوا دوسروں کو کارساز بناتے ہیں وہ (کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں۔

کہتے ہیں کہ ہم پیر کو وسیلہ بناتے ہیں معرفتِ الٰہی کے لیے۔ اس کی سند میں یہ آیت پیش کی جاتی ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (۵:۳۵) | اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو۔

حالانکہ یہی آیت ان کے اس دعوے کی تردید کر رہی ہے۔ اوپر کا حصہ آیت کا آدھا ٹکڑا ہے باقی حصہ اس وسیلہ کی تشریح کر رہا ہے کہ

وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ | اور اس کے راستہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

یعنی تقربِ الٰہی کا حقیقی وسیلہ جس کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ ہے کہ راہِ حق میں باطل کے خلاف جانفشانی اور سخت جدوجہد کی جائے۔ یہ وسیلہ وہی چیز ہے جسے غالب نے "تقریبِ بہرِ ملاقات" سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی انسان کا دامن تھام لو اور علم و عمل سے بے پروا ہو کر یہ سمجھ بیٹھو کہ جس کا دامن تھاما ہے، وہی خدا سے لے جا کر ملا دے گا۔ ایسے اندھے توسل کی تو اسلام نے

ہرگز تعلیم نہیں دی۔ آنکھیں بند کر کے کسی انسان کی پیروی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر پیشوا گمراہ ہو تو وہ پیروؤں کے ریوڑ کو جس گڑھے میں چاہے لے جا کر پھینک دے۔ توسل کے اسی غلط تصور نے یہاں تک نوبت پہونچا دی کہ سندھ کے ایک پیر صاحب نے اپنے گھر کو کعبہ قرار دیا اور ان کے مرید اس کعبہ کا حج کرنے لگے۔

اصل یہ ہے کہ ایک غلط طریقہ کو جائز و برحق ثابت کرنے کے لیے نہایت معصوم صورت میں پیش کیا جاتا ہے اور قرآن و حدیث کی آیتیں اس غرض کے لیے توڑ مروڑ کر پیش کی جاتی ہیں کہ اس طریقہ کی چند ظاہری صورتوں کو مشروع ثابت کر دیا جائے۔ حالانکہ اگر اس کی روح کو دیکھا جائے تو وہ قطعًا منافی اسلام ہے۔ پیر کے اندر وہ تمام صفات جمع کر دی جاتی ہیں، جو صرف خدا کے لیے مخصوص ہیں اُس سے ڈرتے ہیں، اس لیے کہ اس کی ناراضگی سے نقصان و ضرر پہنچتا ہے، اسے مناتے ہیں، اس لیے کہ اس کی خوشنودی سے منافع و مقاصد حاصل ہوتے ہیں، حالانکہ نفع و نقصان کا واحد مالک آقائے حقیقی ہے۔

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا (۱۱ : ۴۸)

کہیے کہ اگر تمہیں اللہ نفع یا نقصان پہنچانا چاہے تو وہ کون ہے جو اس کے سامنے تمہارے لیے کسی بات کا بھی اختیار رکھتا ہو۔

چونکہ پیر کے متعلق یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اسے محکمۂ قضا و قدر میں دخل حاصل ہوتا ہے اس لیے اس سے دعائیں کرائی جاتی ہیں۔ بلاشبہ ایک مومن کا دوسرے مومن کے لیے دعائیں کرنا نیک عمل ہے اور جس قدر کوئی خلوص دل سے دعا کریگا اسی قدر اس کی اجابت کی زیادہ اُمید ہوگی۔ لیکن اس نیت سے دعائیں کرانا کہ خدا ہماری تو سنتا نہیں ان کی وہاں تک رسائی ہے اس لیے یہ اُس سے بات منوالیں گے، یقینًا خدا کے متعلق بڑا غلط اندازہ ہے۔ اللہ تو ہر بندۂ مومن سے فرماتا ہے کہ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کرونگا۔ اور اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ۔ کون ہے جو کسی بیقرار کی فریاد رسی کرتا ہے؟ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا وہ اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور جب میرے بندے میری بابت تم سے پوچھیں تو کہدو کہ میں (ان سے) قریب ہی ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جب کہ وہ مجھے پکارے۔

یاد رکھیے کہ ہدایت قرآن میں آچکی۔ ظاہر، باطن، شریعت، طریقت سب کچھ وہی ہے۔ خدا سے

ملنے کا راستہ بھی وہی ہے جسے خدا ہی نے صراط مستقیم کہا اور جسے خود نبی اکرمؐ نے اُمت کو دکھا دیا۔ اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں، کوئی چور دروازہ نہیں جس کے راستے کوئی دوسرا خدا تک لے جائے اور یہ راستہ صرف اسی طرح ملتا ہے کہ تمام انسانوں کی غلامی کا طوق اُتار کر صرف ایک خدا کی غلامی اختیار کرلی جائے یہی خود رسول اللہ نے کیا۔ اور اسی کے کرنے کا حکم دیا۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (۵۰-۳۰)	میرا اور تمہارا رب وہی اللہ ہے۔ اسی کی غلامی اختیار کرو۔ یہ ہے صراط مستقیم۔

اس کے علاوہ اور کوئی "راز" نہیں جو حضور خفیہ خفیہ کسی ایک کو بتا گئے ہوں کہ یہ چیز تبلیغ رسالت کے منافی تھی جس کے لیے حضور مامور تھے۔

باقی رہی بزرگوں کی تعظیم، تو اس میں بلاشبہ بڑی سعادت ہے۔ ان کی مبارک زندگیاں ہمارے لیے تقویت ایمان کا موجب ہیں اس لیے کہ اُنھوں نے دنیا کو بتا دیا کہ کس طرح اپنے نفس کے شیطانی رجحانات کو تقویٰ و خشیت آلہی کی قوتوں سے مغلوب کیا جا سکتا ہے اور کس طرح ایک اللہ کا ہو کر سارے جہان کی غلامی سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے تمام دنیا کی مخالفت کے باوجود بڑے بڑے کفر و الحاد کے مرکزوں میں جا کر قرآن و اسوۂ حسنہ کی روشنی راہ گم کردہ انسانوں تک پہنچائی اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اعمال صالحہ آج اس الحاد و مادہ پرستی کے بحر متلاطم میں روشنی کے میناروں کی طرح محکم و استوار کھڑے ہیں کہ حوادث زمانہ کی نامساعد موجیں آئیں اور ان سے سر ٹکرا کر لوٹ جائیں وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔

لیکن تعظیم اور تعبد کے باریک فرق کو بھول جانے سے صحیح راستہ گم ہو جاتا ہے۔ لہذا اسے کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔

۵۔ **مُردہ پرستی** پیر پرستی کی غلامی کا طوق پیر کی زندگی تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ اس کی مملکت ابدی ہے۔ مرنے کے بعد وہ اسی طرح قلب و دماغ پر چھایا رہتا ہے جیسا زندگی میں۔ بلکہ اب اس کی گرفت پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو جاتی ہے کہ اب وہ دربار خداوندی کا حاضر باش ممبر تصور کیا جاتا ہے۔ بلکہ عقیدہ "وصول بالحق" کی رو سے تو وہ خدا میں مل کر خود خدا بن جاتا ہے۔ وہ تمام مریدوں کے حالات سے باخبر ہوتا ہے۔ ہر ایک کی دعائیں سنتا ہے۔ ان کی مشکل کشائی کرتا ہے۔ مصیبت میں بعض اوقات بنفس نفیس تشریف لا کر حاجت روائی کرتا ہے غرضیکہ جو کچھ اللہ تعالےٰ کو کرنا چاہیے تھا اب اس کی جگہ پیر صاحب کرتے ہیں۔ حالانکہ مُردوں کے

ہرگز تعلیم نہیں دی۔ آنکھیں بند کر کے کسی انسان کی پیروی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر پیشوا گمراہ ہو تو وہ پیرووں کے ریوڑ کو جس گڑھے میں چاہے لے جا کر پھینک دے۔ توسل کے اسی غلط تصور نے یہاں تک نوبت پہونچا دی کہ سندھ کے ایک پیر صاحب نے اپنے گھر کو کعبہ قرار دیا اور ان کے مرید اس کعبہ کا حج کرنے لگے۔

اصل یہ ہے کہ ایک غلط طریقہ کو جائز و برحق ثابت کرنے کے لیے نہایت معصوم صورت میں پیش کیا جاتا ہے اور قرآن و حدیث کی آیتیں اس غرض کے لیے توڑ مروڑ کر پیش کی جاتی ہیں کہ اس طریقہ کی چند ظاہری صورتوں کو مشروع ثابت کر دیا جائے۔ حالانکہ اگر اس کی روح کو دیکھا جائے تو وہ قطعاً منافی اسلام ہے۔ پیر کے اندر وہ تمام صفات جمع کر دی جاتی ہیں، جو صرف خدا کے لیے مخصوص ہیں اُس سے ڈرتے ہیں، اس لیے کہ اس کی ناراضگی سے نقصان وضرر پہنچتا ہے، اسے مناتے ہیں، اس لیے کہ اس کی خوشنودی سے منافع و مقاصد حاصل ہوتے ہیں، حالانکہ نفع و نقصان کا واحد مالک آقائے حقیقی ہے۔

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا (۴۸: ۱۱)	کہیے کہ اگر تمہیں اللہ نفع یا نقصان پہنچانا چاہے تو وہ کون ہے جو اس کے سامنے تمہارے لیے کسی بات کا بھی اختیار رکھتا ہو۔

چونکہ پیر کے متعلق یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اسے محکمۂ قضا و قدر میں دخل حاصل ہوتا ہے اس لیے اس سے دعائیں کرائی جاتی ہیں۔ بلاشبہ ایک مومن کا دوسرے مومن کے لیے دعائیں کرنا نیک عمل ہے اور جس قدر کوئی خلوص دل سے دعا کریگا اسی قدر اس کی اجابت کی زیادہ اُمید ہو گی۔ لیکن اس نیت سے دعائیں کرانا کہ خدا ہماری تو سنتا نہیں ان کی وہاں تک رسائی ہے اس لیے یہ اُس سے بات منوالیں گے یقیناً خدا کے متعلق بڑا غلط اندازہ ہے۔ اللہ تو ہر بندۂ مومن سے فرماتا ہے کہ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کرونگا۔ اور اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ۔ کون ہے جو کسی بیقرار کی فریاد رسی کرتا ہے؟ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا وہ اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور جب میرے بندے میری بابت تم سے پوچھیں تو کہدو کہ میں (ان سے) قریب ہی ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جب کہ وہ مجھے پکارے۔

یاد رکھیے کہ ہدایت قرآن میں آچکی۔ ظاہر، باطن، شریعت، طریقت سب کچھ وہی ہے۔ خدا سے

ملنے کا راستہ بھی وہی ہے جسے خدا ہی نے صراط مستقیم کہا اور جسے خود نبی اکرمؐ نے اُمت کو دکھا دیا۔ اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں، کوئی چور دروازہ نہیں جس کے راستے کوئی دوسرا خدا تک لے جائے اور یہ راستہ صرف اسی طرح ملتا ہے کہ تمام انسانوں کی غلامی کا طوق اُتار کر صرف ایک خدا کی غلامی اختیار کر لی جائے یہی خود رسول اللہ نے کیا۔ اور اسی کے کرنے کا حکم دیا۔

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ۔ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (۵۰-۳۰)	میرا اور تمہارا رب وہی اللہ ہے۔ اسی کی غلامی اختیار کرو۔ یہ ہے صراط مستقیم۔

اس کے علاوہ اور کوئی "راز" نہیں جو حضور خفیہ خفیہ کسی ایک کو بتا گئے ہوں کہ یہ چیز تبلیغ رسالت کے منافی تھی جس کے لیے حضور مامور تھے۔

باقی رہی بزرگوں کی تعظیم، تو اس میں بلاشبہ بڑی سعادت ہے۔ ان کی مبارک زندگیاں ہمارے لیے تقویت ایمان کا موجب ہیں اس لیے کہ اُنھوں نے دنیا کو بتا دیا کہ کس طرح اپنے نفس کے شیطانی رجحانات کو تقویٰ و خشیت الٰہی کی قوتوں سے مغلوب کیا جا سکتا ہے اور کس طرح ایک اللہ کا ہو کر سارے جہان کی غلامی سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے تمام دنیا کی مخالفت کے باوجود بڑے بڑے کفر و الحاد کے مرکزوں میں جا کر قرآن و اسوۂ حسنہ کی روشنی راہ گم کردہ انسانوں تک پہنچائی اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اعمال صالحہ آج اس الحاد و مادہ پرستی کے بحر متلاطم میں روشنی کے میناروں کی طرح محکم و استوار کھڑے ہیں کہ حوادث زمانہ کی نامساعد موجیں آئیں اور ان سے سر ٹکرا کر لوٹ جائیں وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔

لیکن تعظیم اور تعبد کے باریک فرق کو بھول جانے سے صحیح راستہ گم ہو جاتا ہے۔ لہذا اسے کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔

۵۔ مُردہ پرستی: پیر پرستی کی غلامی کا طوق پیر کی زندگی تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ اس کی مملکت ابدی ہے۔ مرنے کے بعد وہ اسی طرح قلب و دماغ پر چھایا رہتا ہے جیسا زندگی میں۔ بلکہ اب اس کی گرفت پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو جاتی ہے کہ اب وہ دربار خداوندی کا حاضر باش ممبر تصور کیا جاتا ہے۔ بلکہ عقیدہ" وصول بالحق" کی رو سے تو وہ خدا میں مل کر خود خدا بن جاتا ہے۔ وہ تمام مریدوں کے حالات سے باخبر ہوتا ہے۔ ہر ایک کی دعائیں سنتا ہے۔ ان کی مشکل کشائی کرتا ہے۔ مصیبت میں بعض اوقات بنفس نفیس تشریف لا کر حاجت روائی کرتا ہے غرضیکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کو کرنا چاہیے تھا اب اس کی جگہ پیر صاحب کرتے ہیں، حالانکہ مُردوں کے

متعلق قرآن کریم کا کھلا کھلا فیصلہ ہے کہ یوم بعثت تک وہ کسی دنیا والے کی سننے اور جواب دینے پر قادر نہیں ہیں :-

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ (۳۵:۱۴)	اور اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار نہیں سنینگے۔ اور اگر سنیں بھی تو جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے انکار کردیں گے۔

اُن کو اتنا بھی علم نہیں کہ وہ کب قیامت کے لیے اُٹھائے جائیں گے۔

"اور جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ خود مخلوق ہیں۔ مُردہ ہیں زندہ نہیں ہیں، اور اتنی بھی خبر نہیں رکھتے کہ کب اُٹھائے جائیں گے (۱۶:۳۱)

۶- **ماضی پرستی** :- ہم نے جس قدر پرستشیں گنائی ہیں اگر آپ بنظر تعمق دیکھیں گے تو ان میں ایک چیز بطور قدر مشترک نظر آئے گی، اور وہ ماضی پرستی ہے۔ یہی ان تمام غلط عقائد کی اصل ہے۔ اسلام مستقبل کو درخشندہ و تابناک دکھلانے والا مذہب تھا۔ لیکن انسانی دماغوں نے جس مذہب کی تشکیل کی وہ تو بہرکیف انسانی مذہب ہی ہو سکتا تھا۔ جس کی رو سے ہمیشہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج بڑا تاریک ہے اور گذشتہ کل بڑا روشن تھا۔ یہ کلجگ ہے اور وہ ست جگ تھا۔ آپ آج سے پیچھے ہٹتے جائیے اور ہر ایک ایسے بزرگ کی تصنیف اُٹھائیے جس کا عہد آپ کے نزدیک بڑا مقدس اور نورانی تھا۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ بھی یہی گلہ کرتے ہوں گے کہ ہمارا زمانہ بڑا تاریک ہے اور گذشتہ زمانہ بڑا تابندہ تھا۔ ذہن انسانی کی کچھ افتاد ہی ایسی ہے اور اسی اُفتاد کا نتیجہ ہے کہ جو شئے گذشتہ زمانہ سے متعلق ہو واجب التعظیم ہو جاتی ہے۔ ائمہ پرستی۔ اسلاف پرستی۔ مردہ پرستی سب اسی ماضی پرستی کی مختلف شاخیں ہیں اور جب تک ماضی پرستی کا تخیل درست نہ ہوگا حقائق پرستی کبھی نہیں آئے گی۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہم ماضی سے بے نیاز ہو جائیں۔ ماضی ہمارے آباء کی وراثت ہے۔ ہم اس سے متمتع کیوں نہ ہوں لیکن ماضی کے متعلق یہ سمجھ لینا کہ ہر ایک فن عہد ماضی میں اپنی تکمیل کو پہنچ گیا اور ایسا مکمل ہو گیا کہ اس میں کوئی نقص، کوئی کمی باقی نہیں رہی۔ نہ اس پر اضافہ ہو سکتا ہے نہ ترمیم۔ نہ اس پر تنقید ہو سکتی ہے نہ تنقیح یہ ہے ماضی پرستی۔ دین یقیناً مکمل ہو چکا اور اس اعتبار سے عہد رسالت مآب اور عہد صحابہؓ کبار نوع انسانی کی تاریخ میں اسلام کا مکمل ترین عہد ہے کہ اس وقت قرآن ہدایت تھا اور اسوۂ حسنہ اس کے لیے روشنی تھی اور دین میں ابھی ذہن انسانی کی کارفرمائیاں نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن حقائق قرآنی

تو کسی زمانہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں۔ قرآن تو کتاب فطرت ہے۔ اور جس طرح فطرت کے رازہائے سربستہ ذہن انسانی کی نشوو ارتقاء کے ساتھ بے نقاب ہوتے چلے جا رہے ہیں، اور فطرت کی کوئی شے کسی مقام پر بھی جا کر یہ نہیں کہہ دیتی کہ بس اب مجھ میں مزید تحقیق بیکار ہے۔ میرے سینے میں جس قدر گہرہائے آبدار موجود تھے وہ سب باہر آچکے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کے حقائق بھی عقل انسانی کے ساتھ ساتھ جلوہ بار ہوتے جائیں گے، اور چونکہ یہ نوع انسان کی ہدایت کے لیے آخری کتاب ہے اس لیے جب تک دنیا میں انسان باقی ہیں یہ ان کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے مطابق سامان ہدایت دیتی چلی جائیگی اسی اعتبار سے ہم کہتے ہیں کہ قرآن کسی خاص ماحول میں مقید نہیں ہو سکتا۔ لیکن ماضی پرستی ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور یہی ہے وہ چیز جس سے دماغ پر سخت بیڑیاں پڑ جاتی ہیں۔ عقلیں معطل ہو جاتی ہیں۔ قوائے عمل مضمحل ہو جاتے ہیں۔ فکر و نظر کی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ کبھی قدم اُٹھتے بھی ہیں تو مُنہ کا رُخ چونکہ پیچھے کی طرف ہوتا ہے اس لیے ہر قدم پر منزل سے اور بُعد ہو جاتا ہے۔ قومیں آگے بڑھتی ہیں اور یہ قوموں کے امام پیچھے جاتے ہیں دنیا اوپر کو اُبھرتی ہے اور یہ دنیا کے پیشوا نیچے کو جاتے ہیں۔ ان کے پاؤں میں اتنی بوجھل زنجیریں ہیں کہ وہ اُنھیں اوپر اُٹھنے ہی نہیں دیتیں۔ جن قوموں میں دین رسوم پرستی بن کے رہ گیا (اور یہ ماضی پرستی کا ہی دوسرا نام ہے) وہ قومیں کبھی اُبھر نہیں سکتیں۔ انھوں نے کبھی اُبھرنا بھی چاہا تو چونکہ ان کا اصل دین ان سے گم ہو چکا تھا اس لیے اُنھیں سہارا دینے کی کوئی چیز نہ مل سکی۔ لیکن افسوس ہے مسلمانوں پر کہ ان کے پاس خدا کی کتاب زندہ۔ اُس کے رسول کا اُسوۂ مقدسہ زندہ۔ اور یہ قوم پھر بھی مردہ کی مردہ۔ سچ ہے زمین شور پر ابر رحمت کیا گہرباری کریگا وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔

حقائق پرستی آپ نے غور فرمایا کہ یہ تمام پرستشیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس لیے پیدا ہوگئیں کہ مسلمانوں نے بھی دیگر مذاہب کے متبعین کی طرح، حقائق پرستی کو چھوڑ کر، شخصیت پرستی اختیار کر لی۔ حالانکہ ان کے پاس حقائق ازلی کا مکمل دستور اپنی اصلی صورت میں موجود تھا اور اُنھیں اس کو چھوڑ کر کسی ظن و تخمین کے اتباع کی ضرورت ہی نہ تھی۔ مصیبت یہ ہوئی ہے کہ علوم و فنون کی نشر و اشاعت زیادہ تر عہد عباسیہ میں ہوئی۔ لیکن اس زمانہ میں مرکز اسلام پر یکسر عجمیت غالب آچکی تھی۔ اور مشاہیر پرستی عجمیوں کی فطرت میں داخل تھی۔ اس لیے اگر ایک طرف بادشاہ ظل اللہ قرار دیا گیا۔ تو دوسری طرف ائمہ دین و علوم کی پرستش بھی کسی کم درجہ میں

نہیں کرائی گئی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ تنقید کی حد سے بالا صرف وہ چیزیں ہو سکتی ہیں جن پر ایمان لانے کے لیے ہم مکلف ہیں نہ کہ ہر انسان۔ خدا، رسول، کتاب، ملائکہ، آخرت اجزائے ایمان ہیں اور اس لیے تنقید سے بلند۔ لیکن کسی اور انسان پر ایمان لانا تو کہیں نہیں لکھا۔ اس لیے ان کو تنقید سے بالا کیوں سمجھا جائے؟ اس میں شبہ نہیں کہ جس قسم کی غلط عقیدت و ارادت ہمارے دلوں میں بزرگانِ سلف کی طرف سے پیدا ہو چکی ہے اور جو صدیوں سے متوارث چلی آتی ہے اس کو کسی اور قسم کی عقیدت اور ارادت سے بدل دینا آسان نہیں۔ ذہنی غلامی کے جو طوق و سلاسل مسلمانوں نے اپنی گردنوں میں ڈال رکھے ہیں اور جن کے وہ اب اس درجہ خوگر ہو چکے ہیں کہ وہ گویا فطرت ثانیہ بن چکے ہیں ان کا اُتار پھینکنا اب تقریباً محال معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے نہیں دیکھا کہ جب کسی تیتر یا بٹیر کو ایک عرصہ تک پنجرہ میں بند رکھا جائے تو وہ پھر اس قفس کا اس درجہ عادی ہو جاتا ہے کہ اس کا مالک اسے پنجرہ کے باہر کھلا چھوڑ دیتا ہے خود پنجرہ لے کر آگے آگے چلتا ہے اور وہ اس کے پیچھے دوڑتا ہے اور چونچیں مار مار کر اس کا بند دروازہ کھولتا ہے۔ حالانکہ اس کے بازوؤں میں قوت بھی ہوتی ہے اور آزادی کی فضائے بسیط اس کی آنکھوں کے سامنے۔ لیکن اس کے نزدیک جو آرام قفس کے گوشہ میں ہوتا ہے، کھلی فضا میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ کھلی فضا کو غیر فطری چیز سمجھنے لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح مدتہائے دراز کی ذہنی قید کی وجہ سے ہم اس درجہ خوگر بند و سلاسل ہو چکے ہیں کہ ان کے اُتار پھینکنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ایک متاع گراں بہا چھنی جا رہی ہے۔ دین ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ عاقبت خراب ہو رہی ہے۔ لیکن یہ سب ہمارے قلوب کے وساوس ہیں۔ ذہن کے چھلاوے ہیں۔ جس چیز کو ہم حقیقت سمجھ رہے ہیں وہ حقیقت نہیں۔ جو ہمیں ہدایت نظر آتی ہے وہ ہدایت نہیں۔ دھوکہ ہے۔ فریب ہے[۵] اور یہ اس لیے کہ

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ـ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ (۴۳ : ۳۶-۳۷)	جو شخص خدا کے ذکر (قرآن) سے اندھا بن جاتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ (شیاطین) ان کو راہ سے گمراہ کر دیتے ہیں (روکتے رہتے

ہیں) اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سیدھے راستے پر ہیں۔

آخر میں میں حضرات علمائے کرام کی خدمت میں باادب درخواست کرونگا کہ وہ تصریحات بالا پر

۵ احسنت (بلاغ)

ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں، اور دیکھیں کہ قرآن کریم کی تعلیم ہمیں کدھر بلا رہی ہے اور ہم کدھر جا رہے ہیں۔ ان حضرات کو شکایت ہے کہ نیا تعلیم یافتہ طبقہ، دین سے بیگانہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے لیکن ان حضرات نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ چونکہ یہ حضرات علمی دنیا سے بالعموم الگ رہتے ہیں اس لیے انھیں معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ الحاد و بیدینی کی اس رو کا سرچشمہ کہاں ہے؟ یہ دین کی اتنی ہی خدمت اور ان برائیوں کا صرف اسی قدر علاج کافی سمجھتے ہیں کہ اپنے مواعظ و فتاویٰ میں ان لوگوں کو مردود و ملعون قرار دیدیا جائے۔ لیکن اس سے تو اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اس سے مرض اور بڑھ جاتا ہے۔ مجھے نوجوانوں کی ایسی جماعت سے خلا ملا کا بہت موقع ملتا ہے۔ درحقیقت میری زندگی ہی ان میں گذر رہی ہے۔ اس لیے مجھے ان کی ذہنی افتاد اور رجحانات قلبی کے مطالعہ کا خوب موقع ملتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ان میں سے بہتوں کے ساتھ یہ ہوا کہ ان کی فطرت صحیحہ نے مذہبیات کے اُس حصہ سے بغاوت کرنی چاہی جو انسانوں کا وضع کردہ ہے۔ لیکن ان پر جبر کیا گیا کہ وہ اسے بھی دین خداوندی ہی سمجھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس حصہ سے بھی بغاوت کرنے لگے جو فی الواقع خدا کی طرف سے تھا۔ چنانچہ مجھے کئی ایک ایسے نوجوانوں سے سابقہ پڑا جو اسی طرح حامیان دین کے بگاڑے ہوئے مریض تھے۔ میں نے ان کے سامنے آہستہ آہستہ وہ دین پیش کیا جو فی الحقیقت دین ہے تو میں نے دیکھا کہ وہ حقیقت کے گرویدہ ہو گئے۔ چنانچہ ان میں سے اب اکثر ایسے ہیں جو اپنی بیشتر مساعی خود دین کی مدافعت میں صرف کرتے ہیں۔ میں نے ایسا کرنے میں قطعاً یہ نہیں کیا کہ جدّت پسند طبقہ کی طرح قرآن کریم کی دور از کار تاویلات کی ہوں اور ان کے ذہنی و قلبی رجحانات کی رعایت کر کے حقیقت کو ان سے چھپایا ہو یا دین کو محض ایک آئیڈیل کی حیثیت سے پیش کر کے عبادات و شعائر الٰہی کو بے معنی قرار دیا ہو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ بلکہ کیا صرف یہ کہ قرآن کریم کی تفسیر خود قرآن سے اور اس کی عملی مثال اُسوۂ رسول اللہ سے ان کے سامنے رکھدی۔ اور اس کے بعد بتا دیا کہ کوئی نظریہ یا قول خواہ زمانہ جدید سے متعلق ہو یا قدیم سے، جو اس کسوٹی پر پورا نہ اُترے وہ کبھی حقیقت ثابتہ نہیں ہو سکتا۔ حقیقت صرف یہی ہے اور یہی دین ہے۔ چنانچہ اس کے نتائج بڑے اطمینان بخش ظاہر ہوئے۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے اور ایک ایسے ماحول کا تجربہ ہے جسے کٹر "یورپ زدہ" ماحول کہنا چاہیے اور جس کے ہاتھوں مولوی صاحبان اس درجہ نالاں ہیں۔ اور یہی تجربہ ہے جو ان سطور کے لکھنے کا محرک ہوا۔ یہ وہ بصیرت ہے جو مجھے قرآن سے حاصل ہوئی ہے اور اگر میں اپنے فہم قرآن میں غلطی کرتا ہوں تو میں اس کی اصلاح کے لیے بھی ہر وقت تیار ہوں بشرطیکہ وہ غلطی قرآن ہی سے ثابت کیجائے۔

ان الهدیٰ هدی الله • وفیها بصائر للناس و هدی و رحمة لقوم یوقنون •

بَیَان

(از جناب خواجہ عباداللہ صاحب اختر بی اے)

"اِسْم" اس کی اصل "سمو" ہے، نام، یانشان یا علامت جس سے ایک شے دوسری شے سے متمیز ہوتی ہے، یا جس سے کسی شے کی معرفت حاصل ہوتی ہے، جس سے کوئی شے بلند یا ممتاز یا مشہور ہوتی ہے۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (۱۷/۱۲)	(اسلام) تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت ہے جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔

یہ نام کفار و مشرکین سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے رکھا گیا، اور اللہ تعالےٰ کے فرمانبردار اور خدا پرست بندوں کا نام ہے۔ کسی شے کی امتیازی ہستی کا قیام اُس شے کے نام کے ساتھ ہے، اسم مسمی کی ذات پر دلالت کرتا ہے، اگر مسمی موجود نہ ہو تو نام محض بے حقیقت شے ہے، ہم ایسے نام بھی تجویز کر لیتے ہیں جن کا مسمی فی الحقیقت موہوم ہوتا ہے۔ ایسے ناموں کی اصلیت کچھ بھی نہیں[۱]۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ (۱۳/۱۱)	اور یہ لوگ اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں، کہو کہ ان

کے نام تو لو، یا تم خدا کو ایسے اُمور سے آگاہ کرتے ہو جس کا زمین میں اسے علم نہیں یا بظاہر باتیں بناتے ہو

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ (۲۷/۵)	یہ (لات و عزیٰ و منات) نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے تو اس کی کوئی سند نازل نہیں کی، یہ لوگ بس اٹکل اور

نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔

---

[۱] بعض محققین کا قیاس ہے کہ قومی دیوتا یا دیویاں در اصل قوم کے اجداد تھے اور دیوتا پرستی فی الحقیقت اجداد پرستی ہے، یہ قیاس کچھ وقیع نہیں، یونانی اور ہندی مائی تھولوجی کا مطالعہ اس قیاس کی تردید کرتا ہے، قرون اولیٰ میں انسان کو کبھی دیوتا نہیں سمجھا گیا، البتہ اُن کو اوتار سمجھتے رہے ہیں اور اس کا مفہوم بھی یہ نہیں ہے کہ خود دیوتا انسانی صورت میں جنم لیتے تھے بلکہ یہ مفہوم ہے کہ دیوتا کی بعض طاقتیں (شکتی) جنم لیتی تھیں، لفظ دیو، دیوا، دیا (چراغ)، اور یونانی Zeus، عربی ضیاء کا مفہوم ایک ہی ہے، یہ روشن اور تاباں اجرام فلکی ہیں بلکہ اجرام فلکی انہی کی ضوٗ سے روشن ہیں جو دیوتاؤں کا گھر ہیں، یہ محض ظنیات ہیں جن کی حقیقت کچھ نہیں

"علم" مشاہدہ اور تذکر و تفکر سے حاصل ہوتا ہے، عموماً لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے اور "اتباع ظن" کرتے ہیں اور ظنیات حقانیت سے بہت دور ہیں، بتوں کے افسانے (مائی تھولوجی) محض ظن کی اختراع ہے، دیوتاؤں اور دیویوں کی کچھ بھی حقیقت نہیں جن کو بُت پرست قومیں پوجتی ہیں، ان کا وجود محض ان کے وہم و ظن میں ہوتا ہے خارج میں ان کی اصلیت کچھ بھی نہیں۔

ازو ہر چہ بگفتند از کم و بیش — نشانے دادہ اند از دیدۂ خویش
منزّہ ذاتش از چند و چہ و چوں — تَعَالیٰ شَانُهٗ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ

اسم یا ذات کو تعبیر کرتے ہیں یا صفات کو، ذات مقدم ہے، کیونکہ اس کے بغیر صفات کی تصدیق نہیں ہوتی، کسی دیوتا یا دیوی کا نام اس کو مشخص کرتا ہے، اور دیگر دیوتاؤں اور دیویوں سے ممیز بناتا ہے، یہ اسم کا خاصہ ہے، اب اس دیوتا یا دیوی کا وجود بھی خارج میں ہو تو وہ حقیقت میں موجود ہوں گے اور اُن کا موجود ہونا اُن کے افعال سے ہم پر واضح ہوگا، اگر یہ پتھر کی مورتیں ہی دیوتا اور دیویاں ہیں جو لوگ اپنے ہاتھوں سے گھڑتے ہیں اور اُن سے ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو اُن کی اپنی دماغی اختراع ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بے حقیقت نام ہیں۔ لیکن اگر ان مورتوں کو ان دیوتاؤں کی شبیہ قرار دیتے ہیں اور جو وہ سب کام کرتے ہیں جو افسانوں میں مذکور ہیں تو شبیہ محض وہم و ظن کی اختراع ہے، اس کو ان دیوتاؤں سے دُور کی نسبت بھی نہیں، اس لیے بُت اور بُت پرستی محض ضلالت ہے، رہا یہ امر کہ فی الحقیقت دیوتا اور دیویاں موجود بھی ہیں کہ نہیں وہ ان افسانوں کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا ایک بہت بڑا خاندان ہے اور ان میں ایسے ہی قرابت ہے جیسے انسانوں میں، البتہ وہ پیدا تو ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کا بیٹا کہلاتا ہے۔ لیکن مرتے نہیں، جو قیاس مع الفارق ہے، نتیجہ واضح ہے کہ انسان نے باتباع ظن اپنے حالات پر اپنے معبودوں کو قیاس کیا ہے، اور یہ امر ان کے ناموں ہی سے واضح ہوتا ہے جو بے حقیقت ہیں

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا (۱۹)

(اللہ) رب السمٰوٰت والارض و ما بینہما ہے پس اسی کی عبادت کرو اور اسی کی عبادت میں مستقل مزاج رہو، کیا تمہیں کوئی ایسا نام معلوم ہے جو اس کی طرح ہو۔

تمام بلندی و پستی اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے یعنی کل کائنات کا جو پروردگار ہے حقیقت میں وہی موجود اور معبود ہے اگر کوئی ایسا ہو تو وہی معبود ہوگا اور ایسا دوسرا کسی بُت پرست

کا وہم وظن بھی اختراع سے قاصر ہے، بُت پرست یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک پرم آتما ایک رب الارباب موجود ہے، لیکن باتباع ظن یہ بھی کہتے ہیں کہ سمٰوت و الارض و ما بینھما دیوتاؤں اور دیویوں سے بھرا ہوا ہے جو خدا کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں، اس لیے اپنے حالات پر قیاس کرتے ہوئے خدا کی زوجہ بھی بنائے ہیں، ہمیں تو بیٹوں کی ضرورت ہے بقاء نسل و بقاء نوع کے لیے بیٹوں اور بیٹیوں کا ہونا لازم ہے، خدا کو ان کی کیا ضرورت ہے؟ حی القیوم اور اول و آخر اسی کی ذات ہے۔ غرض فتویٰ عقل یہ ہے کہ یہ نام جو ان لوگوں نے بتوں کے رکھے ہوئے ہیں محض بے حقیقت ہیں۔

عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (۲/۴) | آدم کو تمام اسماء بتا دیئے۔

آدم ہر ایک مخلوق سے جو کائنات میں ہے اسلیے ممتاز درجہ رکھتا ہے کہ اسے فطرۃً ایسی بات حاصل ہے کہ تمام اشیاء کے نام کا اسے علم ہے، نام تو خود اس نے وضع کیے ہیں اور اس سے ایک شے کو دوسری شے سے ممیز کرتا ہے، جو بوجہ حقائق اشیاء ہے جس کا اسے علم ہے، اس لیے اسماء حقائق کو تعبیر کرتے ہیں۔

اسماء تو اشارات ہیں مشار الیہ حقائق ہیں، لفظ با معنی ہوتا ہے جس کے معنی نہ ہوں وہ ایسا اسم ہے جس کا مسمیٰ نہ ہو، آدم جب اشیاء کو اسماء سے موسوم کرتا ہے تو اس کی غرض حقائق اشیاء اور اُن کی صورتوں سے ہوتی ہے جن میں حقائق رونما ہوتے ہیں، اسماء در اصل محض اعتبارات ہیں اور اعتبارات اوہام ہیں، لیکن ان سے جو کچھ تعبیر ہوتا ہے وہ اصل حقیقت ہے، اگر ہمیں کسی شے کا نام معلوم نہ ہو تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اس شے کی حقیقت اور خصائص سے واقف نہیں ہیں، غور کرنا چاہیے کہ حقیقت یا وجود کو ہم ایسے اُمور سے تعبیر کرتے ہیں جو موہوم ہیں، اور ہمیں اور کوئی ذریعہ اس کے اظہار کا معلوم نہیں، بلاشبہ امتیاز اضداد سے اور معرفت امثال سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کا نہ کوئی ضد ہے اور نہ ند اس لیے اس کی معرفت اضداد و امثال سے حاصل نہیں ہوتی جس طرح ہم دیگر اشیاء سے واقف ہیں، معرفت کا ایک اور ذریعہ بھی ہے اور یہی حقیقی ذریعہ ہے، اسے اصطلاح میں "عینیت" سے تعبیر کرتے ہیں، کسی شے کی معرفت جیسی کہ اس شے کو بذاتہ حاصل ہے اس کے غیر کو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ہمارا مشاہدہ اتنا تو بتاتا ہے کہ ایک شے جو ہمیں محسوس ہو رہی ہے موجود ہے، لیکن بعض اشیاء کا وجود صرف ہمارے حواس میں ہوتا ہے اور فی الخارج عدم ہیں، تذکرو تدبرو تفکر سے ہمیں ایسی اشیاء کی ہستی معلوم ہوتی ہے جو آفاق میں مشاہدہ ہوتی ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ یہ شے فی الحقیقت

موجود ہے، اور ہمارے حواس سے باہر موجود ہے، تفکر ہمیں اس شے کی "عینیت" کی طرف رہنمائی کرتا ہے، ہمیں جتنا انہماک اور استغراق اس شے کی حقیقت میں ہوگا اتنا ہی ہم اس کے "قرب" اور اپنی نفسانیت سے دور ہوتے جائیں گے، یہ خاصہ فطرت انسانی ہے، لیکن ناممکن ہے کہ اہل فکر وہی شے فی الحقیقت ہو جائے جس میں فکر کرتا ہے، لوہا اور آگ دو مختلف اشیاء ہیں، لیکن اگر لوہے کو آگ میں ڈالا جائے تو آگ کی حرارت کا اثر اس میں اس حد تک ہو سکتا ہے کہ لوہا بھی آگ نظر آئے، جب اسے آگ سے علیحدہ کیا جائیگا تو واضح ہوگا کہ لوہا ہی ہے "عینیت" کا مفہوم یہی کچھ ہے، اس موضوع پر مناسب مقام پر بحث کی جائے گی۔

اشیا کا علم تو آدم کو ہے اور ہو سکتا ہے اور اس لیے اس نے ہر ایک شے کا نام تجویز کر رکھا ہے اور کرتا رہتا ہے۔ "اللہ" ایک اسم ہے جس سے ہم ذات الٰہی کو تعبیر کرتے ہیں اور ایسے اور بھی اسما وضع ہو سکتے ہیں اور ان سے ذات الٰہی ہی تعبیر ہو گی، آیہ "هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا" ۱۶/۴ کا مفہوم لفظ اللہ نہیں ہے بلکہ وہ ہستی ہے جسے یہ لفظ تعبیر کرتا ہے اور جو تمام کائنات کا خالق اور رب ہے، جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمنام نہیں تو مفہوم یہ ہے کہ ایسی ہستی کوئی اور نہیں، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ۔ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ ان میں سے ایک بھی صفت کسی اور میں نہیں پائی جاتی، خود بت پرستوں کے عقائد کے مطابق دیوتا اوتار بن کر جنم لیتے ہیں اور اُن کے ہمسر بھی ہیں، اور وہ "احد" بھی نہیں ہیں، بلکہ بے شمار ہیں، اور صمد" بھی نہیں ہیں کیونکہ ایک دوسرے کی امداد کا محتاج ہے اور "نرا کار" نہیں ہے، یہ ارشاد کہ

اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (پ۸)	کیا تم مجھ سے (بتوں کے) ناموں کے بارہ میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے گھڑ رکھے ہیں جن کی سند اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔

واضح کرتا ہے کہ محض ناموں میں مجادلہ فضول ہے، نام آخر اشارات اور اعتبارات ہیں جو موہوم ہیں، اگر یہ نام کسی حقیقت کو تعبیر کرتے ہیں تو اس میں بحث ہو سکتی ہے، اس لیے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اسماء کو چھوڑ کر مسمی کی حقیقت بتاؤ، چونکہ یہ بھی موہوم ہے اس لیے بت پرست بتا نہیں سکتے۔ قرآن میں بتوں کے نام کی نفی نہیں کی گئی وہ تو پہلے ہی موہوم ہیں۔ البتہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ ناموں کی طرح یہ خود بھی موہوم ہیں۔

اسماء سے امتیاز پیدا ہوتا ہے، حضرت یحییٰ کی نسبت ارشاد ہے کہ اس نام کا پہلے کوئی

شخص نہیں ہوا، اس لیے یہ نام بھی امتیازی ہے، امتیاز سے تفریق پیدا ہوتی ہے۔ کسی مذہب میں تفرقہ اور فرقہ بندی انہی ناموں سے پیدا ہوتی ہے، اسلام ملت ابراہیمؑ ہے جو حضرت نوحؑ کے تابعین میں سے تھا، اس لیے اسلام ملت نوح ہے، اہل عرب کو اس لیے "مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ" کہا گیا ہے تاکہ انھیں معلوم ہو کہ دراصل اسلام ان کا آبائی دین ہے، ورنہ بلحاظ دین اسلام کسی شخصیت سے وابستہ نہیں (ملاحظہ ہو لفظ "قبل") چونکہ اسلام تمام انبیاء اور رسل کی ملت ہے اور واحد عالمگیر دین الفطرت ہے اس لیے اس کے سوا کوئی اور نام تجویز کرنا مثلاً مسیحیت، یہودیت تفرقہ پردازی ہے۔ اسلام دین اللہ ہے اور مسیحیت اور یہودیت شخصیت اور قومیت کا مفہوم واضح کرتے ہیں، یہ تو نام ہیں جو لوگوں نے اور اُن کے بڑوں نے گھڑ لیے ہیں، اس کی سند اللہ تعالیٰ نے کوئی نازل نہیں فرمائی، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے آپ کو "محمدی" کہتا ہے، جیسا کہ نامسلمان مسلمانوں کو اپنی طرح قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ شخص ایسے دین سے وابستہ ہے جس کا مخترع محمدؐ ہے۔ اگر اس کی کوئی سند ہوتی تو قرآن میں مسلمانوں کو "محمدی" کہا جاتا اور "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے خطاب نہ ہوتا اور اُن کو مسلمین نہ کہا جاتا، کم از کم اس کے ساتھ کوئی ایسا نام تجویز ہوتا جو آنحضرتؐ کی شخصیت کے ہم معنی ہوتا، ایسے نام تجویز کرنا نہ صرف فرقہ بندی اور تفرقہ کی طرح ڈالنی ہے بلکہ صریحاً بت پرستی اور شرک ہے، ایسے ناموں کے دلدادہ خود بھی غلطی خوردہ ہیں اور اوروں کو بھی مغالطہ میں ڈالتے ہیں، اور طرح طرح کی ظنی دلائل پیش کرتے ہیں، جہاں تک دین کا تعلق ہے اس میں دنیوی اغراض و مفاد کا دخل سخت گمراہی ہے، اس میں کسی کے نام و نمود کا شائبہ تک نہ ہونا چاہیے، دین کے کاموں میں تو نفسانیت کا دخل شرک کی اشاعت کرنا ہے، مسلمان کبھی "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" کے عامل نہیں ہو سکتے اگر وہ "مسلم" کے سوا کسی اور نام سے بھی وابستہ ہوں جو اُن کے دین کو تعبیر کرتا ہو،

قرآن میں مومن اور مسلم کے لفظ استعمال ہوئے ہیں، ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اسلام کا اعمال سے، اگرچہ "الاعمال بالنیات" اعمال نیت پر دلالت کرتے ہیں اور ایمان کا پتہ بتاتے ہیں، لیکن قرآن نے "مسلم" ایسی اصطلاح پیش کی ہے جو عالمگیر دین اللہ کے مناسب ہے۔ اس میں تمام مذاہب کی شخصیت فنا ہو جاتی ہے اور دین خالص اللہ کا رہ جاتا ہے عیسائی اور یہودیوں سے مومنین ضرور ممیز ہیں، اول الذکر دو ناموں میں بندہ اور قوم پرستی پائی جاتی ہے، لیکن مومنین کا مفہوم خدا پرستی ہے، کاش سب لوگ مومنین ہوں۔ لیکن کوئی شخص

ایمان عمل کے بغیر دکھا نہیں سکتا، اور دلوں کا حال اللہ ہی خوب جانتا ہے، اور اسی کو معلوم ہے کہ مومن کون ہے، اسلام عالمگیر نام ان لوگوں کے لیے ہے جو دین الفطرت کو قبول کرتے ہیں اور اسی نام کے تحت عالمگیر اخوت قائم ہوسکتی ہے، مسیحی ویہودی ومحمدی واحمدی، ہندو اور بدھ وغیرہ ناموں میں ہمہ گیری نہیں ہے، اور نہ ہو سکتی ہے، اس لیے تفرقہ کے سوا ایسے ناموں کی غرض وغایت اور کچھ نہیں۔

ہر ایک زبان اسم اور فعل اور حرف سے بنتی ہے، اسم ابتدائی صورت زبان کی ہے اور ترقی یافتہ زبان فعل وحرف پر مشتمل ہوتی ہے، اس لیے یہ تحقیق صحیح ہے کہ انسان سب سے پہلے اسماء ہی سیکھتا ہے۔ یہ بحث "السنہ" کے متعلق ہے +

شکوہ و معذرت

۲ستمبر کو میں بٹالے تھا جب بذریعہ ڈاک مجھے بلاغ کا ستمبر نمبر موصول ہوا، نہایت شوق سے کھولا، ورق گردانی کی تو حیران ہوا کہ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں، حالت ناگفتہ بہ، صورت نادیدہ بہ، اچھے بھلے انسان کو کوناقدرۃ خاسئین کا مجسمہ بنا دیا ہے۔ کاغذ، کتابت اور طباعت خطرناک حد تک تکلیف دہ، اس شکل وصورت کا کوئی رسالہ دفتر میں آئے تو میں اسے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ یہاں آکر وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ تمام کارکن ایک دوسرے کے ذمے تھوپ رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا قصور سب کا ہے۔ کاتب کی بدخطی، طابع کی بے پروائی، خرید کاغذ میں منیجر صاحب کی خست اور دفتری کی بے محابا قطع و برید نے رسالے کا جنم بگاڑ دیا۔ مجھے فرداً فرداً شکایت ہمیشہ سے رہی ہے، لیکن اب کے میرا پیمانہ تحمل لبریز ہوگیا ہے۔ میں اس سے زیادہ صبر نہیں کرسکتا اور منیجر کاتب، طابع اور دفتری صاحبان کی خدمت میں باادب عرض کرتا ہوں کہ اپنی ڈیوٹی کو خوش اسلوبی سے انجام دیں اور اگر ان میں کوئی صاحب ایسا کرنے سے قاصر ہوں تو صاف ارشاد فرمائیں تاکہ ان کا نعم البدل تلاش کیا جائے۔ میں بلاغ کے تمام نفاست پسند قارئین سے اس ایذائے مجبور کی معافی چاہتا ہوں اور آئندہ ممکن احتیاط کا وعدہ کرتا ہوں۔ (عرشی)

شخص نہیں ہوا، اس لیے یہ نام بھی امتیازی ہے، امتیاز سے تفریق پیدا ہوتی ہے۔کسی مذہب میں تفرقہ اور فرقہ بندی انہی ناموں سے پیدا ہوتی ہے، اسلام ملت ابراہیمؑ ہے جو حضرت نوحؑ کے تابعین میں سے تھا، اس لیے اسلام ملت نوح ہے، اہل عرب کو اس لیے "مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ" کہا گیا ہے تاکہ انھیں معلوم ہو کہ دراصل اسلام ان کا آبائی دین ہے، ورنہ بلحاظ دین اسلام کسی شخصیت سے وابستہ نہیں (ملاحظہ ہو لفظ "قبل") چونکہ اسلام تمام انبیاء اور رسل کی ملت ہے اور واحد عالمگیر دین الفطرت ہے اس لیے اس کے سوا کوئی اور نام تجویز کرنا مثلاً مسیحیت، یہودیت تفرقہ پردازی ہے۔ اسلام دین اللہ ہے اور مسیحیت اور یہودیت شخصیت اور قومیت کا مفہوم واضح کرتے ہیں، یہ تو نام ہیں جو لوگوں نے اور اُن کے بڑوں نے گھڑ لیے ہیں، اس کی سند اللہ تعالےٰ نے کوئی نازل نہیں فرمائی، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے آپ کو "محمدی" کہتا ہے، جیسا کہ نامسلمان مسلمانوں کو اپنی طرح قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ شخص ایسے دین سے وابستہ ہے جس کا مخترع محمدؐ ہے۔ اگر اس کی کوئی سند ہوتی تو قرآن میں مسلمانوں کو "محمدی" کہا جاتا اور "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" سے خطاب نہ ہوتا اور اُن کو مسلمین نہ کہا جاتا، کم از کم اس کے ساتھ کوئی ایسا نام تجویز ہوتا جو آنحضرتؐ کی شخصیت کے ہم معنی ہوتا، ایسے نام تجویز کرنا نہ صرف فرقہ بندی اور تفرقہ کی طرح ڈالنی ہے بلکہ صریحاً بت پرستی اور شرک ہے، ایسے ناموں کے دلدادہ خود بھی غلطی خوردہ ہیں اور اوروں کو بھی مغالطہ میں ڈالتے ہیں، اور طرح طرح کی ظنی دلائل پیش کرتے ہیں، جہاں تک دین کا تعلق ہے اس میں دنیوی اغراض و مفاد کا دخل سخت گمراہی ہے، اس میں کسی کے نام و نمود کا شائبہ تک نہ ہونا چاہیے، دین کے کاموں میں تو نفسانیت کا دخل شرک کی اشاعت کرنا ہے، مسلمان کبھی "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا" کے عامل نہیں ہو سکتے اگر وہ "مسلم" کے سوا کسی اور نام سے بھی وابستہ ہوں جو اُن کے دین کو تعبیر کرتا ہو،

قرآن میں مومن اور مسلم کے لفظ استعمال ہوئے ہیں، ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اسلام کا اعمال سے، اگرچہ "الاعمال بالنیّات" اعمال نیت پر دلالت کرتے ہیں اور ایمان کا پتہ بتاتے ہیں، لیکن قرآن نے "مسلم" ایسی اصطلاح پیش کی ہے جو عالمگیر دین اللہ کے مناسب ہے۔ اس میں تمام مذاہب کی شخصیت فنا ہو جاتی ہے اور دین خالص اللہ کا رہ جاتا ہے یہودیوں اور یہودیوں سے مومنین ضرور ممیز ہیں، اول الذکر دو ناموں میں بندہ اور قوم پرستی پائی جاتی ہے، لیکن مومنین کا مفہوم خدا پرستی ہے، کاش سب لوگ مومنین ہوں۔ لیکن کوئی شخص

ایمان عمل کے بغیر دکھا نہیں سکتا، اور دلوں کا حال اللہ ہی خوب جانتا ہے، اور اسی کو معلوم ہے کہ مومن کون ہے، اسلام عالمگیر نام ان لوگوں کے لیے ہے جو دین الفطرت کو قبول کرتے ہیں اور اسی نام کے تحت عالمگیر اخوت قائم ہو سکتی ہے، مسیحی و یہودی و محمدی و احمدی، ہندو اور بدھ وغیرہ ناموں میں ہمہ گیری نہیں ہے، اور نہ ہو سکتی ہے، اس لیے تفرقہ کے سوا ایسے ناموں کی غرض و غایت اور کچھ نہیں۔

ہر ایک زبان اسم اور فعل اور حرف سے بنتی ہے، اسم ابتدائی صورت زبان کی ہے اور ترقی یافتہ زبان فعل و حرف پر مشتمل ہوتی ہے، اس لیے یہ تحقیق صحیح ہے کہ انسان سب سے پہلے اسماء ہی سیکھتا ہے۔ یہ بحث "السنہ" کے متعلق ہے +

شکوہ و معذرت

۴ ستمبر کو میں بٹالے تھا جب بذریعہ ڈاک مجھے بلاغ کا ستمبر نمبر موصول ہوا، نہایت شوق سے کھولا، ورق گردانی کی تو حیران ہوا کہ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں، حالت ناگفتہ بہ، صورت نادیدہ بہ، اچھے بھلے انسان کو کوتاہ قدرۂ خاسئین کا مجسمہ بنا دیا ہے۔ کاغذ، کتابت اور طباعت خطرناک حد تک تکلیف دہ، اس شکل و صورت کا کوئی رسالہ دفتر میں آئے تو میں اسے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ یہاں آکر وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ تمام کارکن ایک دوسرے کے ذمے تھوپ رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا قصور سب کا ہے۔ کاتب کی بدخطی، طابع کی بے پروائی، خرید کاغذ میں منیجر صاحب کی خست اور دفتری کی بے محابا قطع و برید نے رسالے کا جنم بگاڑ دیا۔ مجھے فرداً فرداً شکایت ہمیشہ سے رہی ہے، لیکن اب کے میرا پیمانہ تحمل لبریز ہو گیا ہے۔ میں اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتا اور منیجر، کاتب، طابع اور دفتری صاحبان کی خدمت میں باادب عرض کرتا ہوں کہ اپنی ڈیوٹی کو خوش اسلوبی سے انجام دیں اور اگر ان میں کوئی صاحب ایسا کرنے سے قاصر ہوں تو صاف ارشاد فرمائیں تاکہ ان کا نعم البدل تلاش کیا جائے۔ میں بلاغ کے تمام نفاست پسند قارئین سے اس ایذائے مجبوری کی معافی چاہتا ہوں اور آئندہ ممکن احتیاط کا وعدہ کرتا ہوں۔ (عرشی)

تحقیقِ قربانی اور معاصرین

(از جناب محمد شفیع صاحب بی اے)

رسالہ "ترجمان القرآن" اور "الاصلاح" سے متعلق بلاغ میں ریویو کرتے ہوئے توقع ظاہر کی گئی تھی کہ یہ دونوں پرچے، عام مذہبی پیشہ ور جرائد کے خلاف قرآن مجید کے مخلص خادم ثابت ہوں گے اسی بنا پر ابتداءً ہم نے اپنے معتقدات کے متعلق اُن کی تردید و تنقیص کو بھی مبنی بر اخلاص سمجھا اور خط و کتابت میں اُن سے صحیح رہنمائی کی توقع ظاہر کی اور اپنی طرف سے قبولِ حق کی اُمید دلائی۔ ہم نے ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں اپنی کتابیں[۱] بھیجدیں اور صاف لکھا کہ براہ کرم ہم پر ہماری غلطیاں واضح کر دیں۔ مذہب ہمارا پیشہ نہیں ہے۔ ہم کو کوئی بات قبول حق سے روک نہیں سکتی، اس کے جواب میں اُنھوں نے اُمید افزا خطوط لکھے جو ہمارے پاس موجود ہیں، لیکن کوئی اُمید بر نہ آئی، ہم نے بار بار اُن کے وعدے اُنھیں یاد دلائے لیکن اُنھوں نے جو روش اختیار کی اس کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے ع

نہ اُٹھواؤ قلم میرا نہ کھلواؤ زباں میری

ہمیں مسلم قوم کی درماندگی اور بیچارگی پر رونا آتا ہے جس کے سامنے کوئی اسوہ عمل موجود نہیں ہے، علمائے حق ختم ہو چکے ہیں، تہذیب و اخلاق کا جنازہ نکل چکا ہے۔ السابل فلا تنہر کے عالموں کا کہیں نشان نہیں۔ مولانا حالی مرحوم نے بالکل صحیح فرمایا ہے ؎

کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے — تو بارگراں دل پہ اک لے کے آئے

تعلیاں ہیں، طعن و طنز ہے، سب و شتم ہے، ادعاء و تحکم ہے، نیتوں پر حملے ہیں۔ لیکن سائل کا جواب نہیں ہے۔ دلیل کو دلیل سے توڑنے کی فرصت نہیں ہے، جویائے حق کو راہ دکھانے کے لیے وقت نہیں ہے۔ ہمیں اس تمام عرصے میں جس حقیقت کا ایقان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے مدعیان مذہبیت خود بھی اس مذہب کے معتقد نہیں ہوتے یا کم از کم اس کے متعلق مطمئن نہیں ہوتے جس کی طرف عوام کو دعوت دے رہے ہوتے ہیں، اس صورت میں ہمارا اُن سے کچھ توقع رکھنا ایسا ہی ہے جیسا بیطار (معالج حیوانات) سے چشم انسانی کے علاج کی اُمید، اسی پالیسی کے پیش نظر بلاغ کے اوراق کو ایسے مباحث میں تلف نہیں کیا جاتا، لیکن ساتھ ہی مخلص محققین کی تسکین و تشفی کے

اس سلسلہ میں ہمیں سندھ سے ایک صاحب نے اپنی اور جناب مدیر ترجمان القرآن کی خط و کتابت درباره قربانی ارسال فرمائی ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے اس کو پڑھ کر محقق ناظرین پر واضح ہو جائے گا کہ

عنقا شکارِ کس نشود دام باز چیں　-　کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را　(بلاغ)

جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ "بلاغ" امرتسر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - میں نے اور میرے چند احباب نے عرشی صاحب کا مضمون "تحقیق قربانی" فروری گذشتہ میں پڑھا - مضمون چونکہ آیات قرآن مجید اور احادیث رسول کریمؐ پر مبنی تھا اور بغیر کسی تعصب وغیرہ کے پڑھا گیا تھا اس لیے اس کو درست تسلیم کرنے پر مستعد ہو گئے - لیکن تاہم مناسب سمجھا گیا کہ حامیان قربانی کے دلائل بھی پڑھنے ضروری ہیں - چنانچہ رسالہ "ترجمان القرآن" - تفسیر سورۃ الکوثر از فراہی رحمۃ اللہ علیہ - رسالہ "الاصلاح" - رسالہ "معارف" - اخبار "مبلغ" - اخبار "تنظیم" اور ایک پمفلٹ "فریضہ قربانی اور احکام فرقانی" وغیرہ وغیرہ فراہم کیے گئے اور بغور پڑھے گئے - ہر سہ موخر الذکر اخبار اور پمفلٹ تو گالی گلوچ کے پلندے تھے اور ان کے دلائل قابل اعتنا نہ تھے - لیکن ایڈیٹر صاحبان رسالہ "الاصلاح" اور رسالہ "ترجمان القرآن" سے مسئلہ قربانی کے متعلق مزید دریافت کرنا ضروری سمجھا گیا اور اندریں بارہ ان کی خدمت میں خطوط لکھے گئے - ایڈیٹر صاحب "الاصلاح" نے جولائی نمبر میں میرے عریضہ کے جواب میں سات صفحات رقم فرمائے - چونکہ وہ میرے سوالات کے جواب نہ تھے اس لیے ان کو پھر ایک عریضہ لکھا گیا - جس کے جواب میں انھوں نے ارشاد فرمایا کہ ہم نومبر ۱۹۳۶ء میں جواب دیں گے -

ایڈیٹر صاحب "ترجمان القرآن" نے بھی جواب دیا - اس کا ملخص یہ تھا کہ ہمارے مضمون دوبارہ پڑھو - اُن کے ارشاد کی تعمیل کی گئی - حالانکہ پہلے بھی ان کے مضامین خوب غور و خوض سے پڑھے گئے تھے - اور پھر ایک عریضہ اُن کی خدمت عالیہ میں تحریر کیا گیا اور جواب کے لیے چھ پیسہ کے ٹکٹ بھی بھیجے گئے - عرصہ تک جواب کا انتظار کر کے بذریعہ جوابی پوسٹ کارڈ یاد دھانی کی گئی - جس کا جواب کل موصول ہوا ہے -

قبل اس کے کہ آپ کا جواب یہاں نقل کیا جائے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مسئلہ قربانی

میں حل طلب مسائل صرف حسب ذیل ہیں کیونکہ انہیں پر مروجہ قربانی کا دارومدار ہے۔
اوّل قرآن حکیم سے اس بات کی شہادت کہ انبیاءؑ کے خواب، خواب نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتے ہیں یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ انبیاءؑ کو بذریعہ خواب بھی حکم دیا کرتا ہے اور یہ کہ اُن کے خواب کی تعبیر نہیں ہوتی بلکہ جس طرح خواب دیکھا جائے اسی طرح اس کی تعمیل کرنی واجب ہے۔
دوم اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لیے بیت العتیق کی جو تخصیص فرمادی ہے۔ یہ درست نہیں بلکہ قربانی ہر ملک، ہر قریہ، ہر قصبہ اور ہر ذی استطاعت مسلمان پر از روئے قرآن و احادیث صحیحہ ضروری ہے۔
سوم قرآن مجید نے قربانی کے مصرف کے لیے جو ارشاد فرمائے ہیں کہ اس کا گوشت خود کھاؤ اور زائرین و فقراکو کھلاؤ۔ یہ صحیح نہیں۔ لیکن بجائے اس مصرف کے قربانی کا گوشت گڑھوں میں دبانے۔ چیلوں۔ گیدڑوں اور کوؤں کے کھلانے کے لیے ہے۔ (جیساکہ مکہ معظمہ میں کیا جاتا ہے)
جیساکہ عرض کرچکا ہوں اصلاحی صاحب نے نومبر ۱۹۳۷ء میں جواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن چونکہ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا جواب قریب قریب مایوسی بخش ہے۔ اس لیے جو خط و کتابت ان سے ہوئی ارسال خدمت ہے۔ اگر مناسب خیال کریں تو "بلاغ" میں شائع فرمادیں۔ ممکن ہے کوئی دوسرے صاحب مروجہ قربانی کے حامی میری اور میرے احباب کی تسلی از روئے قرآن و احادیث صحیحہ کرسکیں۔
مجھے ان علماء کرام کی بےبسی اور بیکسی پر رحم آتا ہے جو باوجود قرآن و حدیث کے وسیع علم کے مالک ہوتے ہوئے ان باتوں کے متعلق تو کچھ ارقام نہیں فرماتے لیکن صفحوں کے صفحے دور ازکار اور فضول باتوں میں صرف کردیتے ہیں جن سے نہ تو سائل ہی کوئی استفادہ حاصل کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص۔
میں نے پہلا خط جو مودودی صاحب کی خدمت میں لکھا تھا اُس کا ماحصل یہی متذکرہ صدر سوال تھے۔ اس لیے اس کے اندراج کی ضرورت نہیں۔ اس خط کا جواب معہ میرا جواب اور پھر ان کا جواب، بغرض اندراج ارسال ہیں۔ مہربانی کرکے یہ خط و کتابت ایک ہی رسالہ میں درج فرمائیں اور ٹکڑے ٹکڑے کرکے شائع نہ کریں (شیخ محمد شفیع بی اے جالندھر)

مکتوب گرامی جناب مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی

مورخہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ

محترمی السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۲۸ جون ۱۹۳۷ء ملا۔ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو ایک بات عرض کردوں۔ عام طور پر اس زمانہ میں مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ احکام شریعت کی بندشوں سے آزاد ہونے کے لیے بے چین ہورہے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی بندش کو توڑنے کی کوئی صورت نکال کر دکھاتا ہے تو یہ بڑی خوشی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور جب کوئی دوبارہ اس بندش کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اُن کے دل میں ایک قسم کی جھنجھلاہٹ سی پیدا ہوتی ہے کہ بُرا ہو اس کمبخت کا۔ ایک بند ذرا سا ڈھیلا ہوا تھا۔ اس ظالم نے پھر اسے کس دیا۔ آپ یہ نہ سمجھئے کہ میں آپ پر کوئی طعن کر رہا ہوں۔ دراصل سائیکالوجی کے علم سے کام لیکر میں نے عام مسلمانوں کے نفسیات کا جو تجزیہ کیا ہے اس سے میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ لہذا آپ کو میں مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ ان مسائل پر غور و بحث کرنے سے پہلے خود اپنے نفس کا احتساب کیجیے کہ کہیں کوئی دبی چھپی نفسی کیفیت اس نوعیت کی تو نہیں ہے۔ اگر آپ خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ اپنے نفس کا جائزہ لیں گے تو آپ کو خود اصل حقیقت محسوس ہوجائیگی۔ خدانخواستہ اگر آپ کو محسوس ہو کہ فی الواقع یہ بات ہے تو پہلے اس کا علاج کیجیے کیونکہ جب تک یہ چیز موجود ہے تمام بحث و گفتگو بے نتیجہ رہیگی۔

مجھے جس بنا پر یہ شبہ ہوا کہ شاید آپ اس کیفیت میں مبتلا ہیں وہ بھی صاف صاف عرض کیے دیتا ہوں۔ آپ نے جو سوالات کیے ہیں ان میں سے اکثر کے جوابات میرے دونوں مضامین میں موجود ہیں۔ مگر آپ کی تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضامین پڑھنے کے دوران میں جن جذبات کا غلبہ آپ کی نظر پر تھا انھوں نے اصل سوالات کو تو آپ کے سامنے نمایاں رکھا مگر اُن کے جوابات آپ کے سویدائے قلب تک نہ پہنچنے دیئے۔ براہ کرم آپ اپنے دل کو جذبات سے تھوڑی دیر کے لیے خالی کر کے دوبارہ صفحہ ۳۲۳ سے ۳۳۳ تک اور پھر صفحہ ۳۹۳ سے ۴۰۰ تک پوری طرح پڑھ لیجیئے۔ اس کے بعد جو اعتراضات رہ جائیں وہ مجھے لکھیئے گا۔

مولانا ابوالکلام کے ترجمہ کے متعلق آپ نے جو تحریر فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا کا ترجمۂ قرآن جو "ترجمان القرآن" کے نام سے شائع ہوچکا ہے اُسے آپ بآسانی منگا کر دیکھ سکتے ہیں۔ آپ کو خود تحریف کی حقیقت معلوم ہوجائیگی۔ اسی طرح جن جن کتابوں کے حوالہ

عرشی صاحب نے دیے ہیں۔ اُن کو خود پڑھ لیجیے۔ یہ کتابیں ناپید نہیں ہیں۔ ہر جگہ مل سکتی ہیں۔ آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ کس طرح اپنے مطلب کی باتوں کو چنا گیا ہے اور مطلب کے خلاف جو تھے اُن کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ میں نے اسی بنا پر اپنے مضمون کے آخر میں لکھ دیا ہے کہ جہاں بحث کا یہ طریقہ اختیار کیا جائے وہاں بحث میں وقت ضائع کرنا فضول ہے۔ اگر کوئی شخص عام مسلمانوں کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر انھیں دھوکہ دینے پر اُتر آئے تو ہم کہاں تک اس کا مقابلہ کر سکیں گے۔ دس صفحہ کی تحریفات کا پردہ کھولنے کے لیے ہم کو دو سو صفحے سیاہ کرنے پڑینگے اور پھر بھی خدا جانے کتنے لوگ غلط فہمیوں میں مبتلا رہ جائیں گے۔ ابوالاعلیٰ

جواب

مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۶ء

مخدومی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ الحمد للہ۔ آپ نے میرے ۲۸ جون ۱۹۳۶ء کے عریضہ کا جواب کچھ نہ کچھ دیدیا۔

آپ کا یہ فرمان کہ "مسلمان احکام شریعت کی بندشوں سے آزاد ہونا چاہتے ہیں" اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ یہ نیاز مند قطعاً اس زمرہ میں نہیں ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر یقین کرتا ہوا عرض کیے دیتا ہوں کہ میں طالب حق ہوں۔ مجھے اس بات پر حق الیقین کے درجہ تک ایمان ہے کہ صرف اور صرف قرآن مجید ہی دنیا میں ایک ایسی کتاب ہے جو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس میں کوئی کجی یا کمی نہیں۔ اس میں کوئی شک و ریب نہیں یہ سرتا پا حق ہے اور صرف یہی کتاب واجب الاتباع ہے۔ دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو غلطیوں سے مبرا ہو اور جس پر اسی صدق اور یقین سے اعتماد کر کے عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ جس صدق اور یقین سے قرآن حکیم پر ایمان لا کر عمل کر سکتے ہیں۔ میرا یہ بھی ایمان ہے کہ حضور رسول کریمؐ کامل متبع قرآن حکیم تھے اور اس لیے ہر وہ بات جو قرآن میں موجود نہ ہو یا قرآن حکیم کے برخلاف ہو اور آنحضرت کی طرف منسوب کی جائے اُسے آنحضرت پر بہتان خیال کرتا ہوں مجھے یہ پڑھکر ایک گونہ خوشی حاصل ہوئی ہے کہ جناب "سائیکالوجی کے علم" سے بھی بخوبی واقف ہیں اور اس "علم" نے جناب کو اس قابل بنا دیا ہے کہ آپ عام مسلمانوں کے [illegible] آپ سے بزرگ ہیں۔ لیکن میں آپ کو یہ مخلصانہ مشورہ دیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر آپ اپنے اس "علم" کا کچھ حصہ خواب کی نفسیات کا تجزیہ کرنے پر صرف

کردیں تو اغلب ہے کہ آپ پر اور بہت سے حقائق روشن ہوجائیں۔

انھیں دنوں جناب کا ایک اور مضمون جو رسالہ "ترجمان القرآن" ماہ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ میں شائع ہوا تھا۔ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں آپ نے نہایت جانفشانی اور عرق ریزی کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "اُمت مسلمہ" امرتسر ایک ایسی جماعت ہے جس پر مغربیت کا اثر غالب ہے یا بالفاظ دیگر مغرب زدوں کی جماعت ہے۔ اسی مضمون کے دوران میں آپ نے ایک جگہ فرمایا ہے:۔

"ان کے مقالات کا تجزیہ کیجیے تو صاف معلوم ہوجائے گا کہ معقولات اور فطری وجدانیات کے ادراک سے اُن کے ذہن عاجز ہیں۔ جس کو یہ "عقلی فائدہ" کہتے ہیں۔ اس کی حقیقت پوچھیے تو معلوم ہوگا کہ اس سے مراد "تجربی فائدہ" ہے اور "تجربی فائدہ" وہ ہے جو ٹھوس ہو، وزنی ہو، شمار اور پیمائش میں آسکے۔ کوئی چیز جس کا فائدہ اُن کو حسابی اعداد سے گنا کر، یا ترازو کے پلڑوں میں تول کر، یا گز سے ناپ کر نہ بتایا جاسکے، اس کو یہ مفید نہیں مان سکتے اور جب تک اس معنی خاص میں اس کی افادات (؟) ثابت نہ کردی جائے، اس پر ایمان لانا اور اس کا اتباع کرنا اُن کے نزدیک ایسا فعل ہے جس کو یہ "غیر معقولیت" سے تعبیر کرتے ہیں"۔

گویا جناب کے نزدیک معقولات اور فطری وجدانیات کا ادراک یہی ہے کہ احکام خداوندی کی تعمیل میں انسان سے جو اعمال و افعال ظہور میں آئیں۔ اُن کا کوئی "ٹھوس فائدہ" نہ ہو یعنی اعمال کے نتائج محض روحانی ہوں، مادی نہ ہوں۔ حالانکہ یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے اعمال و افعال کے محسوس اور روحانی فوائد کا دنیا نے مشاہدہ کیا۔ شاید آپ کے نزدیک اُن کی مکمل فتوحات، اُن کا جاہ و حشم، اُن کا ایک وادیٔ غیر ذی زرع سے اُٹھ کر تمام طاغوتی طاقتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جانا اور ایک قلیل عرصہ میں ایران مصر، روم، شام، سپین اور ہندوستان پر چھا جانا ایک افسانہ تھا۔ نہایت مودبانہ التماس ہے کہ اس معاملہ پر مزید روشنی ڈال کر واضح کریں کہ کیا اسلام واقعی "مادی" فوائد سے یکسر خالی ہے؟

جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں عرشی صاحب نے اپنے مضمون میں تحریر کیا ہے کہ اُن کے نزدیک حجت صرف قرآن شریف ہے۔ انسائیکلوپیڈیا تو رہا ایک طرف، وہ تو کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے اس قول کو جو قرآن حکیم کے برخلاف ہو پرکاہ کی بھی وقعت نہیں دیتے اور واقعی ہر مسلمان کا جو قرآن کو خدا کا کلام اور حضرت رسول کریمؐ کو خدا کا رسول یقین کرتا ہے، یہی عقیدہ ہونا چاہئے

اور اس لیے اس مضمون (تحقیق قربانی) میں اُنھوں نے متقدمین اور متاخرین کے وہی اقوال درج کئے ہیں جو عین قرآن کے مطابق ہیں۔ ورنہ اس بات سے تو جناب بخوبی واقف ہیں کہ احادیث، تفاسیر و اقوال آئمہ ہر ایک مسئلہ میں موافق اور مخالف ہر دو قسم دستیاب ہو سکتے ہیں۔ پس اصولاً یہی درست ہے کہ ہمیں ہر وہ بات قبول کرنی چاہیے جس کا ماخذ قرآن ہو اور جو قرآن کے مخالف ہو رد کر دینا چاہیے، خواہ وہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی طرف ہی کیوں نہ منسوب کی جائے؟ امید ہے کہ جناب بھی اس عقیدہ میں میرے ہمنوا ہوں گے۔ کیا یہ درست ہے؟

واقعہ خواب حضرت ابراہیمؑ ایک معرکتہ الارا مسئلہ ہے، جس پر خاص توجہ درکار ہے۔ کیونکہ دراصل یہی مروجہ رسم قربانی کی بنیاد ہے۔ توریت میں ضرور لکھا ہے کہ حضرت اسحاق کے ذبح کرنے کا حکم ملا تھا۔ اگر توریت کا یہ بیان درست ہوتا تو قرآن اس کی تائید کرتا۔ لیکن قرآن نے اس کی صحت کی اور خواب بتلایا۔ قرآن سے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ خواب بھی اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ قرآن کی کسی آیت سے حکم بذریعہ خواب دیا جانا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ صریح طور پر بتلایا گیا ہے کہ خواب کی تعبیر ہوتی ہے عرشی صاحب نے اس کی مثالیں بھی قرآن سے دی ہیں، کیا یہ مثالیں غلط ہیں اور قرآن میں درج نہیں ہیں؟ احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خوابوں کی تعبیر ہوتی ہے۔ کیا آپ کی نظر سے کوئی ایسی حدیث نہیں گزری؟

باقی رہا یہ معاملہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے کیوں قیاس نہ کیا کہ اس کی تعبیر ہونی چاہیے اور ذبح فرزند پر آمادہ ہو گئے۔ یہ عشقِ الٰہی تھا۔ آپؑ مشرکین کو اپنے بیٹے بتوں پر ذبح کرتے دیکھتے تھے۔ آپ اپنا بیٹا اللہ تعالیٰ پر قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس غلطی سے بچا لیا۔ اور ذبح فرزند نہ ہونے دیا۔ ورنہ جیسے کہ حال ہی میں ایک شخص نے خواب کی بنا پر اپنی بیوی کو قتل اور بیٹوں کو زخمی کر دیا۔ وہ بھی کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ محسنین کو ایسی غلطی کے ارتکاب سے بچا لیا کرتا ہے۔

تعجب ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے تعبیر خواب نہ سمجھنے کو اُن کی طرف منسوب کرنا بعض حضرات کو سخت ناگوار ہوتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ انبیاءؑ سے سہو اور خطا کا صدور ناممکن نہیں۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت داؤدؑ۔ حضرت یونسؑ۔ حضرت موسیٰؑ اور خود حضرت رسول اکرمؐ سے سہو و خطا کا صادر ہونا قرآن حکیم میں صاف اور غیر مشتبہ الفاظ میں پایا جاتا ہے جن

سے جناب بخوبی واقف ہیں۔

مولانا! بہ فضل خدا آپ عالم دین ہیں۔ علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل کے مصداق ہیں اور ایسے رسولؐ کے جانشین ہیں، جو خلق عظیم پر تھے۔ آپ کو تحمل اور بردباری اور ظن المومنین خیراً کے متعلق کچھ عرض و معروض کرنا گویا لقمان کو حکمت سکھلانا ہے۔ افسوس ہوتا ہے کہ جب اپنے مخالف کی تحریر پڑھ کر آپ زیادہ جوش میں آجاتے ہیں اور ایسے الفاظ آپ کے قلم سے نکلتے ہیں جو جانشین رسولؐ کی شایانِ شان نہیں ہوتے۔ جیسے کہ آپ نے واقعہ خواب حضرت ابراہیمؑ کے متعلق خواجہ احمدالدین صاحب مرحوم کی تفسیر پر اظہار فرمایا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ زمانہ حال کی بزرگ ترین ہستی سید سلیمان صاحب[1] ندوی بھی ایسا ہی تحریر فرماتے ہیں دیکھیں رسالہ"معارف" مارچ ۱۹۳۷ء

---

[1] مولانا شبلیؒ نے بھی سیرت النبی جلد اول میں ایسا ہی لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

اکابر صوفیہ نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں دو قسم کے ہوتے ہیں عینی اور تمثیلی۔ عینی میں بعینہٖ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب میں نظر آتی ہے، تمثیلی میں تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ میں کسی مطلب کو ادا کرنا ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکھایا گیا تھا اُس سے یہ مراد تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لیے نذر چڑھا دیں، یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں بلکہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیئے جائیں توراۃ میں جا بجا قربانی کا لفظ ان معنوں میں آیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہٖ اس کی تعمیل کرنی چاہی گو یہ خیال اجتہادی غلطی تھی جو انبیاء سے ہو سکتی ہے (گو یہ غلطی قائم نہیں رہتی بلکہ خدا اُس پر متنبہ کر دیتا ہے) اس بنا پر گو ابراہیم علیہ السلام اس فعل سے روک دیئے گئے۔ لیکن خدا نے اُن کی حُسن نیت کی قدر کی اور فرمایا

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ	تو نے خواب کو سچا کیا۔ ہم اسی طرح نیکوں کو جزا دیتے ہیں۔

بہر حال یہاں اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ قربانی سے مقصود، خدمت کعبہ کے لیے نذر چڑھانا تھا' نذر چڑھانے کے لیے شریعت سابقہ میں جو لفظ مستعمل تھا وہ "خدا کے سامنے تھا۔ توراۃ میں یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے۔ (باقی بر صفحہ)

"شریعت میں خواب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا نام رویائے تمثیلی اور دوسرے کا نام رویائے حقیقی رویائے حقیقی میں اصل حقیقت بے پردہ نظر آتی ہے اور وہی مقصود ہوتی ہے۔ جیسے، کسی نے خواب میں دیکھا کہ فلاں شخص مرگیا ہے اور وہ واقعی مرگیا تھا۔ یہ رویائے حقیقی ہے۔ رویائے تمثیلی یہ ہے کہ مقصود اس واقعہ سے ملتی جلتی کوئی مشابہ چیز ہو جیسے حضرت یوسفؑ نے قحط کو سوکھی بالوں اور دبلی پتلی گایوں کی صورت میں دیکھا"

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"درحقیقت اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیمؑ کو جو خواب دکھایا تھا، وہ تمثیلی تھا یعنی یہ کہ وہ اپنے بیٹے کو قربانی کر رہے ہیں کے یہ معنی تھے کہ وہ اس کو ہمیشہ خدا کی راہ میں خانہ کعبہ کی خدمت گذاری اور دین حنیف کی تبلیغ کے لیے خدا کی راہ میں قربانی کردیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے فداکاری کے سچے جوش میں اس خواب کو حقیقی سمجھا۔ اور چلے اپنے اکلوتے بیٹے کو خدا کی راہ میں واقعی جسمانی طور سے قربانی کرنے۔ مکہ کے پاس پہنچکر بیٹے کو قربان گاہ پر چڑھا کر چاہا ہی تھا کہ اس کے گلے پر چھری پھیریں کہ بارگاہِ قدس سے ندا آئی قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا۔ اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اور اب خداوند حق نے حضرت ابراہیمؑ کو وحی سے مطلع فرمایا کہ یہ خواب حقیقی نہیں، بلکہ تمثیلی تھا"

فرمائیے سید صاحب کی اس تحریر کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟

علاوہ ازیں خان بہادر سید اولاد حیدر صاحب بلگرامی بھی "اسوۃ الرسول" جلد اول ص۳۶۵ میں کچھ ایسا ہی فرماتے ہیں:۔

"حضرت ابراہیمؑ نے اس خواب کو مبنی خیال کیا اور اس کی تعمیل کرنا چاہی مگر یہ خیال

---

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل کے حق میں خدا سے جو دعا کی وہ ان لفظوں میں تھی لیت اسمعیل یعیش اماماك (توراۃ، تکوین، اصحاح ۱۷۔ آیت ۱۸) کاش اسمٰعیل تیرے سامنے زندگی کرتا۔

اسی خواہش کے مطابق اُن کو خواب میں تمثیلی پیرایہ میں حکم دیا گیا کہ وہ بیٹے کی قربانی کریں

(۲) یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم کو خواب میں حضرت اسحاق کی قربانی کا نہیں بلکہ حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ (سیرۃ النبی حصہ ۱۰۱، جلد اول ص۱۰۶ و ۱۰۷)

اجتہادی غلطی تھی جو انبیاء سے ہو سکتی ہے۔ اس بنا پر ابراہیمؑ اس فعل سے روک دیے گئے۔"

نیز قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔" مشرکوں کے شرکاء قتل اولاد کو مشرکوں کے لیے زینت دیتے ہیں ۱۳۷/۶۔ اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالےٰ یہ پسند نہیں کرتا کہ مشرک اپنی اولاد اپنے باطل معبودوں کی خوشنودی کے لیے قتل کریں تو آپ ہی فرمائیں کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قتل اولاد کو اپنے لیے پسند کرے اور حکم دے کہ حضرت ابراہیمؑ اس کے حضور اپنے بیٹے کی قربانی پیش کریں؟ دوسری جگہ ارشاد ہے" جو شخص کسی انسان کو قتل کرنے یا ملک میں فساد ڈالنے کے بغیر قتل کردے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا" ۶/۹ ۔ پس صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ جیسا عظیم الشان نبی اپنے بیگناہ اور معصوم بچے کو محض خواب کی بنا پر ذبح کرکے ایسے زبردست گناہ کا مرتکب ہو جائے جو بمنزلہ تمام انسانوں کے قتل کر دینے کے ہو؟

تفسیر سورۃ الکوثر میں مولانا حمید الدین صاحب فراہیؒ بھی قربانی کی جگہ کی تخصیص اور اس کے مصرف پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"(۱) حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کے لیے اللہ تعالےٰ نے ایک جگہ متعین فرمائی تھی اور یہی جگہ ہمارے لیے بھی مخصوص ہوئی" (صفحہ ۸۳)

(۲)" باتفاق تمام مفسرین اس آیت میں (یعنی اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ الخ) نسک سے مراد حج اور عمرہ میں قربانی کرنا ہے[۵]" (صفحہ ۵۵)

(۳)" قربانی خانہ کعبہ کے پاس ہوتی ہے جو مرکز نماز ہے" (صفحہ ۶۴)

(۴)" اس لیے اس سنت کے قیام واحیا کے لیے مقام مروہ مخصوص ہوا جو حضرت اسمٰعیل کی قربانی کی جگہ ہے" (صفحہ ۹۲)

(۵)" پھر نماز کے جو جانور ساتھ لائے ہیں ان کا گوشت خود کھائیں اور دوسروں کو کھلائیں اور شکر گزار ہوں" (صفحہ ۳۴)

(۶) بیت اللہ ایک عظیم الشان امت کے لیے توحید، نماز، اور اطعام فقرا کا

---

[۵] جناب مودودی صاحب نے اس آیت سے غالباً ہر مسلمان حاجی یا غیر حاجی کے لیے قربانی کا وجوب ثابت کیا ہے جو تمام مفسرین کے خلاف معلوم ہوتا ہے (محمد شفیع)

مرکز بنایا گیا ہے" (صفحہ ۲۹)

مولانا موصوف کے مندرجہ بالا ارشادات عین منشائے الٰہی کے مطابق ہیں اور نیاز مند کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن مولانا نے صفحہ ۳۶ پر یہ بھی تحریر کیا ہے کہ "جو شخص اس قربانی کے علاوہ قربانی کرتا ہے وہ حجاج سے صرف ایک گونہ تشبہ حاصل کرتا ہے اور یہ قربانی کر کے گویا وہ ایک دن حقیقی قربانی کی سعادت کے حصول کی راہ تک رہا ہے" میرے خیال میں یہ ان کا ذاتی نظریہ ہے، کیونکہ قرآن حکیم اس کی تائید میں بالکل خاموش ہے۔ رسالہ "ترجمان القرآن" ماہ صفر ۱۳۵۵ھ میں جناب نے تحریر فرمایا تھا کہ احکام الٰہی میں تغیر و تبدل کرنے کا حق کسی کو نہیں، حتیٰ کہ پیغمبر کو بھی نہیں — تو اب غور طلب بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لیے ایک جگہ کی تخصیص کر دی تھی تو وہ کونسی ایسی شخصیت تھی جس نے اس تخصیص کو اڑا دیا اور مسلمانوں کو اجازت دیدی کہ جہاں چاہیں قربانی کر لیا کریں؟ فرمائیے! کیا کسی کو ایسا حق حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں تغیر و تبدل کر سکے؟ اگر ایک منٹ کے لیے اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانوں کی مروجہ قربانی کا مدعا محض حجاج سے صرف ایک گونہ تشبہ حاصل کرنا ہے تو میرے خیال میں تشبہ بالحج میں پھر کونسی قباحت رہ جاتی ہے، جیسا کہ لواری شریف (سندھ میں ایک چھوٹا سا گاؤں) میں ایک بزرگ کی خانقاہ پر ہر سال ۹ ذوی الحج کے دن ہزارہا انسان جمع ہو کر باقاعدہ حج ادا کرتے ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو حاجی ہی کے لقب سے ملقب کرتے ہیں اور جب ان سے اس کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو اس حج اکبر کی سعادت کے حصول کے لیے ایک وسیلہ ہے۔ کیا جناب کے خیال میں وہ ایسا کرنے اور کہنے میں حق بجانب ہیں؟

میں نے آپ کے فرمان کے مطابق آپ کے مضامین کو پھر پڑھا ہے۔ پہلے بھی بعد مکرر سہ کرر پڑھا تھا۔ مجھے افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ میرے سوالات کے جوابات آ[illegible] کے مضامین میں مجھے نہیں ملتے۔ ہاں! اگر آپ کچھ سمجھا سکتے ہیں تو جناب کی بڑی مہربانی [illegible]

آپ کے ارشاد کے مطابق مولانا آزاد کے ترجمہ قرآن کا جو "تحقیق قربانی" کے مضمون میں [illegible] کیا گیا ہے [illegible] کیا گیا [illegible] ہے جو عرشی صاحب نے اپنے مضمون [illegible] ترجمہ میں تحریف معانی قرآن [illegible]

نے کی ہے یا عرشی صاحب نے؟ اور اگر آزاد صاحب نے کی ہے تو اُن کو تصحیح ترجمہ پر مجبور کریں۔

چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ تحریر لمبی ہونے سے مسئلہ زیر بحث کے بجائے بحث کا رخ اور طرف نہ پھر جائے اس لیے ملتمس ہوں کہ پہلے آپ مسئلہ قربانی کو صاف کریں اور جو سوالات اور آیات قرآنی، احادیث، اقوال متقدمین و متاخرین "تحقیق قربانی" کے مضمون میں سے اپنے سابقہ خط میں درج کرچکا ہوں، ان پر دوبارہ غور فرمائیں اور جناب کی خدمت میں مزید عرض ہے کہ اس عریضہ میں میں نے جو ارشادات سید سلیمان صاحب ندوی، سید اولاد حیدر صاحب بلگرامی اور علامہ حمید الدین صاحب فراہیؒ کے درج کیے ہیں، اُن کو بھی مدنظر رکھیں اور اُن کی تردید اور تغلیط فرمائیں۔ یہ ازبس ضروری ہے، تاکہ میں ہی نہیں بلکہ ہزاروں مسلمان بقول آپ کے گمراہی سے بچ رہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دیگا۔

طالب حق۔ خاکسار محمد شفیع بی۔ اے

تقریباً ایک ماہ سے زائد انتظار کرنے کے بعد مولانا کی خدمت بابرکات میں مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۳۷ء کو ایک جوابی پوسٹ کارڈ تحریر کیا گیا جو ذیل میں درج ہے۔

مخدومی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بجواب آپ کے نوازش نامہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ میں نے ایک عریضہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۷ء کو ارسال خدمت کیا تھا۔ جس میں جواب کے لیے ڈیڑھ آنے کے ٹکٹ بھی رکھ دیے تھے۔ اس کے جواب سے محروم ہوں۔ رسید بھی نہ ملی کہ میرا عریضہ پہنچا یا نہ۔ اس کے لیے بغرض حصول جواب و رسید آج جوابی پوسٹ کارڈ ارسال ہے۔ براہ مہربانی جواب سے مطلع فرمائیں۔ اپنے پہلے عریضہ میں میں نے دریافت طلب امور کو بوضاحت عرض کر دیا تھا۔ اگر مختصر طور پر آپ ان کا جواب ہی ارقام فرما دیتے تو مسئلہ زیر بحث پر بہت کچھ روشنی پڑسکتی تھی۔ عرشی صاحب کا مضمون بھی اتنا طویل نہیں جس کی تردید کے لیے آپ کو زیادہ تحریر کرنے کی ضرورت ہوتی۔ اس میں تو اتنا ثابت ہے کہ آیات و احادیث و دیگر اقوال متقدمین جو اُنھوں نے درج کیے ہیں، یہ نہ آیات نہ احادیث، نہ اقوال متقدمین اور اُن کے تراجم جو اُنھوں نے مختلف مترجمین سے لیے، غلط ہیں۔ درست تراجم یہ ہیں۔ بس مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔ اُمید ہے جواب سے محروم نہ رکھیں گے۔

"بلاغ" جون ۱۹۳۵ء میں میں نے ایک خط حکیم طالب علی صاحب کا دیکھا ہے

جو انھوں نے آپ کی خدمت میں لکھا تھا۔ عنوان مضمون یہ تھا کہ "کیا بلغیر آثار رسالت تنہا کتاب اللہ موجب ہدایت ہے"۔ جناب نے اگر اس کا کوئی جواب آج تک دیا ہو تو اس سے بھی مطلع فرمائیں۔ اس کا جواب دیکھنے کا مجھے بہت اشتیاق ہے۔ والسلام - محمد شفیع

مولانا کی جانب سے جو جواب موصول ہوا ذیل میں درج ہے اور اس پر تاریخ وغیرہ کا کوئی اندراج نہیں ہے۔

محترمی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا مفصل خط مجھے مل گیا تھا۔ اور اس میں جواب کے لیے ٹکٹ بھی تھے۔ میں ایک بہت عدیم الفرصت آدمی ہوں۔ کثرت کار نے میری صحت خراب کر دی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف حصوں سے خطوط بھی میرے پاس آتے رہتے ہیں اور ان سب کے جوابات مجھے خود ہی لکھنے پڑتے ہیں ایسی حالت میں اتنی طویل تحریروں کو پڑھنا اور اُن کے مفصل جوابات دینا میرے لیے سخت مشکل ہے۔ میں نے آپ کا خط احتیاط سے رکھ چھوڑا ہے اور فرصت کا انتظار کر رہا ہوں۔ کہ اسے غور سے پڑھوں اور آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کروں۔

ایک بات یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میں ہر مسئلہ کے متعلق ہر شخص کو فرداً فرداً مطمئن کرنے کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ جن جن مسائل میں مجھکو تحقیق کا موقع ملتا ہے۔ ان پر اپنی تحقیق شائع کر دیتا ہوں۔ کوئی شخص میرے دلائل سے مطمئن ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ اُسے اختیار ہے کہ جو کچھ اُسے حق نظر آتا ہو اس کی پیروی کرے۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہوں کہ لوگوں کو صحیح بات کے سمجھنے میں مدد دوں۔

رسالہ "بلاغ" میں حکیم طالب علی صاحب کا مضمون[۱] میں نے نہیں دیکھا۔ "بلاغ"

---

[۱] اغلباً اکتوبر ۱۹۳۴ء میں حکیم صاحب نے یہ تحریر مودودی صاحب کو بھیجی تھی اور مودودی صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ ہم اس کا جواب بذریعہ رسالہ ترجمان القرآن دیں گے۔ حکیم صاحب نے نو ماہ تک انتظار کر کے اس مضمون کو رسالہ بلاغ میں بغرض اشاعت بھیجدیا تاکہ کوئی اور صاحب بھی اس کا جواب دیں۔ ہمارے خیال میں یہ ایک اصولی بحث ہے اور اصول بھی مودودی صاحب کے مسلمہ ہیں اس لیے وہ خود ہی اس کا جواب دیں تو زیادہ مناسب ہے علاوہ مسئلہ زیر بحث پر روشنی پڑنے کے مودودی صاحب اپنے وعدہ کو بھی پورا کر سکیں گے رسالہ بلاغ ماہ جون ۱۹۳۵ء مکرر ان کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے (بلاغ)

میرے پاس آتا ہے۔ مگر میں تمام اخبارات اور رسائل کو لفظ بلفظ نہیں دیکھ سکتا۔ جو چیزیں سرسری نظر میں کام کی نظر آتی ہیں انھیں پڑھ لیتا ہوں۔ باقی چیزوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔

(ابوالاعلیٰ)

اطلاعات امت مسلمہ

۱۔ مدرسۃ العمیان میں گزشتہ چند ہفتوں سے باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ چاروں طالب علم قرآن مجید حفظ کر رہے ہیں، گذشتہ ماہ سے انگریزی کورس کی ابتدا بھی ہو چکی ہے۔ ایک طالب علم قرآن کا ترجمہ پڑھ رہا ہے اور چارپائیاں بُننے کا کام بھی سیکھتا ہے۔

ہم مستری غلام محمد صاحب کے شکر گذار ہیں کہ وہ مدرسہ اور مہمان خانہ کے انتظام و اخراجات میں پوری دلچسپی کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں۔ امت مسلمہ کے قائم مقام سکرٹری خواجہ ضیاء اللہ صاحب بھی اپنا تمام وقت مدرسہ کی نگرانی اور انتظام پر صرف فرما رہے ہیں اور اس سلسلہ کے بیشتر اخراجات کے متحمل ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ہر دو اصحاب کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

سردی کا موسم شروع ہو چکا ہے۔ نابیناؤں کے لیے گرم لباس اور بستروں کی شدید ضرورت ہے۔ قوم کے دردمند اور مخیّر حضرات سے توقع ہے کہ وہ ذاتی ضروریات کے ساتھ ساتھ نابیناؤں کی خدمت کے اہم فرض کو فراموش نہ کریں گے۔

ستمبر ۳۷ء میں مدرسۃ العمیان کے لیے مندرجہ ذیل رقوم موصول ہوئیں:۔

مستری غلام محمد صاحب عـ۱۰ـہ۔ مستری اسمٰعیل صاحب عـہ۔ بابو محمد شفیع صاحب ۱ـے۔ اصغر صاحب صـہ۔ سید بہادر علی شاہ صاحب ۱ـے میزان ۲۲ـہ

لیکن باورچی، معلم اور خوراک وغیرہ کے تمام اخراجات کی میزان ۳۱ـہ تھی۔ ۹ـہ کے فاضل اخراجات، صاحب سکرٹری امت مسلمہ نے اپنی جیب خاص سے ادا فرمائے۔ اسی سلسلے میں ہم محترمہ اُم احسان کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے گذشتہ ماہ طالب علموں کو آٹھ مرتبہ کھانے کی دعوت دی۔ جزاھا اللہ احسن الجزاء۔

۲۔ شعبہ عمارات کے متعلق گذشتہ اشاعت میں اعلان کیا گیا تھا کہ یہ شعبہ تقریباً ۷۰ روپیہ کا مقروض ہے۔ اس اعلان کے بعد مندرجہ ذیل رقوم موصول ہوئیں:

ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب ۵؎ ۔ میر محمد شریف صاحب لاہور ۱۰؎ ۔ محترمہ غلام فاطمہ صاحبہ ۵؎
خواجہ عباد اللہ صاحب ۴؎   میزان ۲۴؎

مگر اس آمدنی سے قرضہ ادا نہیں ہو سکا۔ بلکہ کنوئیں کے ارد گرد فرش لگوانے، باغیچہ کے اخراجات اور طالب علموں کے لیے ٹٹیوں کی تعمیر پر ۳۱؎ صرف ہوئے اور اس طرح عمارت فنڈ مزید سات روپے کا مقروض ہو گیا۔

۳۔ جناب عبدالرحیم صاحب قریشی کی عمر رسیدہ خالہ صاحبہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اُمت مسلمہ گراؤنڈ کی حد بندی کے لیے جو پودے لگائے گئے ہیں اُن کو پانی پہنچانے کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے تو آپ نے اپنا نقرئی زیور مالیتی ۲۶ روپیہ جو بظاہر اُنکی ضعیف العمری کا سہارا تھا پمپ لگانے کے لیے مجلس کے حوالہ کر دیا۔ مائی صاحبہ کا یہ ایثار حقیقی قربانی پر محمول ہے۔ یقیناً ایسے ہی نمونے آنے والی نسلوں کے لیے زندگی کا ذریعہ بنتے ہیں ؎

ہر چہ داری صرف کن در راہ او
لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا

نماز عربی میں؟

(از جناب سید حسرت بی اے سانوی)

نوجوان مضمون نگار اصلاح و تجدید کے جوش میں بہت سی باتیں ایسی لکھ گئے ہیں جنہیں وہ خود مرور وقت و حصول تجربہ کے بعد نا قابل قبول سمجھیں گے، تاہم اُن کے قلم سے ایسے الفاظ بھی نکل گئے ہیں جو مسلمانوں کے سنجیدہ طبقہ کے غور و فکر کے مستحق ہیں، ہم کسی دوسری فرصت میں اس بحث پر اپنے ناچیز خیالات پیش کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز (بلاغ)

نماز، عبد و معبود کے درمیان، قدرتی سلسلہ ارتباط قائم رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ قرون اولیٰ میں، مسلمانوں کی روحانی مسرت اور قلبی تسکین، بڑی حد تک نماز ہی کے ساتھ وابستہ تھی، لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا، نماز کی روح پر پردے پڑتے چلے گئے، حتّٰی کہ آج نماز کی جاذبیت رخصت ہو چکی ہے اور اسلام کے دوسرے ارکان کی طرح، نماز بھی محض ایک رسمی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ

نماز کی موجودہ حیثیت محض رسم پرستی اور تقلید کا ایک ڈھانچہ ہے جسے حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ۔ چونکہ اسلام کی ابتداء عرب سے ہوئی تھی اور اہل عرب نماز کو اپنی زبان میں ادا کرتے تھے، اس لیے اُن کے فتوحات اور تسلط کے ساتھ ساتھ نماز کا قدیم طرز و طریق بھی مضبوط ہوتا چلا گیا اور نو واردان اسلام کے لیے، یہ امر لازم ہو گیا کہ وہ نماز کو عربی زبان میں ادا کیا کریں۔ صدیوں کے تواتر سے یہ تقلید اور بھی زیادہ مضبوط ہو گئی اور کسی کو جرأت نہ ہو سکی کہ اس غیر نفع بخش رسم کے خلاف آواز بلند کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی دماغ کی نشوونما مقید ہو گئی اور عربی زبان کی خوش عقیدتانہ فوقیت کے خیال سے، مسلمانوں کی فکر و تدبیر کی قوتیں زائل ہو گئیں۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ نماز مادری زبان میں ادا ہوتی اور حقیقتاً ہم رحمت ایزدی سے اُسی وقت قریب ہو سکتے ہیں جب ہم اپنے مقصود و مدعا کا اظہار خود اپنی زبان کے ذریعے کریں۔ زمانہ قدیم میں عربوں کو عربی نماز نے اوج ثریا پر پہنچایا، لیکن موجودہ مسلمانوں کے زوال کا خاتمہ کرنے اور اُنھیں روحانی لذتوں سے بہرہ یاب کرنے کے لیے ہماری رسمی نماز میں کوئی طاقت اور اثر موجود نہیں ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کا صحیح مقصود، اس کے لامتناہی فوائد اس کے

معاشری اور اخلاقی فیوض و برکات محض اسی حالت میں حاصل ہو سکتے ہیں، جب ہم نماز کو صرف اپنی زبان میں سوچ سمجھ کر ادا کریں۔

مروجہ نماز میں اور بھی بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں مثلاً آیات قرآن کی تلاوت فرض سمجھی جاتی ہے[1] حالانکہ قرآن مجید سے یہ بات کہیں ثابت نہیں ہوتی۔ صرف اس پر ہی بس نہیں، بلکہ قرآن کی بعض آیات کو قطعاً بے محل استعمال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ کی سورت کو لے لیجیے جس کی تلاوت ہماری کم فہمی اور نادانی پر دلالت کرتی ہے۔ میرا ذہن اُس عابد کے تصور سے جھنجھلا اُٹھتا ہے جو قطعاً کچھ نہ سمجھتا ہوا غیر ملکی زبان میں نماز ادا کر رہا ہو۔ اس کے خیالات پریشان اور اس کا تخیل اُن معموں کے حل کے لیے بیتاب ہوتا ہے جو عموماً ایسے شخص کی نماز میں گھس جاتے ہیں۔ ان اظہر من الشمس خامیوں کے باوجود، وہ اصلاحِ نماز سے بالکل بے بہرہ ہے اور خدا کی آواز، زبان اقبال سے برابر پکار رہی ہے:۔

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور ایسی نماز سے گذر، ایسے امام سے گذر

آج اس امر کی بڑی ہی ضرورت ہے کہ عامۃ المسلمین کو نماز کے صحیح مفہوم سے آگاہ کرنے کے لیے قرآن کی ایسی سورتیں اُردو میں پڑھائی اور یاد کرائی جائیں، جن کا تعلق نماز کے ساتھ ہے اس کے دو فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک یہ کہ قوم رسمی نماز کے بجائے حقیقی نماز حاصل کرے گی اور اُن کا موجودہ جمود اور بے عملی ختم ہو جائے گی۔ دوسرے یہ کہ مسلمان قرآنی خزائن کے حصول کی طرف متوجہ ہوں گے۔ اُن کے نقطہ نظر میں بتدریج انقلاب پیدا ہوتا رہے گا اور عجب نہیں کہ اس طرح مسلمانوں پر رحمت خداوندی کے دروازے کھل جائیں۔

اس مسئلے پر میں نے بہت سے مشاہیر سے گفتگو کی ہے، ان سب نے بلا لومۃ لائم نماز کے حقیقی مقصد کے فقدان کا اقرار کیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ لوگ عوام کے سامنے آوازہ حق بلند کرنے کی قطعاً جرأت نہیں رکھتے اور ممبر پر کھڑے ہو کر صریحاً اپنے ضمیر کے خلاف بغاوت کرتے ہیں درآنحالیکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم "مقلدازم" کے خلاف مسلسل ہمت اور محنت کے ساتھ جہاد کریں۔

---

[1] بھائی صاحب! نماز کو قرآن سے الگ کر کے آپ کہیں قرآن ہی سے الگ نہ ہو جائیں اللہ تعالےٰ نے تو نماز کو قرآن سے یہاں تک وابستہ کیا کہ نماز فجر کا نام ہی قرآن الفجر رکھ دیا اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا ۱۵/۹ اور سورہ مزمل کو بھی دیکھیے (بلاغ)

کی درجہ بدرجہ تفصیل ہوتی گئی، مگر ساتھ ہی مذہبیت یعنی یہودیت و نصرانیت کا رنگ بھی اس پر چڑھتا گیا۔ قرآن پاک اسی اصل اسلام کو مفصل و مدلل کر کے، تمام ممکن اعتراضوں کا جواب دے کے اور ملاوٹوں سے پاک بنا کے لایا ہے۔ معقول بات کی تفصیل کر دینا اس کی تنسیخ نہیں ہے۔ کسی معقول بات کو مٹا کر اس کی جگہ نئی بات لانا بلاشبہ تنسیخ ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے رب العالمین سے دعا مانگی کہ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ . . . . رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا (۱/۱۵)	اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (ابراہیم و اسمٰعیل) کو اپنے مسلم (فرمانبردار بندے) بنا . . . . اے ہمارے پروردگار ان میں ایک رسول

(اسلام سکھلانے والا) مبعوث فرما۔

دیکھئے! حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وقت میں اور اُس آخری رسول کے عہد میں اس اُمت کا نام مسلم رکھا۔ اللہ تعالےٰ نے بھی اسی نام کو پسند فرمایا، اسی اسلام پر چلنا سکھایا اور اس کے سوا کسی اور دین کو منظور نہیں رکھا۔

اندریں حالات جو لوگ اپنا ایک نیا نام احمدی[۵] رکھکر تفرقہ کی بنیاد ڈالتے ہیں اور وہ لوگ جو اسلام کی جگہ بآب ازم اور بہا ازم کو دیتے ہیں، کس طرح صحیح کار ہو سکتے ہیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

خدا تعالےٰ یہودیت و نصرانیت کی ملاوٹوں کو دُور کر کے چار ہزار سال پہلے کا مسلم نام پسند فرماتا ہے اور اسی حقیقت پر چلنا سکھلاتا ہے اور اسی کو الٰہی رنگ بتلاتا ہے۔ یہ لوگ اس نام اور رنگ کو کافی نہ جان کر دوسرے نام اور رنگ تجویز کرتے ہیں۔ افسوس![۲]

---

۵ آج تک کسی سچے نبی نے اپنی اُمت کو اپنے نام سے منسوب نہیں کیا۔ چنانچہ ابراہیمی، اسحاقی، موسائی، سلیمانی، محمدی، کسی اُمت کا نام نہیں۔ البتہ ربانی اور مسلم کہا گیا ہے۔

۲ اصلی اسلام میں اس کے ابتدائی اجمال کے سبب دنیا کی جاہلیت اور ناقابلیت کے وقت فی الواقع ملاوٹیں پیدا ہو گئی تھیں، اسوقت متعدد مدعیٔ الہام کتابیں موجود تھیں ان میں سے کسی نے اصلیت کو ملاوٹوں سے الگ کرنے اور حق و باطل میں فرق و تمیز کرنے کا ضروری کام قرآن مجید کی طرح اپنے ہاتھ میں نہیں لیا، یہ صرف قرآن مجید ہی ہے جس نے آ کر بتلا دیا کہ دین دراصل ایک ہی ہے اور وہ اسلام ہے، اس کے سوائے کسی سے کوئی دین قبول نہیں کیا جائیگا (بقیہ بر صفحہ ۳۴۴)

برادران! کیا نزول قرآن کے وقت دنیا میں مختلف مدعیٔ الہام کتابیں موجود نہ تھیں؟ کیا لوگ ان کی بنا پر مختلف فرقے نہیں بن رہے تھے؟ کیا ان میں سے کوئی کتاب کھُلے لفظوں میں یہ کہتی تھی کہ دین ایک ہے اور وہ صرف اسلام ہے، جو سب کا مشترکہ دین ہے؟ جب بات یہ ہے تو کیا قرآن کریم نے مناسب وقت پر یہ کام کر کے نہیں دکھلا دیا؟ اس کام کے کرنے کے بعد اور کونسی ضرورت باقی رہتی تھی، جس کے لیے کسی اور کتاب کے حَکَم بن کر آنے کا انتظار باقی تھا؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بلاشبہ دین، دین اسلام ہی ہے، لیکن ان کے نزدیک اسلام کوئی معیّن و مشخص دین نہیں ہے، بلکہ جو بھی خدا تعالےٰ کسی وقت فرمائے، اسی کی پیروی کا نام اسلام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تورات کے وقت میں یہودیت اسلام تھی اور انجیل کے وقت میں نصرانیت اسلام تھی۔ اگر بات یہ ہے، تو خدا تعالےٰ قریب کے اسلام یعنی یہودیت و نصرانیت سے روک کر ابراہیم علیہ السلام کے اسلام کی طرف کیوں بلاتا ہے اور کیوں فرماتا ہے

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا (پ۱ ع۱۶)	اور یہود اور عیسائی مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ تو راہ راست پر

آ ؤ (اے پیغمبر تم ان لوگوں سے) کہو (نہیں)، بلکہ ہم ابراہیم کے طریقے پر ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا طریق یہود و نصرانیت سے الگ تھا۔ یہ لوگ خدا کو ایسا حاکم قرار دیتے ہیں، جس کے حکموں میں ہمیشہ اختلاف ہوا کرتا ہے۔ لیکن عقل اور وحی کا متفقہ فتوےٰ ہے کہ جن حکموں میں اختلاف پایا جائے، وہ سب کے سب خدا تعالےٰ کے اپنے حکم نہیں ہو سکتے۔ خدا تعالےٰ کے کلمات کبھی نہیں بدلتے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۳

میں اسی اسلام کو ملاوٹوں سے پاک کر کے اور مدلل بنا کے تمہارے پاس لایا ہوں۔ اگر دین ایک ہی چاہیے تو میں اپنا کام کر چکا ہوں۔ اگر متفرق دینوں کی ضرورت ہے تو بلاشبہ کسی اور کی راہ دیکھو۔ ورنہ جس کو یہ پہنچے وہ اسی راہ پر چلتا رہے۔

دلیل ششم

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وحی الٰہی بہت سے دینی حقائق کو صحیفۂ فطرت کی گہرائیوں سے نکال کر ہماری گرفت کے قریب کر دیتی ہے اور جس طرح صحیفۂ فطرت خدا تعالیٰ کا کام ہونے کے سبب نئے نئے معلومات حاصل کرنے کے لیے بے غلط اور بے بدل بنیاد تحقیقات ہے، اسی طرح اصل وحی الٰہی بھی خدا تعالیٰ کا خود بتلایا ہوا حق ہونے کے باعث ہماری آئندہ تحقیقات کی بے غلط اور بے بدل بنیاد ہے۔

ہمارے علوم دو قسم کے ہیں۔ ایک علوم اوّلیات و بدیہات کہلاتے ہیں۔ وہ تمام عاقل بالغ انسانوں کے مشترکہ علوم ہیں۔ لوگ فطرتاً ان کے ماننے پر مجبول و مجبور ہیں۔ یہ علوم متعارفہ کے طور پر شروع میں ہی کام دیتے ہیں۔

پھر ان بنیادی علوم کو ترکیب دینے سے نئے نئے نتائج نکلتے آتے ہیں ترکیب میں جس قدر پیچیدگی بڑھتی جاتی ہے، اسی قدر غلطی کا امکان بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے ان نتائج کو نظریات کہتے ہیں۔ یہ دوسری قسم کے علوم ہیں۔ دنیا کے تمام اختلافات انہی نظریات کی بدولت ہی ہیں۔

ان نظریات میں سے جب کسی نظریہ کے تمام پہلوؤں پر پورا پورا غور کر لینے کا یقین حاصل ہو جاتا ہے، تو ایسے نظریئے حقائق قرار پاتے ہیں اور آئندہ تحقیقات کے لیے علوم متعارفہ کی طرح کام دیتے ہیں۔

بحث کو علوم متعارفہ اور حقائق ہی سے شروع کرنا چاہیئے، یا کم از کم ایسے نظریوں سے جو فریقین کے نزدیک مسلّم ہوں۔ مسلّمات کے بغیر کوئی بحث اُٹھائی ہی نہیں جا سکتی۔

صحیفۂ فطرت کے بنیاد تحقیقات ہونے میں کوئی شخص اختلاف نہیں کر سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ بنیاد تحقیقات کو پہلے معلوم کر کے ہی اُس پر آئندہ تحقیقات کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ پہلے بغیر بنیاد کے ہی تمام تحقیقات حاصل کر لی جائے اور پھر بنیاد کو قائم کرنے کی باری آئے۔ صحیفۂ فطرت کی تمام اشیاء کے متعلق تمام تحقیقات کر لینا محال ہے۔ اگر تمام تحقیقات کے بعد صحیفۂ فطرت کا بنیاد تحقیق ہونا مسلّم رکھا جائے تو اس سے صحیفۂ فطرت کی بنیاد تحقیقات مانے جانے کی کبھی نوبت

ہی نہیں آسکتی، اور اسوقت اسے بنیاد تحقیقات بنانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو تحقیقات ہم نے اس سے کرنی تھی، وہ پہلے ہی کر چکے ہیں۔

پھر صحیفہ فطرت کا بنیاد تحقیقات ہونا ہمارے نظریات کی بنا پر بھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ نظریات کی غلطیاں تو پھر صحیفہ فطرت ہی سے نکالنی ہیں۔ پس صحیفہ فطرت کو شروع ہی سے بنیاد تحقیقات تسلیم کرنا واجب ہے۔

صحیفہ فطرت نے ہم کو بلاواسطہ خود ہی اولیات و بدیہات سکھائے ہوئے ہیں۔ یہ صحیفہ فطرت کی خود اپنی آواز ہیں۔ پس ہم صحیفہ فطرت کے ساتھ خود اس کے بتلانے ہی سے روشناس ہوتے ہیں اور اسے محض بدیہات کے ذریعہ ہی سے بنیاد تحقیقات مانتے ہیں۔

جب بات یہ ہے تو اگر وحی الٰہی سچ مچ صحیفہ فطرت کی مدد کے لئے اس کے ساتھ بے غلط و بے بدل بنیاد تحقیقات ہو کر آیا ہے، تو لازم ہے کہ ہم اسی کے بتلانے ہی سے اور اسی کو پڑھ پڑھ کر ہی اس کے ساتھ روشناس ہوں اور اسے محض بدیہات ہی کے ذریعہ سے بنیاد تحقیقات تسلیم کریں اور اپنے معلومات، نظریات اور مسلمات کو اس سے مدد لے کر حقیقت کے لحاظ سے صحیح بنا دیں۔ یہ نہ کریں کہ اپنے اپنے معلومات، نظریات اور مسلمات کو اس پر مستقل حکم قرار دیں۔

لوگوں کے نظریات و مسلمات مختلف ہوتے ہیں۔ وحی الٰہی جن باتوں کا محکم و ظاہر طور پر فیصلہ کر دیتا ہے، ان میں وحی الٰہی خود ہی محکم و ظاہر طور پر حکم بنتا ہے۔ سو اگر خدا تعالیٰ نے جیسے حکم کی ضرورت ہے تو پھر ایسے حکم کے فیصلہ کے بعد اپنے ہی نظریات و مسلمات کی بنا پر اس منصف و جج کے فیصلہ کو غلط ٹھہرانا اسے مستقل جج ماننا نہیں ہے، اگر ہر شخص کے اپنے ہی نظریات و مسلمات مستقل جج ہیں تو انھیں وحی الٰہی کے متحد کرنے والے جج کی کیا ضرورت ہے؟ متحد کرنے والا وحی الٰہی صرف ایک ہی ہو سکتا ہے، کسی کتاب کو بھی الٰہی جج قرار دے لو، مگر ایسی قرارداد کے بعد پھر اپنے ہی نظریات و مسلمات سے اس کو جھٹلانے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہیگی۔ صرف اتنی بات رہ جائے گی کہ ان اپنے اپنے نظریات و مسلمات کو بار بار صحیح بنانے کی سعی بلیغ کی جائے۔ جب کوئی نظریہ و مسلمہ یقینی طور پر صحیح ہو جائیگا، تو وہ ضرور جج کے فیصلہ کے مطابق ہی ہوگا اور دل میں زیادہ نور پیدا کر دے گا۔ اگر وہ جج الٰہی جج ہے تو بالضرور ایسا ہی ہونا لازم ہے،

پھر وحی الٰہی جیسے حکماء کے لیے ہے، ویسے ہی گنواروں کے واسطے بھی ہے۔ ان سب کے نظریے ایک سے نہیں ہو سکتے۔

حاصل یہ ہے کہ متحد بنانے والی وحی الٰہی کو اس کی اپنی ہی بتلائی ہوئی بدیہی باتوں سے معلوم کرکے اسے اپنی آئندہ تحقیقات کی بنیاد بنانا چاہیے۔

ہم نے صحیفہ فطرت کو جو کتاب مکنون، ام الکتاب اور لوح محفوظ ہے صرف اس بدیہی بات سے بنیاد محفوظ قرار دیا ہے کہ اس کا مقابلہ کوئی انسان نہیں کرسکتا اور کوئی اس کی مثل نہیں بنا سکتا۔ یہ بات ہمیں صحیفہ فطرت نے ہی سکھائی ہے۔ ہم اسے کہیں باہر سے نہیں لائے۔ اسی طرح ضرور ہے کہ وحی الٰہی ہمیں خود ہی بتلائے کہ کوئی میرا مقابلہ نہیں کرسکتا اور کوئی میری مثل نہیں بنا سکتا اور یہ بھی ظاہر ہو کہ فی الواقع کوئی اس کی مثل بنا کر مقابلہ میں نہیں لاسکا، بلکہ اس زبان والے مقابلہ کی کوشش کرکے خود مسلمان ہو گئے اور اپنی لغات اور صرف و نحو و معانی و بیان میں اسی کو اپنا امام بنایا۔ یہاں تک کہ جن غیر مسلموں نے بھی عربی لغات و صرف و نحو کی کتابیں لکھی ہیں وہ بھی قرآن سے سندیں لانی ضروری سمجھتے ہیں تو ایسی صورت میں اس کے بے مثل ہونے میں کیا شبہ باقی رہ سکتا ہے؟

وحی الٰہی صرف خدائی تصرف ہی سے مل سکتی ہے۔ خدائی تصرف سے ملی ہوئی ہدایت کا بے مثل بھی لانا لازم ہے اور جن عبارات میں خدائی تصرف سے وہ وحی پہنچی ہے اُن عبارات کا بھی بے مثل ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو کلام الٰہی کی اس بے مثلیت کو سوائے قرآن مجید کے کسی اور کتاب نے کیوں نہیں بتلایا؟ کیا یہ دلیل چھپانے والی اور بے ضرورت ہے؟ یا کیا صحیفہ فطرت اسی دلیل سے بے غلط اور بے بدل قرار نہیں پاتا؟ اگر اصل وحی الٰہی موجود ہے تو اس کا بے مثل ہونا بھی ضرور ہے اور اگر یہ بات سچ ہے تو اس کا اس دلیل کو پیش کرنا بھی لازم ہے۔ پس جس نے اس دلیل کو پیش نہیں کیا، اُس کو اس بے مثلیت کی خبر ہی نہیں۔

قرآن مجید نے فرمایا:۔

جَاۤءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ	حق آیا اور باطل دم دبا کر بھاگ گیا۔

اور ارشاد کیا کہ:۔

وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (۱۳)	جو چیز آدمیوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں

قائم ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید نے بے مثل کامیابی حاصل کر کے اپنا حق ہونا دکھلا دیا۔ اگر دنیا میں اس کامیابی کی کوئی مثال ہے تو پیش کرو۔ یہ کس کتاب میں فرمایا گیا ہے کہ

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۵/۶)	آج کافر تمہارے دین (کے مٹانے) سے مایوس ہو گئے، سو تم اُن سے مت ڈرو۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی

اور تمہارے لیے اسلام کو دین بننے کے واسطے پسند کیا۔

قرآن مجید کو صاف دل ہو کر بوقت فجر پڑھنے سے خدا کی آواز آتی معلوم ہوتی ہے
صاف دل کا وحی صاف دلی کی حالت میں مشہود ہوتا ہے!

حاصل یہ ہے کہ صحیفہ فطرت بے بدل ہے، اس لیے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اس کی مثل نہیں لا سکتا۔ اسی طرح قرآن مجید بے بدل ہے، اس لیے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اس کی مثل نہیں لا سکتا، لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں غلطیاں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ لوگ قرآن حکیم کی غلطیاں اسی طرح بتلاتے ہیں جس طرح آپ کے بھائی صحیفہ فطرت کی غلطیاں نکالتے ہیں۔ کیا یہ نہیں کہا جاتا کہ نصف سے زیادہ بچوں کا قبل از بلوغ مار دینا غلطی ہے، بے اطلاع موت کا وارد کرنا ٹھیک نہیں، سانپوں اور بچھوؤں کا بنانا صحیح نہیں، بجلیاں گرانا اور زلزلے لانا بجا نہیں، وغیرہ وغیرہ۔ کیا صحیفہ فطرت کا بے غلط ہونا ایسے اعتراضوں سے زائل ہو سکتا ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں بعض باتیں قابل تبدیل ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ صحیفہ فطرت بھی قابل تبدیل ہے، تو کیا ان کے اس کہنے سے صحیفہ فطرت بے بدل نہیں رہتا؟ بہت سے لوگ سنۃ اللہ کی تبدیل کے قائل ہیں وہ اس پر بڑا زور دیتے ہیں اور پہاڑوں سے بڑی بڑی گپیں ہانکتے ہیں۔ کئی لوگ دعوے کرتے ہیں کہ منتروں جنتروں اور کسی کے پاؤں کی مٹی اور کسی کے مُنہ کی پھونکوں

سے گوسالہ سامری زندہ حیوان اور مٹی کا ڈھانچ زندہ جانور بن سکتا ہے، لیکن یہ سب مُنہ کی پھونکیں ہی ہیں۔

قرآن مجید نہایت صفائی سے اپنا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونا اور پہروں کے ساتھ آنا دکھلاتا ہے۔ اس کے طرز بیان ہی سے صاف نظر آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے کلام کر رہا ہے۔ اگر سورت فاتحہ کی طرح کوئی بات بندوں کے مُنہ سے کہلوائی ہے، تو اس کے متعلق خود ہی بیان کر دیا ہے کہ ہمارا کلام تین طرح پر ہوتا ہے۔ ہم نے اس قرآن کو ان تینوں طریقوں سے وحی کیا ہے۔ دوسری مدعیہ الہام کتابوں میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو بندوں کی زبان کی ہیں، لیکن وہاں کوئی ایسا اطمینان نہیں کر دیا گیا۔ برعکس اس کے ان میں ایسے بیان ہیں، جو یقیناً ان کتابوں کو بندوں کی کلام کے ساتھ مخلوط دکھلاتے ہیں۔

---

۵ حقیقی وحی تین قسم کی ہے۔ اس کے ثبوت میں دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں

آیت اوّل :- کسی بشر کے لیے لائق نہیں کہ خدا اس سے کلام کرے مگر وَحْیًا (یعنی اپنے تصرف کے ساتھ مناسب محرک کے ذریعہ سے اُس بشر کی روح سے ہی وہ بات کہلوائے) یا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ (یعنی خدا تعالیٰ اپنے تصرف سے مناسب موصل کے ذریعہ سے خود اپنا کلام اُس کو سنا دے اور اُسے معلوم ہو کہ خود اللہ تعالیٰ پسِ پردہ مجھ سے بول رہا ہے) یا کوئی ایلچی (یعنی فرشتہ) بھیجے۔ پھر وہ خدا کے اذن سے وہ وحی کرے جو خدا چاہے تحقیق وہ بلندی والا حکمت والا ہے (اُس کی عظمت اور حکمت نہیں چاہتی کہ ان تین طریقوں سے علاوہ کسی بشر سے کلام کرے) اور اسی طرح ہم نے تیری طرف ایک روح (یعنی قرآن مجید کی) وحی کی ہے۔ تو نہیں جانتا تھا کہ اصل کتاب کسے کہتے ہیں اور ایمان کیا ہوتا ہے" (۲۵/۵)

افسوس ہے کہ اکثر لوگ آج تک نہیں جانتے کہ اصل کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کس کا نام ہے اس مبارک آیت میں کسی بشر کے ساتھ خدا تعالیٰ کے کلام کرنے کے صرف تین طریقے بتلائے گئے ہیں۔ پہلی قسم کی وحی کے نمونے قرآن مجید میں کئی ایک پائے جاتے ہیں مثلاً:-

الحمد شریف - وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ (۱۹/۶)۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا الخ (۱/۸)، وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ الخ (۲۵/۲)، فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ الخ (۲۷/۲)

تیسری قسم کی وحی کے نمونے قرآن مجید میں ان سے زیادہ ہیں مثلاً:-

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ الخ (۱۶/۱)، وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (۲۳/۹) (باقی بر صفحہ ۳۵)

اصل وحی الٰہی کا کل نوع انسان کے لیے ہونا لازم ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا ایسے وحی کو اس بات سے آگاہ کر دینا ضروری نہیں کہ میں جمیع الناس کے لیے آیا ہوں؟ اور میں تمام عالمین کے لیے نذیر اور رحمت ہوں؟ جو لوگ ابھی نہیں ملے ان کے لیے بھی ہوں اور جس جس آدمی کے پاس میں پہنچوں گا اس کے لیے بھی میں ہی نذیر ہوں۔ الغرض میرا لانے والا کافۃ للناس نذیر و بشیر ہے۔

بقیہ صفحہ ۳۴۹

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (پ۱۵/۳) اور اس قسم کی دیگر آیات۔

مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی تفسیر میں اس قسم کی وحی کی مثال میں وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ کی آیہ مبارکہ ہی لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی وحی قرآن مجید کا ایک قلیل حصہ ہے۔ کل قرآن مجید اس قسم کی وحی میں نہیں نازل ہوا۔

وحی کی دوسری قسم یعنی مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ کے طریقہ سے باقی تمام قرآن مجید نازل ہوا ہے قرآن مجید کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود خدا اپنے بندے سے کلام کر رہا ہے۔

پہلے تمام انبیاء اور رسل میں سے وحی کی یہ قسم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب سے زیادہ ملی تھی۔ لیکن جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت ہی زیادہ یہ شرف مکالمہ حاصل ہوا ہے۔

ان تینوں قسموں میں اپنے تصرف سے وحی کرنے والا صرف خدا تعالیٰ ہے اور بیچ میں واسطہ تحریک و ایصال جبریل ہے اور وحی پانے والا بشر ہے۔ قرآن ان تینوں طریقوں سے نازل ہوا ہے۔ کذالِکَ کا اشارہ تینوں مذکورہ طریقوں کی طرف ہے۔

آیت دوم:۔ "تحقیق ہم نے تیری طرف وحی کی جس طرح وحی کی نوحؑ اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف، اور وحی کی ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف، (اور اسی طرح) دی داؤد کو زبور اور ان رسولوں کو جن کا ہم نے تجھ پر پہلے ذکر کیا اور ان رسولوں کو جن کا تجھ پر ذکر نہیں کیا ہے اور (اسی طرح) کلام کی اللہ نے موسیٰ کے ساتھ جو کلام کرنے کا حق ہے۔"

اس آیت میں بھی وحی کے تین طریقے ہی بیان کیے ہیں۔ ایک اَوْحَيْنَا جس کے متعلق پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ کسی فرشتہ کو بھیجکر وحی پہنچاتا ہے۔ دوسرے اٰتَيْنَا جس کو پہلی آیت میں وَحْيًا فرمایا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور اسی طرح ملی تھی (باقی بر ص۳۵۱)

اگر وہ بے بدل وحی الٰہی جو کل نوع انسان کے لیے مقصود الٰہی ہے، خاتم الکتب اور اس کا لانے والا خاتم النبیین ہونا چاہیے، تو یہ دعوے کیلئے قرآن مجید نے کیا ہے اور اسی کے ساتھ خاص ہے۔ اگر کسی نبی کو کسی کتاب میں خدا تعالےٰ کا خاتم النبیین کہنا بیان کیا گیا ہے تو اس کا پتہ دو۔

پھر اگر بے غلط اور بے بدل وحی الٰہی کا حق الیقین ہونا اور صدق و عدل میں مکمل ہونا اور سب کے لیے حکم ہونا لازم ہے اور اس کا اپنے منصب سے لوگوں کو آگاہ کر دینا بھی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۰

جس طرح رسولِ خدا کو سورت فاتحہ۔ تیسرے کَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى والا طریق۔ پہلی آیت میں اسے مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ کا طریق بیان کیا گیا ہے۔

خدا تعالےٰ تمام رسولوں سے کلام کرتا رہا ہے۔ مگر پہلے رسولوں میں مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ کلام کرنے کا زیادہ شرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"یہ جو رسول ہیں ہم نے اُن کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اُن میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کی" (۳/۲)

پھر ارشاد کیا:۔

"اللہ نے فرمایا اے موسیٰ میں نے تجھ کو لوگوں پر اپنے پیغاموں اور کلام کے ساتھ چُن لیا۔ پس جو میں نے تجھے دیا اُسے پکڑ اور شکر گزاروں سے بن۔"

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ "مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" والی کلام زیادہ فضیلت والی ہے۔ اس کی فضیلت بدیہی ہے۔ جو لوگ قرآن پاک کو پہلی آیت والی صرف تیسری وحی ہی قرار دیتے ہیں وہ قرآن مجید کا درجہ گھٹا رہے ہیں۔

کمترین کے نزدیک ان تینوں قسم کی وحیوں کو صرف خدا ہی بھیجتا ہے۔ اور ان تینوں میں جبریل یا روح القدس یا روح الامین ہی واسطہ تحریک و ایصال ہوتا ہے۔ لیکن اگر فرضاً جبریل صرف ایک ہی قسم کی وحی کا لانے والا ہو تو کوئی حرج نہیں۔ جبریلؑ کے قرآن کو رسولؐ کے دل پر اُتارنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالےٰ نے اُس کے واسطہ کے بغیر اور طرح سے قرآن کو نہیں اُتارا۔ جس طرح قرآن مجید کو رمضان میں یا لیلۃ القدر میں اُتارنے سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ رمضان اور لیلۃ القدر کے بغیر اور دنوں میں یہ نہیں اُترا۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید ان تینوں طریقوں سے ہی اُتارا گیا ہے (باقی برصفحہ ۳۵۲)

ضروری ہے، تو اس ضروری بیان کا کھلم کھلا پیش کر دینا بھی قرآن مجید کے ساتھ ہی خصوصیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید صرف یہی نہیں کہتا کہ میں حق الیقین ہوں بلکہ یہ بھی فرماتا ہے کہ

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (۱۱/۹) | پس حق کے بعد سوائے گمراہی کے، اور کیا ہوتا ہے؟

اسی لیے ارشاد کرتا ہے کہ

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (۸/۱) | (لوگو! یہ قرآن) جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر اترا ہے اسی کی پیروی کرو اور اس کے سوا کسی اور اولیاء کی پیروی مت کرو۔

اور بطور تعجب کے پوچھتا ہے کہ

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (۲۹/۲۲) | پس اس کے بعد، دوسری کونسی بات مانیں گے؟

یہ بات یاد رہے کہ قرآن مجید کے سوا ہم کسی چیز کی پیروی بطور محفوظ وحی الٰہی کے نہیں کرتے، لیکن عقلی و انتظامی پیروی کے لیے ہر وقت حاضر ہیں۔

پھر بے بدل و بے غلط وحی الٰہی کا ہمیشہ کے لیے محفوظ رہنا بھی ضروری ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ خود خدا تعالیٰ نے ہی اس وحی میں اس کی حفاظت کا ذمہ لیکر ہماری تسلی فرمادی اور پھر واقع میں اس حفاظت کا مشاہدہ بھی ہو جائے۔ یہ بدیہی بات بھی سوائے قرآن مجید کے کسی اور مدعیہ الہام کتاب کے نصیب نہیں ہوئی۔

قرآن مجید کے لاکھوں حافظ موجود چلے آتے ہیں۔ قرآن مجید دیکھنے والوں کے ہا کا لکھا ہوا آج تک دنیا میں موجود ہے اور اس میں حفاظت الٰہی کا ذمہ شروع ہی سے پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی زبان زندہ ہے۔ اس میں اپنی زبان کے زندہ رکھنے کی طاقت ہے۔ اس کی اشاعت اپنی اصلیت کے لحاظ سے تمام مدعیہ الہام کتابوں سے بڑھ کر ہے جس قدر اس کی تلاوت ہو رہی ہے کسی اور کتاب کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ معترضین بھی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۱

اور یہ ظاہر ہے کہ ان تینوں طریقوں کے سوائے خدا تعالیٰ کے بشروں کے ساتھ کلام کرنے کا اور کوئی طریقہ موجود نہیں (برہان القرآن)

اپنے اعتراضوں کے ذریعہ سے اس کی اشاعت میں مدد دے رہے ہیں۔ تمام مذاہب اسی کو اپنا حریف اور مد مقابل قرار دیتے ہیں۔ جن مدعی الہام کتابوں کی اشاعت ہوئی ہے، وہ اس کے مقابلہ میں ہیچ نظر آتی ہیں اور جن لوگوں نے اپنی مدعی الہام کتابوں کو چھپایا ہوا ہے، وہ صرف اعتراض کرنے میں ہی اپنا بچاؤ ڈھونڈھتے ہیں، لیکن اس کشمکش میں بھی بقائے اصلح کے اصول کے مطابق قرآن مجید ہی کو مدد مل رہی ہے۔ اس سے قرآن مجید کا تمام مدعی الہام کتابوں سے اصلح ہونا صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید خود اپنی اس صفت سے لوگوں کو آگاہ کرتا ہے اور فرماتا ہے

وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۱۳	اور جو چیز آدمیوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں قائم ہو جاتی ہے۔

اور

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۲۶	تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے

برادران! دنیا میں بہت سی مدعیے الہام کتابیں موجود ہیں۔ ہم ان سب کو تسلیم کر لیتے ہیں، لیکن یہ بات سورج کی طرح واضح ہے کہ یہ کتابیں ایک دوسری کے ساتھ ایسے بڑے اختلافات رکھتی ہیں، جن کو آپس میں تطبیق دینے کی کوشش کرنا ان کتابوں کے ساتھ ٹھٹھا کرنا ہے۔ ایسی صورت میں ضرور ہے کہ ان مدعیے الہام کتابوں کے اوپر کوئی کتاب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حکم بن کر آئے اور ان میں صلح کرائے۔ قابل تطبیق اختلافات تو بسہولت رفع کیے جا سکتے ہیں لیکن ناقابل تطبیق اختلافات اکٹھے ہی صحیح نہیں مانے جا سکتے۔ پس مدعیے الہام کتابوں کے ناقابل تطبیق اختلافات کا فیصلہ کرنا خود اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہونا چاہئے یہ نہیں ہو سکتا کہ اختلاف تو مدعیے الہام کتابیں ڈالیں اور فیصلہ لوگوں پر چھوڑا جائے۔

حاصل یہ ہے کہ تمام مدعیے الہام کتابوں پر ایک کتاب کا حکم ہونا لازم ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ وہ کتاب خود ہی اپنا حکم ہونا ظاہر کرے، کسی اور کے حکم بنانے سے منع کرے، عقلی بحثوں سے اور دوسری کتابوں کے مسلمات سے اپنے مدعا کو ثابت کرے، فرقہ بندی کو شرک بتلائے، تمام کتابوں پر ایسا ایمان سکھائے، جو تفرقہ کو مٹانے والا ہو، حق کا ایک اور بے بدل ہونا صاف دکھلا دے، تمام ضروری بحثیں کر کے اصل دین کا ثبوت دے اور شاہد کرادے کہ وہ دین اسلام ہی ہے، اس لیے اس کے سوائے کوئی اور دین کسی سے قبول نہیں کیا جائیگا اور یہ ارشاد کرے کہ یہ تمہاری امتیں سب ایک ہی اُمت ہیں اور میں ایک ہی

تمہارا رب ہوں۔ پس میرا ہی خوف رکھو اور میرے ہی عابد بنو۔

یہ تمام بحثیں اکیلے قرآن مجید ہی میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ پس لاکھ رسول آئیں اور لاکھ کتابیں لائیں۔ وہ صرف نیچرل الہام کہلا سکینگی، دخل تمنا سے محفوظ نہیں ہونگی اور حکومت ہمیشہ ہمیشہ صرف قرآن مجید ہی کی رہیگی جو حکم بے بدل اور عین الیقین ہے۔

انجیل کی پیشگوئی کے مطابق تمام راستی کا سکھانے والا فارقلیط یعنی احمدؐ ہی ہے اور استثناء اور اعمال کی پیشگوئیوں کے موافق وہی تمام نبیوں کا موعود ہے اور وہی النبی الامی ہے جو اس نبی کے نام سے قوموں میں مشہور چلا آتا ہے حضرت خلیل اور اسمٰعیل علیہما السلام نے اسی رسول کے متعلق جو اسلام کو دوبارہ دنیا میں لانے والا ہے دعا کی تھی کہ وہ بذریعہ اسماعیلؑ کے ابراہیمؑ کی اولاد سے ہو۔

جناب بہاء اللہ صاحب بقول خود تمام راستی کے سکھلانے والے نہیں۔ ان کی کتاب دیر سویر مرنے والی ہے۔ ایسی کتاب ہرگز ہرگز تمام مدعیے الہام کتابوں پر حکم بننے کی قابلیت ہی نہیں رکھتی۔ تمام مدعیے الہام کتابوں پر جو حَکَم بن کر آئے اُسے یقیناً بے بدل اور اصلاً حق ہونا لازم ہے۔

بہائی صاحبان اعتراض کیا کرتے ہیں کہ تمام کتابیں اختلاف مٹانے اور حَکَم بننے ہی کے لیے آئی ہیں، لیکن کیا یہ امر ان سے پوشیدہ ہے کہ ان کتابوں پر بھی حَکَم بے بدل کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید حَکَموں کا حَکَم ہے۔ ہمیں ایسے ہی حَکَم کی ضرورت ہے۔ لوگ خود ہی تمام مدعیے الہام کتابوں کو پڑھ کر دیکھ سکتے ہیں کہ کس کتاب نے معقول طور پر یہ تمام بحثیں کر کے اپنا بے بدل حَکَم ہونا دکھلا دیا ہے۔ یہ کام خود وحی الٰہی کا ہے۔ مدعی سُست گواہ چست کی مثال پر عمل کرنا فضول ہے اگر منکرین کا پیش کردہ طریق صحیح ہے تو حَکَموں کے حَکَم کو جان لینے کے لیے یہ بدیہی دلیل ہے۔

بہائی صاحبان یہ بھی کہتے ہیں کہ تمام کتابیں اپنے اپنے وقت میں کامل ہی ہوتی ہیں۔ میں کہتا ہوں جو کتاب تمام نوع انسان کے لیے مقصود الٰہی ہو اس کا وقتی طور پر نہیں بلکہ بطریق دوام کامل ہونا اور تمام نوع انسان کے مناسب حال ہونا لازم ہے۔ پس ہمیں دائمی اور کلی کامل کے ہوتے ہوئے وقتی اور جزئی کاملوں کی طرف ہرگز نہ جھکنا چاہیے۔ کیا آپ نہیں مانتے کہ آپ کی کتاب صرف وقتی کامل ہے نہ بطریق دوام، لیکن قرآن مجید ڈنکے کی چوٹ فرماتا ہے کہ میں کسی [illegible]

ان دونوں کمالوں کو یکساں قرار دینا انصاف ہے؟

بہائی صاحبان یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تمام نبیوں سے جناب بہاءاللہ کے متعلق عہد لیا تھا کہ اگر وہ رسول تمہارے پاس آئے، تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ میں نہایت ادب سے پوچھتا ہوں کہ جناب بہاءاللہ میں کونسی ایسی خصوصیت ہے جس کے سبب سے خدا تعالیٰ نے تمام نبیوں سے خاص ان ہی کے متعلق ایسا عہد لیا؟ جناب بہاءاللہ خاتم النبیین نہیں، بے بدل دائمی کتاب لائے نہیں، بقول آپ کے ان کے بعد ان سے بھی بڑھ کر رسول آنے والے ہیں، جو ان سے بھی کامل تر شریعتیں لائیں گے۔ پھر ان میں بلحاظ رسالت کونسی زائد خصوصیت پائی جاتی تھی جس کے باعث ان کے متعلق خدا تعالیٰ کو یہ اہتمام کرنا پڑا؟ علاوہ بریں نبیوں سے ایسے تاکیدی عہد لینے کا کوئی ثمرہ بھی نہ نکلا کیونکہ جناب بہاءاللہ نہ کسی نبی کی زندگی میں آئے اور نہ کسی نے ان کی مدد کی، بلکہ حضرت باب نے بھی انھیں کوئی مدد نہیں دی۔ ان کے تابعداروں کا بہائیوں سے الگ فرقہ موجود ہے۔

ہمارے رسول خدا ایسی بے بدل، محفوظ، غیر مخلوط، دائمی کتاب کے (جو سب مدعیے الہام کتابوں پر خدا تعالیٰ کی طرف سے حَکَم ہے) لانے کے سبب خاتم النبیین ہیں۔ یہ خصوصیت کسی اور نبی یا رسول میں نہیں پائی جاتی۔ اگر حضور کے لیے تمام نبی بشارتیں دیتے آئیں تو نہایت ہی موزون ہے (اعمال باب ۳ آیت ۱۹-۲۴)

بہائی صاحبان نے قرآن پاک کی جس آیت سے ایسا نتیجہ نکالا ہے۔ اس میں ان کے اس خیال کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا۔

یہ آیہ مبارکہ سورہ آل عمران کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اسلام کی حقیقت بیان فرماتا ہے کہ اسلام کا تعلق صرف رب العالمین سے ہے۔ کسی مخلوق شخصیت کے ساتھ خواہ وہ کتنی بڑی کیوں نہ ہو اس کا بالاستقلال کوئی علاقہ نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ	کسی بشر کے لیے لائق نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب اور حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں کو کہے کہ اللہ کے سوا میرے غلام بن جاؤ، لیکن (وہ یہ کہیگا کہ) رب والے بن جاؤ، اس لیے کہ تم (خود لوگوں کو) کتاب سکھاتے آئے ہو اور اس لیے کہ تم خود (اسے) پڑھتے رہتے ہو اور نہ

(یہ لائق ہے کہ) وہ تمہیں یہ حکم دے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو (اگر بات یہ ہے تو) کیا وہ تم کو تمہارے مسلم ہو چکنے کے بعد کفر کا حکم دیتا ہے؟

اس کے بعد یہ دکھلایا ہے کہ بڑے بڑے اولوالعزم نبیوں کو بھی سخت تاکید رہی ہے کہ اگر ان کے وقت میں کوئی رسول آجائے تو وہ یہ نہ کہیں کہ ہم بڑے نبی ہیں، اس وقت حکومت و انتظام کی باگ ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم دوسرے کے ساتھ مساوی بنکر کیوں کام کریں؟ اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ اپنی شخصیت کو بیچ میں داخل کرنے والے ہونگے۔ ایسا کرنا درست نہیں، بلکہ اگر وہ رسول، خداتعالےٰ کا پیغام لایا ہے، جو ان کے اپنے لائے ہوئے اصلی وحی کا مصدق ہے، لیکن ناسخ ہرگز نہیں ہے، تو وہ بڑے نبی ہوکر بھی اس رسول پر ایمان لائیں اور اس کی مدد کریں، اس لیے کہ حکم تو اللہ تعالےٰ کا ہے۔ اپنی بزرگی کو پیش نظر رکھنا درست نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ۸۲

اور جب اللہ نے نبیوں کا عہد لیا کہ میں جو تمہیں (کچھ) کتاب وحکمت سے دوں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس کی تصدیق کرے، جو تمہارے پاس ہے تو ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ اللہ نے فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرے تقید کو لے لیا؟ بولے ہم نے اقرار کرلیا۔ (خدا نے) فرمایا سو گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ شاہدوں سے ہوں۔ پھر جو اس (پختگی) کے بعد انحراف کرے، پس وہ لوگ وہی فاسق ہیں۔

اس کے مطابق کئی نبیوں کے وقت میں دیگر رسول بھی آئے۔ انھوں نے ایک دوسرے کی وحی کو بھی مانا اور سب نے مِل جل کر حق پر عمل کیا اور نیکی کو پورا کیا۔

پس اصل دین اسلام ہے، جس میں شخصیتوں کا کوئی دخل نہیں۔ وہی سب کا مشترکہ دین ہے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ آگے فرماتا ہے کہ

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ

پھر کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے غیر کو طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ جو آسمانوں اور زمین

يُرْجَعُوْنَ ۳/۸۱ میں ہیں چاروناچار اسی کے مسلم ہیں اور کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

چونکہ اسلام سب کا مشترکہ دین ہے اور سب کے ماننے والی چیز ہے، اس لیے خود رسول خدا کو حکم ہوتا ہے کہ

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۳/۸۳

تو کہدے کہ ہم نے اللہ کو مانا اور اللہ کے اس دین کو) جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر نبیوں کو اُن کے رب سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان بھی اختلاف پیدا نہیں کرتے اور ہم خدا ہی کے مسلم ہیں۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد کسی خاص رسول کے متعلق نہیں۔ بلکہ یہ ایک ایسے رسول کے متعلق ہے جو کسی نبی کے پاس آئے اور جس کو وہ نبی اپنا مصدق دیکھ کر ایمان لانے اور مدد دینے کے قابل سمجھے۔ مصدق دیکھنے کے بغیر اس پر ایمان لانے اور اس کی مدد کرنے کے کچھ معنی نہیں ہو سکتے ان آیات کے مطابق جس نبی کے وقت میں کوئی رسول آیا اس نے اس عہد کو نباہا اور جس کے وقت میں نہیں آیا، وہ اس مشروط عہد کا مکلف بھی نہیں ہو سکتا

سورہ احزاب میں بھی نبیوں کے ایک عہد کا ذکر ہے۔ اگر وہ یہی عہد ہے تو بھی کچھ حرج نہیں، لیکن وہاں اس عہد کا جو نتیجہ بیان کیا گیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ عہد یہ تھا کہ راستی کو بہر صورت پہنچا دو اور کسی کا خوف نہ کرو۔ تم سے تمہاری راستی کا سوال ہوگا اور کافروں کو ان کی مخالفت کی سزا ملیگی۔ اگر تم نہیں پہنچاؤ گے تو تم نے خدا تعالیٰ کی رسالت نہیں پہنچائی (فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۵/۶۷)

بہر حال آیہ مبارکہ یہ ہے :-

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ | اور جب ہم نے (تمام) نبیوں سے (تبلیغ

وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوحٍ وَّإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝ لِّيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَن صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

رسالت کا اُن کے وقت میں) وعدہ لیا اور تجھ سے (تیرے وقت میں) اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم (وغیرہ) سے بھی (کر دنیا کو فتنہ و فساد کا جہنم نہیں بلکہ فردوس امن و سلام بنائیں تاکہ اُن کی بعثت لوگوں کے لیے رحمت کا موجب ہو، پس ناممکن ہے کہ وہ ہمارے احکام کی خلاف ورزی کریں) اور (وعدہ شکنی کر کے مستوجب سزا بنیں کیونکہ ہم نے اُن سے پکا وعدہ لیا تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ) سچوں سے اُن کی (عملی) سچائی کے متعلق سوال کرے (اور اُنھیں اس کا نیک بدلہ دے) اور کافروں کے لیے (جو خدا کی نافرمانی کے نتائج سے قطعی لاپرواہ ہو کر اس کے احکام کو پس پشت ڈال رہے ہیں) اس (خدائے قہار) نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

اس عہد سے پہلے اللہ تعالیٰ نکاح زینب کے متعلق فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

اے نبی! اللہ سے ڈر اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ کر۔ بلاشبہ اللہ علیم و حکیم ہے اور اس کی پیروی کر جو تیرے رب کی جانب سے تجھ کو وحی کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے اور اللہ پر توکل کر اور اللہ کافی سرپرست ہے۔

اس کے آگے اس کی ضرورت بتلائی ہے۔ اس کے بعد راستی کی تبلیغ کا عہد یاد دلایا ہے اور اس کا یہ نتیجہ بتلایا کہ

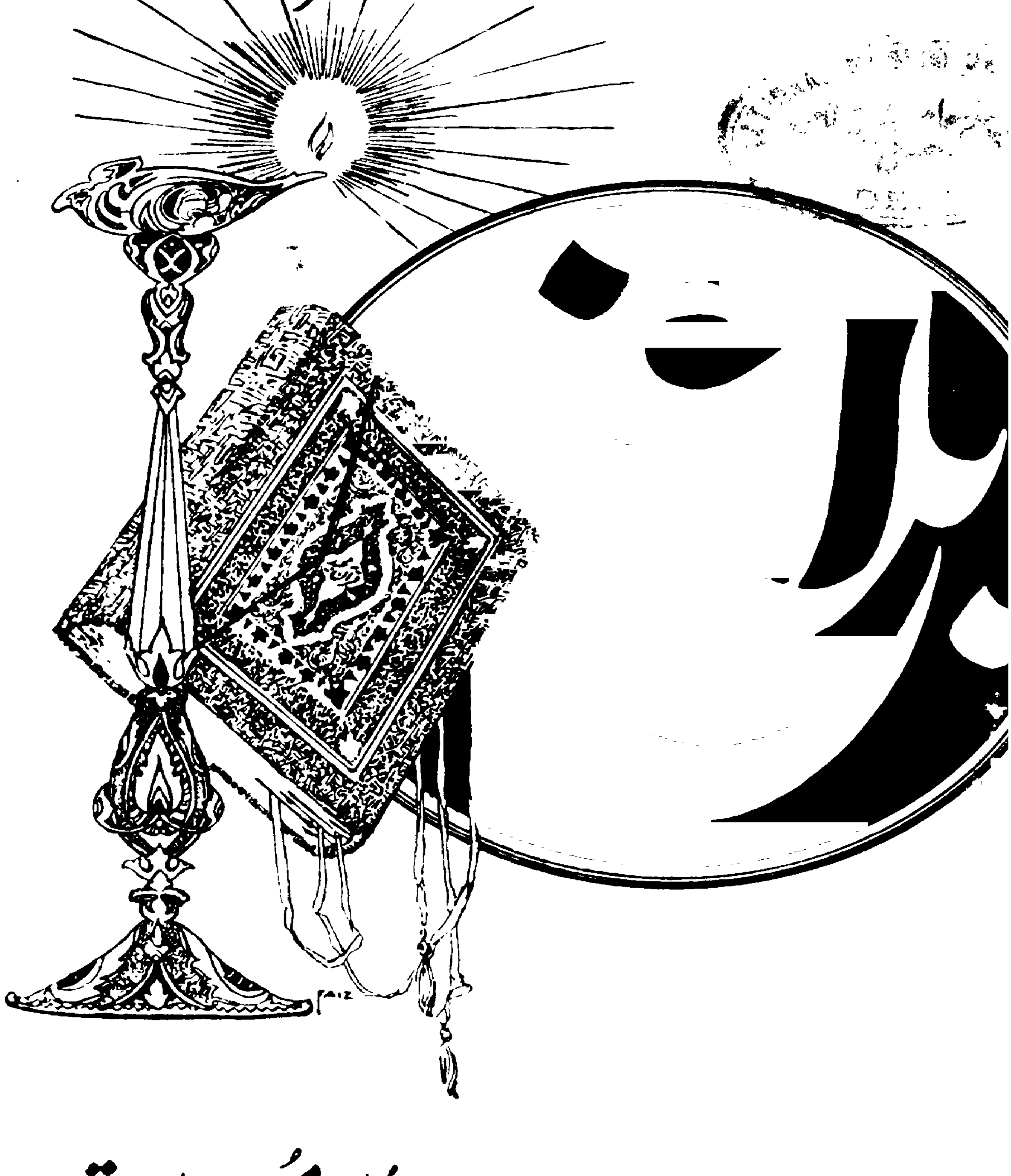
"میں سچوں سے ان کے سچ ہی کو پوچھوں گا اور کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے"۔

حاصل یہ ہے کہ ان آیات میں بہائی خیال کی تردید موجود ہے، تائید نہیں، کمترین نے ایک بے غلط اور بے بدل کتاب کی ضرورت کافی طور پر ثابت کر دی ہے۔ ایسی کتاب کا لانے والا خاتم النبیین ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

Regd. No. L 2282

ر الله ابتغي حكماً وهو الذي انزل اليكم الكتاب مفصلاً



اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۱۴/۱۹

بلاغ

قیمت سالانہ ۲ر
فی پرچہ ۴ر

جلد ۱۴ - امرتسر - ماہ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق نومبر ۱۹۳۷ء نمبر ۱۱

فہرست مضامین

شذرات

(از صابری)

عزم بڑی چیز ہے، عزم بڑی دولت ہے، عزم بڑی رحمت ہے، عزم نے خزانے جمع کیے، عزم نے نام حاصل کیے، عزم نے پہاڑ فتح کیے، عزم نے خشکی اور تری پر حکومت کی، عزم نے ہواؤں پر قبضہ کیا، عزم نے ارض وسماء کی ساری کائنات پر اپنی قوت وشوکت کا سکہ جمایا، عزم نے سکندر کی صورت اختیار کی اور مشرق مغرب میں تہلکہ مچا دیا، عزم ابراہیمؑ کی شکل میں ظاہر ہوا اور معبودان باطل کے مجسموں کو ریزہ ریزہ کر گیا، عزم پیغمبر اسلامؐ کے پیکر مقدس میں جلوہ افروز ہوا اور دنیا کے بیشمار انسانوں کو خداوند آفاق کے سامنے سربسجود کر گیا، عزم محمد بن قاسم کے بھیس میں رونما ہوا اور ہندوستان میں فرزندان توحید کی عظمت وشوکت کی بنیادیں قائم کیں، عزم نپولین کا لباس پہن کر نمودار ہوا اور یورپ کی بڑی بڑی حکومتوں کو تہ وبالا کر ڈالا۔

آپ نے رادھا سوامی فرقہ کا نام سنا ہوگا۔ اس جماعت کے چند آدمیوں نے آگرہ سے چند میل کے فاصلہ پر "دیال باغ" کے نام سے ایک بستی کی بنیاد رکھی۔ آغازِ کار کے وقت سوسائٹی کے پاس صرف پانچ ہزار روپیہ تھا۔ اب اسی بستی کی عمارتیں ۳½ ہزار ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔ قریباً ایک ہزار طلباء یہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ عمارتوں کی تعمیر پر نصف کروڑ روپیہ خرچ ہو چکا ہے، دیال باغ کی ملکیت میں کئی کارخانے ہیں، صنعتی سکول ہیں، انجنیرنگ کالج ہیں، یتیم خانے ہیں، زراعتی فارم ہیں، باغ اور چشمے ہیں، کھیت اور سیرگاہیں ہیں، دکانیں اور فیکٹریاں ہیں، سوسائٹی کا وائر ورکس اپنا ہے، بینک اپنا ہے، پاور ہاؤس اپنا ہے، ڈیری فارم اپنا ہے۔ آپ "دیال باغ" کی اہمیت کا اندازہ صرف اس سے لگا لیجئے کہ یہاں ڈیڑھ ہزار ماہرین فن، کاریگر اور کلرک کام کر رہے ہیں۔ یہاں کے کارخانوں میں بجلی کے پنکھے، چاقو، چھریاں، فاونٹین پن، گراموفون، جوتے، ہر قسم کے کپڑے، فن جراحی کے اوزار، سونے چاندی کے زیور اور بیشمار دوسری چیزیں تیار ہوتی ہیں اور ہر مہینے پچاس ہزار روپیہ ماہوار کی مصنوعات باہر جا رہی ہیں۔

وُو (WU) چین کا سب سے بڑا گداگر آج سے سو سال پہلے ٹانگیے (TANGYE) کے ایک غریب ونادار گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ والدین کے افلاس کا یہ عالم تھا کہ وہ اُسے مدرسے میں

داخل نہیں کرا سکتے تھے۔ ابھی اُس نے پوری طرح ہوش بھی نہ سنبھالا تھا کہ اس کو در بدر بھیک مانگنے پر مجبور ہونا پڑا، لیکن اس کا ضمیر خودداری اور غیرت کے جوہر سے محروم نہ تھا، اُسے اپنے پیشے کی ذلت کا پوری طرح احساس تھا، اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ صرف افلاس و ناداری ہی کی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکا۔ اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اُسے اپنی زندگی کی ساری قوت غریب و نادار بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے وقف کر دینی چاہیے، اُس نے کمر ہمت باندھ لی اور پورے جوش و استقلال کے ساتھ در یوزہ گری میں مصروف ہوگیا۔ وہ بیشمار شہروں، بازاروں اور گلی کوچوں میں خاک چھانتا پھرا، اُس نے ایک ایک دروازے کو کھٹکھٹایا، ایک ایک شخص کے سامنے ہاتھ پھیلائے، قہر آلود نگاہوں کا استقبال کیا، گالیاں اور جھڑکیاں برداشت کیں، ذلت، رسوائی اور بے عزتی کی ٹھوکریں کھائیں، لیکن صبر و عزم کے پاکیزہ جوہر سے دست بردار نہ ہوا۔ کامل تیس سال کی بے پناہ مشقت کے بعد اُس کے خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔ اُس نے اپنی جمع کی ہوئی دولت سے تین عظیم الشان سکول جاری کیے اور مُلک کے تمام بیکس و مجبور بچوں کو مفت تعلیم حاصل کرنے کی دعوت دی؛ وہ خود تعلیمی معاملات کا ماہر نہ تھا، اس لیے یہ تینوں درسگاہیں ٹرسٹیوں کے حوالے کر دیں۔ وہ ۱۸۹۰ء میں فوت ہوگیا، لیکن اس کے بنائے ہوئے سکول آج بھی جاری ہیں۔ ہزارہا چینی نوجوان علم و نور کے ان سرچشموں سے فیض حاصل کر رہے ہیں، مُلک کے تنگ و تاریک گوشوں میں روشنی پھیلا رہے ہیں اور قوم کی موجودہ اور آئندہ نسلوں کو خودداری اور عزت و احساس کی دولت سے مالامال کر رہے ہیں۔

۱۸۹۳ء کا ذکر ہے، یورپ میں جنگ و جدال کا سلسلہ جاری تھا، ان ہی دنوں، وکٹوریہ نام کا ایک جنگی جہاز طرابلس شام کے قریب غرق ہوگیا، لنڈن میں امریکہ کے ایک اخبار کا نمائندہ مقیم تھا، اُسے اخبار کے مالک نے تار دیا کہ وکٹوریہ کی غرقابی کی تفصیلات فراہم کرو، نمائندہ جس کا نام فلپس تھا، اپنی جستجو میں منہمک ہوگیا۔ وہ لنڈن کے ایک ایک رپورٹر کے پاس گیا، ایک ایک اخبار نویس سے ملا، ایک ایک سرکاری اور غیر سرکاری دفتر میں پہنچا، لیکن اُسے کوئی سراغ نہ ملا۔ لوگ اُس پر ہنستے تھے کہ جب اہل لنڈن ہی کو حادثہ کی تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں، تو یہ غیر ملکی نامہ نگار کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ مگر فلپس نا اُمید نہیں ہوا، وہ بحری تار گھر کے منیجر کے پاس پہنچا اور اُس سے امداد چاہی، وہ بھی متوجہ نہ ہوا۔ اب اس نے طرابلس کے ٹیلیگراف آفس میں ایک تار بھیجا

اور حادثہ کی تفصیل طلب کی، وہاں سے جواب آیا، ہمارے پاس حادثہ کی کوئی تفصیل نہیں۔ اس نے پھر تار بھیجا کہ آپ خود موقعہ پر پہنچ کر حالات معلوم کیجئے، میں آپ کو ڈیڑھ ہزار روپیہ بطور اُجرت ادا کرونگا جواب ملا، پہلے اُجرت بھیج دیجئے۔ بینک بند ہونے والے تھے، مگر اُس نے کسی نہ کسی طرح ایک بینک کے ذریعہ ڈیڑھ ہزار روپیہ کا ڈرافٹ بھیجدیا۔ چار روز کے بعد اُسے مفصل حالات پہنچ گئے اور اُس نے فی الفور اخبار کے مالک کو حادثہ کی تفصیلات سے اطلاع دے دی، تمام یورپ اور امریکہ میں یہ پہلا اخبار تھا جس نے دنیا کے سامنے وکٹوریہ کی تباہی کے مکمل واقعات پیش کیے۔ لنڈن کے تمام اخبارات شرمندہ تھے کہ ایک دور دراز کے اخبار نے سبقت کرکے میدان جیت لیا۔

یہ تینوں واقعات ہمارے سامنے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اگر گنتی کے چند لوگ دیال باغ ایسا عظیم الشان کارنامہ تیار کرسکتے ہیں، اگر چین کا ایک گداگر اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتا ہے، اگر امریکہ کا ایک نامہ نگار اپنے اخبار کی شان و وقار کے لیے بحری محکمہ کے بڑے بڑے افسروں کو حرکت میں لاسکتا ہے، تو ہم کیوں ناکامی اور نامرادی کی زندگی بسر کرنے پر قانع ہیں؟ آؤ اپنی قوتوں سے کام لیں، اپنے عزم کو زندہ کریں، اور اپنی زندگی کے نصب العین کو تازہ کریں، لیکن ہمارا نصب العین کیا ہے؟ قرآن، زندہ خدا کا زندہ کلام!

سیاسیات حاضرہ اور مسلمان:۔ گذشتہ چند ماہ سے ہندوستان کے سیاسی حالات میں ایک نمایاں تغیر واقع ہوچکا ہے۔ ملک کی سیاسی جماعتوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اپنے نمائندے صوبجاتی اسمبلیوں میں بھیج کر اپنے اغراض و مقاصد کے مطابق قانون کا ڈھانچہ تعمیر کریں، جن قومی اور اجتماعی حالات کو اپنے لیے ضروری سمجھتی ہیں، اُن کی تجویز و تشکیل کے لیے آئینی اختیارات کا استعمال کریں اور جمہور کی فلاح و بہبود، اُن کی قومی اور تمدنی ضروریات کو سامنے رکھکر ایسا ماحول اور ایسی فضا پیدا کریں، جو راعی اور رعایا دونوں کے نزدیک قابل قبول و تحسین ہو — جہاں تک واقعات و حقائق کا تعلق ہے، ملک بھر میں کانگرس ہی ایک ایسی جماعت تھی، جس نے کھلے لفظوں میں حکومت کے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور یہ مطالبہ پیش کیا کہ ہم اس وقت تک دستور جدید کو منظور نہیں کرسکتے، جب تک حکومت کے صوبجاتی نمائندے کانگرسی وزراء کے اختیارات میں عدم مداخلت کا اعلان نہ کردیں۔ حکومت یہ مطالبہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوئی، یہاں تک کہ کانگرسی اکثریت والے صوبوں میں اُسے عارضی وزارتیں قائم کرنی

پڑیں۔ دونوں فریق اپنی ہٹ پر قائم ہوگئے، لیکن جب کانگرس نے دیکھا کہ گورنمنٹ اپنے رویہ میں ذرا بھی تبدیلی کرنے کے لیے تیار نہیں، تو اس نے اپنے نمائندوں کو عہدے قبول کرنے کی اجازت دیدی۔

اب کانگرس کی صحیح پوزیشن یہ ہے کہ وہ ایک طرف تو آزادی کامل کی دعویدار ہے، دوسری طرف نہ صرف گورنمنٹ کے مقابلے میں ہتھیار ڈال چکی ہے، بلکہ دستور جدید کو عملاً قبول کرکے حکومت کے ہاتھ مضبوط کر رہی ہے۔ تصویر کا دوسرا اُرخ یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو، کانگرس اور حکومت کے سوا ملک کی کسی تیسری جماعت کا وجود تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، درآں حالیکہ کانگرس کی ہیئت ترکیبی صاف ظاہر کر رہی ہے کہ اس میں مسلمانوں کا عنصر آٹے اور نمک کے تناسب سے بھی کم ہے۔ گنتی کے چند مسلمانوں کو قومی اور اجتماعی حیثیت دینا اور اس کے خلاف کروڑوں افراد کو نہ صرف نظرانداز کرنا بلکہ اُن کا وجود تک تسلیم نہ کرنا حقائق کے چہرے پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو اپنے الفاظ کی تعبیر میں یہ تو آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ کانگرس کے خلاف جتنی بھی جماعتیں ہیں، وہ سب رجعت پسند ہیں، لہٰذا حکومت اور خلاف کانگرس جماعتوں کو ملا کر ایک ہی جماعت سمجھنا چاہیے مگر ہمارے نزدیک صدر کانگرس کی یہ منطق قابل قبول نہیں۔ وہ یا تو تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں اور یا انھوں نے مسلمانوں کے ذہنی رجحانات کا پوری طرح مطالعہ نہیں کیا۔ انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کا ایک بھی مسلمان ایسا نہیں، جس کے دل میں آزادی کی تڑپ نہ ہو۔ ہاں، یہ صحیح ہے کہ مسلمان نہ انگریز کو اچھا سمجھتے ہیں، اور نہ بہ حالات موجودہ کانگرس پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ کانگرس کا سابقہ پچاس سالہ ریکارڈ اُن کے سامنے ہے، جس سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ کانگرس ہندوؤں کی ایک فرقہ وارانہ جماعت ہے، مسلمانوں کو اس کے وجود سے نہ آج تک کوئی فائدہ حاصل ہوا ہے اور نہ آئندہ اُمید ہے۔

مسلمان اس وقت ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہیں۔ ایک طرف مسلم لیگ اپنا کھویا ہوا اثر و رسوخ دوبارہ حاصل کر رہی ہے اور اس میں ہندوستان کی بہت سی مقتدر جماعتوں کے علاوہ سر سکندر حیات صدر اعظم پنجاب، مسٹر اے کے فضل الحق وزیر اعظم بنگال، مولانا ظفر علی خاں، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر سر محمد اقبال اور مولانا شفیع داؤدی ایسے اکابر ملت شامل ہیں۔ دوسری طرف جمعیۃ العلمائے دہلی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ حضرات مسلمانوں کو کانگرس میں شرکت کی دعوت دے رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہکر تسلی دیے جا رہے ہیں

کہ مسلمانوں کو آگے بڑھ کر کانگرس پر قبضہ کرلینا چاہیے، انھیں ہندوؤں کی اکثریت سے خائف نہیں ہو
اور جس طرح کانگرس کے ظہور سے پہلے ہندوؤں نے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اسی طرح آ
قومی حکومت میں بھی ہمیں کوئی زک نہیں پہنچا سکیں گے۔

حامیان کانگرس کی یہ دلیل بظاہر بہت خوش نما معلوم ہوتی ہے، مگر وہ اس حقیقت سے
نہیں کرسکتے کہ اب حالات بہت پلٹ چکے ہیں، مسلمان اپنی طاقت، ثقافت اور وقار ضائع کر
ہیں، وہ زندگی کے ہر میدان میں شکست کھا رہے ہیں اور علم و تجارت، اتحاد و اخوت، دین و سیا
غرضیکہ ہر پہلو سے مایوسی اور ناکامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں؛ لیکن اس کے خلاف ہندو عز
شوکت اور عروج و اقبال کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ وہ کانگرس کی گاڑی کے لیے ایک مضبوط پہ
ہو سکتے ہیں مگر مسلمان ایک ایسے شکستہ پہیے کی مانند ہیں، جو پوری مرمت کے بغیر گاڑی کے نیچے ن
لگایا جاسکتا۔ اسی خیال کے پیش نظر مسٹر جناح نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ مسلمانوں کو سب سے پہلے
تعمیر کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور جب تک اُن میں سیاسی حالات سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت
نہیں ہوجاتی، اُنھیں مُلک کی دوسری جماعتوں کے ساتھ تعاون کرکے اپنا وقت، قوت اور ا
ضائع نہیں کرنی چاہیے۔

ہمارے نزدیک مسٹر جناح کی یہ تجویز اور آل انڈیا مسلم لیگ کی ہیئت ترکیبی دونو پر ایک
تنقیدی نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ اب جبکہ ہندوستان کے مطلع سیاست پر
جہاں کے بادل گھرے ہوئے ہیں، اور ہندوستان کی تمام قومیں آزادی کی جنگ میں حصہ لینے
لیے میدان عمل میں نکل آئی ہیں، مسلمانوں کو "تعمیر و تنظیم" کا بے عمل سبق دینا کہاں تک
مناسب ہے؟ اس عافیت پسندانہ تجویز کا انجام یہ ہوگا کہ عین اُس وقت جب کہ ہندوستا
دوسری جماعتیں میدان فتح کر رہی ہونگی، مسلمان اپنی خیالی تعمیر میں مصروف ہوں گے۔ م
کی حکمت عملی، اس کے ترکیبی عناصر اور اس کے گذشتہ حالات کو سامنے رکھنے سے یہ تجویز ا
زیادہ ناقابل قبول ہوکر رہ جاتی ہے۔ آج تک اس جماعت کا دائرہ عمل امراء، رؤسا، سر
حکام اور خطاب یافتہ مسلمانوں سے متجاوز نہیں ہوا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ نہ صرف ق
فلاح و بہبود کے لیے اپنا عیش و آرام ترک کرکے کسی جدوجہد میں حصہ نہیں لے سکتے،
اُن کے لیے یہ بھی ناممکن ہے کہ غریب اور خستہ حال مسلمانوں کو اپنی صف میں شامل ہو۔

اجازت دے سکیں - یہ امر یقینی ہے کہ مسلم لیگ اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک وہ جمود و استراحت سے بے نیاز ہو کر تمام دیہاتی اور شہری مسلمانوں کا عملی اشتراک حاصل نہ کرے۔ اب جلسوں، جلوسوں، کانفرنسوں اور تجویزوں کا زمانہ گذر چکا، اب عمل کا وقت ہے اور عمل کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ آئندہ اشاعت میں ہم اس موضوع پر مفصل اظہار رائے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

تصویر کے دو رُخ

"قرآن شریف کا سمجھنا نہ تو حدیث پر نہ کسی مفسر کے قول پر موقوف ہے۔ اعتبار نہ ہو تو ہماری تفسیر "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" ملاحظہ ہو۔" (رسالہ تُرک اسلام صفحہ ۲۱ مصنفہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری) (بحوالہ اخبار تنظیم اہلحدیث روپڑ)

یہ تصویر کا پہلا رخ ہے، اب دوسرا رخ ملاحظہ ہو:-

(قرآن نسخہ شفا ہے) جو بغیر پرچہ ترکیب استعمال قطعاً غیر مفید، ناقص اور بے کار ہے بلاریب "قرآن" کی حفاظت و نگہبانی اُسی وقت کار آمد و مفید ہو سکتی ہے، جب کہ پرچہ ترکیب استعمال کی بھی محافظت کی جاوے۔ لہذا میرا دعویٰ ہے کہ حفاظت احادیث کی خدا ہی پر ذمہ واری مضمر ہے"۔ (اخبار اہلحدیث صفحہ ۸، یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء، مرتبہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری)

یہ متضاد حوالے کسی تشریح کے محتاج نہیں ہیں

فیهما برزخ لا یبغیان

ضروری اطلاع زیر نظر نمبر کا حجم بڑھ جانیکے سبب چھپنے میں دیر ہو گئی لیکن اب اس نمبر کا عام مسلمانوں تک پہنچانا بہت ضروری ہو گیا ہے قیمت فی پرچہ ۶
آئندہ نمبر کے مضامین میں شمس العلماء مولانا محب الحق صاحب کا مضمون بجواب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ادت نماز اردو میں" از حضرت طالب صفوی اور "عرض امانت" از جناب اصغر خاص توجہ کے مستحق ہیں۔

تیرا نام

۳ جولائی ۱۹۳۷ء کی صبح کا وقت ہے مَیں موٹر پر سوار بٹالے سے امرتسر آرہا ہوں، راہ کے فطری مناظر، طلوعِ آفتاب کی دلکشی، اس پر صوفی منش موٹر ڈرائیور کا روح نواز پنجابی گیت

"سب دُکھ دُور تیرا نام لیاں"

دل و دماغ پر ایک نور کی بارش کر رہا ہے، امرتسر تک پہنچتے پہنچتے چند اشعار مرتب ہو گئے جو ہدیۂ احباب ہیں۔　　عرشی

سرودِ عیش و پیامِ قرار تیرا نام　　مری خزاں میں نویدِ بہار تیرا نام
دوائے دردِ دلِ سوگوار تیری یاد　　علاجِ گریۂ بے اختیار تیرا نام
انیسِ حالِ یتیم و سقیم تیرا ذکر　　رفیقِ راہِ غریب الدیار تیرا نام
فراغِ خاطرِ حرماں نصیب تیری بات　　فروغِ خلوتِ شبہائے تار تیرا نام
مری اُمید، مری آرزو، مری تسکین　　مرا یقین، مرا اعتبار تیرا نام

میں تجھ سے مانگنے آیا ہوں تیرے نام کی بھیک
ترے جمال کے کوثر سے ایک جام کی بھیک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا لیکن حیف ہے کہ مسلمان خدائے پاک کے اس حکم محکم کے خلاف فرقوں میں تقسیم ہو رہے ہیں اور اپنے آپ کو مسلم کے پاک و مقدس نام سے موسوم کرنے کی بجائے حنفی، وہابی وغیرہ بدعی ناموں سے موسوم کر رہے ہیں۔ جہاں تک اہلحدیث کا تعلق ہے ان کا فرقوں میں بٹ جانا ناگزیر تھا کیونکہ حدیث فرقہ بازی کی طرف رہنمائی کرتی ہے، لیکن تعجب ہے کہ مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کی جماعت جو عامل بالقرآن ہونے کی مدعی ہے اپنے آپ کو ایک علیحدہ فرقہ قرار دے رہی ہے اور مسلم کہلانے کی بجائے اہل قرآن کہلانا پسند کرتی ہے۔

مسلمانوں کی اس اندرونی خانہ جنگی اور فرقہ بازی سے متاثر ہو کر ایک مرد باخدا نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنی قوم کو ایک مرتبہ اور مجتمع کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دے اور اپنی کمزوری اور بےبضاعتی کے باوجود اخوت و مودت کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کرے۔ اس خدا کے بندے نے جب فرقہ بندی کے اسباب و علل کی تلاش کی تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ تفرقہ بازی کا سب سے بڑا سبب قرآن حمید سے روگرداں ہوتے ہوئے روایات کے چکر میں پھنسنا ہے۔ چنانچہ اس شخص نے دنیا کو ایک مرتبہ پھر وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا کی دعوت دی۔ چونکہ یہ دعوت نیک نیتی پر مبنی تھی اور خدا کے حکم کے عین مطابق تھی اس لیے خدا کے اکثر مخلص بندوں نے امداد و اعانت پر کمر باندھ لی اور اس طرح آہستہ آہستہ ہزارہا انسان قرآن کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے تا بحدیکہ ایک باقاعدہ انجمن کی بنیاد رکھی گئی تاکہ خدا کا پیغام (قرآن کریم) دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچا دیا جائے۔

بلاغ:۔ اُمت مسلمہ نے اپنے دائرۂ عمل کو وسیع کرتے ہوئے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا۔ کئی کتابیں شائع کیں، صدہا اشتہارات، پمفلٹ، پوسٹر اور ہینڈبل چھاپے اور حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کی تفسیر قرآن موسومہ بیان للناس کی طباعت و اشاعت کا انتظام کیا۔ اسی اثناء میں خیال پیدا ہوا کہ جلسوں کا بھی انتظام کیا جائے چنانچہ ۱۹۳۰ء میں اُمت مسلمہ کے افتتاحی جلسہ کا اعلان کیا گیا، لیکن آہ! ہمارے فرقہ پرست دوستوں نے ہمارے راستہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیے۔ چونکہ اس وقت تک ہماری جماعت کے پاس اپنی کوئی جگہ نہ

بھی اس لیے ہمارے فرقہ پرست دوستوں نے ہم پر زمین تنگ کرنے کی کوشش کی لیکن حکیم سلطان احمد صاحب مرحوم، حکیم شہاب الدین صاحب مرحوم، ڈاکٹر صادق علی صاحب مغفور سید غلام حیدر صاحب، میاں مولا بخش صاحب، چوہدری خیرالدین صاحب، منشی محمد عبداللہ صاحب، حکیم محمد حسین صاحب عرشی وغیرہ بزرگوں اور بھائیوں کی اَن تھک کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلسہ ہوا اور نہایت کامیابی سے ہوا۔ لیکن اپنی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مجلس کو جن تکالیف و مصائب سے واسطہ پڑا اُن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ اس وقت تک جلسہ کا التوا کیا جائے جب تک کہ جلسہ گاہ کے لیے جگہ نہ خرید لی جائے۔

اُمّت مسلمہ بلڈنگس ۔ ہمیں اس مالک الملک کے حضور سربسجود ہونا چاہیے جس کے فضل و کرم سے ایک وسیع قطعہ اراضی خریدا گیا اور اُس خدائے لایزال کی جناب میں سجدۂ شکر بجا لانا چاہیے جس کے الطاف و عنایات سے چند کمرے تعمیر ہوگئے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ان عمارات کی آبادی کے لیے چند ایسے مخلص بندے مہیا کردیے جو شب و روز ڈیرہ ڈالے رہتے ہیں اور اُنھوں نے اپنے مشاغل کی طرف سے بے پروا ہوتے ہوئے اس مبارک مقام کی حفاظت کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں جزائے خیر دے۔ آمین۔

نابیناؤں کا سکول :۔ چند کمروں کی تعمیر کے بعد خدمت خلق کے مقدس مقصد کے پیش نظر خیال پیدا ہوا کہ بیکس و معذور نابیناؤں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک سکول جاری کیا جائے چنانچہ KH. AHMADUDDIN INSTITUTION FOR THE BLIND کے نام سے ایک مدرسہ جاری کیا گیا جہاں خدا کی اس عاجز مخلوق کو قرآن مجید معہ ترجمہ حفظ کرایا جاتا ہے۔ انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ساتھ ہی چارپائیاں بُننے کا کام سکھلایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت اس سکول میں چار نابینا طالب علم تعلیم پاتے ہیں۔ ان بچوں کو قرآن حمید اور انگریزی پڑھانے کے لیے ایک فاضل نابینا اُستاد کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ چارپائیاں بُننے کا کام سکھلانے کے لیے ایک اچھے کاریگر نے رضاکارانہ طور پر وقت دینے کا وعدہ کیا ہے۔ کھانا وغیرہ مہیا کرنے کے لیے مستقل باورچی مقرر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس اسکول میں کم از کم پچاس طالب علم ہوں، کیا ہم اُمید رکھیں کہ ہمارے

احباب اپنے حلقہ اثر میں تبلیغ کریں گے کہ شریف اور غیر تمند نابینا بچوں کو (جو گداگری سے نفرت کرتے ہوں اور کوئی مفید ہنر سیکھنے کے آرزومند ہوں) اس ادارہ میں بھجوادیں گے اور جلد از جلد پچاس بچے اس سکول میں مہیا کردیں گے۔ اگر خدا نے توفیق بخشی تو ان تمام بچوں کی کفالت ہمارے ذمہ ہوگی۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہمیں اُمید ہے کہ ہم ان کے لیے اچھا کھانا اور واجبی لباس مہیا کرنے کی کوشش کریں گے وما توفیقی الّا باللہ العظیم

ہم یہ بھی اعلان کردینا چاہتے ہیں کہ ہم کسی طالب علم کے عقائد دینی میں مخل نہ ہوں گے بلکہ انھیں اختیار دیں گے کہ وہ اپنے عقائد پر قائم رہیں کیونکہ ہم جبر مذھبی کو خدا تعالےٰ کے ارشاد " لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ " کے خلاف سمجھتے ہیں۔ پس حنفی ہوں یا اہلحدیث، شیعہ ہوں یا سُنّی تمام کلمہ گو مساوی طور پر اس ادارہ سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

نوٹ:۔ جوں جوں طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوگا انشاء اللہ ہم دوسرے مفید ہنروں کے سکھانے کا بھی انتظام کریں گے۔

اُمّت مسلمہ کا سالانہ جلسہ:۔ اُمت مسلمہ بلڈنگس میں چند کمروں کی تیاری اور نابیناؤں کے سکول کے افتتاح کے بعد سالانہ جلسہ کے انعقاد کا خیال پیدا ہوا چنانچہ اخبارات، اشتہارات اور منادیوں کے ذریعہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام اقوام و ملل کو شمولیت کی دعوت دی گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس جلسہ سے کثیر التعداد بندگان خدا نے استفادہ کیا اور علماء اُمت کے مواعظ حسنہ سُنکر بہت ہی محظوظ ہوئے۔

پروگرام جلسہ کے مطابق پورا ایک دن علماء اُمت کی تقریروں کے لیے وقف تھا اور دوسرا دن مختلف مذاہب (بشمول اہل اسلام) کے لیے مقرر تھا لیکن چونکہ آریہ۔ عیسائی اور سکھ بزرگوں میں سے بجائے دو دو کے صرف ایک ایک صاحب تشریف لائے اس لیے دوسری نشست میں حکیم صاحبدیال صاحب کو مقررہ وقت سے زیادہ وقت دیکر باقی وقت مسلمان مقررین کو دیا گیا۔

اگرچہ جلسہ ۱۴ اکتوبر کو سات بجے شام ختم ہو جانا چاہیے تھا لیکن اہل ذوق کا تقاضا تھا کہ خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے اور شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر کی تقریریں رات کو پھر ہوں۔ شیخ صاحب عدیم الفرصتی کی وجہ سے ہماری درخواست کو قبول نہ کرسکے

مگر خواجہ صاحب نے ہماری التجاؤں کو شرف قبول بخشا اور رات کے ۹ بجے تک نکات و بصائر سے بہرہ اندوز فرماتے رہے، آپ کی تقریروں سے حاضرین بہت ہی محظوظ ہوئے اور سعید روحوں نے کئی مفید سبق حاصل کیے فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

غیر مسلم مقررین کی خوش خلقی:- غیر مسلم مقررین نے اپنی تقریروں میں جس حلم و شرافت کا مظاہرہ کیا ہم اس کے لیے ان بزرگوں کے صدق دل سے شکر گذار ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سب بزرگوں کو جزا دے۔

خاکسار بھائیوں کا تعاون:- ہم نے خاکسار دوستوں سے درخواست کی کہ وہ جلسہ میں شامل ہو کر خدمت خلق کا فرض بجا لائیں، اس جماعت نے کمال خلوص سے ہماری درخواست منظور فرمائی اور دونوں دن رضاکارانہ طور پر جلسہ کے انتظام میں حصہ لیتے رہے جس کے لیے ہم اُن کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جزاھم اللہ

جلسہ کا انتظام:- جلسہ کا انتظام نہایت تسلّی بخش تھا، تمام سب کمیٹیاں اور رضاکار اپنے اپنے فرائض کو خلوص و محبت سے ادا کر رہے تھے اس لیے ناشکری ہو گی اگر میں ان تمام احباب کی خدمات کا ذکر نہ کروں جنہوں نے جلسہ کی کامیابی میں حصہ لیا۔

جناب میاں مولا بخش صاحب سوداگر صابون، چودہری خیر الدین صاحب رئیس و زمیندار میاں مہر بخش صاحب چاندیوالہ۔ پہلوان عبد اللہ صاحب۔ قریشی معراج الدین صاحب۔ میاں دین محمد صاحب، والد بزرگوار حضرت عرشی کے مفید مشوروں نے بڑی حد تک ہماری رہنمائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام بزرگوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

ڈاکٹر چودہری علم الدین صاحب میونسپل کمشنر۔ مسٹر عبد اللہ خاں صاحب ناظم۔ خواجہ عبد الکریم صاحب نائک و النٹیروں کی امداد سے مہمانوں کی خاطر و مدارات میں مصروف رہے اور اپنے فرائض منصبی کو پوری توجہ اور انہماک سے ادا فرماتے رہے۔

قریشی عبد الرحیم صاحب۔ مستری غلام محمد صاحب، میاں الہ دین صاحب، مستری محمد یعقوب صاحب کے ذمہ مہمانوں کے لیے خورد و نوش وغیرہ کا سامان مہیا کرنا تھا چنانچہ انھوں نے اپنے فرائض کو نہایت تن دہی اور اخلاص سے سرانجام دیا بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس سب کمیٹی کے ارکان نے دوسرے کاموں میں بھی امداد دینے سے دریغ نہ فرمایا۔

مسٹر ذوالفقار علی خانصاحب اور خلیفہ عبداللہ صاحب نے رضاکاروں کی امداد سے ایک وسیع اور شاندار پنڈال تیار کروا کر اپنی فرض شناسی اور خلوص کا ثبوت دیا۔

حکیم محمد حسین صاحب عرشی اور منشی عبدالحفیظ صاحب نے جلسہ کو کامیاب بنانے کے لیے پوری پوری سعی کی اور اشتہارات و اخبارات کے ذریعہ جلسہ کے متعلق اعلانات وغیرہ جاری فرماتے رہے۔ اسی ذیل میں مستری محمد طفیل، عزیز محمد شریف، خواجہ محمد شفیع اور حافظ عبدالعزیز صاحبان بھی مستحق شکریہ ہیں جو بوقت ضرورت شہر بھر میں منادی کرتے رہے۔

عزیزی ڈاکٹر احسان اللہ اور عزیزم خواجہ محمد شفیع ثانی نے انکوائری آفس کے فرائض کو نہایت ذمہ دارانہ طریق پر نباہا۔

مہر حسین بخش صاحب اور مہر اللہ دتا صاحب کے ذمہ اُمت مسلمہ گراؤنڈ میں پودوں اور بیلوں وغیرہ کی کاشت تھی۔ چنانچہ یہ دونوں بھائی جلسہ سے کئی روز پیشتر اپنے کام میں مشغول ہو گئے اور خلوص و محنت سے اپنے فرائض کو ادا کرتے رہے جزاھم اللہ

مہمان:۔ ناشکری ہوگی اگر ان احباب کے خلوص و محبت کا ذکر نہ کیا جائے جو دور دراز سفر طے کر کے اس جلسہ میں شامل ہوئے۔ چنانچہ لاہور، سیالکوٹ، جالندھر، پٹھانکوٹ، مسانیاں، دینانگر وغیرہ اکثر مقامات سے تشریف لائے، اور سبجیکٹس کمیٹی میں حصہ لیکر اپنے مفید مشوروں سے مستفید فرمایا۔

پیغامات:۔ ہم اپنے اُن بزرگ و محترم رہنماؤں کے بھی رہینِ منت ہیں جو اگرچہ بوجہ ضعف و پیری یا عدیم الفرصتی کے تشریف نہ لاسکے مگر اپنے مشفقانہ پیغامات کے ذریعہ منتظمین جلسہ کی حوصلہ افزائی فرمائی چنانچہ ایسے تمام بزرگوں کے پیغامات درج ذیل ہیں:۔

مکتوب گرامی شمس العلماء مولانا سید محب الحق صاحب پٹنہ

مکرمی! سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔ اُمت مسلمہ کے سالانہ جلسہ کی اطلاع پہونچی اور دعوت شرکت بھی۔ دعا کرتا ہوں کہ خدا جلسہ کو کامیاب بنائے اور قوم کی نسبت جو خدا سے ٹوٹ گئی ہے وہ قرون اولیٰ کی طرح پھر سے جُٹ جائے اور کلام الٰہی کا نور تمام پھیل جائے (آمین - بلاغ) اب میں دعا ہی کرنے کے کام کا رہا، افسوس ہے کہ شرکت سے معذور و مجبور ہوں۔ اسی برس کی عمر ہوئی، قوےٰ جواب دے چکے، تمام کا آنا جانا موقوف ہوا، دوسری دنیا کی

سرحد میں قدم رکھ چکا ہوں، اب گویا اس دنیا کا ہوں نہیں۔ ٹرین تیار ہے، سیٹی ہو چکی، اسباب سفر ہے نہیں کہ تولوانا پڑے، مسافر سوار ہو چکے، مجھے بھی اب سوار ہی ہونے کی دیر ہے۔ دنیا کا کام دنیا والوں کے حوالہ، میں تو چلا، اس آپے دھاپے میں، اس رواروی میں امرتسر کے سفر کا خیال ناممکن ہے۔

قرآن کی تبلیغ قولاً و عملاً دونوں طرح ہونی چاہئے اور یہ نہیں ہو سکتی جب تک انسان پرستی اور ماسوا پرستی سے توبہ نصوح نہ ہو اور مسلمان جو مردم شماری کے مسلمان ہیں مسلمان حنیف نہ ہو جائیں اُن کی نسبت خدا سے نہ جُٹ جائے، اُن کا نصب العین خدا ہی نہ ہو جائے، اور ان کا حال اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نہ ہو جائے۔ یہ ہے حقیقی اسلام اور یہ ہے اسوۂ رسول

یعنی مقصد یہی، تبلیغ یہی اور اس اجتماع عظیم کا نصب العین بھی یہی ہونا چاہیے۔ مختصر تقریروں میں جنہیں خطبات کہیے یہی نصب العین مسلمانوں کے دل و دماغ میں کندہ کرنا چاہیے، یہی جلسہ کی کامیابی ہوگی۔

اتنا لکھ کر میں نے متوجہ کیا اور جلسہ میں غائبانہ شرکت کر لی۔ بڑی بڑی اسپیچوں کا دروازہ بند کرنا چاہیے تجربتاً جس کا کوئی فائدہ بجز شاعرانہ نثر کی داد اور تعریف کے کچھ نہ ظاہر ہوا، وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ۔

مکتوب گرامی اعلیحضرت والیٔ مانگرول

کرمی جناب سکرٹری صاحب اُمت مسلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۱۲ ماہ رواں پہنچا۔ نیز اُمت مسلمہ کے سالانہ جلسہ متعلقہ تبلیغ قرآن کریم کی صدارت کی دعوت ملی۔ اس عزت افزائی کے لیے میں آپ کا اور مجلس منتظمہ کا ممنون و متشکر ہوں۔ میرے لیے یہ امر باعث مسرت ہوتا کہ میں اس اہم اسلامی جلسہ کی قیادت کرتا، حالانکہ میں خود کو اس ذمہ داری کے قابل نہیں پاتا اور یہ آپ کا حسن ظن ہے کہ آپ نے مجھے اس خدمت کے قابل سمجھا۔ مگر افسوس ہے کہ میری کبرسنی اور دائم المرضی خصوصاً ضیق النفس مانع ہے کیونکہ دمہ کے دورے مجھے ہمیشہ ہوتے ہیں اور میں سفر کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ دریں صورت اُمید ہے کہ آپ مجھے معاف رکھیں گے۔

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کا جلسہ کامیاب ہو اور آپ کے نیک مقاصد برآئیں۔ والسلام

آپ کا خیر اندیش محمد جہانگیر

مکتوب گرامی علامہ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

جناب عرشی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا خط کئی دن ہوئے ملا۔ آج خواجہ ضیاء اللہ صاحب کا دعوت نامہ بھی سالانہ جلسہ کا پہنچا۔ جلسہ کے متعلق آپ نے مشورہ دریافت فرمایا ہے۔ سو میرا مشورہ یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو جلسہ تقریریں اور تجویزیں جو اس جلسہ میں ہوں عام اسلامی مذاہب یعنی فرقوں سے بالاتر ہوں اور یہ ثابت کر دیا جائے کہ ہم کوئی فرقہ نہیں ہیں بلکہ جمہور مسلمین کے ساتھ ہیں۔ بلکہ اُن کے راہبر اور حامی ہیں اس حد تک جہاں تک کہ قرآن ان کا ساتھ دے۔

میں بلاغ والوں کا ممنون ہوں کہ وہ مجھے اپنا سمجھتے ہیں۔ میرے مشوروں کو سنتے ہیں اور مجھے بھی مشورہ دیتے ہیں۔ اور میں اس چھوٹی سی اسلامی صفت کو بھی بہت سمجھتا ہوں۔

میں دل سے متمنی ہوں کہ آپ کا جلسہ کامیاب ہو اور خلوص کے ساتھ اس کے لیے دعا کرتا ہوں۔ عزیزم ضیاء اللہ سے کہدیجئے کہ اس جلسہ میں شریک ہونے سے معذور ہوں۔ والسلام

مکتوب گرامی جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز بی اے

محترمی! السلام مسنون۔ آپ کا دعوت نامہ متعلقہ جلسہ سالانہ اُمت مسلمہ باعث سرفرازی ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ میں بمسرت اس جلسہ میں شریک ہوتا لیکن ہمارے دفاتر شملہ سے دہلی کی جانب ۲۰ اکتوبر کے قریب روانہ ہوں گے اور ان تواریخ سے قریباً ایک ہفتہ پیشتر دفتر سے کسی صورت میں بھی رخصت نہیں مل سکتی کیونکہ یہاں تمام کاغذات کو سنبھال کر دھلی لے جانا ہوتا ہے۔ اندریں حالات حاضری سے معذور ہوں اور بصد تاسف۔ والسلام　خیر طلب پرویز

مکتوب گرامی جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر

مکرمی! تسلیم۔ تعمیل ارشاد میں صرف یہ عذر داری ہے کہ جس زمانے میں اُمت مسلمہ کا اجتماع ہوگا۔ وہی زمانہ رام و لچھمن کے اجتماع کا میری تحصیل میں ہوتا ہے اور اُمت مسلمہ اور غیر مسلمہ کے درمیان بہت نازک موقعہ ہوجاتا ہے۔ علاوہ اس کے امرتسر کا سفر دُور دراز اور پھر اپنی نااہلیت ہر طرح مانع ہے۔ میری دل سے دعا ہے کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کے لیے امرتسر سراجاً منیراً ہو۔ والسلام　خاکسار مقبول۔

شکوہ :- ہمیں اپنے ان دوستوں سے شکایت ہے جو پختہ وعدوں کے باوجود رونق افروز جلسہ نہ ہوئے، بالخصوص مجھے مولانا سید حبیب شاہ صاحب سے گلہ ہے جن کو جلسہ سے کئی دن قبل پروگرام مل چکا تھا مگر وہ جلسہ میں نہ پہنچے اور نہ ہی وجہ عدم تشریف آوری سے مطلع کیا حالانکہ مجھے ان پر بھروسہ تھا کہ وہ میری درخواست کو رد نہ کریں گے۔

سبجکٹس کمیٹی کا اجلاس :- ۱۲۔ اکتوبر کو دوپہر کے کھانے کے بعد زیر صدارت ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب سبجکٹس کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا جس میں لاہور، جالندھر، امرتسر، پٹھانکوٹ، سیالکوٹ، گورداسپور، مسانیاں وغیرہ اکثر بلاد وامصار کے مندوبین تھے۔ چنانچہ اتفاق رائے سے حسب ذیل قرار دادیں پاس ہوئیں:-

(۱) "امت مسلمہ کا یہ جلسہ مباحثوں اور مناظروں کو شرو فساد کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ فی الحال مباحثوں اور مناظروں سے احتراز کیا جائے"

(۲) "امت مسلمہ کا یہ جلسہ امرتسر کو اپنی سرگرمیوں اور تبلیغ کا مرکز قرار دیتا ہے"

(۳) "امت مسلمہ کا یہ جلسہ ہندوستان کے تمام شہروں کے حامیان کفایت قرآن سے سفارش کرتا ہے کہ وہ ملک کے ہر حصہ میں امت مسلمہ کی شاخیں قائم کریں اور مجالس کے قیام سے جلد از جلد مرکز کو اطلاع دیں"

(۴) "امت مسلمہ کا یہ جلسہ تمام مسلمانوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ "بلاغ" کی اشاعت کو وسیع کرنے میں امت مسلمہ امرتسر کی امداد فرمائیں تاکہ قرآن حکیم کی مقدس تعلیم ہر گھر میں پہنچ سکے"۔

(۵) "امت مسلمہ کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ ہر سال دوسہرہ کی تعطیلات میں امرتسر میں مرکزی جلسہ ہوا کرے اور اگر ممکن ہو تو دوسرے شہروں میں بھی جلسوں کا انتظام کیا جائے"

حضرات مقررین :- جلسہ میں جن احباب نے تقریریں فرمائیں اُن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:-

اجلاس اول ۱۲ اکتوبر

تلاوت قرآن مجید۔ حافظ عبداللہ صاحب متعلم اندھوں کا سکول

حمد۔ منشی عبدالحفیظ صاحب　　　　　نعت۔ حکیم محمد حسین صاحب

۱. خطبہ استقبالیہ - خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے
۲. تائید - بابو عبداللہ خاں صاحب
۳. حقیقت اسلام - جناب یعقوب توفیق صاحب بی اے
۴. تجویز صدارت - خاکسار
۵. خطبہ صدارت - مولانا عبدالکریم صاحب ناقد
۶. تفریق بین المومنین - جناب محمد اقبال صاحب صابری

اجلاس دوم

۱. تحریک صدارت - ڈاکٹر چودہری علم الدین صاحب
۲. تائید - میاں مولا بخش صاحب
۳. خطبہ صدارت - چودہری غلام عباس صاحب ایم اے
۴. کاملیت قرآن - مولانا عبدالکریم صاحب ناقد
۵. تفسیر سورہ اخلاص - حافظ سردار احمد صاحب
۶. تفسیر آیہ نور - خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے

اجلاس اوّل ۱۳ اکتوبر

۱. تلاوت قرآن مجید - حافظ سردار احمد صاحب
۲. تحریک صدارت - خاکسار
۳. تائید - میاں مولا بخش صاحب
۴. تقریر صدارت - شیخ صادق حسن صاحب بیرسٹرایٹ لاء
۵. مسیحیت - پادری مسیح اللہ صاحب
۶. سکھ ازم - سردار سنپورن سنگھ جی
۷. اسلام - شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لاء
۸. خطبہ صدارت - صاحب صدر

اجلاس ثانی

۱. تحریک صدارت - حکیم محمد حسین صاحب عرشی
۲. تائید - بابو عبداللہ خاں صاحب ناظم
۳. تقریر صدارت - شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لاء
۴. آریہ مت - حکیم صاحب دیال صاحب
۵. اسلام - خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے
۶. امت مسلمہ اور فرقہ بندی - حکیم محمد حسین صاحب عرشی
۷. تحریک عمل - قاضی عبدالمجید صاحب قرشی مدیر ایمان
۸. خطبہ صدارت شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لاء

اجلاس شبینہ

نظم - ماسٹر عطاء اللہ صاحب عزت
تقریر - خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے

انگریزی تقریریں:- بعض احباب نے انگریزی دان نوجوانوں میں مقصد تبلیغ کے پیش نظر انگریزی زبان میں تقریریں کیں جن کا اثر تعلیم یافتہ طبقہ پر بہت اچھا رہا چنانچہ اس سلسلہ میں اصحاب ذیل کی تقریریں ہوئیں:-

قرآن اور یورپ - مسٹر اصغر بی - اے
اے کریٹیکل سٹڈی آف حدیث - سید محمد حسین حسرت بی اے
قرآن اینڈ موڈرن لائف - مسٹر یعقوب توفیق بی اے
سپرٹ آف اسلام - مسٹر خالد حیات بی اے آنرز

دو دن فردوس میں

جلسۂ اُمتِ مُسلمہ سے متعلق میرے تاثرات (از عرشی)

فردوس کیا ہے؟ عشق و محبت کی دنیا، رضائے دوست کا مقام، جہاں بغض و عداوت نہیں، شرارت و نفرت نہیں، آنکھیں ان پیاری صورتوں کو دیکھتی ہیں جنہیں دیکھنے کی آرزومند ہیں، کان اُن میٹھی باتوں کو سنتے ہیں جو اُن کے لیے غذائے روح ہیں —— ارضِ اُمتِ مُسلمہ میں اللہ کریم نے اپنی محبت کا بیج بو دیا، اپنی شراب توحید کے متوالوں کو دور دور سے آنے کی توفیق عطا فرمائی، پنجاب کے مختلف اضلاع سے خدا کے دوست صرف خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے جمع ہوئے۔ یہاں کسی شادی بیاہ کی دھوم نہیں تھی، کسی مزار کا عُرس اور پیر کی قوالی نہیں تھی، سیاسی اُلجھنوں کا اکھاڑا نہیں تھا، مذہبی مناظروں کی ٹکریں نہیں تھیں، الغرض دنیا کے بچوں کے لیے کوئی دلچسپی کا سامان نہیں تھا، لیکن ایک رونق تھی، خالص روحانی، چہل پہل تھی، بے آلائش اغراض —— آنے والے اللہ کے لیے آئے، اللہ کی باتیں سُنیں، اللہ کا ذکر کیا، اور اللہ کے ذکر کو بلند کرنے کی تجویزیں کیں جلسہ ۱۲ - ۱۳ اکتوبر کو تھا، لیکن فرض شناس احباب ۱۱ اکتوبر ہی کو آنے شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے حضرت خواجہ عباد اللہ اختر اور اُن کے بعد سید حسرت مسانوی نے اپنے ورود سے مسرور کیا، جلسہ کے پہلے دن کی کارروائی کا ماحصل میرے نزدیک حضرت خواجہ کا خطبہ استقبالیہ اور جناب چودھری غلام عباس خاں صاحب ایم اے کا خطبہ صدارت تھا، یہ دونوں خطبے علم و تاثیر سے معمور تھے۔ حضرت خواجہ صاحب نے اپنے خطبے کے دوران میں وہ سب کچھ کہدیا جو ہم سب مل کر کئی دنوں اور کئی تقریروں میں نہ کہہ سکتے تھے، ہمارے تمام جلسے کا مقصود و غایت یہ خطبہ تھا، آپ نے پوری جرأت اور جامعیت سے حقیقت کے چہرے سے تمام نقاب اُٹھا دیے اور واشگاف طور پر بتا دیا کہ یہ مجلس کیا کرنا چاہتی ہے اور اس کے مقاصد کی وسعت و ہمہ گیری سارے عالم اسلام اور اس کے بعد کل دنیائے انسانیت کو اپنے احاطۂ کار میں لے آنا چاہتی ہے، فروعی مسائل پر ہنگامہ کارزا

گرم کرنے والے لوگ اُمت مسلمہ کی وسیع گود میں نادان بچوں کی مانند ہیں، جو فضول باتوں پر لڑتے ہیں اور اپنے نفع و ضرر سے بے خبر ہیں ـــــ اس بسیط خطبہ کا خلاصہ آپ کو دوسری جگہ نظر آئیگا۔

چودھری غلام عباس خاں صاحب کا خطبہ بھی کچھ کم محنت سے مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ دل کا درد، ادب کی چاشنی، معلومات کی وسعت اور خیالات کی روشنی ہر ہر فقرے سے ٹپک رہی تھی۔ دوسرے دن کی تقریروں میں سکھ ازم پر سردار سمپورن سنگھ اُیڈیٹنگ چیف خالصہ دیوان کی تقریر اور آریہ مت پر حکیم صاحبدیال صاحب سابق پردھان آریہ سماج کی تقریر شیریں کلام، صاف دلی اور واقفیت کا مظہر تھیں ـــــ اسلام پر شیخ عبدالقادر بیرسٹرایٹ لاء سیالکوٹ کی دو تقریریں ہوئیں جن کو حاضرین نے بہت پسند کیا، آپ حقائق اسلامیہ کے ساتھ ساتھ اسرائیلی اور ہندی مذاہب سے بھی آگاہی رکھتے ہیں، آپکی تقریروں میں وسعت مطالعہ، عشق اسلام اور زور بیان کا عنصر بہت زیادہ تھا۔

اوقات اجلاس کے علاوہ جو صحبتیں ہوئیں وہ اور زیادہ دلچسپ اور پُر لطف تھیں مختلف مسائل پر محبت بھری باتیں۔ گزشتہ صحبتوں کی یاد اور رفتہ اصحاب کے تذکرے مستقبل سے متعلق بلند ارادے اور پُر جوش ولولے ـــــ یہ ایسی چیزیں ہیں جو محض قلم و کاغذ سے حاصل نہیں ہوسکتیں، ان کے لیے باہمی ملاپ اور اجتماع کی بے حد ضرورت ہے۔

سبجکٹس کمیٹی کے اجلاس کا فرض صدارت ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب نے سرانجام دیا، مبارک ہے وہ باپ جس کو آپ ایسے بیٹے عطا ہوئے، آپ کی ذات میں سچا اسلامی عشق و ولولہ دیکھنے میں آیا، آپ کے والد محترم بھی، جو نہایت مقدس بزرگ ہیں شریک جلسہ ہوئے، اور بھی بہت سے دوست تھے اور بہت سی دلچسپیاں تھیں جن کی تفصیل روئیداد میں ملیگی۔

مقامی احباب نے ہر ممکن سعی اور بذل و ایثار سے اجلاس کو کامیاب بنانے کا عزم کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگ جلسوں اور تقریروں کے فن سے آگاہ نہیں ہیں اس لیے انتظام میں خامیاں رہیں اور رہیں گی، اس کا علاج اس وقت تک ناممکن ہے جب تک چند باہمت اشخاص اپنے آپ کو دین ہی کے لیے وقف نہ کردیں، جن کے شب و روز درس و

تدریس، وعظ و تذکیر، نشر و تبلیغ، فصل خصومات، حل مہمات، وصول زکوٰۃ، جمع صدقات، محتاجوں کی حاجت برآری، مریضوں کی خدمت گزاری وغیرہ اُمور میں صرف ہوں اور وہ اس کا اجر صرف اللہ سے چاہیں، اپنی معاش کا بوجھ حتی الوسع قوم کی گردن پر نہ رکھیں، اپنی جائداد سے بسر اوقات کریں یا بحالت مجبوری معمولی قوت لایموت مجلس سے حاصل کریں۔ یاد رکھو اس ایثار کے بغیر کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوسکتی، قربانی کے سوا کوئی مرحلہ طے نہیں ہوسکتا۔

میں ان تاثرات کو اس بات پر ختم کرتا ہوں کہ آئندہ اجلاس کے لیے ہمیں ابھی سے تیاریاں شروع کردینی چاہئیں، بیرونی احباب کو مطلع رہنا چاہیے اور اجلاس کی تجاویز کو جامۂ عمل پہنانے کی پوری سعی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے حوصلے بڑھ گئے ہیں، ہمیں اُمید ہے کہ ۳۸ء کا اجتماع بہت زیادہ شاندار، بہت زیادہ بابرکت اور بہت زیادہ بارآور و نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

بقیہ مذاہب کانفرنس از صہ

خواہشات کو قابو میں لاؤ۔ شیطانی خیالات سے بچو۔ شہوت پرست اور ہوائے نفسانی کا بندہ خدا کی عبادت نہیں کرسکتا۔ یاد رکھو کہ یہ دنیا کی زندگی گاڑی کے سفر کی طرح ہے اس لیے اس طرح جیو کہ جیسے مسافر سفر کے اختتام پر گاڑی کا ڈبہ چھوڑتا ہے تو اُسے کچھ افسوس نہیں ہوتا اسی طرح مرتے وقت تمہیں دُنیا چھوڑنے کا صدمہ نہ پہنچے۔ ویدنے کہا ہے ان دُکھوں سے بچنے کے لیے "مَیں" کو چھوڑ دو۔ "مَیں" کا خیال دل سے نکالنے کے سبب انسان خدا کے نزدیک پہنچ جاتا ہے۔ یہ اصول کسی ملک یا جاتی کے لیے نہیں ہیں بلکہ ہر حالت و وقت کے لیے ہیں کسی دیش یا جاتی کی تمیز نہیں ہے۔ اگر تم خدا کو پانا چاہو تو صفائی ضروری ہے جس میں من کی صفائی مقدم ہے۔ صبر کی زندگی بسر کرو، شانتی صبر سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ دولت کا چکر ہمیں صبر سے بیٹھنے نہیں دیتا اسی لیے ویدنے فرمایا ہے کہ صبر سے کام کرو، سنتوش کرو۔ تپ کرنا خدا کے قرب کا ذریعہ ہے، تپ کے معنی ہیں تکلیفوں کو برداشت کرنا، تکلیفوں کے بغیر خدا نہیں مل سکتا۔ جو صبر نہیں کرسکتا وہ پرمیشور کی بھگتی (عبادت) کیونکر کرسکتا ہے؟ ایسی کتابیں پڑھو جو تمہیں ایشور کے قریب کردیں، گیان سکھلائیں اور تمہارے اخلاق کو درست کریں۔ اُٹھتے بیٹھتے ایشور کو یاد کرو کیونکہ ایشور کی یاد ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ ہاں تعصب پرے ہٹ کر سچائی

مذاہب کانفرنس

۱۴ اکتوبر ۱۹۴۳ء بروز بدھ مذاہب کانفرنس کا اجلاس زیرِ صدارت شیخ صادق حسن صاحب بیرسٹرایٹ لا رئیس اعظم امرتسر شروع ہوا۔

جناب صدر نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا کہ یہ مذاہب کانفرنس ہے مجلس مناظرہ نہیں مناظروں سے کبھی کوئی نیک نتیجہ نہیں نکلا بلکہ اس سے ہمیشہ شر و فساد پھیلا ہے۔ مذاہب کانفرنس میں مقررین کو چاہیے کہ وہ دوسرے مذاہب و ادیان پر حملہ کیے بغیر اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں، لیکن اگر کوئی فریق دوسروں کے معتقدات پر اعتراض یا حملہ کریگا تو میں اُسے روک دونگا۔

اس کے بعد پادری رضا اللہ صاحب نے مسیحیت سے متعلق تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا مذہب روح کی پرورش کے لیے بہترین ذریعہ ہے اور مذہب ہی ہے جو انسان کے اندر یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ وہ خدا کی تلاش کرے، خدا تعالےٰ نے آدم کے بیٹوں کی رہنمائی کے لیے ہر اُمت میں نبی اور رسول بھیجے۔ "خدا نے کہا کہ تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان جدائی ڈالوں گا" اور یہ پیشگوئی جناب عیسیٰ مسیح پر پوری ہوئی۔ تمام نبی جو آئے وہ سب نسل انسانی کو نجات نہ دلا سکے، اگرچہ انھوں نے آدم کے بیٹوں کی بہتری اور بہبودی کے لیے بہت کچھ کیا مگر مسیح نے خود کفارہ بنکر نسل انسانی کو نجات دلائی کہ وہ ہر لحاظ سے بیمثال تھا چنانچہ

(۱) وہ پیدائش کے لحاظ سے بیمثال تھا۔ خدا قادر مطلق ہے، اُس نے اپنی قدرت مطلق سے اپنے آپ کو اتنا چھوٹا کیا کہ وہ ایک کنواری (مریمؑ) کے پیٹ میں داخل ہُوا، پھر وہاں سے مسیح کی صورت میں نمودار ہوکر پیدائشی گنہگار انسان کی نوع کا نجات دہندہ بنا۔

(۲) وہ بحالت شیرخوارگی بڑے بڑے فضلاء سے بحث کرتا تھا۔

(۳) اُس پر روح القدس مجسم ہوکر جلوہ گر ہوئی اور وہ پکارتی تھی کہ یہ میرا بیٹا ہے۔

(۴) وہ بہروں، اور گونگوں کو شفا دیتا تھا۔

(۵) وہ مجلسی اصولوں کے لحاظ سے بھی بیمثل تھا چنانچہ اُس نے اپنے دشمنوں کو معاف کردیا۔

(۶) وہ موت کے لحاظ سے بھی بیمثال ہے چنانچہ وہ مرا نہیں بلکہ آسمان پر زندہ موجود ہے۔

؎ کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (بلاغ)

(۷) اُس کو دائمی روح نصیب ہوئی اور وہ دو ہزار سال سے آسمان پر موجود ہے۔
(۸) وہ قیامت کے روز اسی طرح واپس آئیگا۔
الغرض مسیحؑ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے بے مثل ولاثانی تھا۔ پیر اگر کوئی ضامن ہو سکتا ہے تو صرف وہی۔
بھائی بدھ سنگھ جی ایڈیشک چیف خالصہ دیوان نے سکھ دھرم کے متعلق تقریر کرتے ہوئے فرمایا
میرا مذہب خدائی مذہب ہے' اس کا مقصد انسانوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنا ہے لیکن ہم نے خود غرضیوں کی وجہ سے گورو صاحبان کے سکھلائے ہوئے اتحاد کو نیست ونابود کر دیا ہے۔ گرو نانک دیو جی نے دنیا میں بڑے بڑے سفر کیے اور ان تمام کا مقصد دنیا میں خدا کا پیغام پہنچانا اور اہل دنیا کو متحد کرنا تھا۔
سچ تو یہ ہے کہ کسی مذہبی رہنما نے ایسا پیغام نہیں دیا جس کا مقصد نفاق وافتراق پیدا کرنا ہو۔ اسلیے ہمیں دوسرے مذاہب سے مقابلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ سکھ ازم کوئی نیا فرقہ نہیں بلکہ یہ وہ مقام ہے جہاں دنیا کے تمام مذاہب کا اتحاد ہو سکتا ہے۔ گویا گورو نانک دیو جی کی تعلیم کا منشأ ہندوستانیوں کی فرقہ بندی کا استیصال تھا۔ اس لیے گورو گرنتھ صاحب پر عمل کرنے سے ہندوستانیوں کا اتحاد ہو سکتا ہے۔ شیخ فریدؒ نے اسلام کی نہایت شاندار خدمات سرانجام دیں' اُن کی بانیاں (کلام) بھی گرنتھ صاحب میں موجود ہیں۔
شری گورو نانک جی مہاراج کا نام ہی ایسا ہے جو آپس میں اتحاد کا سبق دیتا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے دعوت اتحاد دینے کے لیے تمام دنیا کا سفر کیا اور خدا کے حکم کو پورا کرنے کے لیے انتہائی جدوجہد کی' چونکہ آپ اتحاد کے لیے بھیجے گئے تھے اسلیے آپ نے تمام مذاہب کے مقدس مقامات کی زیارت کی اور اسی سلسلہ میں آپ مکہ معظمہ کی زیارت کے لیے بھی تشریف لے گئے۔
شیخ عبد القادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا سیالکوٹ نے اسلام پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ جب دنیا سے نیکی قطعاً مفقود ہو جاتی ہے' بدیاں اور بُرائیاں دنیا پر مسلط ہو جاتی ہیں تو انبیاء ورسل مبعوث کیے جاتے ہیں۔
چھٹی صدی عیسوی میں لوگوں نے مذہب کو خیر باد کہہ دیا تھا' لوگ خدا سے بیگانہ ہو چکے تھے عرب کی حالت بدتر ہو چکی تھی۔ قبیلہ قبیلہ کا بُت جدا تھا۔ تین سو ساٹھ بتوں کا دور دورہ تھا۔ تہذیب وتمدن کا جنازہ نکل چکا تھا۔ عناد وفساد ان کی گھٹی میں پڑ چکا تھا' الغرض طبائع بدی اور بدمعاشی کی جانب راغب ہو چکی تھیں۔ یکایک رحمت الٰہی جوش میں آئی اور دنیا کی اصلاح کے لیے

حضور سرور عالم کو مبعوث فرمایا گیا۔

اسلام تمام گذشتہ مذاہب کا نچوڑ ہے، جو ان تمام پرانے اصولوں کی تجدید کرتا ہے جو پہلے مذاہب میں موجود تھے۔

قرآن مجید تمام مذاہب کے بزرگوں کا احترام کرنا سکھلاتا ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ ہم نے تمام اقوام وملل کی طرف اپنے رسول بھیجے اسلیے ہم مذہبًا مجبور ہیں کہ تمام مذاہب کے رہنماؤں کی عزت کریں۔ دنیا میں خدا تعالٰے کی پوزیشن کو گرانے کے لیے انتہائی کوششیں کی گئیں۔ مشرکین نے خدا کے ساتھ ساجھی اور شریک ٹھہرائے۔ کہیں دو خداؤں کا پرچار ہوا تو کہیں تثلیث کی تبلیغ کی گئی۔ کہیں کروڑوں خداؤں کی پوجا شروع ہوئی۔ لیکن اسلام نے اللہ کے ذکر کو بلند کیا اور تمام شرکیوں کی تردید کی۔ توحید قرآن کا طغرائے امتیاز ہے۔

رسولِ خدا رحمۃ للعالمین ہیں کیونکہ آپ نے عورتوں کو سوسائٹی میں مساویانہ درجہ عطا فرمایا یتامیٰ اور ایامیٰ کے حقوق کی نگہداشت فرمائی، قانون وراثت۔ قانون طلاق و نکاح وغیرہ جاری فرما کر حقوق العباد کی حفاظت کی۔ یہ تمام قوانین قانون قدرت کے بالکل مطابق ہیں، چنانچہ آہستہ آہستہ دوسرے مذاہب کے لوگ ان قوانین کی پیروی کے لیے مجبور ہو رہے ہیں اور یہ بات میرے پیارے مذہب کی نمایاں خصوصیت ہے کہ قرآن کی تعلیم ہر زمانے کے لوگوں کی رہنمائی کے لیے کافی ہے اور جوں جوں زمانہ ترقی کر رہا ہے قرآن حمید ان کی رہنمائی کرتا ہے۔

صاحب صدر کی تقریر:۔ اگر کوئی مذہب پستی کی جانب لے جائے تو وہ قابل قبول نہیں ہوتا۔ اسلام نے مسلمانوں کا درجہ بلند کر دیا تھا، اب جو مسلمان قعر مذلت کی جانب جا رہے ہیں اس کی حقیقی وجہ اسلام سے روگردانی ہے۔ مولویوں کا بنایا ہوا مذہب دین اسلام سے جداگانہ ہے اور ہمارے موجودہ ادبار کی ذمہ داری اسی مذہب پر ہے۔

جن دنوں میری طبیعت قرآن مجید کی طرف راغب نہ تھی، میں بہت کمزور اور پریشان رہتا تھا۔ میرا دل ہر وقت فکر و وہم کا شکار رہتا تھا۔ میں اپنی اسی کمزوری کی وجہ سے تجارت اور کاروبار میں دل کھول کر حصہ نہیں لیتا تھا، میں نقصان و زوال کے اندیشے میں مبتلا رہتا۔ اسی اثناء میں مجھے قرآن مجید کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور میں نے اس کی با قاعدہ تلاوت شروع کر دی جب میں اس مقام پر پہنچا جہاں صبر و توکل کی تعلیم دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ خدا کے سوا کسی سے

نہ ڈرو، میرے دل میں غیر معمولی قوت اور روشنی پیدا ہوگئی۔ میرے حوصلے روز بروز بڑھتے چلے گئے۔ میں نے کاروبار میں فراخدلی کے ساتھ حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیاب کیا۔ اب میری یہ حالت ہے کہ میں دنیا کی کسی قوت سے نہیں ڈرتا اور میرے دل کو ہر وقت اطمینان اور تسلی رہتی ہے۔

اسلام صبر کی تلقین کرتا ہے اور صبر کی عادت انسان کی کایا پلٹ دیتی ہے، قرآن مجید پر عمل کرنے سے عزت و عظمت حاصل ہو سکتی ہے پس مسلمانوں کو چاہئیے کہ وہ قرآن کریم کی پیروی کریں اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح جاہ و جلال حاصل کریں۔

مذاہب کانفرنس کا دوسرا اجلاس شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایٹ لاء سیالکوٹ کی صدارت میں شروع ہوا۔ صاحب صدر نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا کہ ہم یہاں اپنے اپنے دین کی صداقت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں اسلیے ہمیں کوئی ایسا کلمہ نہ بولنا چاہیے جس سے دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے دلوں کو ٹھیس لگے اور میرا مذہب تو مجھے حکم دیتا ہے کہ میں بتوں تک کی بھی ہجو نہ کروں مجھے اُمید ہے کہ دیگر مذاہب کے پیرو بھی اس عالیشان اصول کی پیروی کریں گے تاکہ مجھے بحیثیت صدر مداخلت کی ضرورت نہ پڑے۔

حکیم صاحبدیال صاحب کی تقریر:۔ خدا زندہ ہے، ہر جگہ موجود ہے، سب سے بڑا ہے سب اسی نے پیدا کیے ہیں، ظاہری حواس اگرچہ اس کا پتہ نہیں دے سکتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ پوتر ہے، شدہ ہے، سب سے زیادہ عالم ہے، خدا ہی سب مذاہب کی بنیاد ہے، اس کے بغیر دھرم قائم نہیں رہ سکتا۔ ہم خدا کو کس طرح پا سکتے ہیں؟ ویدک دھرم اور بعض دوسرے مذاہب کا عقیدہ ہے کہ خدا یوگ سے مل سکتا ہے، دلی جذبات پر قابو پانے کا نام یوگ ہے: ہم یکسوئی کے بغیر خدا کی عبادت نہیں کر سکتے۔ یوگ سے اپنی ہستی کا علم ہو سکتا ہے اور اپنی ہستی کے علم سے خدا کا علم حاصل ہو سکتا ہے۔

ویدک دھرم اہنسا کی تعلیم دیتا ہے۔ اہنسا کے معنی ہیں کسی سے دغا نہ کرنا۔ کسی کو دُکھ یا تکلیف نہ دینا، کوئی شخص خدا کی سلطنت میں داخل نہیں ہو سکتا اگر وہ لوگوں کو دُکھ یا تکلیف دیتا ہے اسی طرح ویدک دھرم حکم دیتا ہے کہ سچ بولو، پس جھوٹ بولنا، کھوٹا اور ملاوٹ والا مال بیچنا۔ کم تولنا یہ تمام چیزیں اہنسا کے خلاف ہیں۔

ویدک دھرم نے چوری سے منع کیا ہے، چوری کا مال جان بوجھ کر لینا بھی چوری ہے چور کا دل ٹھکانے نہیں ہوتا۔ اگر خدا کو ملنا ہے تو بھلے مانس بنو۔

خُطبۂ اِستقبالیہ

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

حضرات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بحیثیت ایک فرد اُمت مسلمہ مجھے یہ عزت دی گئی ہے کہ ارکان اُمت مسلمہ کی طرف سے آپ حضرات کا "خیر مقدم" کرتے ہوئے اُمت مسلمہ اور اس کے اغراض و مقاصد اور اس کے مناسب کاموں کا تعارف آپ سے کراؤں۔

وجہ تسمیہ:۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ ملک کے طول و عرض میں بیشمار انجمنیں، بیشمار سوسائٹیاں، پہلے ہی سے موجود ہیں "اُمت مسلمہ" کی طرح ڈالنا کیا ضرور تھا؟ خالص مذہبی رنگ میں ہر ایک فرقہ انجمن آرائی کر رہا ہے، کیا "اُمت مسلمہ" نے بھی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی بنیاد اسی طرح رکھ دی ہے؟

حضرات! اُمت مسلمہ کا طغرائے امتیاز "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" ہے، اور "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" پر کاربند ہے، فرقہ بندی اور تفرقہ پردازی سے بالاتر ہے اور اپنے لئے کوئی امتیازی نام سوائے "مُسلِم" پسند نہیں کرتی جو اللہ تعالےٰ کا رکھا ہوا ہے، ارشاد الٰہی ہے کہ

"مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ، ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ"

قرآن حکیم کی متعدد آیات سے واضح ہوتا ہے کہ دراصل یہ نام "مُسلِم" حضرت ابراہیمؑ کا مجوزہ نہیں ہے اور اس لیے دین اسلام کچھ حضرت ابراہیمؑ کی اختراع نہیں اور نہ اُن کی شخصیت سے وابستہ ہے، خود خلیل اللہ حضرت نوحؑ کا اتباع کرتے تھے، جو کل اقوام عالم کے مورث اعلیٰ ہیں۔ اس لیے اسلام کل عالم انسانی کا دین ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھکر کل کائنات کا "دین الفطرت" ہے۔

لَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اس لیے جیساکہ ارشاد الٰہی ہے یہ دین اللہ، دین الحق ہے اور عالمگیر دین الفطرت ہے، اہل عرب کو

جو اولادِ حضرت ابراہیمؑ ہیں مخاطب کرتے ہوئے "اسلام" کو ملتِ ابراہیمؑ کہا گیا ہے تاکہ اُنھیں معلوم ہو کہ یہ اُن کا آبائی دین ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ عالمگیر دین الفطرت ہے، اور کسی شخصیت سے وابستہ نہیں جیسا کہ مسیحیت ہے اور نہ کسی قوم سے جیسا کہ یہودیت ہے اور نہ کسی مُلک سے جیسا کہ "ہندو ازم" ہے، ان شخصیتوں اور قوموں اور ملکوں کے باہر ان کا دین معدوم ہے۔

"مسیحیت" پولوس رسول کا مجوزہ نام ہے، اس سے پیشتر مسیحؑ کے حواری، اپنے آپ کو "اخوان" اور "مومنین" سے تعبیر کرتے تھے، حواریانِ مسیحؑ اور پولوس کے عقاید میں در بارہ مسیحؑ بہت اختلاف تھا، چنانچہ "بائبل" کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ حواریان پولوس کو "ضال" اور "دجال" کہتے اور پولوس اُن کو ریاکاروں کی جماعت سے تعبیر کرتا، حواریانِ مسیحؑ انجیل کی تبلیغ "غیر مختونوں" یعنی غیر بنی اسرائیل میں جائز نہیں سمجھتے تھے، پولوس نے غیر بنی اسرائیل اقوام میں اپنا کام شروع کیا اور اس دین کا نام "مسیحیت" رکھا، بقول فاضل "رینان" اس نام نے بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل میں بلحاظ مذہب ہمیشہ کے لیے تفریق پیدا کردی، ورنہ اس سے پیشتر یہودیوں اور حواریانِ مسیحؑ میں بلحاظ اصل مذہب کوئی اختلاف نہ تھا۔ نامسلمان ہم مسلمانوں کو اپنے حالات پر قیاس کرتے ہوئے "امتِ مسلمہ" کو "محمدی" اور "اسلام" کو "محمڈن ازم" سے تعبیر کرتے ہیں، ارشادِ الٰہی ہے کہ

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ (پ ۴)	محمد تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ایک رسول ہے اور اس سے پیشتر کئی رسول گذر چکے ہیں (اس لیے یہ کچھ انوکھا رسول نہیں) اگر یہ طبعی موت سے مرجائے یا مارا جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر اُلٹے پھر جاؤ گے؟ (یہ امر اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ) جو اپنی ایڑیوں پر اُلٹا پھریگا۔ وہ اللہ کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا، ہاں جو لوگ شکر گذار ہیں، اللہ اُن کو جزائے خیر دیگا۔

حضرات! اس آیت مبارکہ میں اسلام کی خصوصیت یہ واضح کی گئی ہے کہ یہ دین کسی شخصیت سے وابستہ نہیں [illegible] اور ان کے بعض [illegible] سے بالکل آزاد اور بے نیاز ہے، کائنات اور کائنات کی ہر ایک شے [illegible] ہے کہ قوانین الٰہیہ کے آگے سر تسلیم خم کردیں جو خدا یا کرتا۔ یہ اسلام ہے

ہر ایک شے کا دین فطرت ہے اور ہر ایک شے فطرۃً اسی مقصد کو پورا کر رہی ہے جس کے لیے وہ پیدا کی گئی ہے، یہی کیفیت تمام رسل اور انبیاء کی ہے، یہ ہستیاں محض وسائل تھیں ایک خاص مقصد کے حصول کے لیے، اس لیے جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو ذرائع منقطع ہو جاتے ہیں اس آیت سے "ختم نبوت" کا مفہوم بھی واضح ہوتا ہے، کہ اسلام کچھ محمدؐ کی شخصیت سے وابستہ نہیں کہ یہ نہ ہو تو یہ بھی نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ محمدؐ کی وفات کے بعد بھی وہ بالاستقلال قائم ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنے مذاہب کو زندہ رکھنے کے لیے لوگوں نے اپنے رسولوں اور نبیوں کو زندہ تصور کیا ہے، ورنہ کسی کی موت وحیات سے یہ بالکل بے نیاز ہے۔

حضرات! مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے مدعا کو ایک مثال سے واضح کروں، ہم سب جانتے ہیں کہ "جان کیپلر" جو ۱۶۳۰ء میں فوت ہوا اپنے زمانہ کے عام فہم سے بالاتر ذہن رکھتا تھا۔ علم ہیئت میں اس کی دریافت نے انقلاب عظیم پیدا کر دیا، اس نے چند قوانین دریافت کئے، یہ قوانین کچھ اس کی اپنی اختراع نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کو ذہن رسا دیا ہوا تھا اس نے ان کا مشاہدہ سیاروں کی منظم باقاعدہ رفتار میں کیا، کیپلر ابھی پیدا بھی نہ ہوا تھا یہ قوانین فطرت اپنا عمل کر رہے تھے، کیپلر کو مرے ہوئے عرصہ ہو چکا ہے اور یہ قوانین اپنا عمل ویسے ہی کر رہے ہیں جیسے صبح آفرینش سے کر رہے ہیں۔ کیپلر کی شخصیت سے بالکل بے نیاز ہیں، اب اگر کوئی ان کا انکار کرے تو قوانین فطرت کا کیا بگاڑ سکتا ہے اور جو ان کا اقرار کرتے ہیں وہ اپنے علم میں اضافہ کرتے ہیں، قوانین مخالف وموافق سے بالکل بے نیاز ہیں، یہی کیفیت اسلام کی ہے، کہ وہ شخصیتوں اور قوموں اور ملکوں سے بالکل بے نیاز ہے، جو اسے قبول کرتا ہے اپنے فائدہ کے لیے اور جو انکار کرتا ہے اپنے نقصان کے لیے،

آنحضرتؐ کی بعثت سے پیشتر ہی مذہبی دنیا میں فرقہ بندی اور تفرقہ پردازی سے عالم انسانی میں مغائرت اور منافرت کے جذبات مشتعل ہو رہے تھے، آنحضرتؐ نے اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا،

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا	اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات پر جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مسلّم ہے اتفاق کر لیں کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں

مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْہَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (۳/۶۴) اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا کسی اور شخصیت کو رب نہ بنائیں اور اگر انہیں یہ منظور نہ ہو تو انہیں کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو خالص مسلمان ہیں۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سوا کسی اور شخصیت سے وابستہ کرنا شرک کو دعوت دینا ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہو رہا ہے، اور اس پر بحث تحصیل حاصل ہے۔

حضرات! اب آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ اُمت مسلمہ کا مقصدِ اعلیٰ کیا ہے اور یہ کہ اُمت مسلمہ کا کیا مفہوم ہے؟

افسوس ہے کہ دلدادگان تفریق اُمت مسلمہ کو بھی ایسے ناموں سے تعبیر کر رہے ہیں جو اس کے مفہوم اور مقاصد سے بہت بعید بلکہ مخالف بھی ہیں، اُن میں سے بہترین نام "اہل القرآن" ہے اگرچہ یہ نام بالکل صحیح ہے لیکن چونکہ یہ نام ایک خاص فرقہ کا ہے جو مخالف اہل حدیث ہے اس لیے ان معنوں میں اس کا اطلاق اُمت مسلمہ پر صحیح نہیں ہے، اُمت مسلمہ کا تو یہ عقیدہ ہے کہ ہر ایک معقول بات خواہ وہ کسی رسول یا نبی سے منسوب نہ ہو قابل قبول ہے، ایسی باتوں کا انکار تمام علوم و فنون کا انکار ہے، اور ہر ایک ترقی کا انکار ہے۔ اُمت مسلمہ احادیث نبویہ کی منکر نہیں ہے بلکہ اسے کلام الملوک ملوک الکلام سمجھتی ہے، لیکن قرآن کے سوا کسی اور کلام کو حجت شرعی نہیں سمجھتی، اس موضوع پر کافی بحث ہو چکی ہے۔

حضرات! اُمت مسلمہ کا مقصد وہی کچھ ہے جو رسول کریمؐ کی بعثت کا ہے، جو قرآن حکیم کا ہے، اور یہ مقصد عالم انسانی میں عالمگیر اخوت اور اس کے ساتھ عالمگیر امن جس کا نتیجہ فلاح ہے، قائم کرنا ہے، یہ بہت بڑا کام ہے، ہر ایک کام ایک مرکز سے شروع ہوتا ہے جو ایک نظام عمل کا ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ کو پہلے ارشاد ہوا کہ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (۱۹/۱۴) (اپنے نزدیک کے ناتے والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا) اس کے بعد اُم القریٰ یعنی مکہ اور اس کے "حول" میں اور آخر کار کافۃ الناس میں تبلیغ کا ارشاد ہوا۔ اُمت مسلمہ نے اپنا کام سردست خود مسلمانوں کے اندر شروع کیا اور کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو فرقہ بندی اور اس لیے تفرقہ پردازی کی لعنت اور عذاب سے نجات ہو،

حضرات! یہ امر آپ سے پوشیدہ نہیں کہ اسلام کا تصادم جب ایک طرف قیصری حکومت سے جو مسیحیت کی نمائندہ تھی اور دوسری طرف کسریٰ کی شہنشاہیت سے جو مجوسیت کی نمائندہ تھی ہوا اور اس کے ساتھ جب مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں سے خود اہل عرب میں قبائلی چشمک شروع ہو گئی اور دعویداران خلافت بنو امیہ اور ہاشمیہ اور فاطمیہ ایک دوسرے کے خلاف میدان کارزار میں اتر آئے اس وقت احادیث لوگوں نے سیاسی اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے وضع کیں، اس میں کچھ شک نہیں کہ احادیث مدون ہوئیں اور ان کی اقسام ضعیف و وضعی وغیرہ کی بھی تشریح کی گئی لیکن یہ مجموعہ جیسا کچھ تھا ہمارے ہاتھوں میں آیا اور کسی شخص نے یہ جرأت نہ کی کہ اُن کی تدوین از سر نو اصول درایت و روایت کے رو سے کرے۔ حضرات اس مجموعہ نے جہاں مخالفین اسلام کو آنحضرتؐ اور قرآن حکیم پر حملہ کا موقعہ دیا اور اُن کی طرف سے دل آزار تصانیف شائع ہوئیں وہاں خود مسلمانوں میں فرقہ بندی کی بنیاد اس پر رکھی گئی۔ اس وقت تک جتنے فرقے مسلمانوں کے بن چکے ہیں سب کا انحصار احادیث پر ہے، اگر آپ میں اسلامی اخوت کا احساس ہے اور "لَا تَفَرَّقُوا" پر کاربند ہونا چاہتے ہیں تو چار و ناچار آپ کو اُمت مسلمہ کا ساتھ اس امر میں دینا پڑیگا کہ سوائے قرآن حکیم کوئی اور کلام حجت شرعی نہیں ہو سکتا، لیکن ہم رسول کریمؐ کا کلام مبارک نظر انداز کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ تحقیق کے بعد آنحضرتؐ کا کلام جو احادیث صحیحہ سے موسوم ہو سکتا ہے علیحدہ شائع کیا جائے، لیکن بہرحال یہ کلام خواہ کیسا ہی اعلیٰ پایہ کا ہو کلام بشری ہوگا، کلام اللہ جو ہمیں رسول کریم کے واسطہ سے ملا، وہ اور صرف وہی حجت شرعی ہوگا اور ہونا چاہیے۔

حضرات! اگر آپ مسلمانوں کو اس آگ کے گڑھے سے بچانا چاہتے ہیں جس کے کناروں پر وہ فرقہ بندی اور تفرقہ کے سبب پہنچ چکے ہیں تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ صرف "حبل اللّٰہ" کو بالاتفاق اور مضبوطی سے پکڑے رہیں، اور اس "نعمت" کو یاد کریں جس نے صدر اسلام کے مسلمانوں کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی تھی، وہ اس سے پیشتر ایک دوسرے کے مخالف تھے، مگر اس نعمت اسلام کی برکت سے جو قرآن عظیم کے نزول کے ساتھ نازل ہوئی وہ ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔

حضرات! اُمت مسلمہ کا مطالبہ مسلمانوں سے صرف یہی ہے کہ اے مسلمانو آؤ ایک بات

پر جو ہم سب میں مسلّم ہے اتفاق کریں کہ اللہ ہی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی شخصیت کو شریک نہ بنائیں گے اور کسی شخصیت کو اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ نہ بنائیں گے، اور اگر یہ منظور نہ ہو تو گواہ رہو کہ ہم تو محض مسلمان ہیں۔

معاف فرمائیں، آپ خیال کرتے ہونگے کہ میں اپنے موضوع سے دُور جا رہا ہوں، شاید ایسا ہی ہو، لیکن جو بات میرے دل میں ہے اور جسے میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ چکی ہے، لیکن ان میں تفرقہ فرقہ بندی کے سبب اس حد تک ہو چکا ہے اور یہ خلیج تفرقہ روز بروز اس قدر وسیع اور وسیع تر ہو رہی ہے کہ اگر یہی حال رہا تو نتیجہ واضح ہے، اور مشاہدہ ہو رہا ہے، یہ تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ "حبل اللہ" کو بالاتفاق ہاتھ سے نہ جانے دے اور "لاتفرقوا" پر کاربند ہو، اس لیے اُمتِ مُسلمہ کا فرض ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کا خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں تعاون ان اُمور میں حاصل کرے جو مسلمانوں کے مسلمات سے ہیں اور جن میں کچھ اختلاف نہیں، جب اہل کتاب نے آنحضرتؐ سے مجادلہ شروع کیا تو اُن کو کہا گیا کہ تم ہم سے کس بات پر جھگڑتے ہو تمہارا اور ہمارا اللہ ایک ہے، تمہارے رسولوں اور انبیا اور کتاب پر ہم ایمان رکھتے ہیں، یہ جھگڑنے کی کونسی بات ہے؟ کیا تم اس بات پر جھگڑتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر دنیا جہان کی بہبودی اور ترقی کے لیے وحی نازل فرمائی ہے؛ کہ عالم انسانی میں اتفاق اور اتحاد ہو؟ تو یہ کیا کچھ جھگڑنے کی بات ہے، تم اس سے فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتے نہ سہی، جو لوگ فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں تم اُنھیں کیوں بزور روکتے ہو، ہمارا جھگڑا ہمارے اپنے بھائیوں سے کچھ بھی نہیں، ہم صرف بچھڑے ہوؤں کو ملانا چاہتے ہیں، جو ملنا چاہیں وہ بلا جبر و اکراہ مل سکتے ہیں اور جو نہ ملنا چاہیں ان کا اختیار ہے، اس میں جھگڑنے کی کونسی بات ہے؟ ہم مسلمانوں کے تمام فرقوں کو جن اُمور پر اتفاق کی دعوت دیتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ اللہ سب کا ایک ہے، رسول کریمؐ ہم سب کا ایک ہے اور خاتم النبیین ہے، قرآن ہم سب کی ایک ہی کتاب ہے، قبلہ و کعبہ ہم سب کا ایک ہے، صوم و صلوٰۃ و حج و زکوٰۃ بھی ہم سب کی ایک ہے، صوم و صلوٰۃ کی صورتوں میں خفیف اختلاف ایسا نہیں کہ اس پر جھگڑا اور فساد برپا کیا جائے، "دو عاقل را نباشد کین و پیکار"

بعض اختلافی مسائل بھی ہیں، لیکن وہ کچھ اصول و ارکان اسلام پر موثر نہیں ہوتے

اس لیے ان میں جھگڑنے کی بات مجھے تو کوئی نظر نہیں آتی، اور اگر ان پر احسن طریقہ سے بحث مطلوب ہو اور تحقیق مدنظر ہو تو چشم ما روشن دل ما شاد،

ایک دفعہ علماء یہود نے حضرت مسیحؑ سے کہا کہ تیرے شاگرد سبت کا واجب احترام نہیں کرتے اور کھانا کھانے سے پیشتر ہاتھ نہیں دھوتے، یہ اور اسی قسم کے اعتراض وہ ہمیشہ کرتے رہے، آنحضرت نے جواب دیا کہ اصل اصول دین کو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے اور بحث ایسے اُمور میں کرتے ہو جن کا زیادہ تر تعلق معاشرت وغیرہ سے ہے، سبت کے احترام کے یہ معنی نہیں کہ نیکی کا کوئی بھی کام اس روز نہ کیا جائے، یہی حال ہمارے بھائیوں کا ہے، قرآن کا ارشاد تو یہ ہے کہ ہر ایک اہل مذہب نے شرق و غرب یا اور سمتوں کو مُنہ کرنا ہی اصل دین سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ سب سمتیں اللہ ہی کی ہیں، تم مسلمانو ان جھگڑوں میں نہ پڑو فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ " تم نیکیوں میں سبقت کرو، اُمت مسلمہ قرآن اور صرف قرآن کو حجت شرعی سمجھتی ہے، احادیث نبویہ کی منکر نہیں ہے۔ لیکن انہیں قرآن کی طرح حجت شرعی نہیں سمجھتی، اگر یہ حجت ہوں تو مسلمانوں کا خدا حافظ، کوئی مسلمان اُن کے فتوے کفر سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اُمت مسلمہ سے یہ سوال ہوتا ہے کہ بتاؤ زکوٰۃ کا قرآن میں مذکور ہوتا ہے مگر اس کا طریق ادائگی کیا ہے؟ نصاب زکوٰۃ کیا ہر سال واجب ہے یا عمر میں صرف ایک مرتبہ، یہ اور اسی قسم کے سوالات اعتراضات کی صورت میں کئے جاتے ہیں، ان بھلے آدمیوں کو ہم وہی کچھ جواب دیں گے جو سیدنا عیسٰیؑ نے علماء یہود کو دیا تھا۔

میں بار بار اس موضوع پر لکھ چکا ہوں کہ قرآن عظیم کتاب احکام نہیں ہے جیسا کہ توریت ہے۔ کتاب امثال نہیں جیسا کہ انجیل ہے، کتاب قصص نہیں جیسا کہ صحف انبیاء ہیں، قرآن مجید جامع ومانع کتاب اصول ہے، لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اس میں احکام اور امثال، اور قصص بھی ہیں جو محض اصول کی تشریح کرتے ہیں۔ اصول، احکام و امثال و قصص واضح فرماتے ہوئے قرآن عظیم ہدایت فرماتا ہے کہ ہم اپنی عقول سے بھی کچھ انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں کام لیں، اور جو قوم عقل سے کام نہیں لیتی ان پر رجس ڈالی جاتی ہے احکام کا وضع کرنا ہمارا کام ہے، احکام حالات کے تحت ہوتے ہیں اور حالات ہمیشہ بدلتے ہیں اور بیشمار ہیں اس لیے کوئی کتاب جامع ومانع کتاب احکام نہیں ہو سکتی، اگر قرآن کتاب احکام ہوتا تو لازماً ہر ایک زمانہ

میں جس کے حالات ذہنی و خارجی آنحضرتؐ کے زمانہ سے مختلف ہیں بدلتا اور ہمیں کسی اور رسول اور نبی کا انتظار رہتا، آنحضرتؐ اسی لیے خاتم النبیین ہیں کہ اب ہم انسانی ارتقاء کے ایسے مرحلہ پر پہنچ چکے ہیں کہ حالات کے تحت احکام ہم خود وضع کر سکتے ہیں، میں حضرات اہلسنت والجماعت سے پوچھتا ہوں کہ فرقہ اہلحدیث تو پھر بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرتؐ پر قرآن نازل ہوا اور آنحضرتؐ کا مذکور قرآن میں ہے اور آنحضرتؐ کا اتباع بحیثیت رسول واجب ہے، لیکن وہ کونسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی ہے جس میں حضرات بوحنیفہؒ و شافعیؒ و احمدؒ و حنبلؒ کا مذکور ہے، کہ ہم پر ان کا اتباع واجب ہو؟ آپ غلط فہمی پیدا نہ کریں، میں تمام بزرگان دین کا واجب احترام کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اُن کی سعی مشکور فرمائے، بات یہ ہے کہ ان بزرگوں کو قرآن کا فہم حاصل تھا اور وہ ان اصول کے تحت جو قرآن میں مذکور ہیں اپنے زمانہ کے ذہنی اور خارجی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اجتہاد کرتے اور احکام وضع کرتے، مسلمانوں کا ذہنی جمود اب اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ وہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ حالات امام بوحنیفہؒ کے زمانہ سے اب کس قدر مختلف ہیں، میں ابوالفضل وزیر اعظم شہنشاہ اکبر کی روشن دماغی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، کہ وہ لکھتا ہے کہ "گر بوحنیفہ در زمانِ ما بودے فقہ دیگرے نوشتے"۔ حالات کے ساتھ زمانہ بدل رہا ہے مگر آپ نہیں بدلتے۔ یہی کیفیت احادیث کی ہے، رسول کریمؐ پہلے مجتہد تھے، جیسے جیسے حالات اور واقعات پیش آئے آنحضرتؐ نے اجتہاد فرمایا اور یہی ہدایت اولی الامر کو دی۔ قرآن جامع و مانع کتاب اصول ہے اور اصول ہرگز ہرگز نہیں بدلتے، اس لیے قرآن محفوظ اور ابدی کتاب ہے۔ زکوٰۃ کا تعین حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ میں کیا تھا، جس پر حضرت ابوذر غفاریؓ نے اعتراض جا دیا تھا اور یہ کہتے ہوئے مجلس شوریٰ سے اُٹھ کر چلے گئے کہ ان لوگوں پر عذاب الٰہی نازل ہونے والا ہے، کیونکہ قرآن میں تو نہ کوئی تعین ہے اور نہ خیرات کی حد، اور خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے عمر لوگ جب ایک حصہ مال کا زکوٰۃ دیں گے تو باقی اپنے نفس کے لیے جمع رکھیں گے، وہ وقت بھی آجائیگا کہ یہ سود خوار بن جائیں گے، حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ کا بھی حالات کے تحت اجتہاد ہی تھا اور ابوذر غفاریؓ کا اعتراض بھی رقیع ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مسلمان اسی تعین زکوٰۃ کو فرض سمجھیں اور ضرورت کے وقت جیسا کہ ابتدا میں لاحق ہوئی اپنے جان و مال سے دریغ کریں اور بحالات امن روپیہ بڑھانے کے لیے سود پر بھی اُتر آئیں، یہ سب اجتہاد اور احکام خواہ وہ آنحضرتؐ یا خلفائے راشدینؓ یا ائمہ دینؒ سے منسوب ہوں، وقتی حالات کے تحت تھے اور وقتی تھے، اس میں کچھ شک نہیں کہ زکوٰۃ کا حکم قرآن مجید

میں ہے، یہ اصولی فرض ہے، طریق ادائگی اور نصاب وغیرہ ہم کر سکتے ہیں، جیسے جیسے حالات رونما ہوں ویسے احکام بھی ہوں گے، یہی کیفیت صلوٰۃ کی ہے۔ اس کی بھی مختلف صورتیں ہیں امن میں اس کی اور صورت ہے، خوف میں کچھ اور، بحالات سواری کچھ اور، قرآن میں ہیولاً اس کی تشریح بھی ہے، میں نے "پنجاب کے سب سے بڑے عالم" کو جن کا انتقال ہو چکا ہے بیماری اور ضعف پیری کے ماتحت چارپائی پر چت لیٹے ہوئے محض انگلی کے اشارہ سے نماز پڑھتے دیکھا ہے احادیث کے عامل حضرات شیعہ بھی ہیں اُن کی نماز کی صورت احناف سے مختلف ہے۔

کیا ستم ظریفی ہے کہ تمام مسلمان یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ قرآن کی آیات بینات مفصل ہیں ہم سے پوچھتے ہیں کہ "قرآن میں نماز کی ترتیب وتفصیل اور تعداد جس طرح تمام مسلمان پڑھتے ہیں کہاں ہیں؟ مجھے معلوم نہیں کہ اس کا جواب اُمت مسلمہ کے ارکان کیا دیں گے، لیکن میرے پاس تو مختصر اور سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ یہ تو آپ کے مسلمات میں سے ہے کہ قرآن کی آیات مفصل ہیں۔ اس لیے بار جواب تو آپ پر ہے کہ آپ جو نماز جس ترتیب اور تفصیل اور تعداد سے پڑھتے ہیں قرآن کی کس آیت میں ہے؟ اگر نہیں ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکلف نہیں کہ آپ کی ترتیب دادہ وتفصیل کردہ اور تعداد مقررہ پر نماز پڑھوں' اگر آپ یہ کہیں کہ قرآن میں تو نہیں لیکن تعامل سے ثابت شدہ ہے کہ اس ترتیب اور تفصیل اور تعداد سے آنحضرتؐ پڑھا کرتے تھے، اوّل تو یہ امر ثابت شدہ نہیں، ثابت شدہ یہ امر ہے کہ مختلف حالات میں مختلف صورتوں میں نماز ادا کی گئی اور اس کی شہادت قرآن سے ملتی ہے، دوسرے آپ پہلے ان سے نپٹ لیں جو آپ کی طرح احادیث کو حجت شرعی مانتے ہیں لیکن آپ کی ترتیب اور تفصیل اور تعداد سے کچھ مختلف بھی پڑھتے ہیں، پہلے آپ آمین بالجہر اور رفع یدین کی فتنہ انگیز بحث کو ختم کر لیں پھر اُمت مسلمہ سے بھی اُلجھ سکتے ہیں، تیسرے اگر یہ ثابت شدہ ہو تو میں کیوں نہ اسی ترتیب وتفصیل وتعداد سے پڑھوں جس طرح آپ پڑھتے ہیں؟ اس میں قباحت ہی کیا ہے؟ لیکن اس پر بھی میں اسے حجت شرعی نہیں سمجھوں گا، یہ آپ کے لیے حجت ہو لیکن مسلمانوں کے لیے ہو دیگر فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں کوئی حجت نہیں، اُن کی مخصوص نماز مختلف صورتوں کی ہے گو وہ بھی اسے حجت شرعی سمجھتے ہوں، احسن بات خواہ آپ سے ملے یا کسی اور سے ہمیں قبول کرنی چاہیے، لیکن حجت شرعی کا مفہوم کچھ اور ہے۔

رسول کریم پر ہی کچھ موقوف نہیں، تمام احکام انتظامیہ جو صاحبان حکومت اور اختیار کی طرف سے صادر ہوں واجب التعمیل ہیں بشرطیکہ ان اصول کے تحت ہوں جن کی جامع و مانع کتاب قرآن عظیم ہے، اس وقت یہ مذہبی فرض ہوگا کیونکہ اللہ اور اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت معروف فرض ہے۔

آدم کے دو بیٹوں میں کچھ تنازع ہوا، ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ اب حیران تھا کہ لاش کو کیا کروں؟ ایک کوا دوسرے مردہ کوا کو دفن کرنے کے لیے چونچ اور پنجوں سے زمین اکھاڑ رہا تھا اور آخر اس نے مردہ کوا کو دفن کر دیا، قاتل نے کہا کہ میں کتنا بیوقوف ہوں کہ ایک پرندہ کی بھی سمجھ نہیں رکھتا، اب اگر ہم سے کوئی یہ سوال کرے کہ قرآن سے ہمیں بتاؤ کہ میت کی تجہیز و تکفین کس طرح کرنی چاہیے اور کیا کیا رسوم ادا کرنی چاہئیں کیونکہ ان کے بغیر اگر میت اہل جنت سے بھی ہو سیدھا جہنم میں جائیگا تو فرمائیے کہ کیا جواب دیا جائے، دُور سے سلام ہی بہتر ہے۔

قرآن عظیم نے اصول حلال و حرام واضح فرما دیے ہیں کہ پاکیزہ چیزیں حلال ہیں اور گندی چیزیں حرام ہیں، جن اشیاء پر رجس اور فسق کا اطلاق ہو وہ حرام ہیں جو خوشگوار ہوں اور مضر صحت نہ ہوں حلال ہیں، اور بعض اشیاء کی حرمت کا بھی مذکور ہے، ان اصول کے تحت یہ آپ کا کام ہے کہ حلال و حرام میں تمیز کرنا سیکھیں، قرآن تو کتاب اصول ہے، احادیث بھی ان اشیاء کے حرام و حلال کا فتوےٰ دینے سے قاصر ہیں جو روئے زمین پر بحر و بر میں ملتی ہیں اور جن کی فہرست ہی اگر مرتب کی جائے ہزار ہا سالوں میں بھی ختم نہ ہو۔

حج ضرور فرض ہے، لیکن صرف اُن پر جو استطاعت رکھتے ہیں جیسا کہ زکوٰۃ اگر کسی شخص میں استطاعت ہے کہ ہر سال حج کر سکے تو سبحان اللہ اور اگر ایک ہی دفعہ حج کی استطاعت رکھتا ہے تو ایک دفعہ ہی سہی، اور اگر بالکل استطاعت نہیں تو حج فرض نہیں، یہی کیفیت روزوں کی ہے جس کی تفصیل قرآن میں موجود ہے۔

نکاح کے متعلق نظریہ یہ ہے کہ نکاح کی دو صورتیں ہیں، ایک عند اللہ اور دوسرا عند الناس اگر زن و مرد باہم رضامند ہوں کہ وہ قید نکاح میں رہیں گے اور اس کے لیے گواہ اور شاہد سوائے ان کے اور اللہ تعالےٰ کے نہ ہو تو یہ نکاح صحیح ہے، یعنی عند اللہ صحیح کہ وہی اس کا شاہد ہے۔

فرض کرو کہ ایسے مقام پر ایک مرد اور ایک عورت کی ملاقات ہو جاتی ہے جہاں نہ کوئی قاضی ہے اور نہ کوئی شاہد تو ایسی حالت میں یہی کچھ ممکن ہے۔

نکاح کا تعلق چونکہ معاشرت سے ہے اور زن و مرد کے حقوق زوجیت ان سے وابستہ ہیں اسلیے اگر کسی وقت مرد یا عورت نکاح سے انکار کر دے جس کا شاہد صرف اللہ تعالےٰ ہی ہو تو عبداللہ تو نکاح صحیح ہے لیکن عندالناس صحیح نہ ہوگا' اور زن و مرد کو ان حقوق سے جو نکاح کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں دستبردار ہونا پڑیگا۔ لیکن جو فریق راستی پر نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ضرور آئیگا۔ رہا یہ امر کہ مروجہ طریق نکاح کی تشریح قرآن میں نہیں، قرآن فضول باتوں میں نہیں پڑتا' نکاح کا دستور قدیم الایام سے ہر ایک قوم میں چلا آتا ہے اور یہ لفظ اپنے معنی آپ واضح کر رہا ہے، کیونکہ ہر ایک کو اس کا فہم ہے، لیکن اس پر بھی اگر سورہ نساء اور دیگر آیات کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو گا کہ زن و مرد کے تعلقات اور حقوق زوجیت کی بخوبی تشریح کی گئی ہے اور ان کی حفاظت پر زور دیا گیا ہے، اس لیے بعض امور کا مذکور نہ ہو جو بعض حقوق کی محافظت کے متعلق ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ وہ تو پہلے ہی دستور بن چکے تھے اور کفار اور مشرکین بھی ان پر عمل کرتے تھے اور "امر معروف" تھے۔

اس قبیل کے سوالات کی بہر مار تو ہو سکتی ہے لیکن میں اُمت مسلمہ کے ارکان کی خدمت میں یہ مشورہ دونگا کہ آپ اگر اس قسم کی بے معنی بحث میں اُلجھے تو اصل مطلب فوت ہو جائیگا۔ اس لیے آپ اپنے کام سے کام رکھیں، اللہ بہتر جانتا ہے کہ ہدایت یافتہ کون ہیں۔ وقت تھوڑا ہے اور اوقات عزیز ایسی باتوں میں ضائع نہ کرنے چاہئیں، ہاں اگر اعتراض وقیع ہو تو اس پر غور کریں اور حق کو قبول کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ رہیں۔

بایں ہمہ اُمت مسلمہ حفظ مراتب کرتے ہوئے احادیث اور اقوال ائمۂ دین کا واجب احترام کرتی ہے لیکن اُنھیں حجت شرعی نہ سمجھنے میں حق بجانب ہے۔ ہمارے اپنے عہد و زمانہ کی ایک مشہور ہستی کا دعوےٰ تھا کہ جو کچھ قرآنی آیات کی تفسیر وہ کریں وہ حجت ہے، احادیث میں سے جس کو صحیح قرار دیدیں وہی صحیح ہے خواہ ضعیف ہو، کہیئے جب تو وہ ارشاد تواتر کا درجہ رکھیگا۔ اُن کے جانشین کا بھی یہی دعوےٰ ہے کہ اُن کے ارشادات و اقوال کو بلاچون وچرا تسلیم نہ کرنا کفر کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ نتیجہ واضح ہے۔

حضرات! مجھے معلوم ہے کہ فرقہ بند حضرات جو مسلمان کہلاتے ہوئے اپنے لیے امتیازی نام تجویز

کہتے ہیں اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں میں تفریق کی طرح ڈالنا اچھا نہیں لیکن اس پر بھی اپنے اعمال کی زینت پر فریفتہ ہیں اور ہمیں قائل و معقول کرنے کے لیے یا یہ کہو کہ اہل بصیرت کی آنکھوں میں خاک دھول ڈالنے کے لیے منطقی دلائل بھی پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسی تحریک کو امتیازی نام دینے میں کچھ قباحت نہیں ؎

عقل ہر چند جز فضائل نیست　　　جہل ہم خالی از دلائل نیست

خبث نفس ایسی ہزاروں دلیلیں وضع کرسکتا ہے، لیکن اہل بصیرت مشاہدہ کررہے ہیں کہ امتیازی خود ساختہ ناموں نے جو کچھ مسلمانوں میں طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا ہے وہ ایک حقیقت ہے جسے منطقی دلائل رفع نہیں کرسکتیں۔

اس مختصر تشریح کے بعد آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ "اُمت مسلمہ" وہی اُمت ہے جس کی نسبت ارشاد الٰہی ہے کہ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

اور مسلمانوں کے لیے بہت بہتر یہی ہے اور یہی شان مسلمانی ہے کہ وہ فرقہ بندی اور تفرقہ پردازی سے باز آئیں ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ ذلت اور مسکنت میں آگئے ہیں، اور اُمت مسلمہ کو مخاطب کرتے ہوئے نہایت دل آزار باتیں کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالٰے کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھکر وعدہ کا اور کون سچا ہوسکتا ہے کہ اُمت مسلمہ کے مقابلہ میں جس کے پاس حبل اللہ قرآن عظیم کی دستاویز ہے وہ ہرگز ہرگز نہیں ٹھہر سکتے۔

اُمت مسلمہ کا مقصد وہی ہے جو آنحضرتؐ اور آنحضرت کے اصحاب کا تھا، لیکن سب سے پہلے ہمیں اپنے گھر کے خرخشوں کو مٹانا ہے، جب کثرت سے مسلمان اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیں گے تو ہم نامسلمانوں کو بھی مخاطب کریں گے کہ عالم انسانی میں عالمگیر اخوت کے ساتھ عالمگیر امن قائم کرو جو توحید اور صرف توحید کے تحت ہی ممکن ہے، یہ تحریک کچھ نئی تحریک نہیں ہے، الحمد للہ کہ اب اہل علم مسلمانوں کی توجہ اس طرف مبذول ہو رہی ہے اور اللہ تعالٰے کی رحمت سے ہمیں یقین ہے کہ وہ دن دور نہیں کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہوئے فلاح دارین حاصل کریں گے ؛

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔

جو کچھ اس وقت تک ارکان اُمت مسلمہ نے کیا ہے وہ کچھ ایسا نہیں کہ جس پر وہ کچھ فخر

کریں، لیکن اس تھوڑے عرصہ میں بیشمار مشکلات اور مخالفت کے ہوتے ہوئے جو کچھ بھی ہوا ہے وہ بہت کچھ حوصلہ افزا ہے، بہرحال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔

خواجہ احمدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدا میں کام اس طرح شروع کیا کہ قرآن حکیم کا درس دیتے تھے اور حلقہ درس میں گنتی کے آدمی شامل ہوتے تھے، یہ حلقہ وسیع ہوتا گیا۔ اس کے بعد ضرورت اس امر کی لاحق ہوئی کہ قرآن عظیم کا ارشاد غائب و حاضر کے کانوں تک پہنچانا اُمت مسلمہ کا فرض اولین ہے۔" بلاغ "ایک ماہوار رسالہ منصۂ شہود میں آیا، باوجود مالی مشکلات کارکنان نے ہمت نہ ہاری اور" بلاغ " اپنا کام کر رہا ہے، حضرات ضرورت ہے کہ اس کی اشاعت وسیع اور وسیع تر ہو تاکہ اپنے اخراجات کا متحمل یہ خود ہو سکے، اگر آپ اس کے مقاصد واغراض سے ہمدردی کا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہیں تو اس کار خیر میں شامل ہوں جس میں پہلے ہی کافی تاخیر ہو چکی ہے۔

دوسرا ذریعہ اس مقصد کو حاصل کرنے کا قرآن عظیم کی تفسیر تھی، جس کا بار خواجہ صاحب مرحوم کے کندھوں پر اس وقت ڈالا گیا جبکہ وہ اپنی عمر کا آخری مرحلہ بسرعت تمام طے کر رہے تھے، چونکہ قرآن عظیم خود اپنا آپ مفسر ہے اس لیے اس تفسیر میں اتنا ہی کام کیا گیا ہے کہ قرآنی آیات سے ہر ایک آیت کی تفسیر کی گئی ہے اور کچھ شک نہیں کہ زمانہ حال کی بہترین تفسیر ہے، لیکن اس پر بھی میری اپنی ذاتی رائے ہے کہ قرآن عظیم کی وہ تفسیر جس کے لیے ایک دنیا بیتاب ہے ابھی نہیں لکھی گئی،" بلاغ "سے توقع ہے کہ وہ اس اہم کام کو بھی پورا کریگا، یہ تفسیر محض اُن لوگوں کی ہدایت کے لیے ہوگی جو علوم جدیدہ کی روشنی میں خیرگی محسوس کرتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن عظیم خود مفسر ہے اور ہر ایک بشری تفسیر سے بالکل بے نیاز ہے، اس کی عبارت ایسی سادہ اور عام فہم ہے کہ ہر ایک شخص جو محض علم کا نہیں بلکہ عمل صالح کا دلدادہ ہے اس سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے جو کسی رازی اور غزالی کو بھی نصیب نہ ہوئی، آنحضرتؐ خود اُمی تھے آنحضرتؐ کے اصحابؓ کسی یونیورسٹی کے طالب علم نہ تھے۔ سیدھے سادھے مسلمان باعمل تھے،

نگارِ من کہ بمکتب نہ رفت و خط ننوشت　　　بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

اگر ہم مسلمان بننا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے قرآن کفایت کرتا ہے اور اس کی ہدایت کے مطابق ہمیں عمل میں سعی کرنی چاہیے اور بس، جو قوم قعر پستی کی طرف جا رہی ہو اس میں شاعری کی روح بیدار کر جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مفسرین وہ وہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں اور سامعین بھی اُن کی وہ

دیتے ہیں کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ حضرات! قرآن عظیم رسول کریمؐ کا "حال" ہے، صحابہ کرامؓ کا "حال" ہے۔ آپ بھی اپنا "حال" بنائیں، قال را بگذار و مردِ حال شو۔ سچ کہا ہے ایک رازدارِ دین نے کہ

پائے استدلالیاں چوبیں بود   پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود
گر باستدلال کارِ دیں بُدے   فخر رازی رازدارِ دیں بُدے

تیسرا کام تعمیری یہ ہے کہ ارکان اُمت مسلمہ نے کچھ اراضی خرید کی ہے جہاں آپ اسوقت تشریف رکھتے ہیں، یہ بھی ضروریات میں سے ایک ضرورت ہے، اگرچہ یہ قطعہ اراضی اُن کے بلند اور وسیع حوصلہ کے مناسب نہیں لیکن اللہ تعالےٰ ان کی سعی مشکور فرمائے کہ یہ بھی مالی مشکلات کے ہوتے ہوئے اہم کام ہے جو سرانجام ہو رہا ہے۔

اس عمارت میں کتب خانہ کے علاوہ "مدرسۃ العمیان" بھی ہے اور غالباً تمام ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا مدرسہ ہے، اس کی ضرورت کا احساس ہر ایک مسلمان میں ہے، لیکن یہ کام ابھی ابتدائی مرحلہ کا پہلا قدم ہے اور اس کی تکمیل آپ کی ہمت مردانہ کو دعوت دے رہی ہے اہل بصیرت سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ یہی طالب علم جب اس مدرسہ سے فارغ التحصیل ہو کر نکلیں گے تو نہ صرف اپنی روزی آپ کمانے کے لائق ہونگے بلکہ بہترین مبلغ ہوں گے۔

حضرات! میں پھر ایک دفعہ ارکان اُمت مسلمہ کی طرف سے آپ کا خیر مقدم اور تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ کی توجہ اس مقصد کی طرف مبذول کرتا ہوں جو اُمت مسلمہ کے مدنظر ہے۔ آپ سعی فرمائیں کہ ایسی ہی انجمن آپ کے ہاں بھی قائم ہو جائے اور اس کو اس مرکزی انجمن سے وابستہ کریں۔ اگر اُمت مسلمہ کی شاخیں ہر ایک شہر میں پھیل جائیں تو اس کام میں کامیابی یقینی ہے۔

تفسیر سورۂ اخلاص

(از جناب حافظ سردار احمد صاحب معلم مدرسۃ القرآن اُمت مسلمہ امرتسر)

سورہ اخلاص سے پہلی سورت میں ابولہب اور اسکی بیوی کا ذکر آیا ہے کہ وہ دونوں عذاب دوزخ کے مستحق ہیں اس موقعہ پر بعض لوگوں کے دل میں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوا کہ عذاب الٰہی سے نجات حاصل کرنے کی راہ کونسی ہے؟ رسول اللہ صلعم کو ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو اصلاح عقائد کی طرف متوجہ کیجئے۔ چنانچہ سورہ اخلاص میں عقائد کی درستگی اور اصلاح ہی کی تعلیم دی گئی ہے۔

اس سورت کو اخلاص اسلیے کہتے ہیں کہ اس سے دلوں کے شرک و کفر کی آلودگی دُور ہوتی ہے اور اس کے بجائے سچی، اور خالص توحید کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

قرآن مجید تین مقاصد پر مشتمل ہے، اس کا پہلا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں توحید کا قیام ہو، دوسرا مقصد یہ ہے کہ انسان کتب و رسل اور ملائکہ کے ذریعے، قرب الٰہی حاصل کرے اور تیسرا مقصد یہ ہے کہ وہ اُخروی نجات و سعادت سے بہرہ مند ہو سورہ اخلاص سب سے اشرف اور ممتاز مقصد یعنی توحید کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اسی لیے احادیث میں آیا ہے کہ یہ سورت ثلث قرآن ہے یعنی قرآن کے ایک تہائی مقاصد پر حاوی ہے۔ جو شخص اسے ایک مرتبہ پڑھے اُسے ایک تہائی قرآن کا ثواب حاصل ہوگا۔

قُل کے لفظ سے ظاہر ہے کہ کفار نے رسول اللہ صلعم سے سوال کیا، آپ ہمارے خداؤں کے متعلق ہمیشہ یہی فرماتے رہتے ہیں کہ یہ پتھر کے ٹکڑے خدا بننے کے اہل نہیں ہوسکتے، یہ نفع و نقصان کی طاقتوں سے محروم ہیں، بے بس، کمزور اور عاجز ہیں۔ آپ فرمائیں کہ آپ کے خدا کی کیا صفات ہیں؟ وہ کس طرح پیدا ہوا؟ اس کی اولاد کیا ہے، اور اس کی کیفیت کیا ہے؟ جواب ملتا ہے هُوَ اللّٰهُ یعنی وہ خدا جس کے متعلق تم پوچھتے ہو، جامع صفات کا حامل ہے۔ اَللّٰهُ کے معنی ہیں تمام کمالات کا مالک۔ دنیا کی تمام خوبیاں سمیع و بصیر، علم و حکمت وغیرہ اُسی ایک ذات کے صفات ہیں۔ اَحَدٌ یعنی بے مثل و یکتا ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں، اس کا کوئی جزو نہیں، جس کے بغیر اس کی اکملیت متصور نہ ہوسکے، جیسے انسان کے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں وغیرہ۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ واحد کے بعد تو ثانی ثالث وغیرہ کے اعداد شمار ہوسکتے ہیں، مگر اَحَدٌ کے بعد کوئی عدد نہیں، یعنی اَللّٰهُ جزوی اور عددی شرکتوں سے بھی پاک ہے۔ وہ اَلصَّمَدُ یعنی بے نیاز ہے۔ تمام مخلوقات عالم اُس کی نیاز مند اور محتاج ہے، مگر وہ خود کسی کا محتاج، اور نیاز مند نہیں۔ اَلصَّمَدْ کے لغوی معنی ہیں ٹھوس چیز۔ مکہ معظمہ کے

قریش کے نزدیک خدا کی اولاد مسلّم تھی، یہودی عزیرؑ کو اور عیسائی مسیحؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے، الصَّمَدُ کا لفظ ان ہی کے جواب میں آیا ہے، یعنی ایسی ذات جو اپنی خصوصیت کے لحاظ سے مکمل اور ٹھوس ہو، جسے نہ اولاد کی احتیاج ہو اور نہ خوراک کی۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کے متعلق آیا ہے کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامَ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے، پھر ارشاد ہوتا ہے اُنْظُرْ! اے مخاطب، دیکھ کَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ، ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ، ہم اپنی نشانیوں کو کس طرح واضح کرتے ہیں، یہ لوگ کہاں بہکائے جارہے ہیں؟ کیا وہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جو شخص کھانے پینے اور حوائج بشریہ کا محتاج ہو، وہ خدا کیونکر ہوسکتا ہے؟ چنانچہ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہوتا ہے کہ اے ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود پکڑو۔ حضرت عیسیٰ عاجزی سے جواب دیتے ہیں، اے خدا! تو شرک سے پاک ہے، میرے لیے لائق نہیں کہ میں ایسا حکم دوں۔

اس سورت میں ذات خداوندی کے خواص سے دو چیزیں مذکور ہیں یعنی احدیت و صمدیت، باقی تمام صفات ان پر متفرع ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے لَمْ یَلِدْ، اس نے کسی کو نہیں جنا، کیونکہ اگر وہ کسی کو جنے، تو وہ اس کا شارک ہوجائیگا اور یہی مولود نہیں اس کی ذات سے مستغنی کردیگا۔ لہٰذا وہ صمد نہ رہا۔ لَمْ یُوْلَدْ، وہ جنا نہیں گیا، اور اگر جنا جائے، تو وہ خود اپنے جننے والے کا محتاج ہوجائیگا، لہٰذا پھر بھی صمد نہ رہا۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ، چونکہ وہ احد ہے، اس لیے اس کا کوئی ہمسر نہیں ہوسکتا اور اگر اس کا ہمسر موجود ہو، تو دونوں ایک چیز میں مشترک ہوجائینگے، پس وہ اَحَدٌ نہ رہا، علماء کہتے ہیں، شرکت کبھی عددی ہوتی ہے، اس کو اَحَدٌ کے لفظ سے نفی کیا اور کبھی بہ لحاظ مرتبہ ہوتی ہے، اس کو صمد سے نفی کیا، کبھی بہ لحاظ نسب ہوتی ہے، اسے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ سے نفی کیا، اور کبھی بہ لحاظ فعل کے ہوتی ہے، اسے لَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ سے نفی کیا۔

کفو کے معنی ہیں شریک مرتبہ و منزلت۔ اسی سے ہے مکافات یعنی مساوات اور مقابلہ فعل میں مقصد یہ ہے، خدا کا کوئی بدل نہیں، دنیوی رشتوں میں ہر چیز کا عوض اور بدل مل سکتا ہے مگر خدا کا کوئی بدل نہیں مل سکتا۔ اس کا کوئی مساوی و شریک نہیں، اس کا کوئی ضد نہیں جیسے قدیم اہل فارس کے ہاں نیکی اور بدی کے الگ الگ خدا تھے۔ اس کا کوئی مقابل نہیں، اس جیسا کوئی اور خدا کائنات کا مالک نہیں، کیونکہ اگر ایسا ہوتا، تو زمین و آسمان کے تمام کارخانے درہم برہم ہوجاتے (ملخص)

دعوة إلى القرآن

خطبۂ صدارت

(از جناب پروفیسر غلام عباس خاں صاحب ایم اے۔ بی۔ ای۔ ایس)

بسم الله الرحمٰن الرحيم ۔ سُبحٰنك لا علم لنا الا ما علّمتنا انك انت العليم الحكيم ۔
ربّ اشرح لي صدري ويسّر لي امري واحلل عقدة من لساني يفقهوا قولي ۔
تبارك الرحمٰن ۔ الذي انزل القرآن ۔ هدًى للناس وبيّنٰت من الهدى والفرقان
وجعله نورا يهدي به من يشاء الى السبل الايقان ۔ يا اصحاب الرشد والايمان
سابقوا الى النجاة والغفران ۔ هذا القرآن فتمسّكوه فلن تضلّوا عن صراط وصّاكم
به ربّكم الرحمٰن ۔ هذا صراط سيدنا الرسول الله المبعوث الى الانس والجان ۔
سلام الله عليه وعلى اخواننا الذين سبقونا بالايمان ۔ تمثال لهذا الكتب
الاكرم ۔ يهدي للتي هي اقوم ۔ فتعزّروه وتوقّروه ۔ فيعزّكم الله العزيز المكرّم ۔
انه تنزيل من رب العٰلمين وتذكرة للمتقين ۔ يحسرة على قوم لا يسقون من
رحيق مختوم ختمه مسك ومزاجه من تسنيم ۔ هيهات هيهات انّ قومي
لا يفقهون واين يذهبون ۔ وكاين من اٰية في السمٰوٰت والارض يمرّون عليها
وهم عنها معرضون وما يؤمن اكثرهم بالله الا وهم مشركون ۔ هذا سبيلي
ادعوا الى الله ۔ انني على بصيرة من ربي ۔ فسبحٰن ربي ۔ رب العرش العظيم ۔
وسلام على المرسلين والحمد لله رب العٰلمين ۔ فامّا بعد قال الله تعالٰى
في الكتب الحكيم ۔ انه لقرآن كريم ۔ في كتٰب مكنون ۔ لا يمسّه الا المطهّرون
تنزيل من رب العٰلمين ٭

برادران اسلام! سب سے پہلے میں آپ حضرات کا نہایت خلوص دل کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس اجلاس کی صدارت کا اعزاز بخشا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے بڑی ذرہ نوازی سے کام لیا۔ اس اہل علم کے اجتماع میں کئی اشخاص اس صدارت کے مجھ سے زیادہ اہل ہیں اور ایسے بزرگ بھی موجود ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں قرآن کریم کی خدمت کے

لیے وقف کردی ہیں۔ میں آپ کے اس فیصلے پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔ صرف اپنی بے بضاعتی کو محسوس کرتے ہوئے درخواست کرتا ہوں کہ بفحوائے آیت کریمہ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ آپ میری رہنما فرمائیں گے، اور فرائض کی ادائگی میں پوری پوری معاونت فرمائیں گے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

میں ان نوجوان دوستوں کو بھی مبارکباد کا مستحق سمجھتا ہوں جنھوں نے اس نیک کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور سچ بھی یہی ہے کہ نوجوان ہی تگ و دو حیات میں سب سے زیادہ حصہ لے سکتے ہیں اور ان کا سدھرنا قوم کی نیک بختی کی بیّن دلیل ہے۔ سب سے ذلیل وہ قوم ہے جس کے بوڑھے فاتر العقل ہوجائیں، نوجوان گمراہ اور بچے بے پروا۔ شکر ہے خداوند کریم کا کہ ہم اس امتحان میں مبتلا نہیں۔ اگرچہ جو آثار ہماری نکبت اور بربادی کے پیدا ہو چکے ہیں وہ بڑے دل شکن اور روح فرسا ہیں، لیکن ہماری خاکستر میں ابھی چنگاریاں باقی ہیں جن کی شعلہ آشامی خس و خاشاک کی تشنہ ہے اور جن کی ضیا پاشی ظلمت کو شکست دینے کے لیے مضطرب ہے۔

اس نکبت و ادبار کے دور میں اصلاح اعمال کا خیال ہی دلیل سحر ہے۔ باغبان کا کروٹ بدلنا ہی گلچین کے لیے پیام اخراج ہے۔ وہ وقت دور نہیں کہ ظلمت کا یہ دور بہت جلد دور ہوجائے اور اقبال وعروج کا سورج دوبارہ چمک اٹھے۔ نوجوان قوم کی امید اور آئندہ نسل کے محافظ ہیں۔ ان کے اعمال میں اصلاح قوم کی فلاح کے مترادف ہے۔ میں اس جلسے کو قوم کے لیے نیک فال سمجھتا ہوں۔ میرا پختہ یقین ہے کہ مذہب ہی تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے اور اس پر عمل کرنے سے انسان اطمینان کی زندگی بسر کرسکتا ہے۔ مذہب ہی انسان کی شرح صدر کا باعث ہے۔ مذہب ہی کمالات انسانی کا محرک ہے۔ مذہب ہی انسان کی سربستہ صفات کو صیقل کرتا ہے۔ مذہب ہی انسان کو مہذب، پاک اور روشن خیال بناتا ہے۔ مذہب ہی انسان کو انسانیت کا لباس عطا کرتا ہے۔ مذہب ہی نے انسان کو مسجود ملائک بنایا اور مذہب ہی نے آدم کو خلیفۃ اللہ کا خطاب دیا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کی زندگی تعلیم الٰہی سے منور ہے، جن کی آنکھیں نور الٰہی سے روشن ہیں، جن کے کان نغمۂ آسمانی سے مسرور ہیں۔ جن کے دل تجلیات خداوندی سے تاباں ہیں اور جن کے سینے الہام خداوندی سے لبریز ہیں۔ وہ لوگ جو عاجز اور غریب ہیں لیکن دل میں خدا کی محبت کا خزانہ رکھتے ہیں، وہ لوگ جو بیک

اور ناتواں ہیں لیکن رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ کے مصداق ہیں، وہ لوگ جو مسکین اور نادار ہیں لیکن تعلیم الٰہی نے ان کو بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ بنا دیا ہے۔ بابرکت ہیں وہ لوگ! یہی لوگ مینار ہدایت اور چراغ منزل ہیں۔

برادران! کبھی آپ کو ایسا موقعہ ہاتھ آیا کہ آپ سیر و سیاحت کے لیے کسی پہاڑ پر گئے ہوں اور وہاں سربفلک چوٹی پر چڑھ کر گرد و نواح کے مقامات کی سیر کی ہو۔ دُور دراز علاقوں تک پھیلے ہوئے مناظر اور قدرت کی بوقلموں سحرکاری اور رنگ آفرینی کا مشاہدہ کیا ہو، دلفریب آبشاروں، سربفلک چوٹیوں، پُروقار پتھروں اور دل ہلا دینے والے کھنڈروں اور غاروں کو دیکھا ہو۔ لیکن ان سے زیادہ خوبصورت، زیادہ رنگین، زیادہ دلکش اور زیادہ دلفریب تاریخ کا وہ باوقار کوہسار ہے جس میں ہماری عظمت کی داستان لکھی ہوئی ہے۔ تیرہ سو سال کے گریزپا واقعات کا مطالعہ، جو حدِ نگاہ سے دُور اور حافظے سے پرے، دھندلے سے خد و خال کی ایک خوبصورت تصویر دکھا رہا ہے، وہ ہماری عظمت کا نشان ہے۔ ایک طرف چین کی سرحد سے پار اور دوسری طرف بحر اوقیانوس کی تلاطم خیز موجوں کے اندر یہ دھندلے دھندلے خط غائب ہو رہے ہیں۔ وہ ہیں ہمارے جہندس اور غلا سفر، ہمارے سیاح و سفیر، ہمارے تاجر اور عالم۔ وہ دیکھو! اور غور سے دیکھو! ان دُھندلے دُھندلے مناظر سے اور پرے بہت دور ایک تاریک خط نظر آتا ہے جو روحانی غفلت میں سویا پڑا ہے۔ فلسفہ کا اُڑتا اُڑتا ایک موجہ اس طرح گذر گیا جیسے کسی پُرسکون جھیل پر بادِ نسیم کا ایک جھونکا۔ لوگ بے حس پڑے ہیں، غفلت کا عالم ہے، زندگی کے آثار ناپید ہیں، خس و خاشاک کے تودے ہیں، زمین سنگریزوں سے پٹی پڑی ہے۔ دیکھو کہ آسمان سے ایک شعلۂ نور آگرا اور تمام خطے کا خطہ آتش زار بن گیا۔ اس بے حس خطے میں پُرجوش زندگی کے آثار نمودار ہیں اور ایک یکہ و تنہا انسان، ایک یتیم و بے نوا انسان، ایک غریب و مسکین انسان، ایک معجز بیان کلام کے ساتھ، ایک وجدانی انداز کے ساتھ، ایک دلکش اور شیریں آواز کے ساتھ، ایک دلربا اور دلفریب لے کے ساتھ، ایک نور و ہدایت کا پیکر، ایک عفت و طہارت کی مجسم تصویر، ایک باعظمت انسان مردہ لوگوں کو زندہ کر رہا ہے۔ دیکھو تاریخ اُمم کی یہ تصویر کس قدر پیاری ہے، آنکھیں کھولو! اور دیکھو کہ مردہ لوگ کس طرح زندہ ہو رہے ہیں۔

برادران! ہم ایک باعظمت تہذیب کے وارث ہیں، ایک بےمثل تعلیم سے مشرف ہیں، ایک لاجواب کتاب کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جب تک اس کتاب کی عظمت ہمارے دلوں میں جاگزین ہے، جب تک اس کتاب کی تعلیم ہمارے باغ عمل کی آبیاری کررہی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ہماری زندگی کا گلشن ویران ہوجائے۔ قرآن زندہ کلام ہے اور اس کے عامل زندہ انسان ہیں۔ قرآن وہ چشمۂ حیوان ہے جو مُردوں کو زندگی بخشتا ہے، جو سوکھے درختوں کو نئی کونپلیں عطا کرتا ہے۔ اس نے مُردوں کو جلایا، سوتوں کو جگایا، اس کے ہوتے ہوئے ہم نہ تو رحمت الٰہی سے مایوس ہو سکتے ہیں اور نہ ہی باطل کے غلبہ سے خائف اور ہراساں۔

آجکل دہریت کا زور ہے۔ ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو مذہب کو تمام فسادات کی جڑ قرار دیتے ہیں اور تمام لڑائی جھگڑوں کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور مُلک کی بدامنی کو اہل دیانت کے سر تھوپتے ہیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اسوقت دنیا میں جتنی بھی حکومتیں قائم ہیں وہ مذہب پر قائم نہیں۔ یورپ کی کوئی سلطنت بھی حضرت مسیحؑ کی تعلیم پر کاربند نہیں۔ رحم، انکسار اور عاجزی کی وہ تعلیم جو مسیحی زندگی کا سرچشمہ ہے سب میں مفقود ہے۔ ایشیا میں تورع اور پرہیزگاری جو اسلامی زندگی کا شعار ہے، غائب ہے۔ میں حیران ہوں کہ لوگ مذہب کو بلاسوچے سمجھے کس لیے متہم کررہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک دفعہ جب مسٹر برنارڈ شاہ سے دنیا کی موجودہ بدامنی کے متعلق سوال کیا گیا تو اُنھوں نے اس کا کیا جواب دیا۔ مجھے صحیح الفاظ تو یاد نہیں لیکن شاید اس قسم کا جواب تھا کہ کاش! آج دنیا میں حضرت محمدؐ موجود ہوتے اور ہم سب ان کو اپنا ڈکٹیٹر بنا لیتے۔ عزیزو! ایک بین الاقوامی شہرت کے انسان سے اتنا بڑا خراج تحسین ہمارے لیے بڑے فخر و مباہات کا باعث ہے۔ میرا تو یقین ہے کہ دنیا کی خلفشار کو اگر کوئی چیز مٹا سکتی ہے تو بس جناب محمدؐ کی دی ہوئی تعلیم ہی مٹا سکتی ہے اور قرآن ہی ان تمام بیماریوں کا مداوا ہے جو انسانی روح کو گھن کی طرح کھارہی ہے۔ لیکن افسوس ہم پر کہ ایسی باعظمت کتاب کے رکھتے ہوئے ہم اس سے غافل ہیں اور اس قسم کی الجھنوں میں گرفتار ہوگئے ہیں جن کی قید سے رہائی پانا مشکل معلوم ہورہا ہے۔

جب مجھے آپ کا دعوت نامہ پہنچا تو میں اپنی لائبریری کی کتابوں کو درست کررہا تھا۔ مجھے ان میں ایک اشتہار ملا، جو ہمارے بعض احباب نے گزشتہ اجلاس کے موقعہ پر ہماری عزت افزائی

کے لیے شائع کیا تھا۔ میں نے اس کو پڑھا' دل پر چوٹ لگی' بے اختیار زبان سے نکلا کہ افسوس ابھی تک لوگ کس قدر بدظنی سے کام لے رہے ہیں۔ اختلاف رائے سہی۔ اختلافِ رنگ و بُو ہی گلشن کی زینت کا باعث ہے۔ لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ لوگ ابھی تک یہ نہیں سمجھتے کہ ہم کس کتاب کی طرف دعوت دے رہے ہیں؟ کس باعظمت اور پُرجلال کتاب کی طرف بلا رہے ہیں۔ دوستو! اگر آپ اس کی سطوت اور شوکت کو بھول چکے ہیں، تو سنیئے دوسرے مذاہب کے علماً اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

(ا) قرآن کی خاص خوبی اس کی ہمہ گیر صداقت میں مضمر ہے (کارلائل)

(ب) قرآن عقاید و اخلاق اور بناءِ علیہ قوانین کا ایک مکمل ضابطہ پیش کرتا ہے۔ اس میں ایک وسیع جمہوریت کے تمام آئین و اصول کے لیے، رشد و ہدایت کے لیے، انصاف اور عدالت کے لیے، فوجی تنظیم و تنسیق کے لیے' مالیات کے دخل و خرچ کے لیے، عزبا کی اصلاح و بہبود کے لیے، نہایت ہی محتاط قانون سازی کے لیے، بنیادیں رکھی گئی ہیں؛ لیکن ان تمام کا سنگ بنیاد ذات صمدیت کا اعتقاد ہے جس کے قبضۂ اختیار میں تمام انسانوں کی قسمتوں کی باگ ڈور ہے (ڈاکٹر شٹین گاس)

(ج) یہ ایسی کتاب ہے جس میں مسئلہ توحید ایسی نفاست، پاکیزگی، جلال و جبروت اور کمال تیقن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کی اس کتاب کے سوا کسی اور کتاب میں اس کی مثال مشکل سے ملیگی۔ ایک ایسے مذہب کے متعلق جو ایسا مکمل اور روحانیت کی تمام پیچیدگیوں سے اس قدر مبرّا اور ایسا سادہ اور آسان ہو کہ ہر شخص اس کے مسائل فوراً سمجھ سکے، توقع کی جا سکتی ہے کہ اس میں لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے کی معجزانہ طاقت ہوگی، اور حقیقتاً اسلام میں ایسی طاقت موجود ہے (ایڈورڈ مونٹے)

(د) بحرِ اوقیانوس سے لیکر دریائے گنگا تک کے انسانوں نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ قرآن پارلیمنٹ کی روح اور قانون اساسی ہے۔ وہ نہ صرف اصول مذہب ہی کے لیے کافی ہے بلکہ احکام تعزیرات، اصول تمدن اور ان قوانین عالیہ کے لیے بھی جن پر نظام عمرانی کا دار و مدار ہے، جن سے نوعِ انسانی کی زندگی وابستہ ہے، جن کو حیات اجتماعی کی ترتیب و تزئین پر تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمدؐ کی شریعت ان سب پر حاوی ہے۔ وہ اپنے احکام میں

جلالت مآب شہنشاہوں سے فقیر بینوا گداگروں تک کے لیے مسائل کا خزانہ رکھتی ہے۔ یہ شریعت باہرہ، ایسے دانشمندانہ اصول اور عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی (ایڈورڈ گبن)

(۲) وہ اداب اور اصول جو حکمت اور فلسفہ پر قائم ہیں، جن کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھی گئی ہے، جو دنیا کو بھلائی اور احسان کی تعلیم دیتے ہیں ان میں سے ایک جزیہ بھی ایسا نہیں جو قرآن میں موجود نہ ہو۔ وہ اعتدال اور میانہ روی کا سیدھا راستہ دکھاتا ہے، گمراہی سے بچاتا ہے، اخلاقی کمزوریوں کی تاریکی سے نکال کر بابرکت فضائل کی روشنی میں لاتا ہے، انسانی زندگی کے نقائص کو کمالات سے بدل دیتا ہے۔

اخلاقیاتِ قرآن دیگر قوانین کی طرح ایک دو سورتوں ہی میں ختم نہیں ہو جاتیں، بلکہ زریں تاروں کی طرح اس کے عالیشان تانے بانے میں گوندھی پڑی ہیں۔ ناانصافی، دروغ گوئی، غرور، انتقام، غیبت، استہزا، طمع، فضول خرچی، حرامکاری، خیانت اور بدگمانی کی سخت مذمت کی گئی ہے، ان کو خلاف مذہب بتلایا گیا ہے اور ان کے مقابلے میں خیر اندیشی، بغض سے پاک، فیاضی، حیا، بردباری، صبر و تحمل، کفایت شعاری، سچائی، راستبازی، عالی ہمتی، صلح جوئی اور ان سب سے بڑھکر ذات احدیت پر توکل اور امر الٰہی کی اطاعت کو سچی ایمانداری کے ارکان اور مومن صادق کے اصل نشان قرار دیا ہے (چیمبرز انسائیکلو پیڈیا)

(۳) قرآن میں دلوں کو تسخیر کرنے کی لاثانی قوت موجود ہے۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے اپنا اثاثہ صرف نہ کرنا چاہیے اور نہ ہی کسی دنیا سے توپ و تفنگ لے جانا چاہئیں (اسورڈ اینڈ ریمین)

(۴) قرآن پاکیزہ، بلند پایہ اور سود مند احکام سے بھرا پڑا ہے (ادو مک واشنگٹن)

حضرات! یہ ہے وہ عظیم الشان کتاب جس کی طرف ہم لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ [illegible] کا خیال ہے اس لیے نہیں کہ ہم بہری فقیری کی [illegible] ہو [illegible] ہے نہیں کہ ہم اپنے لیے کسی ریاست اور جاگیر کی خواہش [illegible] ہو گئے ہیں، بلکہ اس لیے کہ چاہتے ہیں [illegible] ان میں ایک [illegible] و خیالات [illegible]

[اس] لیے کہ ہماری زندگی پاک اور پوتر بن جائے، اس لیے کہ آئے دن کے ملکی اور وطنی فسادات مٹ [جا]ئیں، اس لیے کہ ہم دنیا میں شریف انسانوں کی طرح زندگی بسر کریں، اس لیے کہ ہمارے مردہ [ق]الب میں زندگی کے آثار نمودار ہو جائیں۔

قرآن، زندہ قوم کا زندہ قانون ہے، یہ زندگی بخشتا ہے اور زندہ رہنے کی تعلیم دیتا ہے، [ا]مت مسلمہ آپ کو قرآن اور حیات طیبہ کی طرف دعوت دے رہی ہے، آپ کو زندگی کا پیغام [د]ے رہی ہے۔ لوگ سوال کرتے ہیں، ہماری موجودہ نکبت اور ذلت کا کیا سبب ہے؟ ہمارے [ا]فلاس، جہالت، خانہ جنگی، ذلت اور رسوائی کے کیا بواعث ہیں؟ لیڈران قوم ایک دوسرے [س]ے برسرپیکار ہیں، علماء دست و گریبان ہیں، نوجوان بے عنان ہیں، یہ کیوں؟ اس کا صرف [ا]یک ہی جواب ہے اور صرف ایک ہی وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا [وَّ نَ]حْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ جس نے میری تعلیم سے اعراض کیا، پھر اس کی معیشت تنگ [ہو]ے اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

کبھی آپ نے دیکھا کہ کسی گدھ یا چیل نے کسی زندہ جانور پر حملہ کیا ہے؟ ہاں اگر وہی [ج]انور مر جائے تو تمام گدھ اس پر امڈ آئیں گے۔ اسی مثال سے سمجھ لیجئے کہ جب تک آپ کا [ا]جتماعی جسم مردہ ہے آپ پر زاغ و زغن حملہ کریں گے اور اگر آپ میں زندگی ہے تو نہ صرف [چ]یل کوے ہی بلکہ شیاطین بھی آپ کی ہیبت سے کوسوں دور بھاگتے چلے جائیں گے۔

[آئ]یئے صدق دل کے ساتھ اس کتاب عزیز، کلام حکیم، مصحف ناطق پر جو مکمل، مفصل، [م]شرح اور غیر مبدل قانون ہے، جو ریب و تضاد سے پاک، رحمت اور ہدایت کا سرچشمہ ہے [جس] کی اصل محکم اور جس کی فرع حد نگاہ سے بلند ہے۔ جو نصیحت اور حکمت سے لبریز [اور ظن]ی سے پاک ہے، جس کے احکام کی، آثار آفاق اور کیفیات قلبی تائید کرتے ہیں۔ جو [...]، لاریب، ہدایت و بشارت سے بھرپور بے مثل قانون اور مہیمن کتاب ہے [...] [کت]اب پر ہاں، اس عزیز و حکیم کتاب پر صدق دل کے ساتھ ایمان لے آئیں اور [اسے] ایک جامع و مانع، کافی اور وافی، مکمل اور اکمل رہنما سمجھیں، اپنی [...] کی زندگی کو منور کریں اور دوسروں کے دلوں کو بھی جلا دیں، تو میں کامل [وث]وق سے اعلان کر سکتا ہوں کہ آپ کی نکبت و ادبار صرف چند روز

میں عروج و اقبال سے بدل جائیگی، اہل وطن آپ کی عزت کریں گے، ہمسایہ اقوام آپ کے احترام کے لیے کورنش اور اداب بجا لائینگی۔

اس کتاب منیر سے اپنی زندگی کو روشن کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اس کو پڑھیں اور اس طرح پڑھیں جو اس کے پڑھنے کا حق ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ۔ پھر جو اس میں لکھا ہے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ جس کام سے وہ روکے اس سے رک جائیں اور جس کا وہ حکم دے اس کی تعمیل کریں اور اس ویران خانۂ دل کو ذکر الٰہی سے معمور کریں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ نے وعدہ کیا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ ہم نے اپنی تعلیم اور ذکر کو اُتارا ہے اور ہم اس کی بالضرور حفاظت کرنیوالے ہیں۔ پس جب آپ کے دل میں ذکر الٰہی بس جائیگا۔ جب آپ کے دل میں تعلیم الٰہی گھر کر جائیگی تو اس ذکر کی حفاظت کے باعث خداوند کریم تمہاری حفاظت کریگا۔ تمہاری قوم اس ذکر کی محل ہوگی اور افواج الٰہی اس محل کی پاسبان اور پہرہ دار ہونگی۔

لوگ کہتے ہیں، مسلمانوں کا وقار مٹ رہا ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ خالی مکان کو کوئی زیب و زینت نہیں دیتا۔ کھنڈر مکانوں کو کوئی آراستہ و پیراستہ نہیں کرتا۔ جب مکان میں مکین آکر بسنے لگ جاتے ہیں، تو مکان خود بخود آراستہ ہونے لگ جاتا ہے۔ جتنا بڑا مکین ہوگا، اتنی ہی اس کی زیب و زینت ہوگی۔ مسلم قوم کا دل مکین سے خالی ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے پرانے مکین کو ڈھونڈ کر لائے، قرآن کو پھر اسی دل میں بسائے اور اس اُجڑی بستی کو پھر آباد کرے۔ یقین ہے کہ اس مکین کی حفاظت کے لیے خود جبروت الٰہی ہماری ناموس کی حفاظت کریگی۔

قرون اولیٰ میں ہر ایک مسلمان بجائے خود ایک مبلغ تھا۔ ہر ایک تاجر، سیاح، سفیر، حتّٰی کہ فلاسفر، مزدور، کسان، امیر، فقیر، بجائے خود ایک مشنری تھا۔ وجہ یہ تھی کہ قرآن کریم کی تعلیم کا چرچا عام تھا۔ لوگ اس کتاب حکیم کو پڑھتے، پڑھاتے، اس پر عمل کرتے اور کراتے تھے۔ اُن کی زندگی قرآن کریم کی زندگی تھی۔ ہر شخص اسلامی زندگی کی چلتی پھرتی تصویر تھا۔ تبدیل مذہب کے وقت ہر شخص ان کے کردار کو دیکھتا۔ ان کے اعلیٰ چلن ان کی عملی زندگی پر اثر ڈالتے۔ اگر لوگ بد چلن اور بد خو ہوں تو خواہ اُن کا مذہب کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، دوسرے لوگ اُن کی طرف توجہ نہیں کریں گے۔

اگر آپ کی جماعت قرآن کریم کو اپنا ہادی سمجھتی ہے تو تمام نتائج سے بے پروا ہو کر اس کی تعلیم کو اپنا زیور بنالے۔ لوگ کچھ کہیں، کافر کہیں کافر سہی، ملحد کہیں ملحد سہی، بے دین کہیں بے دین سہی، لیکن جب رحمت الٰہی کا چشمہ آپ کے دل سے پھوٹ پھوٹ کر نکلے گا۔ جب آپ کے بشرے پر نیکی کے آثار سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ کا جلوہ دکھائیں گے۔ جب آپ کی آنکھوں کی چمک میں تجلیات الٰہی کی روشنی نظر آئیگی۔ جب آپ کی گفتار اور کردار میں راست روی کا جلوہ نظر آئیگا، تو لوگ خود بخود آپ کی طرف دوڑ دوڑ کر آئیں گے۔ یہی سبب تھا کہ جب جناب ختمی مآبؐ نے اعلان ارشاد کیا، تو آپ نے اپنے پاکیزہ نمونہ کو اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کیا، وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ بیشک میں نے اپنی عمر کا ایک حصہ تمہارے درمیان گزارا ہے پھر تم نہیں سمجھتے۔ آنحضرتؐ کی تصویر جو قرآن کریم نے پیش کی، ہمارے سامنے ہے۔ بس یہی اُسوہ ہمارے لیے مشعل ہدایت اور خضر راہ ہو جانا چاہیے۔

قرآن آپ کو ایک بلند کریکٹر کی طرف بلاتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ زندگیاں، ان کے نیک خصائل، اور روشن کردار آپ کے سامنے بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں، وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ، إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا۔ کتاب الٰہی میں اسماعیل کا حال بیان کر بیشک وہ وعدے کا پختہ اور سچا نبی تھا۔ ایوبؑ، یونسؑ، یعقوبؑ، الیسع اور الیاس علیہم السلام راستباز، بلند کردار نبی تھے۔ جناب یحییٰؑ سید و حصور، وہ پاکباز انسان تھے کہ خدا نے اُن کی ولادت موت اور بعثت کو سعادت کا دن مقرر کیا ہے۔ یہی حال جناب عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ جب اُن کی قوم حضرت مریمؑ کے پاس اُن کے خیالات کی شکایت کرتی ہے، تو آپ فرماتے ہیں۔ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ! میں خدا کا بندہ ہوں، اس نے مجھے اپنی کتاب کی نعمت سے مالا مال کیا اور مجھ کو نبی بنایا۔ مجھ کو اقامت الصلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا حکم دینے میں والدہ کا فرمانبردار اور نیک اطوار فرزند دلبند ہوں۔ جابر اور بدبخت نہیں۔ میری ولادت کا دن باسعادت اور میری موت کا دن باعث تکریم ہے۔ یہی حال سیدنا یوسفؑ کا ہے۔ مکائد شیطانی کا جال بچھا ہے۔ حسن و شباب نشۂ عصیان میں سرشار، پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں، لیکن عفت مآب امانت میں خیانت سے ڈرتے ہیں۔ خوف الٰہی دل میں بس رہا ہے۔ گو نفس امارہ موجود ہے لیکن پاکدامنی پر دھبہ نہیں آنے دیتے قید و بند کی تمام مصیبت جھیلی، لیکن استیلائے شیطانی سے مغلوب نہیں ہوئے۔ آخر اُن کی ایمانداری

کا سکہ خود عزیز مصر کے دل پر جم جاتا ہے اور ایسے امین اور صاحب ضبط انسان کو اپنی حفاظت جان کے لیے منتخب کرتا ہے۔ لیکن وہ اس کو پسند نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ امانت داری کے جوہر حفاظت ملک کے کام آئیں۔ وہ مالیات اور پبلک فائنس کے اعلیٰ حاکم مقرر کر دیے جاتے ہیں یہ ہیں وہ بلند نمونے جن کی طرف قرآن کریم دعوت دیتا ہے۔ ایک دو نہیں بلکہ سارے کا سارا قرآن اُن کے اخلاق کی داستان سناتا ہے اور خلق عظیم کی لائف ایجوکیشن پر اس باب کی تمام فصلوں کو ختم کر دیتا ہے۔ جن کا تذکرہ اس مختصر خطبے میں پیش کرنا نہ صرف مشکل بلکہ محال ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن کریم میں اہل ایمان کی سعادت مندی کی داستان بھی موجود ہے اور کفرۃ الفجرہ کے عبرتناک حالات بھی مسطور ہیں، جو ان پر گزری وہ بھی لکھی ہوئی ہے اور جو دوسروں پر گزری وہ بھی بیان ہے۔ فرعون، ہامان، نمرود و ثمود کے حالات سب کے سب مذکور ہیں۔ بالآخر کشمکش حیات میں جو نتیجہ نکلا، وہ یہی ہے کہ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ لیل و نہار کی گردش بھی یہی حکم صادر کرتی ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔ بیشک کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے دل کو پاکیزہ بنایا اور برباد ہوا وہ جس نے اسے خراب کیا۔ زمانہ بھی یہی شہادت دیتا ہے وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ شہادت ہے زمانے کی کہ اُس کی دستبرد سے سب انسان مغلوب و مقہور ہیں مگر وہی اس کی چیرہ دستی سے محفوظ ہیں جو ایمان لاتے ہیں، نیک عمل کماتے ہیں، حق کو مضبوط طور سے پکڑ لیتے ہیں اور صبر و استقلال کی چٹان پر قدم جما لیتے ہیں۔

دوستو! کبھی آپ کو یہ خیال بھی آیا کہ اگر آپ کے قبضے میں ایک وسیع و عریض باغ ہو، جس میں سبزے کا زمرد رنگ فرش بچھا ہو، ایک جوئے آب ہر گلبن کے پاؤں چومتی ہوئی چلی جا رہی ہو اس میں ایک بلند و بالا آم کا پیڑ ہو جس کی جڑیں زمین کی تہ تک چلی گئی ہوں اور اس کی فلک بوس ٹہنیاں حدِ نگاہ سے اوپر نکل گئی ہوں، اس کا گھن دار سایہ سیاہ ابر کو شرمندہ کر رہا ہو، اس کے پیلے پیلے آم ہر موسم میں ٹپکتے ہوں: سردی اور گرمی دونوں موسموں میں اس کے زرد زرد پھل حریص نگاہوں کو للچاتے ہوں، ان کی بھینی بھینی خوشبو، میٹھا میٹھا رس، اور پیارا پیارا ذائقہ آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا کرتا ہو، پھر ایسا ہو کہ ابر رحمت چھا جائے اور ننھی ننھی پھوئیاں ساحرانہ انداز سے دل کو موثر کر دیں، اور عجیب کیفیت پیدا ہو جائے۔ یقیناً آپ کا دل

ہوگا کہ امرت پھل کا ایسا پیارا بوٹا کہیں سے مل جائے اور اگر آپ کو مل جائے تو آپ کسی قیمت
س کو نہ دینگے، اس کی حفاظت کریں گے، اس کی آبیاری کریں گے اور دعا کریں گے کہ
ر تعالٰے اُس کو تمام ارضی اور سماوی آفتوں سے بچائے کیونکہ وہ پیڑ آپ کا محبوب پیڑ ہے
ں قرآن عزیز کا ہے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ
اُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۔
اللہ کلمہ طیبہ کی مثال دیتا ہے۔ یہ کلمہ طیب ایک شجر طیب ہے، جس کی جڑیں تحت کے عمیق
ں میں مستحکم ہیں اور اس کی فلک بوس شاخیں فضائے بسیط میں پھیل کر حد نگاہ سے
کل گئی ہیں۔ اس کے اثمار دیدہ زیب، لذت حلاوت اور رنگینیٔ صورت میں بے مثال،
م اور ہر مقام پر حریص نگاہوں اور مشتاق زبانوں کو لذت اندوز کر رہے ہیں۔ یہی کتاب
جب آپ فلسفہ کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر عمیق ترین مقام پر جائیں گے یا علم ہیئت
کا کر فلک الافلاک تک اُڑنے کی کوشش کریں گے، آپ کی رہنمائی کرے گی۔ یا جب آپ
ں کشمکش اور سیاسیات واقتصادیات کی اُلجھنوں میں پھنس جائیں گے تو یہی کتاب آپ کی
کریگی۔ زمان اور مکان کی پابندی سے آزاد ہو کر تمہاری رہبری کرے گی اور بشرطیکہ تم متقی
کو کامیابی کی منزل تک لے جائیگی۔ الٓمٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ
نَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ۔ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ۔ أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى
رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔
امرت پھل کا عزیز پیڑ قرآن کریم ہے۔ ابدی حیات بخشنے والا، خلد بریں کا سب سے پیارا
، انسانی تمناؤں کا سب سے اونچا درخت، الطاف الٰہی کا سب سے بلند نخل یہی قرآن عزیز
ہاں، اس کے امرت پھل کو وہی چھو سکتے ہیں، جو پاکیزہ کردار ہیں، وہی چکھ سکتے ہیں جو
اطوار ہیں، یعنی، وہ عباد الرحمٰن، جو خدائی زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جہالت
وں سے دور بھاگتے ہیں، وہ جو نیکوکار، اللہ پر ایمان لاتے ہیں، آخرت، ملائکہ اور کتب الٰہی
ین رکھتے ہیں، اپنے مال کو محبت الٰہی کے اندازے پر رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں،
روں، قومی کارندوں اور انسانوں کے آزاد کرانے میں خرچ کرتے ہیں، جو نماز کو قائم کرتے

ہیں۔ زکوٰۃ کو ادا کرتے ہیں۔ عہد کے پابند، مصیبت اور تکلیف میں صابر، جنگ کے وقت مضبوط قدم، یہی لوگ ہیں جو اپنی جان و مال سے اس کتاب کی حقانیت کی تصدیق کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم ہم سب کو اس کتاب عزیز پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے اور ہم کو اس کتاب مجید کی خدمت کے لیے قبول کرے۔ میں اپنے اس خطبے کو علامہ اقبال کے ان بصیرت افروز اشعار پر ختم کرتا ہوں جو انھوں نے قرآن حکیم کے متعلق لکھے ہیں۔

تو ہمیں دانی کہ آئین تو چیست — زیر گردوں سرِ تمکینِ تو چیست
آں کتابِ زندہ قرآن حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرف او را ریب نے تبدیل نے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
پختہ تر سودائے خام از زور او — در فتد با سنگ جام از زور او
مے برد پابند و آزاد آورد — صید بنداں را بفریاد آورد
نوع انساں را پیام آخریں — حامل او رحمۃ للعالمین
ارج میگیرد ازو نا ارجمند — بندہ را از سجدہ سازد سربلند
رہزناں از حفظ او رہبر شدند — از کتابے صاحبِ دفتر شدند
دشت پیمایاں ز تاب یک چراغ — صد تجلی از علوم اندر دماغ
از جہانبانی نوازد ساز او — مسند جم گشت پا انداز او
اے گرفتارِ رسوم ایمانِ تو — شیوہ ہائے کافری زندانِ تو
قطع کردی امر خود را در زبر — جادہ پیمائی الی شیءٍ نکر
گر تو می خواہی مسلماں زیستن — نیست ممکن جز بقرآں زیستن

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا۔ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا۔ وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَمِنْ هَمَزَةِ اللَّعِيْنِ۔

ریویوز

قرآنی لیکچر:۔ چند سال پیشتر مصر کے مشہور و معروف عالم، سید رشید رضا مرحوم نے "الوحی المحمدی" کے نام سے ایک بلند پایہ کتاب لکھی تھی۔ یہ کتاب دس مختلف مضامین پر مشتمل ہے۔ سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور ان ہی مضامین کو الگ الگ ٹریکٹوں کی صورت میں اردو زبان میں ترجمہ کرکے شائع کر رہی ہے۔ اس وقت تک حسب ذیل عنوانات پر چار لیکچر شائع ہو چکے ہیں:۔

(۱) حقیقت دین:۔ جس میں ایمان باللہ، عقیدہ قیامت اور عمل صالح کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۲) حقیقت نبوت:۔ جس میں نبوت، شفاعت، ایمان بالرسل، معجزات اور خوارق پر بحث کی گئی ہے۔

(۳) حقیقت اسلام، وحدت انسانی اور قرآن:۔ یہ دونوں لیکچر یک جا چھاپے گئے ہیں۔ اول الذکر میں علم و حکمت، یقین و دلیل، عقل و ضمیر کی روشنی میں اسلام کو سچا مذہب ثابت کیا گیا ہے۔ آخر الذکر میں قرآن مجید کے اُن آٹھ اصولوں پر بحث کی گئی ہے جو بین الاقوامی اتحاد اور وحدت انسانی کے قیام کے لیے ناگزیر حیثیت رکھتے ہیں۔

قرآنی لیکچروں کی زبان صاف ہے، دلائل معقول ہیں اور لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ سیرت کمیٹی اس سلسلے کے تمام لیکچر صرف محصول ڈاک لیکر مفت تقسیم کر رہی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے اور آٹھ آٹھ آنے محصول ڈاک بھیجکر اپنا نام درج رجسٹر کرا لینا چاہیے۔ نمونے کی کاپی مندرجہ ذیل پتے سے مفت حاصل کی جا سکتی ہے۔ مینجر دفتر سیرت' پٹی' ضلع لاہور

مولویت اور اسلام:۔ از حاجی نبی احمد صاحب بریلوی، کاغذ، کتابت، طباعت معمولی حجم ۸۰ صفحات سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت ۴ر مصنف سے بریلی کے پتے پر منگوائیں۔

موجودہ تعلیمیافتہ طبقہ، مولویوں سے کس حد تک بیزار ہو چکا ہے؟ یہ کتاب اس سوال کا جواب دیگی، مصنف نے نہایت خشمگین انداز میں بتایا ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ زوال و انحطاط اور تفریق و انتشار کا ذمہ وار صرف مولویوں کا طبقہ ہے۔ اسی سلسلے میں احادیث نبوی سے بھی علمائے سوء کے خصائص بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں لکھنؤ کی کسی طوائف کا ایک عبرت آموز خط شامل ہے جو اس نے بریلی کے ایک حضرت مولانا" کے نام لکھا تھا۔ یہ مختصر سی کتاب زیادہ مفید ہو جاتی،

اگر مضمون بندی کے لیے الگ الگ عنوان قائم کیے جاتے، ابتدا میں فہرست مضامین کا اضافہ کردیا جاتا اور لہجے کی خشونت میں کسی قدر اعتدال اختیار کیا جاتا۔

جہانگیر، جالندھر:۔ یہ ہفتہ وار اخبار حال ہی میں جالندھر سے جاری ہوا ہے۔ اس وقت تک دو نمبر شائع ہوچکے ہیں۔ پرچے کا رجحان تحریک خاکساراں کی تائید و حمایت کی طرف بہت ہے۔ افسانے غزلیں اور عام مضمون بھی دیے جاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس کا معیار اور زیادہ بلند کیا جائے۔ لکھائی، چھپائی بھی توجہ طلب ہے۔ قیمت سالانہ صہ ملنے کا پتہ:۔ منیجر جہانگیر جالندھر　(ص)

اندھوں کے اسکول کا افتتاحی جلسہ

یوں تو خدا کے فضل و کرم سے عرصہ تخمیناً چار ماہ سے اندھوں کا اسکول جاری ہے لیکن ابھی تک اس کا باقاعدہ افتتاح نہیں کیا گیا۔ اس لیے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۷ء کو رسم افتتاح منانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ پروفیسر چودھری غلام عباس صاحب ایم اے لدھیانہ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا سیالکوٹ، خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے، ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب دینا نگر، مولانا عبدالکریم صاحب ناقد، بابو محمد حسین صاحب پٹھانکوٹ، چودھری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور اور میاں امین الدین صاحب لاہور وغیرہ احباب سے توقع ہے کہ وہ اس تقریب سعید میں شامل ہو کر اپنے مفید معلومات سے حاضرین کو مستفید فرمائیں گے۔ جلسہ کا پروگرام عنقریب شائع کیا جائیگا۔ احباب ارادہ تشریف آوری سے مطلع فرمائیں تاکہ اُن کے قیام و طعام کا بندوبست ہو سکے

(خواجہ ضیاء اللہ مہتمم مدرسۃ العمیان بیرون دروازہ حکیماں امرتسر)

اطلاعاتِ اُمتِ مُسلمہ

اس امر کا بارہا اعلان کیا گیا ہے کہ عمارت فنڈ تخمیناً ستّر روپیہ کا مقروض ہے۔ اس درخواست پر جناب چوہدری بشیر احمد صاحب بی۔ اے نے ۵ اور جناب چوہدری الٰہ بخش صاحب احسان پوری نے ایک روپیہ عطا فرمایا۔ چنانچہ ایک صاحب کا ۲۱ روپیہ قرضہ تھا ان کو پانچ روپے ادا کیے گئے۔ اب ۶۵ روپیہ قرضہ واجب الادا ہے۔ ابھی چند جدید عمارات کی تعمیر کے علاوہ تمام کمروں میں فرش لگانا باقی ہے۔ اگر مخیّر حضرات توجہ فرمائیں تو یہ کمی بھی بہت جلد پوری ہو سکتی ہے۔

اندھوں کا اسکول۔ اندھوں کے اسکول میں دو نئے نابینا طالب علم داخل ہوئے ہیں۔ ایک خرد سال نابینا بچہ جس کے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں لدھیانہ سے آیا ہے اور ایک صاحب سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں۔ سردیوں کی وجہ سے اس ماہ گرم بستروں، لحافوں اور گرم پارچات کی تیاری ضروری تھی۔ بحمد اللہ کہ جوں توں کر کے تمام سامان مہیا کر لیا گیا ہے۔ طالب علموں کے لیے حساب اور لکھائی کی سلیٹوں* کی سخت ضرورت ہے جن کی مجموعی قیمت تیس روپیہ سے کم نہ ہوگی۔ خدا نے اگر توفیق دی تو جلد مہیا کرنے کا ارادہ ہے۔ اس ماہ نابیناؤں کی امداد کے لیے حسب ذیل رقوم موصول ہوئیں۔ خدا تعالیٰ نے معطی حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

چوہدری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور بموقعہ سالانہ جلسہ ۵ر۔ + مہر کریم بخش صاحب عرف ممی شکرانہ صحت ۵ر + مستری غلام محمد صاحب منجملہ عند موعودہ ۵ر + ڈاکٹر یو۔ اے غفور صاحب پشاور ۵ر + باغ فنڈ ہے + پیسہ فنڈ عہ + سزا ۔ میزان ۔

نیازمند ضیاء اللہ سکرٹری

ستمبر کے پرچے میں، اُمتِ مسلمہ کے مقاصد و پروگرام کی توضیح کرتے ہوئے ماتحت برانچیں قائم کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ اب یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ سید محمد حسین صاحب حسرت بی اے

*نابینا طالب علموں کے لیے خاص قسم کی سلیٹیں چاہئیں۔

نے مسا بنیاں ضلع گورداسپور میں "اُمت مسلمہ" کے نام سے ایک جماعت قائم کردی ہے اور جناب سید عابد حسین شاہ صاحب تبدر اس برانچ کے سکرٹری مقرر ہوئے ہیں۔ ایسا ہی ایک حوصلہ افزا مکتوب جناب یوسفائی عبدالرحیم صاحب بی ایس سی کی طرف سے موصول ہوا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ عنقریب ٹنڈو الہ یار (سندھ) میں اُمت مسلمہ کی ایک شاخ قائم کردی جائے گی۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالٰی حضرات موصوف کی نیک کوششوں کو قبول فرمائے اور اُنھیں قرآن حکیم کی سچی تبلیغ و خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (ص)

اس وقت قرآنی تعلیمات کی تعمیل کے لیے سب سے پہلے دو چیزوں کی بیحد ضرورت ہے، او بہت جلد ضرورت ہے

(۱) جس جگہ "بلاغ" کا ایک پرچہ بھی پہنچتا ہے اور اُسے چند اصحاب مطالعہ کرتے ہیں، وہاں ایک باقاعدہ مجلس قائم ہو جانی چاہیے۔ جس کا ایک صدر، ایک معتمد اور چند ارکان ہوں، اور وہ ہفتے میں ایک دو دفعہ مل کر تبادلۂ خیالات کیا کریں اور مجلس میں اپنے دوسرے احباب کو بھی دعوت دیا کریں اور اپنی کارروائی سے دفتر کو مطلع کرتے رہا کریں، یہ چھوٹی چھوٹی مجلسیں ایسے بیج ہوں گے جن سے بڑے بڑے بارور درخت بننے کی توقع ہے۔ انشاءاللہ العزیز

(۲) دفتر میں کم از کم ایک فاضل شخص کی دائمی موجودگی کی ضرورت ہے جو اپنی تمام قابلیتوں اور صحت و جوانی کو خدا کی راہ میں صرف کردے، جس کا اوڑھنا بچھونا قرآن ہو، جس کی خواب و بیداری کا مشغلہ قرآن ہو، جو سادہ کاغذوں اور سادہ دماغوں پر قرآن کے الفاظ نقش کرسکے اور اس راہ میں ہر تکلیف اُٹھانے کے لیے تیار ہو۔

تحقیق قربانی } موجودہ اور مروجہ قربانی اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اس کو قرآن شریف، تراجم قرآن شریف، تفاسیر، حدیث، لغت وغیرہ تقریباً ۲۵ کتب و جرائد کے حوالجات سے ناجائز ثابت کیا گیا ہے۔ ہمدردان اسلام سے توقع ہے کہ اس کتاب کو منگوا کر بکثرت شائع کریں تاکہ مسلمان اس کو پڑھ کر اسراف سے باز آئیں اور خدا کی دی ہوئی دولت کو درست استعمال میں لائیں۔ ۴ر کے ٹکٹ بھیجکر دفتر بلاغ امرتسر سے طلب کریں

تفسیر آیۂ نور

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

"سورۃ النور" معاشرت اور سیاسیات کی گتھی کو سلجھا رہی ہے اور یہ وہ گتھی ہے جس میں عالم انسانی
ں وقت سے اُلجھا ہوا ہے جس وقت سے انسانی "سوسائٹی" تمدن کے ایک خاص مرحلہ پر ظہور میں
ئی وہ قوانین جو مختلف قرون اور مختلف ممالک میں وضع ہوتے رہے اور وہ اصلاحات جو
صلحین نے وقتاً فوقتاً تجویز کیں اور وہ تحریکات جو مختلف ازمنہ میں زوروں پر رہیں جن کی موجودہ
ورت اشتراکیت وغیرہ ناموں سے تعبیر ہوتی ہے وہ سب ایک ایسا موضوع ہے جس پر علماء اور
ماء نے بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے، لیکن عملی معیار پر کامیاب ثابت ایک بھی نہ ہوئی، اشتراکیت
فرادی سرمایہ اور انفرادی محنت مزدوری کو قطعاً اُڑانا چاہتی ہے۔ اس کا اصل اصول یہ ہے کہ
تماعی سرمایہ اور اجتماعی محنت بہبودیٔ عامہ کے لیے ہونے چاہئیں۔ بہ تعلق حقوق زوجیت
ر بہ تعلق مذہب اشتراکیت خاموش ہے بلکہ مخالف ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اشتراکیت جمہوریت
ر حریت و مساوات کے حق میں ہے اور شخصی حکومت اور شخصیت پرستی کے سخت مخالف ہے، لیکن
تاً فوقتاً عملاً جو کچھ اس نے طریق کار تجویز کیا ہے وہ تاحال تخریبی ہے اور اسی سے ایسی جماعتیں بھی
دا ہوگئی ہیں جنہیں انارکسٹ اور نہلسٹ کہتے ہیں، یہ تمام تحریکات خواہ کیسی ہی پسندیدہ ہوں
لکہ مذہب کو شروع سے خیرباد کہتی ہیں اور محض دہریت اور مادہ پرستی پر مبنی ہیں اس لیے کبھی
میاب نہیں ہوئیں اور جب تک وہ اصول جو سورۃ النور میں مفصل مذکور ہیں ان تحریکات کی
درج رواں نہ ہوں گے کامیابی ممکن ہی نہیں، یہ موضوع سورۃ النور کا ہے۔

اگر ہم ان تحریکات کے آغاز اور زمانہ حال تک ان کے نشو و نما اور ان کے اثرات کا جو عالم
سانی پر ہوئے تبصرہ کریں تو ایک دفتر درکار ہے، لیکن سورۃ النور کا موضوع بھی یہی کچھ ہے۔
س لیے ان تاریخی واقعات اور ان کے نتائج اور اقوام عالم کے قوانین اور شریعت سے
ھی کچھ نہ کچھ واقف ہونا ضروری ہے تاکہ آیات قرآن عظیم اچھی طرح سمجھ میں آئیں، سردست میں
فرض کر لیتا ہوں کہ آپ ان امور سے پہلے ہی واقف ہیں، اور کچھ نہیں تو اتنا تو روزانہ مشاہدہ

کر رہے ہیں کہ عالم انسانی کی موجودہ حالت کیا ہے؟ اور ان خرابیوں کو بھی دیکھ رہے ہیں جو گھروں اور شہروں اور ممالک میں نمایاں ہیں اور کبھی کبھی یہ خیال بھی آتا ہوگا کہ یہ خرابیاں کیسے دفع ہوسکتی ہیں، اور کس طرح عالم انسانی امن اور فلاح سے دوچار ہوگا اور کب ہوگا؟

پیشتر اس کے کہ میں اصل موضوع پر کچھ کہوں آپ کی توجہ آیہ نور کی طرف مبذول کراؤں جس میں اصل اصول واضح کیا گیا ہے جو ہر ایک تحریک کی بنیاد ہونی چاہیے اور جس کے بغیر ہر ایک تحریک سعی بے حاصل ہی نہیں بلکہ ہلاکت آفرین ہے، جیسا کہ اقوام عالم مشاہدہ کر رہی ہیں اور ہم مشاہدہ کر رہے ہیں، ارشاد الٰہی ہے کہ

"اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"

قرآنی محاورہ میں سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے مراد کل کائنات ہے، الارض یہی کرہ ہے جس میں ہم آباد ہیں اور جو انسانی مستقر ہے اور جس میں انسان خلیفۃ اللہ ہے اور سمٰوٰت میں وہ سب کچھ ہے جو اس سے باہر ہے، لیکن سمٰوٰت اور ارض ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں ہیں اور یہ کہ کائنات میں کوئی شے کسی شے سے بے تعلق نہیں ہے، اس لیے انسان کسی شے سے بے تعلق نہیں ہے اور انہی تعلقات میں اس کی زندگی اور موت ہے۔ نور کی تعریف یہ ہے کہ "وہ خود ظاہر ہو اور دیگر اشیاء کو ظاہر کرے"۔ اس کی مثال شمع روشن کی سی ہے کہ خود ظاہر ہے اور ایک تاریک مکان کے در و دیوار اور اس کی ہر ایک شے کو ظاہر کر رہی ہے، اب فرض کرو یہ مکان ایک ظلمت کدہ ہے جس میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور آنکھیں رکھتے ہوئے کچھ نہیں دیکھ سکتے، شمع کے نور نے سب کچھ آپ پر ظاہر کر دیا، لیکن آپ شمع کے نور کو جو ان اشیاء پر پڑ رہا ہے نہیں دیکھتے، ان اشیاء کو دیکھ رہے ہیں جن پر نور شمع پڑ رہا ہے، اس لیے آپ ایک مغالطہ میں الجھ جاتے ہیں کہ دیکھنے والی آپ کی آنکھ ہے اور جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں وہ اشیاء ہی ہیں اور نور شمع کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کی نگاہ اس پر پڑی ہے یا یہ کہو کہ ایک ہی وقت نور شمع آپ کی نگاہ اور ان اشیاء پر پڑتا ہے، اس لیے آپ دیکھتے ہیں اور اشیاء دکھائی دیتی ہیں، یہی کیفیت کل کائنات کی ہے کہ بذاتہ بے نور ہے اس ذات کا نور ظاہر کر رہا ہے جسے ہم اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ نور خود ظاہر ہے اور کائنات اس کی ہر ایک شے کو ظاہر کر رہا ہے، ایک ہی وقت میں نور ہماری آنکھ اور کائنات کو روشن

ہے اور ہم اسی نور کی روشنی میں کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

جو لوگ دہریہ یا مادہ پرست ہیں، لسانِ مذہب میں کافر اور مشرک ہیں، وہ چشم بصیرت سے اس نور کا مشاہدہ نہیں کرتے، وہ صرف دہر اور مادہ کو دیکھتے ہیں اور اس مغالطہ میں گمراہ ہیں کہ کائنات کی ذاتی قابلیت نور ہے اور اس لیے اسی کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے حواس ظاہری اور باطنی میں ذاتی قابلیت ہے کہ ہم اشیاء اور اُن کے حقائق کا مشاہدہ کر رہے ہیں، حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ نور جو ازلی اور ابدی ہے ہر ایک شے کو روشن کر رہا ہے اور اسی نور کی روشنی میں ہم اشیاء اور اُن کے حقائق کا مشاہدہ کرتے ہیں، اگر یہ نور نہ ہو تو ہر ایک شے پردۂ اخفا میں رہے اور ہم کور کورانہ بیٹھے کے بیٹھے رہیں، اس میں کچھ شک نہیں، باوجود اس امر کے کہ اسی نور سے ہم دیکھ رہے ہیں اس نور کا ادراک نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ امر معقول فی الذہن ہے کہ یہ حقیقت ہے، یہ مفہوم آیہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا ہے جس میں عالم انسانی بھی شامل ہے۔ لیکن آیہ نور کے دوسرے حصّہ میں عالم انسانی کا بالخصوص مذکور ہے کہ اس حقیقت کا احساس کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے انسان کو کس طرح ہوتا ہے؟

اگر کل کائنات کو جسم تصوّر کریں تو عالم انسانی اس کی آنکھ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مشاہدہ کرنے والی آنکھ میں روشنی کہاں سے آئی اور کس طرح آئی؟ اس کی تشریح ایک مثال سے کی گئی ہے جو نور شمع میں ہے، جس کا مذکور ہو چکا ہے، لیکن الفاظ مشکوٰۃ اور مصباح اور زجاجہ اور زیتون سب موزون اور مناسب واقع ہوئے ہیں، ان سب کی اصل مٹی ہے جو بذاتہٖ کثیف شے ہے، لیکن مصباح مشکوٰۃ سے اور زجاجہ مصباح سے اور زیتون زجاجہ سے اور نار زجاجہ سے درجہ بدرجہ لطیف تر اور صاف اور شفاف تر ہے، یہ ایک ہی شے کی ارتقائی صورتیں ہیں اور ایک دوسری سے مختلف اور ممیز ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی عبث اور بیکار شے نہیں ہے اور ایک دوسری سے بالکل بے نیاز نہیں ہے، ان کے تعلقات ٹوٹ نہیں سکتے، اور انہی کے اجتماع سے نور پیدا ہوتا ہے، انفرادی حالت میں یہ سب بے نور ہیں، لیکن جب نور ظاہر ہوتا ہے تو سب نورٌ علیٰ نور ہو جاتی ہیں، اس کی واضح مثال برق اور برقی روشنی ہے جس نے ہمارے گھروں کو روشن کر دیا ہے جو لاشرقیہ اور لاغربیہ ہے، یہ تمام کرہ میں پھیلی ہوئی ہے۔

لیکن ہمیں اس کا احساس اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک یہ مشکوٰۃ اور مصباح اور زجاجہ میں داخل نہیں ہوتی، یہ سب حجاب اور پردے ہیں لیکن ہمیں اس کا احساس انہی پردوں میں ہو سکتا ہے، برق جو طرفۃ العین میں بعد المشرقین طے کرتی ہے نہ شرق اور نہ غرب میں محدود ہے بلکہ شرق اور غرب کا امتیاز ہی مٹا چکی ہے، جب مشکوٰۃ اور مصباح اور زجاجہ کے حدود میں جو تنگ اور تنگ تر ہیں، داخل ہوتی ہے تو ہمیں اس کا احساس ہوتا ہے، اور اگر ہمیشہ اپنی ابتدائی حالت پر رہتی تو ہمیں اس کا احساس نہ ہوتا، اور نہ منجر ہوتی، اسی طرح انسانی جسم اور قلب اور نفس کی کیفیت ہے کہ اگر تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس ہو تو اس میں وہ نور ظاہر ہوتا ہے جو ان سب کو نورٌ علیٰ نور بنا دیتا ہے، اور اگر یہ سب کثیف اور مکدر اور تاریک ہوں تو تاریکی پر تاریکی چھائی رہتی ہے، اور انسان کی حالت اس غریق کی طرح ہوتی ہے جو قعر دریا کی طرف جا رہا ہو اور اس پر تاریک موجوں کا ہجوم ہو اور وہ بے فائدہ ہاتھ پاؤں مار رہا ہو۔ یہی کیفیت ان علماء اور حکماء کی ہے جو اس تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں لیکن غرق تو انھوں نے ہونا ہے اوروں کو بھی لے ڈوبیں گے۔

آیۂ نور میں یہ اصل اصول واضح کیا گیا ہے کہ اگر تحقیق منظور ہو اور صحیح مشاہدہ مطلوب ہو تو "تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب مقدم ہے"۔ اس کے بعد معیت حق کا احساس ہوتا ہے۔ یعنی انسان کو ہر وقت باخدا ہونا چاہیے۔ یہ خدائی نور جو ہمارے قلب پر پڑتا ہے ہمیں کائنات اور اس کے حقائق خود بخود مشاہدہ کرا دیگا اور ہم کبھی گمراہ نہ ہوں گے، ہم جو کچھ مشاہدہ کرتے ہیں اپنی نفسانیت سے کرتے ہیں، ہر ایک شے کو اپنی نفسانیت میں رنگین دیکھتے ہیں۔ یہ محض ظنیات ہیں جو حقیقت سے بہت دور ہیں، اور انہی ظنیات میں ایک دنیا گمراہ ہے، ظنیات سبز باغ تو دکھاتی ہیں لیکن یہ محض دھوکے کی ٹٹی ہیں۔ اس کی کیفیت سراب کی ہے جس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ حکماء یورپ بھی انہی ظنیات میں الجھے ہوئے ہیں، ان میں روحانیت نہیں ہے اور اس لیے وہ فلاح سے بہت دور ہیں جو انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ ہے، وہ فلاح حاصل کرنا چاہتے ہیں جو اسی صورت میں ممکن ہے جب عالم انسانی میں امن ہو، کیونکہ ارتقاء امن سے وابستہ ہے، لیکن جو کچھ ہلاکت آفرین ایجادیں وہ کر رہے ہیں ان کی مثال عصاء موسیٰ کی ہے جس کو آنحضرت جب حقیقت سے ناآشنا تھے اپنی زندگی کا سہارا سمجھتے تھے لیکن : -

جب حقیقت کا انکشاف ہوا تو وہ سانپ دکھائی دیا، ید بیضا کے قبضہ میں جو نور باطن سے حاصل ہوا یہ پھر اپنی اصل صورت اور سیرت پر آگیا۔ نفس امارہ بالسوء کا قبضہ جب عقل پر ہو تو نتیجہ یہی کچھ ہوگا جو ہم اقوام عالم کی باہمی آویزش میں دیکھ رہے ہیں، لیکن جب عصاء عقل ید بیضا کے قبضہ میں ہو تو نہایت مفید آلہ ہے۔

تحقیق کا آغاز ہم بعض مفروضہ مسلمات اور ان پر قیاسات عقل سے کرتے ہیں، جنہیں انگریزی میں "تھیوری" کہتے ہیں، حکماء یورپ نے معاشرت اور سیاسیات پر جو کچھ اظہار خیالات کیا ہے وہ محض قیاسات عقلی ہیں، جب تک اُن کو عملی جامہ نہ پہنایا جائے اور تجربہ کی کسوٹی پر نہ پرکھا جائے ان کی صداقت ثابت نہیں ہوسکتی۔ حقیقت کے متعلق دو رائیں نہیں ہوسکتیں جہاں رائوں میں اختلاف ہو وہاں یہ سمجھنا چاہیئے کہ محض ظنیات کی بھول بھلیوں میں سرگردانی ہے، آیہ نور ہمیں حقیقت کی طرف رہنمائی کر رہی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تو کل کائنات اور کائنات کی ہر ایک شے کو روشن کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ہمیں مشاہدہ کرنے والی آنکھ بھی عنایت فرمائی ہے۔ پھر یہ کیسی بے بصری ہے کہ آنکھیں رکھتے ہوئے نہیں دیکھتے، صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ، خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۔

"سوشلزم" کے نظریوں سے ہم سب واقف ہیں، یہ سب مسئلہ ارتقاء کو لیے ہوئے ہیں۔ عموماً سوشلسٹ زن و مرد کے تعلقات واضح کرنے سے قاصر رہے ہیں اور حقوق زوجیت کو یا تو تسلیم ہی نہیں کرتے یا یونہی نظر انداز کرتے ہیں۔ زنا کو وہ اس حد تک بُرا سمجھتے ہیں کہ اس سے بڑھکر برائی متصور نہیں ہوسکتی، اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ زنا کا لازمی نتیجہ ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز اور غیر مساوات دربارہ تقسیم دولت ہے، لیکن شرعی پابندیوں کے خلاف ہیں جو حسب ارشاد قرآن تقویٰ کا درس دیتی ہیں، وہ زن و مرد کو مساوی حقوق معاشرت دیتے ہیں لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں کہ صنف ضعیف کو مرد کی سرپرستی کی ضرورت ہے، بات اصل میں یہ ہے کہ انسان تعجیل پسند ہے، اس لیے اعتدال پسند نہیں، یہی چاہتا ہے کہ جو کچھ ہونا ہو جلدی ہو، اس لیے ہمیشہ افراط و تفریط میں آ رہتا ہے۔ قرآن حکیم اعتدال کا معلم ہے اس لیے اُمت مسلمہ کو امتہ وسطیٰ کہا گیا ہے۔

"تعدیل ہر امر کمالِ عرفاں است"

حریت و مساوات جو "سوشل ازم" کا اصل اصول ہے، قرآن ہی کی تعلیم سے ماخوذ ہے، قرآن ہی اس کا معلّم اوّل ہے، رسول کریم کی بعثت سے پیشتر عالم انسانی اس سے واقف نہ تھا۔ قرآن عظیم ہی کے ذریعہ دنیا اس سے روشناس ہوئی، لیکن اسلام دین الفطرت ہے، کسی شخصیت کی اختراع نہیں، کل کائنات کا یہی دین ہے "لَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" قوانین الٰہیہ کے آگے ہر ایک شے طوعاً یا کرہاً سر تسلیم خم کر رہی ہے، اور یہی قوانین، یہی آیات آلٰہیہ ہیں جن کا بیان قرآن ہے، ام الکتاب یہی صحیفہ فطرت ہے، لَارَيْبَ فِيْهِ ۔ اس کا مصنّف اللہ تعالٰے ہے۔ اسی نے اس کا بیان قرآن عظیم نازل فرمایا، اگر یہ قرآن انسانی تصنیف ہوتا اور اللہ تعالٰے کی طرف سے نہ ہوتا تو صحیفہ فطرت اور اس میں اختلاف کثیر ہوتا۔ صحیفہ فطرت ہی ایک و احد معیار صداقت ہے، لاریب فیہ، یہی "ہدایت" ہے، لیکن انہی کے لیے جو اس کا مطالعہ تقویٰ کو لیے ہوئے کرتے ہیں، جن کا تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو چکا ہے جو ہوائے نفس سے پاک ہیں، وہی اسے مس کر سکتے ہیں۔ یہ صحیفہ کتاب مبین اور کتاب منیر ہے، لیکن جن کی آنکھوں پر نفسانیت کا حجاب ہے وہ شپرہ چشم ضیاء آفتاب میں خیرگی اور تیرگی محسوس کرتے ہیں، "چشمۂ آفتاب را چہ گناہ"۔ حد ہے کہ لوگ اثبات واجب الوجود پر عقلی استدلال کرتے ہیں۔

زہے ناداں کہ او خورشید تاباں		بنور شمع جوید در بیاباں

جو خود نور ہو اور جس سے بڑھکر کوئی شے روشن نہ ہو بلکہ جو ہر ایک شے کو روشن کر رہا ہو اس کا اثبات عقلی دلائل سے نہایت ہی مضحکہ انگیز بات ہے، اللہ ہی کے نور سے یہ صحیفہ فطرت یعنی سمٰوٰت والارض روشن ہو رہا ہے، اسی کے نور سے ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، وہی معلم اس کا درس دے رہا ہے، اس پر یہ شک وشبہ کو لیے ہوئے سوال کر اللہ تعالےٰ موجود بھی ہے یا نہیں عجائبات دنیا میں سے عجب ترین ہے۔ انتہائی بے بصری ہے،

نور شمع سے تاریک مکان کے در و دیوار اور اس کی ہر ایک شے ظاہر ہو رہی ہے۔ تمام مکان اور اس کی ہر ایک شے مل کر بھی شمع کو روشن نہیں کر سکتے، اسی طرح اللہ تعالےٰ کے نور سے کل کائنات روشن ہے، کل کائنات جو بذاتہ تاریک ہے اللہ تعالےٰ کی ذات

کو روشن نہیں کر سکتی

چو آیات اندر روشن گشتہ از ذات نگردد ذات او روشن ز آیات

ہم آفتاب عالم تاب کو آفتاب کی روشنی ہی میں دیکھ سکتے ہیں "عَرَفْتُ رَبِّي بِنُورِ رَبِّي" صحیح کلام ہے۔ المختصر یہ اصل اصول تحقیق ہے جو آیہ نور میں واضح کیا گیا ہے، سورہ نور کا موضوع وہی کچھ ہے جو معاشرت کا ہے جس کے تحت ہر ایک قسم کی انسانی ترقی آجاتی ہے، علم معاشرت کا، جسے "سوشل آلوجی" انگریزی میں کہتے ہیں، موضوع یہ ہے کہ کس طرح انسان سیاسی نظام میں منظم ہوتا ہے اور کس طرح حکومت کا ظہور ہوتا ہے اور حاکم و محکوم اور جائدادیں بنتی اور نشو و نما پاتی ہیں۔ کس طرح ذاتوں اور پیشوں کا امتیاز اور رفتہ رفتہ ادنیٰ اور اعلیٰ اور امیر اور مفلس بنتے ہیں اور کس طرح انسان جماعتوں اور قبائل اور اقوام میں نظر آتا ہے۔ یہ اور دیگر ترقیات انسانی کا موضوع ان سورتوں کا ہے جو "الٓمٓ" سے شروع ہوتی ہیں۔ سورۃ النور میں ان خرابیوں کا مذکور ہے جو بوجہ ہوائے نفس انسان معاشرت میں پیدا کرتا ہے اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ یہ کس طرح رفع ہو سکتی ہیں، یہ اہم موضوع ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ کائنات میں جو کچھ مشاہدہ ہو رہا ہے سب کچھ قوانین الٰہیہ کے تحت ظہور میں آتا ہے اور اس لیے اس میں کچھ فتنہ و فساد اور کسی قسم کی خرابی نہیں۔ لیکن عالم انسانی کی کیفیت کچھ مختلف ہے، اگر یہ بھی قوانین الٰہیہ کے آگے سر تسلیم خم اسی طرح طوعاً کرے جس طرح دیگر اشیاء کر رہی ہیں تو اس کی زندگی اور موت عین فطرت کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو اسے بھی دیگر اشیاء کی طرح قوانین کا پابند بنا دیتا، لیکن پھر یہ انسان نہ ہوتا دیگر اشیاء کی طرح ہوتا، اسے اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ فی الارض بنایا ہے کائنات کی ہر ایک شے طوعاً مسلم ہے یعنی طوعاً حکم بردار ہے، انسان فتنہ و فساد برپا کرتا ہے اور ہوائے نفس کا اتباع کرتے ہوئے وہ وہ طوفان بے تمیزی اٹھاتا ہے جو مشاہدہ ہو رہا ہے۔ پھر جب عذاب کے منہ آتا ہے تو چار و ناچار اصلاح کی طرف توجہ کرتا ہے، یعنی عمداً کرہاً حکمبردار ہے، ان امور میں بھی اس کی ترقی کا راز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ ظلمت سے نور پیدا کر دیتی ہے۔

انسانی ابتدا مٹی سے اسی طرح ہوئی جس طرح دیگر اشیاء کی ہوئی اور ہوتی ہے، اس

کی اصل ایک ہی ہے جیسا کہ سورۃ النساء کے شروع میں واضح کیا گیا ہے، ارتقاء کے ایک خاص مرحلہ پر زن ومرد کا امتیاز پیدا ہوا، اور پھر ایک خاندان کی صورت بن گئی، ترقی کرتے ہوئے ایک خاندان کئی خاندانوں میں منقسم ہو گیا، اس کی اجتماعی صورت قبیلہ کی ہوئی، مزید ارتقاء سے ایک قبیلہ کئی قبائل میں منقسم ہو گیا، جو بحیثیت مجموعی قوم سے تعبیر ہوتا ہے، جو ارتقائی حالت میں اقوام میں ظاہر ہوئی اور روئے زمین پر قومیں پھیل گئیں، اور مختلف ممالک میں آباد ہو گئیں جس کی وجہ سے اس کا نسلی پیوند جدا ہوتا رہا، اور ممالک کی آب و ہوا اور دیگر فطری اسباب کے تحت اُن کی رنگتوں اور بولیوں میں بھی اختلاف بڑھتا گیا، ان پر قرنہا قرن گذر گئے، اور وہ ایک دوسرے سے بالکل بیگانہ ہو گئے، یہ سب کچھ قوانین الٰہیہ کے تحت ہوا۔

اب مثلاً کسی ایک قوم کو لے لو اور اسی پر کل عالم انسانی کو قیاس کر لو، ایک قوم جس کا قیام نسلی تعلقات سے ہوتا ہے ملک کے وسیع قطعہ پر پھیلی ہوتی ہے، ملک میں کئی آباد شہر ہوتے ہیں، کسی ایک شہر پر باقی شہروں یعنی کل ملک کو قیاس کر لو، لیکن شہر میں بیشمار خاندان ہوتے ہیں اس لیے کسی ایک خاندان پر کل خاندانوں کو قیاس کر لو، لیکن ایک خاندان بھی کئی گھروں میں رہائش رکھتا ہے اس لیے کسی ایک گھر پر باقی گھروں کو قیاس کر لو، یہ امر واضح ہے کہ اگر ہم ایک ہی گھر کو زیر نظر رکھیں اور اس کے حالات پر غور کریں تو ہماری نظر کل عالم انسانی کے حالات پر ہوگی، اس گھر کے معاشری تعلقات اور اس کی خرابیوں کی اصلاح کل عالم انسانی کی اصلاح پر اثر انداز ہوگی، یعنی جسطرح ایک گھر کی اصلاح ہو سکتی ہے اسی طرح کل عالم انسانی کی اصلاح ممکن ہے، اگر ہر ایک گھر اپنی اپنی اصلاح پر توجہ کرے تو کل عالم انسانی کی اصلاح خود بخود ہو جائیگی۔

اب فرض کرو کہ ایک گھر میں صرف ایک میاں بیوی رہتے ہیں اور ان میں فطری جذبات مودت و رحمت کے نمایاں ہیں، ایک کو دوسرے سے تسکین خاطر حاصل ہے، میاں گھر سے باہر محنت مزدوری یا کسی صنعت و حرفت یا تجارت سے روزی کماتا ہے، بیوی گھر کا انتظام کرتی ہے۔ دونوں عین فطری زندگی بسر کر رہے ہیں، کسی دن کسی بندۂ نفس امارہ بالسوء کی نگاہ اس خوش خصال نیک عورت پر پڑتی ہے۔ وہ اس پر ڈورے ڈالتا ہے، اور وہ تمام ذرائع اور وسائل کام میں لاتا ہے جو اس کے قبضہ میں ہوں تاکہ اس عورت کو قبضہ میں لائے، یہ ممکن ہے

کہ عورت اس کے دام تزویر میں پھنس جائے، یا اسے ٹھکرا دے، دونوں صورتوں میں گھر کے امن میں رخنہ اندازی ہو کر رہیگی، اوّل الذکر صورت میں تو واضح ہے کہ کُشت و خون تک نوبت پہنچ جاتی ہے، دوسری صورت میں اگر خاوند کو کچھ شبہ ہوا یا اس کے دل میں شبہ ڈالا گیا تو نتیجہ ایک ہی ہے۔ اس خرابی کا سدِّ باب سورۃ النور میں کیا گیا ہے، بہتر تو یہ ہے کہ گھروں میں کوئی خرابی واقع نہ ہو، یہی بہتر ہے کہ کوئی مریض نہ ہو بہ نسبت اس کے کہ کوئی مرض میں مبتلا ہو تو اس کا علاج کیا جائے، لیکن مشاہدہ ہو رہا ہے کہ عملاً انسان خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لیے اس کا علاج بھی سورۃ النور میں بتایا گیا ہے، مریض خواہ حکیم ہو اپنا علاج خود نہیں کر سکتا، اس کے لیے اس شے کی ضرورت ہے جسے ہم حکومت سے تعبیر کرتے ہیں اور محاورہ قرآن میں "خلافت" سے موسوم ہے، خلافت کا فرض اوّلین امن قائم رکھنا ہے۔ قرآن میں واضح کیا گیا ہے کہ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور سورۃ النور بھی اسی آیت پر ختم ہوئی ہے کہ "اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"۔ اللہ ہی کا ملک کل کائنات ہے

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور اسی کی حکومت اس پر ابدی ہے، لیکن اللہ تعالےٰ مناسب اسباب سے جو اس کے ہی پیدا کردہ ہیں مناسب کام کرتا ہے، اس کرۂ زمین پر انسان کو اس نے اپنا خلیفہ بنایا ہے یعنے نائب السلطنت اور اس کو ہدایت فرما دی ہے کہ ان قوانین کے تحت جو اللہ تعالےٰ کے وضع کیے ہوئے ہیں حکومت کرے اور اس لیے اس کو صاحب اختیار بھی بنا دیا ہے، ہر ایک انسان خلیفۃ اللہ ہے اور یہ اس کا فطری حق ہے، لیکن یہ عہد فطرت جو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں سے باندھ رکھا ہے ظالموں تک نہیں پہنچتا خواہ وہ اولاد ابراہیم ہی کیوں نہ ہو:

"کہ دریں رہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست"

خلافت: ۔ یہ خیال قطعاً گمراہ کن اور عبث ہے کہ خلافت کا حق خاص خاص اشخاص کا ہوتا ہے، فطرۃً ہر ایک شخص خلیفۃ اللہ ہے اور کسی نہ کسی رنگ میں وہ اظہار خلافت کرتا ہے اصل خلافت تو یہ ہے کہ کائنات کی ہر ایک شے میں باتباع فطرت انسان تصرف کرتا ہے اور کائنات کی ہر ایک شے بحکم الٰہی سجدہ میں گری ہے "اِلَّا اِبْلِيْسَ" اور ایسے بندگان خدا بندگان خدا میں اور ملک خدا میں علو اور برتری کے خواہاں نہیں ہوتے، دار الآخرۃ انہی کا حصہ ہے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روئے زمین پر حکومتیں قائم ہیں اور بندے بندوں پر حکومت کرتے ہیں، بندے بندہ پرست ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ بات یہ ہے کہ اگر انسان فطری زندگی بسر کرتے ہوتے تو ایسی حکومت ممکن ہی نہ تھی کوئی شخص کسی کا محاسب نہ ہوتا، یہ اتباع ہوائے نفس کا نتیجہ ہے کہ ایسی حکومتیں ممکن ہیں۔ جو آج محکوم ہیں اکسی وقت یہی حاکم تھے۔ اگر وہ خلافت کا حق ادا کرتے رہتے تو ان کی اپنی حکومت اپنے آپ پر رہتی غیر کی حکومت ان پر نہ ہوتی تھی۔ قرآن میں اقوام سابقہ کا مذکور ہے جو ہمارے لئے درس عبرت ہے۔ قومیں اپنے ظالمانہ کردار سے ذلیل اور ہلاک ہوتی رہیں اور ہونگی، احکم الحاکمین نے انکو اختیار حکومت دے رکھا تھا اور ہدایت یہ تھی کہ ہمارے قوانین کے پابند رہو، لیکن انہوں نے ان قوانین کو پس پشت ڈال کر اپنی نفسانیت کے نفاذ کیلئے اپنی حکومت قائم کی اور علانیہ اللہ تعالےٰ کے ملک میں علم بغاوت بلند کیا، اور خیال یہ کیا جیسا کہ اب بھی کوتاہ اندیش کر رہے ہیں کہ ان سے بازپرس نہ ہوگی جو کچھ اُن کو سزا ملی قرآن میں مفصل مذکور ہے اور تاریخی واقعات تائید کر رہے ہیں۔ وہ اپنے آثار ہماری عبرت کے لئے چھوڑ گئے ہیں، سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ یہ قانون فطرت ہے اور ایسا پختہ ہے کہ ٹوٹ نہیں سکتا۔

خلافت ایک مستقل موضوع ہے، اس لئے میں اس پر مفصل بحث اس مقام پر نہیں کر سکتا آیہ استخلاف سورۃ النور میں واقع ہوئی ہے۔ کفار اور مشرکین کا زور تھا اور مسلمان امن کی زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے وعدہ فرمایا کہ تمہیں ضرور خلافت یعنی حکومت خود اختیاری عطا ہوگی اور تمہارا خوف امن سے بدل جائیگا۔ اس میں کسی شخص کی تخصیص نہیں ہے بلکہ کل مومنین کو مخاطب کیا گیا ہے جن کے اعمال صالح ہوں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ خلافت راشدہ میں ایک ہی شخص ایک وقت میں خلیفہ کہلاتا تھا، یہ صحیح ہے لیکن وہ خلیفۃ النبی تھا خلیفۃ اللہ تو وہ اور ہر ایک شخص پہلے ہی فطرۃً تھا اور ہے۔

جو حضرات "نبی" اور "نبوت" کا اصطلاحی فہم رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ نبوت رسالت سے بالکل علیحدہ شے ہے، "بر رسولاں بلاغ باشد وبس" یعنی صاحب حکومت اور اختیار ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک شخص رسول اور نبی دونوں ہو، لیکن یہ ضرور نہیں کہ ہر ایک رسول نبی

اور ہر ایک نبی رسول ہو، حضرت موسیٰؑ اور آنحضرتؐ رسول اور نبی دونوں تھے، میں نے اس موضوع پر "بلاغ" کے صفحات پر مختصر مگر کافی بحث کی ہے۔ اس لئے اس جگہ اعادہ کی ضرورت نہیں، خلیفۃ النبی، نبی کی عدم موجودگی میں نبی کا ہی نائب ہوتا ہے۔ اسکی انتظامی معاملات میں اسکی اطاعت ایسی ہی فرض ہے جیسے نبی کی، یہ خیال انتہا درجہ کا گمراہ کن ہے کہ نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے اور اسلئے اپنے اعمال کا وہ جوابدہ نہیں ہوتا، اس کے اعمال بلا چون وچرا تسلیم کرنے چاہئیں۔ خود آنحضرت نے بحیثیت نبی ایسی غلطیاں کی ہیں جن پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے تنبیہ ہوئی، یہ غلطیاں بتقاضائے بشریت سرزد ہوئیں، اور اگر دیدہ دانستہ غلطی کو غلطی مانتے ہوئے کوئی شخص اس کا مرتکب ہو تو وہ اس لائق نہیں کہ نبوت کے عہدہ پر قائم رہے، جب خود نبی سے غلطی کے سرزد ہونیکا امکان ہے تو خلیفۃ النبی کس طرح معصوم عن الخطا ہوسکتا ہے، آنحضرتؐ اور حضرت عمرؓ پر عورتیں بھی اعتراض جما دیتی ہیں، مردوں کا کیا مذکور ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ اعتراض بجا تھے۔ سورہ مجادلہ میں تو مدہوگئی ہے کہ نبی کے حکم کو غلط قرار دیا گیا ہے اور عورت کا استغاثہ صحیح تھا۔

ہر ایک کام مناسب انتظام ہی سے ہوتا ہے، حکومت بھی محض انتظامیہ ہوتی ہے نبی یا خلیفۃ النبی کی اطاعت معروف معصیت پر کبھی نہیں ہوسکتی، یہ اطاعت عامہ خلائق کے مفاد کے لئے ہوتی ہے، اور اسکی غرض وغایت امن کا قائم کرنا ہے، جس سے ہر ایک ترقی وابستہ ہے، یہ حکومت دراصل نیک شہریوں کی حکومت خود اختیاری ہے، تقسیم کار ہے جو ہر ایک شخص کو جس کا وہ اہل ہے سپرد کی جاتی ہے، اب اگر کوئی شخص صاحب حکومت اور اختیار ان کی آڑ میں اپنے مفاد کیلئے اختیار کا ناجائز استعمال کرے تو اسکا جو کچھ حشر ہونیوالا ہے وہ ہمیں پہلے ہی سے معلوم ہے۔

حکومت کی مختلف صورتیں ہیں، شخصی اور دستوری اور جمہوری، ان کی مثالیں بیشمار ہیں۔ آنحضرتؐ کی بعثت سے پیشتر عموماً شخصی حکومتیں ہی تھیں، ملوکیت اور نبوت دونوں شخصی حکومتیں تھیں، اور ازمنہ تاریک یا ایام جاہلیت میں یہی کچھ ممکن تھا۔ آنحضرتؐ آخری نبی ہیں، آنحضرتؐ پر شخصی نبوت کا خاتمہ ہوگیا۔ "ملوکیت" آنحضرتؐ کے بعد رفتہ رفتہ شخصی نہ رہی، خلافت شخصی حکومت نہ تھی، محض انتظامیہ تھی، قیصرو

کسریٰ کی نسبت آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ دونوں ہلاک ہوجائیں گے اور ان کے بعد کوئی قیصر و کسریٰ نہ ہوگا، یہی دونوں اس وقت شخصی حکومت کے نمائندہ تھے، پیش گوئی کا مفہوم یہ ہے کہ شخصی حکومت صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگی، چنانچہ تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ مٹ گئی اگر کوئی نام رہ گیا ہے تو وہ بھی مٹنے والا ہے، عالم انسانی ارتقائی منازل طے کر رہا ہے۔ ہر ایک حکومت خواہ اس کی کوئی صورت ہو اسی طرح مٹ جائیگی اور وہ دن آنے والا ہے کہ جب ہر ایک انسان اپنا آپ ہی محاسب ہوگا

کَفٰی بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ حَسِيْباً

"خلافت" جو آنحضرتؐ کے بعد وفات قائم ہوئی وہ محض انتظامیہ خود اختیاری تھی، اللہ تعالیٰ ہی اصل حاکم ہے اور اسی کی اطاعت فرض ہے، نبی اور نبی کے بعد اس کے خلیفہ کی اطاعت بالتبع ہے، نبی کے بعد اولی الامر کا درجہ ہے جس کا تقرر اور بحالی اور برطرفی نبی یا خلیفہ کے اختیار میں ہے، اولی الامر کے فیصلہ کو متخاصمین یا ان میں سے کوئی فریق رد کر سکتا ہے بشرطیکہ حاکم اعلیٰ خلیفہ کی طرف رجوع کرے جو شوریٰ میں آخری فیصلہ دیگا۔ یہ ممکن ہے کہ یہ فیصلہ بھی غلط ہو، اس لیے آنحضرت کا ارشاد ہے کہ میں پیش کردہ شہادتوں پر فیصلہ کرتا ہوں، ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی چرب زبانی سے اپنے حق میں فیصلہ کرالے اور وہ راستی پر نہ ہو، اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اپنے پیٹ میں آگ جمع کررہا ہے۔

ذہن انسانی کے ارتقاء کا تقاضا ہے کہ رفتہ رفتہ ہر ایک غیر حکومت سے آزاد ہو اس لیے جس طرح شخصی حکومت مٹ چکی ہے اور شخصی نبوت کا ختم کرنیوالا خود خاتم النبیین ہے، اگر ہر ایک حکومت اسی طرح مٹتی جائے تو ظاہر ہے کہ حقیقی حکومت براہ راست اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی، قرآن تو ہمیں یہ تلقین فرماتا ہے کہ براہ راست اللہ سے تعلق پیدا کرو، اسی کی ذات مقصد اعلیٰ ہے

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود — ز ہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

سورۃ النور میں وہ آیات بھی ہیں جو پردہ کے متعلق ہیں، اس موضوع پر مخالف اور موافق بہت کچھ لکھا گیا ہے اور میں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا، وقت خود بتادیگا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ بظاہر دنیا بے پردگی کی طرف ہی جارہی ہے، اور بے پردہ ہو

ہو کر رہیگی، میری اپنی رائے یہی ہے کہ پردہ بعض معاشری خرابیوں کا سد باب ضرور ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بھی اس کا مذکور خصوصیت کے ساتھ ہے، لیکن یہ پردہ جو ہمارے ہاں رواج پا گیا ہے درحقیقت پردہ نہیں بلکہ عورتوں پر صریح ظلم ہے، ارشاد الٰہی ہے کہ فاحشہ عورتوں کو گھروں میں بند رکھو، عورتوں کو اس طرح گھروں کی چار دیواری میں بند رکھنا اُن کو ناکردہ گناہ وہ سزا دینا ہے جو فاحشہ عورتوں کے لیے ہے، علاوہ ازیں گھروں میں بند رہنے سے وہ طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور شاید ہی کوئی گھر ہو گا جہاں عورتوں کو آئے دن کی بیماری کی شکایت نہ ہو، سب سے بڑھ کر اس پردہ کی کوئی سند قرآن میں نہیں، پردہ مومنین اور مومنات کے لیے یکساں ہے۔ بلکہ پہلے مومنین کو مخاطب کیا گیا ہے اور انہی الفاظ میں مومنات کو، اس لیے اگر پردہ یہی ہے اور قرآنی آیات کا یہی کچھ مفہوم ہے جس پر عمل ہو رہا ہے تو مردوں کو بھی گھروں میں بند رکھنا چاہئے۔

توریت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں یہ دستور تھا کہ پیشہ ور عورتیں برقعہ اوڑھا کرتی تھیں اور اسی برقعہ سے یہوداہ پسر حضرت یعقوبؑ نے اپنے لڑکے کی بیوہ عورت کو کسبی تصور کیا اور اس سے زنا کیا جس سے توام بیٹے پیدا ہوئے۔ اب حالات بالکل بدل گئے ہیں، بازاری عورتیں تو کھلے بندوں پھرتی ہیں اور محصنات چار دیواری میں بند ہیں، گھر سے باہر جانے کا اتفاق ہوا تو برقعہ اوڑھ لیا۔ ابتدا میں فاحشہ عورتوں کو اجازت نہ تھی کہ وہ کھلے بندوں پھریں، اور اگر باہر نکلیں تو برقعہ اوڑھ کر، اب زمانہ دگرگوں آئین نہاد' اس پردہ کا نشان صدر اسلام میں نہ تھا اور اسلامی ممالک میں بھی ایسا سخت پردہ نہیں ہے، لیکن ہندوستان نہایت ہی بدقسمت ملک ہے کہ اس میں عورتیں ذلیل زندگی بسر کر رہی ہیں، یاد رکھو کہ جس قوم میں عورت ذلیل ہے وہ قوم ذلیل ہی رہیگی۔

ہمارے ہاں پردہ تو محض امارت کی نشانی ہے، کام کاج والی ادنےٰ طبقہ کی عورتیں تو ہمیشہ بے پردہ نظر آتی ہیں، کیا وہ پردہ کے حکم سے مستثنےٰ ہیں؟ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انھیں بھی ایسا ہی پردہ کرنا چاہیئے جیسا کہ امیر گھرانوں کی عورتیں کرتی ہیں کیونکہ عملاً یہ ممکن نہیں؟ قرآن تو ایسے پردہ کی حمایت کرتا ہے جو تقویٰ کے مناسب ہے اور جس سے پاکیزگی کا اظہار ہوتا ہے اور بس، اُمت مسلمہ کو غور کرنا چاہیے کہ پردہ کے متعلق کیا رویہ اختیار کیا جائے

جوارشاد قرآن کے تحت بھی ہو اور حالات سے بھی عہدہ برآ ہو سکے۔

میں نے چند اشارات میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ تفسیر کا حکم نہیں رکھتا اور نہ تھوڑے سے وقت میں سورہ کی تفسیر ممکن ہے، لیکن یہ اشارات سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

آمد و خرچ اُمّت مُسلمہ امرتسر از یکم اکتوبر تا ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۷ء

آمد بلاغ

میاں مہر بخش صاحب چاندیوالہ	۰ — ۰ — ۵
میاں مولا بخش صاحب	۰ — ۰ — ۲
حاجی محمد اسحٰق محمد اسمٰعیل صاحبان	۰ — ۰ — ۵
مولوی محمد نور زماں صاحب	۰ — ۰ — ۱
ڈاکٹر گل محمد صاحب بحرین	۰ — ۳ — ۳
میاں محمد امین الدین صاحب	۰ — ۰ — ۳
بابو چراغ الدین صاحب اسدھو	۰ — ۰ — ۲
خواجہ غلام محمد صاحب محقق	۰ — ۰ — ۳
خلیفہ نور احمد صاحب	۰ — ۰ — ۵
نور محمد صاحب (عرب مولوی)	۰ — ۰ — ۱۰
محمد ابراہیم صاحب مدرس	۰ — ۸ — ۰
چوہدری بشیر احمد صاحب لاہور	۰ — ۰ — ۱
ستّرا	۰ — ۰ — ۲۰
مولوی عبد السبحان صاحب گیاوی	۰ — ۰ — ۲
میزان	۰ — ۱۱ — ۶۲

آمد ہال فنڈ

میاں امین الدین صاحب	۰ — ۰ — ۷
چوہدری بشیر احمد صاحب	۰ — ۰ — ۵
چوہدری الٰہ بخش صاحب احسان پوریا	۰ — ۰ — ۱
میزان	۰ — ۰ — ۱۳

کل آمد

سابقہ بقایا	۰ — ۰ — ۱۵۷
بلاغ	۰ — ۱۱ — ۶۲
عمارات	۰ — ۰ — ۱۳
جلسہ فنڈ	۰ — ۱۱ — ۱۳۹
فروخت کتب	۰ — ۶ — ۰
چندہ رکنیت	۰ — ۸ — ۲
میزان	۰ — ۴ — ۳۷۵

کل خرچ

خرچ بلاغ	۰ — ۵ — ۷۹
ر کتبخانہ	۶ — ۰ — ۷
مدرسہ و لائبریری	۶ — ۱ — ۷
ہال	۰ — ۰ — ۱۱۷
جلسہ سالانہ	۹ — ۱ — ۱۰۸
میزان	۹ — ۸ — ۳۱۸
بقایا محفوظ	۳ — ۱۱ — ۵۶

اُمّتِ مُسلمہ اور فرقہ بندی

ذیل میں حکیم محمد حسین صاحب عرشی کی تقریر کا اقتباس درج کیا جاتا ہے آپ نے اتحادِ ملت کے متعلق اُمّتِ مسلمہ کا نقطۂ نظر واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

بلاغ نے گذشتہ چودہ برس سے ملّت اسلامیہ کے سامنے جتنا بھی لٹریچر پیش کیا ہے اسمیں مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کی اہمیت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا گیا اور اگر اس موضوع پر بلاغ کے قدیم نامہ نگاروں کے افکار و مضامین کو جمع کیا جائے تو وہ کئی مجلدات میں سما سکتے ہیں۔

اسی ضمن میں آپ نے سفر کشمیر کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

ایکدفعہ بارہ مولہ میں میری ملاقات ایک اندرابی پیر صاحب سے ہوئی، دوران گفتگو میں پیر صاحب نے پوچھا آپ کس مذہب کے پیرو ہیں؟ میں نے جواب دیا، میں مسلمان ہوں، انہوں نے پوچھا، کیسے مسلمان؟ میں نے کہا، صرف مسلمان، انہوں نے پھر پوچھا، صرف مسلمان کیا ہوتا ہے؟ میں نے پھر پہلا جواب دُہرا دیا۔ انہوں نے کہا، یہ عجیب بات ہے صرف مسلمان! نہ حنفی نہ وہابی نہ شیعہ نہ سُنّی یہ کیسی مسلمانی ہے؟ مسلمانوں کے کسی فرقے سے تعلق نہیں اور صرف مسلمان ہیں۔ میں نے نہایت نرمی سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلعم وہابی تھے یا حنفی، شیعہ تھے یا سُنّی؟ میرے اس سوال سے وہ کچھ خاموش و متحیر سے رہ گئے۔ میں نے پھر پوچھا، آخر آنحضرت صلعم کس فرقے سے تعلق رکھتے تھے؟ آپ کے اصحاب کرام کس امام کے پیرو تھے؟ اب وہ پھر چپ تھے۔ میں نے خود ہی عرض کیا کہ میری تحقیق یہ ہے کہ حضور سید البشر صرف مسلمان تھے۔ آپ کے رفقاء بھی صرف مسلمان تھے، میں جو حضور علیہ السلام کا ایک ادنیٰ خادم ہوں، کس طرح آپ کے خلاف چھوٹے چھوٹے فرقوں کے تنگ دائروں میں گھسوں؟ پیر صاحب تھے سلیم الطبع، میری دلیل سن کر خاموش ہو گئے، اور پھر جتنا وقت اُنکے ساتھ گذرا، وہ نہایت خوش اخلاقی حلم اور محبت کیساتھ پیش آتے رہے۔

آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ

میرا یہ عقیدہ کوئی نیا عقیدہ نہیں بلکہ اجرائے بلاغ کے وقت سے لے کر اکثر تحریر و تقریر میں اپنی خیالات کا اظہار کرتا رہا ہوں۔

آپ نے اپنی ایک پُرانی تقریر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہو فرمایا

حضرات! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا اس آیت کے دو حصے ہیں، ایک حصے میں اہل عرب کی قبل از اسلام حالت کا ذکر کیا گیا ہے یعنی ارشاد ہوتا ہے، اے اہل عرب اسلام سے پہلے تم آپس میں دشمن تھے، آیت کے دوسرے حصے میں بتایا گیا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں اتحاد اور محبت پیدا کر دی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اخوت و اتحاد کا دوسرا نام ہے اور اس کے برعکس کفر و شرک نام ہے باہمی عداوت و افتراق کا۔

حضرات! حقیقی اخوت اور اصلی بھائی چارہ اتحاد خیال سے وابستہ ہے۔ اس آیت کے مخاطب مختلف قبائل اور مختلف ملکوں کے باشندے تھے مگر ان سب کو اخوان کے محبت بھرے خطاب سے یاد فرمایا ہے۔ شہری و نسلی اختلاف کے علاوہ ان کے دل ایک دوسرے سے بہت دُور تھے دشمنی سے پُر کینے سے لبریز، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ لیکن اتحاد خیال نے ان کے دلوں میں اُلفت ڈال دی۔ صدیوں کے فراق و شقاق کو سالوں، مہینوں اور دنوں میں حُب و وصال سے بدل دیا۔ ابراہیمؑ کو اپنے باپ کے حق میں دعائے خیر کبھی اجازت نہیں دی یہ کیوں؟ اختلاف خیال۔ نوحؑ ان لوگوں کو جو ان کے بھائی، بیٹے، پوتے نہیں نجات دلاتے ہیں مگر اپنا لخت جگر سامنے ڈوب رہا ہے اور کوئی چارہ نہیں فرماتے۔ یہ کیوں؟ ادھر اتحاد خیال ہے، اُدھر تفاوت خیال۔ مہاجرین و انصار کے تعلقات آپ کے سامنے ہیں۔ خواجہ حافظ کا زریں قول اس نکتہ کی تفسیر ہے:-

حسن ز بصرہ، بلال از حبش صہیب از روم   ز خاکِ مکّہ ابوجہل، ایں چہ بوالعجبی ست

میرے بزرگو! اگر توحید کا ذہنی پہلو اللہ تعالیٰ کو ایک کامل ذات ماننا ہے تو اس کا عملی پہلو بندوں کا ایک ہو کر اس کے منشاء کی تکمیل میں لگ جانا ہے۔ ملت اسلامیہ مریض ہے۔ قریب مرگ ہے۔ ایران و شام، ہند و افغانستان، جہاں جہاں جاؤ، مسلمان گر رہے ہیں۔ جو لوگ دوسروں پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔ اُن کی تحریروں، تقریروں کو پڑھو۔ سب یہی کہہ رہے ہیں کہ "اسلام مٹ گیا، قرآنی تعلیم اُٹھ گئی، ہم مسلمان نہیں رہے، اگلے لوگ سچے مسلمان تھے، ہم نام کے مسلمان ہیں"۔ اس سے ثابت ہے کہ وہ خود بھی اپنے کو صحیح معنوں میں مسلم نہیں سمجھتے۔ سب اپنی اپنی

جگہ احیاء و علاج کی تجویز کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہمارا خاموش بیٹھنا کس قدر مُردگی کی علامت ہے؟
خصوصاً جبکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارا اسلام اصل اور قدیم اسلام ہے اور اب تک ویسا ہی بے غل و
غش ہے جیسا کہ آسمان سے اُترا تھا۔ اور تیرہ صدیوں کی آمیزشوں کے انبار سے پاک ہے۔ اس بات کا
خیال چھوڑ دو کہ ہم تعداد میں تھوڑے ہیں، دولت میں کمزور ہیں۔ یاد رکھو کہ دنیا کے تمام تمدن معمولی
درجہ کے انسانوں کی یادگار ہیں۔ موسیٰؑ کے ساتھی فرعون کے غلام تھے، مسیحؑ کے انصار دھوبی تھے،
نوحؑ کے تابع اراذل سمجھے جاتے تھے، محمدؐ کے اصحابؓ گڈریے تھے، لیکن کیا انہی لوگوں نے بارہا
دنیا کی کایا نہیں پلٹ دی۔ یہ کن کالجوں سے پڑھ کر نکلے تھے؟ ان میں سے کون خان بہادر اور متمول
تھے؟ عظیم الشان دیوار کی بنیاد ہمیشہ حقیر کنکروں اور روڑوں سے تیار کی جاتی ہے۔ گھڑے پتھروں
اور مربع اینٹوں کی باری بعد میں آتی ہے۔ تبلیغ حق کے لیے جس فدائیت کی ضرورت ہے،
وہ ہمیشہ غریبوں میں پائی گئی ہے۔ غریب امیروں کی پونجی ہیں۔ غریب اُمتوں کے بانی ہیں۔
غریب حکومتوں کی بنیادیں ہیں۔ ہم سے جو کچھ ہو سکے ہمیں کرنا چاہیے۔ کچھ نہ کرنے سے تھوڑا
کرنا بہتر ہے۔ یاد رکھو! صرف گھروں میں بیٹھ کر روزہ نماز ادا کر کے ہم مسلم نہیں بن سکتے۔ ارشاد
الٰہی ہے "کیا تم نے خیال کر لیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ تم پر پہلے لوگوں کی
ایسی حالت نہیں آئی۔ ان پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹے، ان کے دلوں پر زلزلے آئے۔

میرے بزرگو! ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اس اللہ کا جو ہر چیز پر قادر ہے۔
جس کے منشاء کو روکنے کی کسی میں طاقت نہیں۔ قرآن وہ چیز ہے کہ اگر پہاڑ جیسے بیحد مضبوط و
باوقار وجود پر نازل کیا جاتا تو وہ بھی خوف خدا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا، گڑگڑاتا، عاجزی کرتا،
پھٹ جاتا۔ ہم انسان ہیں اور کسی قدر با اختیار، دنیا خدا کا گھر ہے۔ اگر ہمیں خدا کے گھر میں رہنا
ہے تو گھر والے کی بات سننا پڑے گی، اس پر عمل کرنا ہوگا۔ جب ہم اس کا منشاء پورا کرنے کے لیے
اُٹھ کھڑے ہوں گے، تو یقیناً اسے اپنے منشاء کی عزت کی خاطر ہمارا ساتھ دینا پڑیگا۔ لَا تَحْزَنْ
إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ہم پر مومنوں کی مدد فرض ہے۔ قرآن حق
ہے۔ اس کے اندر بیحد قوت موجود ہے۔ یہ پھیل کر رہیگا۔ کیا اچھا ہو کہ ہم کو بھی یہ شرف
نصیب ہو سکے۔ ہم جو اس وقت یہاں موجود ہیں۔ اللہ کے فضل سے صرف مسلمان ہیں جیسے
قدما تھے۔ کسی انسانی فرقے کے پابند نہیں اور نہ کسی فرقے کو کافر کہتے ہیں بلکہ کافر گروں کو بھی

کافر کہنے کے لیے تیار نہیں۔ لیکن ہمیں فرقہ سازی کے بُت توڑنے پڑیں گے۔ روئے زمین کے مسلمانوں کو ایک سٹیج پر لا کر کھڑا کرنے کی کوشش کرنا ہوگی۔ کلام مجید پر آمیزشی مذہب سے جو اعتراض پڑتے ہیں اُن کو عقل و نقل سے دُور کرنا ہوگا۔ اس میں ہمارے بھائی ہم سے ناراض ہونگے۔ ہم کو اپنی عادت کے مطابق اپنے سے باہر نکال کر پھینکیں گے۔ لیکن ہم اُنھیں اپنے نادان بھائی ہی سمجھیں گے ہم اُن کی خیر اندیشی میں لگے رہیں گے۔ تمام دنیا کے مسلمان ہماری جان، ہمارا جگر، ہمارا لہو ہیں۔ ان کا فائدہ ہمارا فائدہ ہے۔ ان کا نقصان ہمارا نقصان ہے۔ ہمیں ان پر قربان ہو جانے میں اُمید شہادت رکھنی چاہیے۔

میرے دوستو! کوئی پھول اپنی شاخ سے الگ ہو کر سرسبز نہیں رہ سکتا۔ کوئی قطرہ اپنے سمندر سے جدا ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ جو لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے فرقے بنا کر عام مسلمانوں سے الگ ہوتے ہیں وہ خود بھی تباہی کی طرف جارہے ہیں اور اسلام کو بھی کمزور کر رہے ہیں۔ ہمیں فرقوں کے امتیاز کو مٹا کر ہر مسلمان سے ہمدردی کرنی چاہیے اور محبت اور پیار سے اُنھیں قرآن کی طرف بلانا چاہیے، لیکن ان سب باتوں سے پہلے ہمیں خود مسلمان بننا چاہیئے۔ اپنے فرائض کو خود بخود محسوس کرنا چاہیے۔ اگر ایمان میں زیادت و تازگی چاہتے ہو تو اس کو ابتلاء و آزمائش میں ڈالو ؎

"زندگی اندر کشاکش بودن است"

اپنے آپ کو خدا کے بھروسے پر خطرات کے مقابلے کے لیے تیار کرو ؎

"اگر خواہی حیات اندر خطر زی"

نماز پڑھو اور سمجھ کر پڑھو۔ روزہ ضرور رکھو اور خالصاً خدا کے لیے رکھو۔ نمائشی اعمال سے باز آؤ اور اپنی محنت کو ضائع نہ کرو۔ وعدے پورے کرو۔ معاملات کو سیدھا کرو۔ قول حسن اور قول لین پر عمل کرو۔ تحمل و بردباری پیدا کرو۔ اشاعت کتاب اللہ کو اپنے لوازم زندگی سے سمجھو۔

کیا "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی الخ (خدا نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لیے) کے کوئی معنی نہیں، تم کیا ہو؟ تمہاری چیزیں کیا ہیں؟ سب اللہ کا مال ہے۔ اللہ کے مال کو اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کرو۔ دنیوی عارضی گھر کے آثاث کو لازمی جانتے ہو۔ حقیقی گھر کی آسائش کا فکر اس سے زیادہ کرو (مَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ) ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ تبلیغ حق میں جان، وقت، طاقت اور

دولت خرچ کرنے سے تمہیں یقیناً دنیا اور آخرت کی نعمتیں ملیں گی۔ اللہ کے وعدے پورے ہو کر رہیں گے۔ "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلاً" مجھے یقین ہے، میرا ایمان ہے بلکہ میرا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ اگر آپ لوگ اپنے کو آج سے منشائے الٰہی کے ماتحت کر دیں گے اور پامردی سے امتحانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے تو آج سے صرف ایک سال کی قلیل مدت کے بعد آپ کو اپنی مادی و روحانی حالت میں نمایاں ترقی نظر آئیگی۔ انشاء اللہ! لیکن اخلاص شرط ہے۔

میں نے اپنی تقریر میں اتحاد۔ اختلاف اور فرقہ سازی کا ذکر کیا ہے۔ یہاں ان لفظوں کو واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ میں نے جو کچھ کتاب اللہ المجید سے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اصلاً و فرعاً اتحاد تو شاید موت کا دوسرا نام ہے۔ جس میں بظاہر کوئی تفاوت مراتب نہیں رہتا۔

چہ برتخت مُردن چہ برروئے خاک

"اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی" ہماری فطرت کی زبردست آواز ہے۔ ہمارے لحن، زبانیں، شکلیں، قد، ہر ہر عضو کی ساخت ایسی ہے کہ ایک انسان کا مکمل مماثل تمام دُنیا میں قطعاً نہیں مل سکتا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایسی مختلف الاوضاع ہستیاں، مختلف الخیال اور مختلف العادات بھی ہوں۔ لیکن باوجود ان غیر منفک اختلافات کے ہم ایسے متحد بھی ہیں کہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔

بنی آدم اعضائے یک دیگراند　　　کہ در آفرینش زیک جوہراند

"خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ" اس پر شاہد ہے۔ سب انسان عام حیوانوں کے خلاف سیدھے ہو کر دو ٹانگوں کے بل چلتے ہیں۔ سب کی بیس انگلیاں ہوتی ہیں۔ سب کا سر دو شانوں کے درمیان ہوتا ہے۔ الغرض ہر ہر عضو میں تمام صحیح انسان مماثل ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تمام کی شاہراہ عمل ایک ہو۔ سب کی فطری خواہشوں میں اصولاً اتحاد پایا جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سب انسان بلالحاظ ادنےٰ و اعلیٰ ستّہ ضروریہ کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ سب کو تسکین و اطمینان کی تلاش ہے۔ سب علیٰ قدر مراتب اپنی عزت کا احساس اپنے اندر رکھتے ہیں۔ سب یہ چاہتے ہیں کہ دُنیا کا ہر فرد ہمارے ساتھ شریفانہ برتاؤ کرے۔ ہم میں قدرتاً طاقت موجود ہے کہ ہم باوجود اختلاف خیال متحد العمل ہو سکیں۔ لیکن جب ہم اصولاً اختلاف شروع کر دیتے ہیں تو وہ ہماری مریضانہ حالت ہوتی ہے۔ اس وقت ہم اپنی فطرت کو مسخ کرنے کے درپے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو رحمت الٰہی

سے دُور کرلیتے ہیں۔ "لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" اس پر گواہ ہے۔ جب ہمارا مطمح نظر ایک ہی متحدہ کام ہوتا ہے اور اس کو انجام تک پہنچانے کے لیے ہم اپنے اپنے طور پر عمدہ سے عمدہ تجویزیں سوچتے ہیں تو گو یہ تجویزیں مختلف ہوں۔ لیکن ہر پہلے کی تجویز بعد کی تجویز کے لیے بنیاد اور امداد کا کام دیتی ہے اور یہ اختلاف ضروری ہے اور رحمت ہے "اختلاف اُمتی رحمۃ" میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس مبارک ارشاد میں "اُمتی" سے مراد وہ درندے نہیں جو ذرا ذرا سی بات پر اپنے بھائی کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں بلکہ یہ وہ اہل ظرف و ارباب بصیرت ہیں جن کے متعلق ارشاد ہے "بَشِّرِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِكَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ" خوش خبری دو اُن لوگوں کو جو ہر سنجیدہ بات کو خواہ اُن کے کتنے ہی مخالف ہو، سنتے ہیں، اس پر غور کرتے ہیں۔ جس کو واقعی معقول اور احسن پاتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ لغو باتوں میں پڑ کر خواہ مخواہ لڑائی مول نہیں لیتے "وَھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ" میرے خیال میں اختلاف و اتحاد کی مختصر تشریح یہ ہے۔

اب مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ میں نے اپنی تقریر میں فرقہ سازی کو مضعفِ اسلام کہا ہے حالانکہ بعض لوگ ہم کو بھی ایک نیا اسلامی فرقہ سمجھنے لگے ہیں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ایسے تہمت طراز لوگ دانستہ یا نادانستہ غلطی میں اُلجھ رہے ہیں۔ تقسیم کار کے لحاظ سے اگر کسی انتظام کے چند علیحدہ علیحدہ محکمے بنا دیے جائیں تو وہ فرقہ سازی نہیں۔ شہری و نسلی امتیاز کی بنا پر اگر دنیا کے لوگ ہندی، عربی، مصری، اسمٰعیلی، اسرائیلی کہلائیں تو فرقہ بندی نہیں۔ اوصاف و افعال کی وجہ سے اگر جدا جدا لقب اختیار کیے جائیں مثلاً انصار، مہاجرین، صالحین شہداء، محدث، مفسر، نحاۃ، منطقیین، شعراء وغیرہ تو یہ اس طبعی اختلاف ذی رحمت میں شامل ہیں۔ آپ پوچھیں گے آخر فرقہ سازی کیا بلا ہے؟ میرا دل اس مکروہ لفظ کی تشریح کرتے ہوئے جلتا ہے۔ آہ صرف یہی وہ بلا ہے جس نے ہمیں خدا کی تمام وسیع زمین میں پامال کر دیا ہے۔ وہ زمین جو فرزندان اسلام کا گہوارہ تھی، وہی زمین ہے جس میں آج ہمیں قبروں کے لیے بھی جگہ نہیں ملتی۔ سطح زمین پر بسنے والی تمام قوموں کا واحد مدعا یہی ہے کہ حقیر و ذلیل مسلمانوں کو زمین کے کناروں تک پہنچا کر وہاں سے دھکیل کر سمندر کے عمق میں ڈبو دیا جائے تاکہ قیامت تک پھر کبھی نہ اُبھر سکیں۔ اور عیسائیوں کی مقدس زمین، ہنود کی پوتر بھارت ماتا اس نجاست

سے ہمیشہ کے لیے پاک ہو جائے۔ یہ ہیں کرشمے فرقہ بندی کے جن میں بڑے بڑے روشن خیال کہلانے والے مسلمان بھی کسی نہ کسی جہت سے مبتلا نظر آتے ہیں۔ فرقہ بندی کیا ہے؟ ایک انسان کے آگے جھکنا خواہ اُس کے پاؤں پر سر جھکانا، یا اُس کی قبر پر ماتھا رگڑنا، یا اس کی عقل کو بے غلط سمجھکر اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینا۔

آدم از بے بصری بندگیٔ آدم کرد   جوہرے داشت ولے نذر قباد وجم کرد
یعنی از خوئے غلامی زسگاں خوار تراست   من نہ دیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد

اور جو لوگ اس متبوع انسان کے ایسا ہی فوق العادت ناقابل غلطی تسلیم نہ کریں اُن کو اگلے وقتوں میں کشتنی، سوختنی، گردن زدنی اور آجکل کافر ملحد قرار دینا۔ اس کی روشن مثال ہمارے سامنے ہے۔ کل ایک فرقہ پیدا ہوتا ہے احمدی نام۔ آج اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں، ہر ایک دوسرے کو کافر ثابت کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔ ایسے ہی بعض لوگ اہل قرآن کہلاتے ہیں اور احادیث نبوی کو چھوڑ کر اپنے اُستادوں کے اجتہادات کو عملاً وہی رتبہ دیتے ہیں اور اپنے سوائے تمام دنیائے اسلام کو ہمارے قادیانی بھائیوں کی طرح کافر و مشرک قرار دیتے ہیں۔ قرآن مجید تو یہود و نصاریٰ کے صالحین کو مومن کے لفظ سے خطاب کرتا ہے، بلکہ ان سے مناکحت و مواخات کی اجازت دیتا ہے، اور آج کے مُسلم ہیں کہ مسلمانوں کو کافر بنا رہے ہیں۔ ایسی حالت میں ہم کو ایک نیا فرقہ کہنا کہاں تک صحیح سمجھا جا سکتا ہے۔ ہم اپنے رسالہ "بلاغ" میں ہر خیال کے سنجیدہ آدمی کا مضمون لیتے ہیں اور سب کو تفکر فی القرآن کا حق دیتے ہیں اور اپنی طرف سے اصولاً کسی جدید دعویٰ کے مدعی نہیں، اور تمام عالم اسلام کے منافع کو اپنا منافع سمجھتے ہیں۔ وَاللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا نَقُوۡلُ۔ بس یہی کافر گری کی دیوار ہے جو دو بھائیوں میں حائل ہو جاتی ہے، اور دونوں کو دو فرقے بنا دیتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سر سید، حالی، شبلی، نذیر احمد علیہم الرحمۃ باوجود شدید اختلافات کے ایک دوسرے کے عاشق تھے اور مل کر کام کرتے تھے۔ تابعین اور صحابہ میں بھی اختلافات تھے، مگر وہ کسی کو کافر نہیں کہتے تھے۔ خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ مجادلہ کرنے والی عورت پر، فرمان نبوی سے انکار کرنے والے زیدؓ پر، جنازہ منافق پر شدید اختلاف کرنیوالے اور "حسبنا کتاب اللہ" کہنے والے فاروق اعظمؓ پر کوئی فتوےٰ نہیں لگایا۔ پہلی مثال میں میں نے عام مومنین کا باہمی اختلاف دکھایا ہے۔ پھر تابعین و صحابہ کا ذکر کیا ہے۔ پھر نبی

صلی اللہ علیہ وسلم، اور صحابہؓ کے اختلافات دکھائے ہیں۔ اب میں نبیوں کا باہمی اختلاف عرض کرتا ہوں جو باوجود شدید تصادم کے ایک دوسرے کو کافر کہنا تو درکنار نبوت سے بھی خارج نہیں کرتے۔ اس سے میری مراد وہ واقعہ قرآنی ہے جو موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے درمیان گذرا۔ جس میں ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کے سر کے بالوں کو طیش میں آکر پکڑ لیتا ہے اور وہ اس کو بجائے فتوے لگانے کے پیارسے يَا بْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۖ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ (اے میرے ماں جائے میرے سر اور داڑھی کو نہ پکڑ۔ میں اس بات سے ڈرا کہ تم (واپس آکر) کہیں یہ (نہ) کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی) کہتا ہے۔ آپ ایک قدم اور آگے بڑھیں گے تو آپ کو ملائکہ میں نیز نبی اور خدا تعالیٰ میں بعض مخلوق کمزوریوں کی وجہ سے اختلاف نظر آئیگا۔ تخلیق آدم کے وقت فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے اختلاف کیا، مگر وہ کافر نہیں بنے۔ قوم لوط کے متعلق ابراہیمؑ نے مولا کریم سے جدال کیا[۵]، مگر ان پر کوئی فتویٰ نہیں اُترا، اِلّا یہ کہ "وہ رجوع کرنے والا، حلیم اور درد مند تھا"۔ لیکن ویل ہے اُن لوگوں پر جو اپنی ہوا و ہوس کی باتیں منوانے کے لیے مخلوق پر جبر کرتے ہیں اور جو نہ مانے اس کو کافر گردانتے ہیں۔

ہم کسی خدا پرست عامل، صالح، مومن آخرت کو کافر کہنے کے لیے تیار نہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں نیا فرقہ کہنا کہاں تک صحیح ہے؟ اگر ہماری ایسی ہی نیت ہوتی جیسا کہ معترض سمجھتے ہیں تو ہم کوئی نیا نام تجویز کرتے۔ یہ پُرانا ابراہیمی نام "اُمت مسلمہ" اختیار کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ اس کی وسعت میں سب فرقے آجاتے ہیں اور اس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔

یہاں تک تو جو کچھ میں نے عرض کیا قرآن مجید کے نور سے مقتبس تھا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ بعض لوگ اس کی تاویلیں کریں گے اور اس کو اپنی تنگ خیالی کے اندھیرے میں لے آئیں گے۔ اس لیے میں ان کو ان کے مسلّم بزرگوں کی زبانی یہ عقیدہ سنواتا ہوں۔ امام نسفی فرماتے ہیں "گناہ کبیرہ عبد مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا اور اس کو کافر نہیں بنا دیتا" گناہ کبیرہ کی شرح علامہ تفتازانی نے یوں فرمائی ہے

"خدا کے ساتھ شریک لانا، قتل نفس بغیر حق وغیرہ"

شرح عقائد نسفی میں یہ بیان مفصل موجود ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ احادیث سے

---

[۵] يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ۔

ـبت ہے کہ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہے، وہ آگ سے نکالا جائیگا۔ مولوی روم نے شبان
ـں حکایت مشہورہ میں فرمایا ہے کہ جب موسیٰؑ نے اس کو مشرکانہ باتیں کرتے سُنا تو دھمکایا۔ وہ
ـل شکستہ ہوگیا۔ الہام آلہی نے موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ کیا کہ مشرکانہ کلمات کی طرف توجہ نہیں کرتے
بلکہ مشرکانہ نیت کو مستوجب ملامت و سزا ٹھہراتے ہیں

ما بروں را ننگریم و قال را ما دروں را بنگریم و حال را

ان شواہد و دلائل کے ہوتے ہوئے کون ہے جو خدائے رحیم کے بندوں کو اس کی رحمت واسعہ سے نکالے اور ان پر کفر کے فتوے لگائے، سوائے اس شخص کے جو اپنے علم و فقاہت کو رسوا کرنا چاہتا ہو۔ ہمارے محبوب مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قتیل شبہ کے متعلق اس کے قاتل کو فرمایا تھا هل شققت قلبه۔

بھائیو! جب ہم کسی کا دل چیر کر اس کی نیت نہیں دیکھ سکتے تو ہمیں فتوے لگانے کا کیا حق ہے؟

اس مضمون کا ہر جزو بہت سی وسعت چاہتا ہے لیکن میں اشارات پر اکتفا کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ

اللہ تعالےٰ ہمیں متحد رکھے، اپنا قرب عطا کرے، دینی و دنیوی حسنات سے بہرہ ور فرمائے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

"بلاغ" آٹھ آنے میں

دفتر بلاغ کو بعض احباب کی طرف سے ۴۱ روپے کے عطیات موصول ہوئے ہیں طے کیا گیا ہے کہ ۴۱ حضرات کے نام صرف آٹھ آٹھ آنے وصول کر کے چھ چھ ماہ کے لیے بلاغ جاری کر دیا جائے۔ اس وقت تک آٹھ اصحاب اس رعایت سے فائدہ اُٹھا چکے ہیں۔ بلاغ کے قدیم معاونین کا فرض ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے صرف آٹھ آٹھ آنے وصول کر کے دفتر میں بھیجیں اور اُن کے نام پرچہ جاری کرا دیں۔

منیجر بلاغ امرتسر

مطبوعاتِ اُمتِ مُسلمہ امرتسر

سہولتِ تبلیغ کی غرض سے قیمت کم کردی گئی

میں منکرِ حدیث کیوں ہوا؟ ایک محقق گریجوایٹ کے قلم سے قیمت ۱؍ **خدا کی محبت** قیمت ۴؍

علوم اسلام اور انکار حجیت حدیث۔ قیمت ۱؍ **حضرت محمد رسول اللہ** قیمت ۲؍

مطالعہ حدیث تنقید صحیح کی روشنی میں۔ ایک ممتاز گریجوایٹ نے برسوں حدیث کا مطالعہ کرکے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ اس قابل قدر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ صفحات ۵۰ کے قریب قیمت ۱۲؍

بُرہان القرآن۔ یہ کتاب اُن تحریری مباحث پر مشتمل ہے جو مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مدیر "اہلحدیث" اور حضرت خواجہ احمد دین صاحب کے درمیان ہوئے۔ اس میں اہلحدیث پر ابد تک کے لیے اتمام حجت کردیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بے غلط مطاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں۔ قیمت ۸؍

ریحان القرآن۔ مولوی حبیب الرحمٰن مئوی کے رسالہ نصرت الحدیث، مولوی قاسمی کے "عقائدِ کُفریہ" اور مولوی عبداللہ کے "عقائد بے حدیثہ" وغیرہ کا مکمل جواب۔ قیمت ۴؍

قرآن مجید و رسول حمید۔ حضرت رسالتمآب کے مقدس سوانح از روئے قرآن مجید قیمت ۲؍

اسلام اور حریت و مساوات۔ کے مضمون پر جناب خواجہ عباداللہ صاحب اختر بی۔ اے اور جناب مرزا بشیرالدین محمود صاحب قادیانی کے مابین دلچسپ مناظرہ۔ قابل مطالعہ اور ناول سے زیادہ دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ۸؍ **خون کے آنسو** قیمت ۴؍

تعلیمات قرآن۔ مرتبہ جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری اُستاذ تاریخ جامعہ ملیہ دہلی یہ کتاب اس نقطۂ نظر کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے کہ قرآن کریم مکمل کتاب اور اپنی شرح آپ ہے۔ کسی خارجی شے کا نتیجۂ تفسیر میں شامل نہیں کیا ہے۔ یہ کتاب اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ آج تک کسی زبان میں [illegible] کتاب۔ [illegible] اور کاغذ اعلیٰ قیمت عام [illegible] ہے کہ [illegible] صرف مسلم ہے۔ باقی [illegible] امت کو نقصان عظیم پہنچا رہے [illegible]

شرح مقـ[illegible]

[illegible] یجادِ

[illegible] امرتسر

تفریق بین المومنین

(از محمد اقبال صابری)

انتساب:- اسلامی ہند کی فرقہ پرست فضا میں رہتے ہوئے مجھ کو اللہ تعالےٰ نے اس وبا کے اثر سے محفوظ رکھا، یہ سب نتیجہ ہے اپنے شفیق و محترم اُستاد جناب چوہدری غلام احمد خان صاحب سکرٹری انجمن اسلامیہ لالہ موسےٰ کی صحبت بابرکت کا۔ میں انہیں کے لگائے ہوئے پودے کا پہلا پھل اُن کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں لیکن سوچتا ہوں،

پائے ملخے پیش سلیمان بردن　　عیب است ولیکن ہنر است از مورے　　(صابری)

برادرانِ اُمّت! مسلمانوں کے باہمی عناد و تفریق کا مسئلہ آج اسلامی ہندوستان کے بعض پیچیدہ مسائل کی طرح نہایت ہی نازک صورت اختیار کر چکا ہے۔ گذشتہ کئی سال سے مُلک کے اہل بصیرت حضرات اپنی اپنی فکر و دانش کے مطابق اس مسئلہ پر اپنے افکار و خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔ مُلک کے طول و عرض میں بیشمار انجمنیں قائم ہوئیں، بیشمار خطبے پڑھے گئے، بیشمار لیکچر دیے گئے۔ بیشمار پمفلٹ [ت]قسیم کیے گئے، بیشمار جلسے منعقد کیے گئے، اور بیشمار تحریکات کے ذریعے اس فتنۂ اعظم کے استیصال [کی] کوششیں کی گئیں، لیکن افسوس! یہ تمام تقریریں، یہ تمام جلسے، جلوس اور تحریکیں نہ صرف ناکام [ر]ہیں، نہ صرف اخوت و اتحاد پیدا نہ ہوسکا، بلکہ مسلمانوں کے مصائب روز بروز بڑھتے چلے گئے [یہاں] تک کہ آج ایک ایک مسلمان کا دل اور اس کے دل کا ایک ایک گوشہ تعصب و افتراق کے [...] پر ہوچکا ہے۔ وہ دنیائے اسلام کے تمام امور کو، وہ ترکی سے متعلق ہوں یا افغانستان [...] نگاہوں سے دیکھنے کا عادی ہوچکا ہے۔ ہندوستان کا سُنّی ایران کے رضا شاہ [...]ے، ہندوستان کا قادیانی علمائے مصر کا دشمن ہے، ہندوستان کا حنفی ابن سعود [...] کمال کو بیدین قرار دے رہا ہے۔

مسلمانانِ ہندوستان کے باہمی اختلافات حد درجہ افسوسناک ہیں۔ وہ ہندوؤں اور عیسائیوں پر چھوت چھات کا الزام لگاتے ہیں، اُن کے مذاہب کو بنی نوع انسان کے لیے ناکافی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، لیکن خود اُن کا اپنا یہ حال ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے فروعی اختلافات پر بھی قیامت برپا کر دیتے ہیں۔ وہ آمین کی آہستہ یا بلند آواز پر جھگڑتے ہیں، رفع یدین پر جھگڑتے ہیں، والضالین کے تلفظ پر جھگڑتے ہیں، مُردوں کے سُننے یا نہ سُننے پر جھگڑتے ہیں۔ باغ فدک اور جنگ جمل کے حالات پر جھگڑتے ہیں، حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے حق خلافت پر جھگڑتے ہیں، انتہا یہ ہے کہ وضو اور تیمم کے مسائل پر جھگڑتے ہیں، یہ اور اسی طرح کے بیسیوں بے معنی امور پر بلا ضرورت بحثیں ہوتی ہیں اور ہمارے عربی مدارس کے طلباء و مدرس، ائمہ مساجد اور علمائے کرام کی ساری کی ساری عمریں ان ہی بیہودہ اور لغو مسائل پر ضائع ہو رہی ہیں۔ ایک صاحب اُٹھتے ہیں، وہ اعلان کر دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کا سایہ نہیں تھا۔ دوسرے صاحب پوری شد و مد کے ساتھ اس دعوے کی تردید کر دیتے ہیں۔ مناظرہ کا چیلنج ہوتا ہے، خلقت جمع ہو جاتی ہے، مسلمانوں کے ساتھ ہندو، سکھ اور عیسائی بھی تماشا دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ فریقین کے حواری ایک دوسرے پر آوازے کستے ہیں، الزام لگاتے ہیں، مذاق اُڑاتے ہیں، گالیاں بکتے ہیں۔ آن کی آن میں آستینیں چڑھ جاتی ہیں، نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی ہے۔ زد و کوب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، پولیس آگے بڑھتی ہے، گرفتاریاں ہوتی ہیں، سزائیں ملتی ہیں، دولت لٹتی ہے اور قسمت روتی ہے۔ چنانچہ پچھلے دنوں لکھنؤ میں مدح صحابہ اور قصور میں ذوالجناح کے جلوس کے سلسلے میں یہی حالات پیدا ہوئے اور فسادات کا سلسلہ کئی کئی مہینے تک جاری رہا۔

حضرات! اس موقعہ پر اس سوال کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کے نفاق و فساد کا سرچشمہ کیا ہے؟ تاریخ کی ورق گردانی ہمیں آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے کے ایک معمولی واقعہ کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ عرب کا ایک شخص عبد مناف اپنی قوم کا سردار ہے، اُس کے دو بیٹے ہیں۔ ایک کا نام ہاشم ہے اور دوسرے کا عبد الشمس۔ باپ کی وفات کے بعد قوم کی عنان قیادت ہاشم کے سپرد ہوتی ہے، لیکن اس کا بھتیجا، امیہ بن

بدالشمس اُس کی سیادت قبول کرنے سے انکار کردیتا ہے۔ دونوں آپس میں جھگڑتے ہیں اور بالآخر سقان کا ایک کاہن منصف ٹھہرایا جاتا ہے، جو ہاشم ہی کے حق میں فیصلہ دیتا ہے، لیکن یہ اختلاف ں پر بھی ختم نہیں ہوتا۔ حسد و عداوت کی آگ نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتی رہی، شعلے بھڑکتے رہے نساد پھیلتا رہا، سر کٹتے رہے اور لاشے تڑپتے رہے۔ پھر وہ وقت بھی آگیا، جب ہاشم ہی کی اولاد سے خدا تعالیٰ نے اپنا ایک برگزیدہ پیغمبر مبعوث فرمایا۔ بنی اُمیہ، اولاد ہاشم کی اس قدرتی فوقیت کو کب برداشت کرسکتے تھے؟ نتیجہ یہ ہوا کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلعم کو طرح طرح کی ایذائیں دیں، تکلیفیں پہنچائیں اور اشاعتِ حق کی راہ میں انتہائی قوت، انتہائی تعصب اور انتہائی عداوت کے ساتھ ڈٹ گئے ـــ لیکن یہ اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ اسلام آیا تھا پھیلنے کے لیے، حق آیا تھا باطل کا خاتمہ کرنے کے لیے ـــ خدا کے سچے پیغمبرؐ کو فتح حاصل ہوئی اور اہلِ باطل کا ایک ایک فرد پرچمِ توحید کے نیچے پناہ گزین ہوگیا۔ دوسرے بیشمار قبائل کے ساتھ بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کے صدہا افراد نے بھی اسلام قبول کرلیا اور اسلام ہی کی تعلیم سے متاثر ہوکر اُن میں باہمی ہمدردی، رواداری، اخوت، مودّت اور محبت کی روح بیدار ہوگئی وہ کُنْتُمْ اَعْدَاءً کے آتشیں عذاب سے نکل کر فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ کی شاداب رحمتوں کے وارث ہوگئے ـــ

لیکن افسوس! مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ اُن کے دل ایک مرتبہ پھر زنگ آلود ہوگئے، بغض و عناد کے زہریلے مادے نے، جو انھیں اپنے آباء و اجداد کی وراثت میں حاصل ہوا تھا۔ ایک مرتبہ پھر جوش کھایا۔ اِدھر رسول اللہؐ نے سفرِ آخرت اختیار کیا، اُدھر ان بدنصیب قبیلوں کی کینہ توز اور حاسد طبیعتیں دوبارہ جاگ اُٹھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سال کے بعد جب حضرت عثمانؓ نے (جو بنی اُمیہ کے ایک ممتاز فرد تھے) عنانِ خلافت اپنے ہاتھ میں لی، تو بعض لوگوں سے محض خاندانی رقابت کی وجہ سے اُن کی درپردہ مخالفت شروع کردی۔ مُلک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک حسد و بغاوت کی آگ پھیل گئی اور حضرت عثمانؓ کے لئے جامِ شہادت کی تلخ کامیوں سے دوچار ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا۔ آپ کی شہادت کے بعد قبائلی انتقام و رقابت کے شعلے اور بھی زیادہ بھڑک اُٹھے، یہاں تک کہ حضرت امام حسن اور یزید کے باہمی جنگ کا آغاز ہوگیا اور اس طرح ایک خالص شخصی اور سیاسی معاملہ مذہبی اور دینی حیثیت میں تبدیل ہوگیا۔

اسلام دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلتا چلا گیا، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی لڑائی کے حالات، حضرت عثمانؓ کی شہادت، بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کی کشمکش کے واقعات اور حضرت معاویہؓ، امام حسینؓ اور یزید کے اختلافات کا تذکرہ بھی وسعت پذیر ہوتا گیا۔ تمام دنیا کے مسلمانوں میں بالعموم اور مسلمانان ہندوستان میں بالخصوص خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کے فضائل و نقائص کے جھگڑے پیدا ہو گئے، اصول کا آفتاب فروعات کے تاریک بادلوں میں چھپ گیا۔ حقیقت کے نورانی چہرے پر روایات کی سیاہ نقاب ڈال دی گئی، اور آہستہ آہستہ ان ہی اختلافات کی بنیادوں پر اسلام کی عمارت قائم کرنے کی ناپاک کوششوں کا آغاز ہو گیا۔

حضرات! بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کے باہمی نزاعات، حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو گذرے ہوئے تیرہ سو برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، لیکن اُن کے تلخ نتائج کا اثر ہندوستان کے مسلمانوں پر بدستور قائم ہے ہم میں سے بیشمار لوگ ایسے ہیں، جنہوں نے اپنے ایمان و نجات کو حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے ایمان و نجات پر منحصر سمجھ رکھا ہے۔ اس موقعہ پر مجھے ایک واقعہ یاد آگیا، لاہور کے ایک معزز شیعہ کی ایک لڑکی کی شادی ہوئی، شادی کے بعد ایک روز اُن کا ایک دوست اُن کے گھر گیا اور اُس نے گفتگو کے دوران میں لڑکی کی والدہ سے دریافت کیا کہ اُن کا داماد اخلاق و عادات کے لحاظ سے کیسا ہے؟ جواب ملا "..... ! کچھ نہ پوچھئے نرا ابوبکر ہے۔ ابھی شادی کو ایک مہینہ بھی نہیں گذرا، لیکن سارا خاندان اس سے تنگ آچکا ہے"۔

حضرات! اگرچہ اس مثال کی موجودگی میں مجھے مزید واقعات پیش کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی، لیکن اس خیال سے کہ میرے موضوع کی اہمیت پوری طرح روشن اور واضح ہو جائے، میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ ایک ایسے زبردست معاملہ کی طرف مبذول کروں، جو اپنے خطرناک نتائج کے لحاظ سے ہماری قومی اور اجتماعی موت کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء کے اوائل میں، لیجسلیٹو اسمبلی کے ایک اجلاس میں یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ کون سے ایسے مقررہ اصول ہیں جنہیں پیش نظر رکھکر اسلام اور ہندو مذہب میں امتیازی تعیین پیدا کی جا سکے اور جن سے یہ معلوم کیا جا سکے کہ فلاں شخص ہندو ہے اور فلاں مسلمان۔ کہا جاتا ہے

کہ آریہ اور سناتن دھرمی ارکان اپنے اپنے مذہب کی کوئی جامع اور مانع تعریف پیش نہ کر سکے، لیکن مسلمانوں کی طرف سے اسلام کی مکمل تعریف واضح کر دی گئی۔ اس کے جواب میں ایک ہندو ممبر نے اعتراض کیا کہ تمام مسلمان کسی خاص مسلک و عقیدہ سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ اُن کی بیشمار جماعتیں ہیں اور ہر جماعت دوسری جماعت کو کافر قرار دیتی ہے لہذا مسلمان اسلام کی کوئی ایسی تعریف پیش نہیں کر سکتے، جس کو سامنے رکھ کر ہم مسلمان اور کافر میں امتیاز کر سکیں۔

برادران ملت! اگر ہمارے دلوں سے انصاف ناپید نہیں ہو چکا، اگر ہمارے سینوں سے عقل و بصیرت کی روشنی پوری طرح رخصت نہیں ہو چکی، اگر ہمارے دماغ حق و باطل کے امتیاز سے قاصر نہیں رہ گئے، اگر ہمارے ضمیر زندگی کے آثار سے قطعی طور پر محروم نہیں ہوئے، تو ہمیں لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ حقیقتاً بیسویں صدی کے مسلمان کی کوئی خاص تعریف نہیں کی جا سکتی۔ معترض نے سچ کہا ہے کہ مسلمان کئی جماعتوں میں منقسم ہیں، اُس کے یہ الفاظ بھی درست ہیں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ دوسرے گروہ کو کافر سمجھتا ہے، وہ یہ خیال ظاہر کرنے میں بھی حق بجانب ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا معیار موجود نہیں، جسے پیش نظر رکھکر ہم کافر و مسلمان میں تمیز کر سکیں۔ ممکن ہے، آپ میں سے بعض حضرات کو میری یہ جسارت و فاش گوئی ناگوار گزر رہی ہو۔ لیکن اے برادران اسلام ہم سچائی اور انصاف کے روشن دلائل سے کسی طرح بھی چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ ہم آفتاب کے سامنے کھڑے ہو کر اُسے نہ دیکھنے کے لیے اپنی آنکھیں بند کر سکتے ہیں، لیکن اپنے دلوں کو اس کی عدم موجودگی کا فریب نہیں دے سکتے۔ ہماری زبان سچائی کی مدافعت کر سکتی ہے، لیکن ضمیر کی آواز کو غلطی اور فریب کی راہ پر نہیں لگایا جا سکتا۔ ہمارے قلم باطل کی حمایت میں اُٹھ سکتے ہیں، لیکن ہماری عقل و دماغ کا فتوےٰ تائید حق سے باز نہیں رہ سکتا۔ کاش! ہم اپنے گریبان میں مُنہ ڈالکر تکفیر و تفریق کے معاملے میں اپنی صحیح پوزیشن پر غور کریں۔ میں پوچھتا ہوں کیا یہ درست نہیں کہ شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے کتب فقہ کے حوالے سے خلافت صدیقؓ کے منکر کو کافر قرار دیا؟ کیا اُنھوں نے رافضی کو واجب القتل نہیں بتایا؟ کیا اُنھوں نے شیعہ عورت سے نکاح کرنا ناجائز قرار نہیں دیا؟ کیا فرقہ اثنا عشریہ نے اپنے سوا باقی مسلمانوں کے غیر ناجی ہونے کا فتویٰ نہیں دیا؟ کیا مسلمانوں کے ۔۔علماء کے دستخط سے وہابیوں کے پیچھے نماز پڑھنے، اُنھیں اپنی مسجدوں میں داخل ہونے اور اُن سے راہ و رسم رکھنے کی ممانعت نہیں کی گئی؟ کیا حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، قادری، چشتی، نقشبندی اور مجددی کو کافر نہیں بتایا گیا؟ کیا وہابیوں کی طرف سے سنیوں کے مشرک ہونے کا اعلان نہیں کیا گیا؟ کیا اہل دیوبند

کا کفر ثابت کرنے کے لیے پورے تین سو علماء کی مہروں سے ایک متفقہ اشتہار شائع نہیں کیا گیا؟ کیا علیگڑھ یونیورسٹی احناف بریلی، ندوۃ العلماء لکھنو، مولوی ثناء اللہ امرتسری، مولوی محمد حسین بٹالوی، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، سرسید احمدؒ اور مولوی نذیر حسینؒ دہلوی ایسے مشہور و معروف علماء کے خلاف کذب و ضلالت، خروج اسلام اور الحاد و دہریت کے فتوے شائع نہیں کیے گئے؟ پھر کیا ان تمام فتاویٰ کی رو سے ہندوستان کا ایک بھی مسلمان اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرسکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں! نتیجہ واضح ہے، یعنی ہم سب کے سب مسلمان بھی ہیں اور سب کے سب کافر بھی۔ ہم اپنے اسلام کو اپنے کفر سے الگ کر کے دنیا کے سامنے پیش نہیں کرسکتے۔

مجھے اس موقعہ پر ایک اور واقعہ یاد آگیا، آج سے تین سال پیشتر میں نے بعض اسلامی اخبارات میں کسی نومسلم کا ایک مضمون دیکھا تھا۔ اُس نے لکھا تھا کہ میں نے حال ہی میں قرآن مجید کے سیدھے سادے اصولوں سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ہے۔ اب مجھ سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم اسلام کے کس فرقے میں داخل ہوئے ہو؟ ایک مولوی صاحب نے مجھے "حنفی مذہب" میں شامل ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک بزرگ نے "اہل حدیث" بننے کا حکم دیا ہے، ایک صاحب نے میرزا غلام احمد قادیانی کی جماعت میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے اور ایک صاحب اصرار کر رہے ہیں کہ میں "اہل قرآن" کہلاؤں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں میں بے شمار جماعتیں ہیں، اور ہر جماعت، دوسری جماعت کو غیر مسلم قرار دیتی ہے، میں حیران ہوں کہ کیا کروں اور کدھر جاؤں؟ اگر مجھے اسلام میں رہ کر بھی کافر کہلانا ہے، تو کیا یہ بہتر نہیں کہ میں پھر کافروں ہی میں واپس چلا جاؤں؟

آپ غور فرمائیے کہ ہمارے پاس اس نومسلم بھائی کے اعتراضات کا کیا جواب ہے؟ لیکن اس کے باوجود مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے اخبار "پیغام صلح" نے نومسلم موصوف کو جواب دیتے ہوئے لکھا کہ آپ مسلمانوں کی باہمی فرقہ بندی اور اُن کے فروعی اختلافات کو نظرانداز کر دیں، اسلام کی اصولی تعلیم پر کاربند رہیں اور اپنے آپ کو صرف مسلمان کہلائیں۔ حیرت ہے کہ جو لوگ خود اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کے بجائے سالہا سال سے احمدی کہلاتے چلے آرہے ہیں، وہ کس مُنہ سے دوسروں کو صرف مسلمان کہلانے کی ترغیب دے سکتے ہیں؟ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ کے ایسے واضح اور بیّن جرم کے ارتکاب کی غالباً یہ واحد مثال ہے۔

حضرات! اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمانانِ ہندوستان کی باہمی تفریق و اختلاف کا بیشتر حصہ محض شخصیات کے ساتھ وابستہ ہے۔ جمہور اُمت کے ذہنی اور دماغی حالات کے نفسیاتی مطالعہ سے

ہمارے اس تسمیے پہنچنے میں کہ اُن کے دور میں عہدِ رسالت اور اس کے قریب تر زمانے کے نیک اور پاک بزرگوں کے احترام کا گہرا اثر موجود ہے۔ بلاشبہ وہ ہمارے احترام کے مستحق ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان کی عزت و عظمت میں اتنا غلو پیدا کریں کہ خدا پرستی اور توحید کے بلند مقاصد کو نقصان پہنچے اور اُس کے بجائے شخصیت پرستی کے جذبات پیدا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ اسلافِ کرام، اسلام کے سچے خادم، قرآن کے سچے مبلّغ اور ملّتِ اسلامیہ کے سچے رہنما تھے؛ تاہم وہ انسان تھے اور جس طرح نیکی، تقویٰ اور سچائی پر قادر تھے، اسی طرح سہو و خطا اور قصور و نسیان کا احتمال بھی اُن سے بعید نہیں۔ ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم ان بزرگوں کے اعمال و اخلاق کی تصدیق و تکذیب یا تحقیر و تکریم کے معیار مقرر کریں، اُن پر بحث کرکے اپنا وقت ضائع کریں اور قوم کے موجودہ انتشار و تفریق کو تقویت حاصل کرنے کا موقعہ دیں۔ قرآن مجید کی ایک آیت ان تمام جھگڑوں کا خاتمہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ

یہ ایک اُمّت تھی، جو گذر چکی، اُس کے لیے وہ تھا، جو اُس نے اپنے عمل سے کمایا۔ تمہارے لیے وہ ہوگا، جو تم اپنے عمل سے کماؤ گے اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائیگا کہ وہ کیا کرتے تھے؟

میرا موضوع نامکمل رہے گا، اگر میں عہدِ صحابہؓ کے ایک اہم واقعہ کا ذکر نہ کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ آپ نے کبھی کبھی اپنے بعض صحابہ کے متعلق ناراضی کے کلمات ارشاد فرمائے۔ حضرت حذیفہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے الفاظ کو بعض لوگوں سے بیان کرتے تو وہ حضرت سلمانؓ کی خدمت میں، اُن کی تصدیق کے لیے حاضر ہوتے مگر آپ یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ حذیفہ ہی کو اس کا علم ہے۔ حذیفہؓ کو معلوم ہوا، تو وہ خود حضرت سلمانؓ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ میری روایتوں کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ اُنھوں نے جواب دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی ناراضی کی حالت میں کچھ کہہ دیا کرتے تھے اور آپ اس کے ذریعہ مسلمانوں میں تفریق و اختلاف اور بغض و حسد پیدا کرنے کے موجب ہو رہے ہیں۔ اگر آپ اپنی اس روش سے باز نہ آئے، تو میں حضرت عمرؓ سے شکایت کروں گا۔

حضرات! آپ نے دیکھ لیا کہ صحابہ کرام ایسی حدیثیں تک بیان نہیں کرتے تھے، جن سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہونے کا احتمال ہو۔ آئیے! اب قرآن کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کریں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ

اصلی دین، اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ اہل کتاب نے علم آجانے کے بعد اس میں اپنی ضد کی وجہ سے اختلاف ڈالے۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ بندی کی ابتداء ہمیشہ علماء کی ضد و عداوت سے شروع ہوئی ہے۔ چوں کہ عوام کا اُن کے اختلافات سے متاثر ہونا ناگزیر ہے، اس لیے اُن کا شیرازہ بھی ساتھ ہی بکھر جاتا ہے اور اُن کی قوتیں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوکر رہ جاتی ہیں۔ اگر آج مسلمانوں کے دلوں سے "علماء پرستی" کی جڑیں اکھیڑ دی جائیں اور انھیں توحید الٰہی کے اصلی مرکز پر قائم کردیا جائے تو یقیناً ہماری مشکلات کا خاتمہ ہوجائیگا۔

خدا تعالےٰ نے تفرقہ پردازی کو ایک بہت بڑا گناہ، بلکہ شرک قرار دیا ہے۔ حکم ہوتا ہے:۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ

کہ تم مشرک نہ ہوجاؤ یعنی اُن میں سے جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور فرقے فرقے ہوگئے اور ہر گروہ اُسی میں مگن ہے، جو اس کے پاس ہے۔

ایک اور آیت سنیئے:

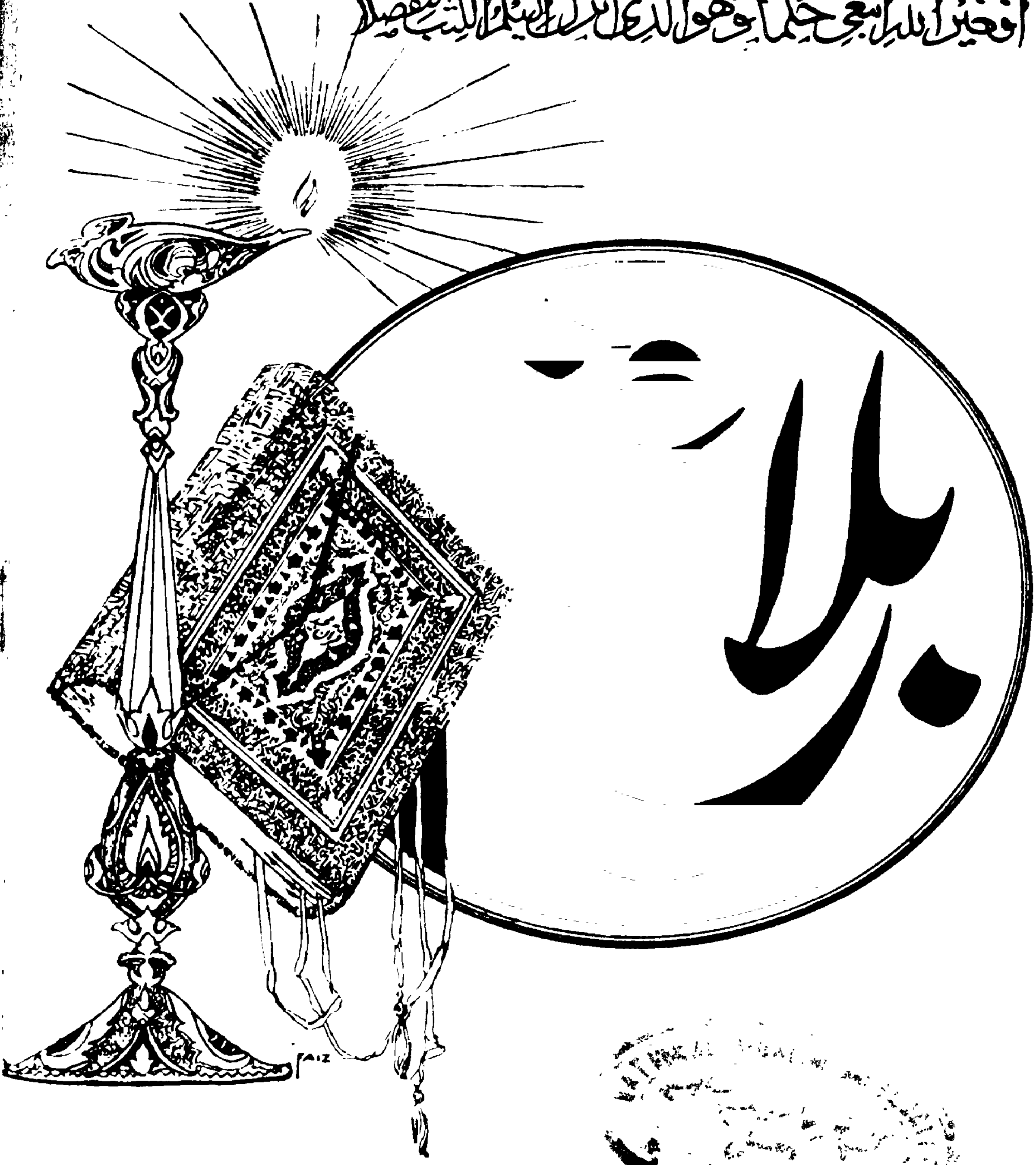
وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ، جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور دلائل کے آجانے کے بعد اختلاف کیے اور اُن کے لیے بھاری عذاب ہے۔

قرآن مجید کے ان ارشادات پر غور کیجئے اور دیکھیے کہ ہم کدھر جارہے ہیں؟ دھڑے بندی اور تفرقہ اندازی کی لعنت نے ہماری قوتیں زائل کردی ہیں، ہمارے حوصلے پست کردیے ہیں، ہماری آزادیاں چھین لی ہیں، ہماری حکومتیں برباد کردی ہیں، ہماری اُمیدیں ختم کردی ہیں اور آج دنیا کی عزت وشوکت کے تمام دروازے ہم پر بند ہوگئے ہیں۔ اے کاش! ذلت ورسوائی کے یہ تمام مناظر یہیں ختم ہوجاتے، لیکن افسوس دنیا کے عذاب کے باوجود آخرت کے دروازے سے أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ کی لرزہ انگیز صدا بلند ہورہی ہے۔ مبارک ہیں وہ، جو خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں؛ مبارک ہیں وہ، جن کی تمام قوتیں اتحاد ملت کا فرض ادا کررہی ہیں، مبارک ہیں وہ، جو سنتے، سمجھتے اور عمل کرتے ہیں +

Regd. No. L 2282

أفغير الله أبتغي حكما وهو الذي أنزل إليكم الكتاب مفصلا



بلاغ

اُمّتِ مسلمہ امرتسر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۱۳/۱۹

بلاغ

قیمت سالانہ عہ / فی پرچہ ۲ر

[illegible]

جلد ۴ - امرتسر - ماہ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۷ء - نمبر ۱۲

فہرست مضامین

[illegible]

شذرات

(از صابری)

گذشتہ چند ماہ سے یہ تجویز پیش نظر ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں اُمت مُسلمہ کے ماتحت تبلیغی مرکز قائم کیے جائیں۔ پچھلے پرچے میں لکھا گیا تھا کہ ٹنڈو الہ یار اور سانیاں کے احباب نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا ہے۔ اب اسی سلسلے میں جناب ڈاکٹر حکیم طالب علی صاحب بالقابہ کی دعوت پر محترم عرشی صاحب لاہور جا رہے ہیں، تاکہ وہاں کے احباب کو جمع کر کے، اُمت مسلمہ کی ایک مستقل برانچ قائم کر دی جائے۔

محترم موصوف ۱۲ دسمبر کی صبح کو حکیم ڈاکٹر طالب علی صاحب کے مکان پر پہنچ جائیں گے احباب لاہور یعنی چوہدری بشیر احمد صاحب بی اے، میاں محمد امین الدین صاحب، بابو تاج الدین صاحب، میاں فضل الٰہی صاحب جوہری، خلیفہ نور احمد صاحب، مولوی حشمت علی صاحب، چوہدری فضل الدین صاحب، مسٹر محمد شریف صاحب شوخ اور بخشی حضور علی صاحب وغیرہم کا فرض ہے کہ حکیم صاحب موصوف کے مکان (محمد نگر، میو روڈ) پر جمع ہو جائیں اور اپنے قیمتی مشوروں کے ساتھ جماعت کے قیام میں مدد دیں۔

دسمبر کے آخر میں سید حسرت سانوی کی دعوت پر محترم عرشی صاحب، سانیاں جانے کا قصد رکھتے ہیں۔ آپ کا یہ سفر وہاں کی جماعت کے استحکام اور بعض دیگر مقاصد پر مشتمل ہوگا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ۔

اُمت مُسلمہ ریڈنگ روم کی عمارت مکمل ہو چکی ہے، لیکن ابتدائی بے سروسامانی کی وجہ سے کام شروع نہیں ہو سکا۔ ہماری اپیل پر دفتر اُمت کے قدیم معاون، جناب مہر بخش صاحب چغتائی نے ایک سال کے لیے اخبار "مدینہ" جاری کرا دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ خدمت و اعانت کا کوئی موقعہ اپنے ایثار سے خالی نہیں جانے دیتے۔

تھوڑے سے فرنیچر اور کم از کم ایک درجن ناموں کی ضرورت ہنوز باقی ہے۔ احباب توجہ فرمائیں اور شکر گذاری کا موقعہ دیں۔

دسمبر کی اشاعت پر بلاغ کی چودھویں جلد مکمل ہو رہی ہے ۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک ۔ اسی مہینے بہت سے معاونین کے چندے ختم ہو رہے ہیں ۔ بعض اصحاب ایسے بھی ہیں، جنہوں نے کئی کئی سال سے قیمت ادا نہیں کی ۔ ہم ان سب دوستوں کی خدمت میں مودبانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ آخر دسمبر تک اپنا اپنا چندہ دفتر میں ارسال فرمادیں اور اگر کسی وجہ سے فی الحال ادا نہ کرسکیں، تو مہلت طلب کریں ۔ بصورت دیگر وی پی وصول کرنے کے لیے تیار رہیں ۔

پچھلے پرچے میں "سیاسیات حاضرہ" پر اظہار خیالات کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن زیر نظر اشاعت میں اتنے طویل مبحث کی گنجائش نہیں نکل سکی ۔ خدا کرے، اگلے ماہ ہم اس وعدہ کو پورا کرسکیں

محترم علی احمد خاں صاحب "داشمن" بی اے نے علالت طبع کے باعث بطور فدیہ صیام مبلغ پچاس روپے ارسال فرمائے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور آپ کو شفائے عاجل اور طول حیات سے بہرہ ور رکھے ۔

مجلس منتظمہ اُمت مسلمہ کی میٹنگ منعقدہ ۷ نومبر ۱۹۳۷ء میں مدرسۃ العمیان کا نام "خواجہ احمد الدین بلائنڈ انسٹی ٹیوشن" کے بجائے "اُمت مسلمہ بلائنڈ انسٹیٹیوٹ" تجویز کیا گیا ۔ داشمن ریڈنگ روم کا نام اُس کے محترم بانی کے ایماء پر بدل کر "اُمت مسلمہ ریڈنگ روم" رکھا گیا ۔

زیر نظر نمبر کے ساتھ رسالہ "خاتم النبیین" مکمل ہو رہا ہے ۔ جو اصحاب مزید نسخے حاصل کرنا چاہیں، ۵ ر فی نسخہ کے حساب سے قیمت بھیجکر منیجر بلاغ امرتسر سے طلب کریں ۔

یکم رمضان سے دفتر امت مسلمہ میں نماز فجر کے بعد درس قرآن مجید کا سلسلہ جاری ہے کارکنان ادارہ اور شہر کے چند احباب بلاناغہ شریک ہو رہے ہیں ۔

حساب آئندہ رسالہ میں درج ہوگا ۔ انشاء اللہ ۔ منیجر

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

(از عرشی)

مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء بعد شام مجھے ایک دوست نے جبکہ میں گھر میں روٹی کھا رہا تھا آواز دی۔ میں فراغت کے بعد نیچے اُترا تو اُنھوں نے یہ ہولناک خبر سنائی کہ "مولوی ثناءاللہ صاحب پر کسی نے حملہ کر دیا ہے جس کی وجہ عرس امام اعظم کے موقعہ پر حنفی واعظوں کی اشتعال انگیز تقریریں بیان کی جاتی ہیں، مولوی صاحب کے سر پر ٹکوے کا وار ہوا جس سے بہت سا خون بہہ گیا ہے"۔ مجھے سخت صدمہ ہوا اور میرے مُنہ سے بے ساختہ نکلا مولوی صاحب پر جو جرم لگایا گیا ہے میں اُن سے زیادہ اس کا مرتکب ہوں۔ میں اس معاملہ میں عوام کو بڑی حد تک بے قصور سمجھتا ہوں، یہ لوگ مفسد واعظوں کے ہاتھ میں بے جان ہتھیار ہیں، جس پر چاہیں وار کر دیں اور خود ضارب و مضروب کا تماشا دیکھنے کے لیے گوشۂ عافیت میں چھپ کر بیٹھ جائیں۔

"وہابی کا مارنا ثواب، وہابی کو گالی دینا ثواب، وہابی سے قطع تعلق لازم، وہابی کے وجود منحوس سے خدا کی زمین کو پاک کر دو۔ وہابی کو بنانے میں خالق نے سخت غلطی کی (معاذ اللہ) وہابی کو زمین پر چلنے پھرنے کی مہلت دینا کارکنان قضا کی انتہائی سہل انگاری ہے" (معاذ اللہ) یہ ہیں جذبات وحسیات

ے مولوی صاحب حضور علیہ السلام کو نہ اُمت مسلمہ کی طرح پورا بشر مانتے ہیں نہ بریلویوں کی مانند کامل خدا، یہی وجہ ہے کہ آپ نہ اِدھر کے ہیں نہ اُدھر کے بلکہ اہلحدیث کی اکثر جماعتیں بھی آپ سے سخت اختلاف رکھتی ہیں۔ آپ احناف کے سامنے کھڑے ہو کر بالکل ہمارے مسلمہ قرآنی عقائد کی تبلیغ فرماتے ہیں اور ہماری طرف متوجہ ہو کر نیم بریلوی خیالات کی حمایت کرتے ہیں۔ آپ کی اکثر تحریریں اور تقریریں اس پر شاہد ہیں کہ آپ دو اسل مطاع، دو احکم الحاکمین اور دو منتہائے سوال تسلیم کرتے ہیں جس میں ذرا بالغیر و بالذات کی بحث لگا لیتے ہیں۔ اتنے بڑے اختلاف کے باوجود ہم آپ کی خدمات کے اس حصہ کی سچے دل سے قدر کرتے ہیں جو توحید و قرآن سے متعلق ہیں اور دست بدعا ہیں کہ خدا آپ کو بے آمیزش توحید کی تبلیغ کی توفیق دے اور عمر و صحت کی برکتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ میں مع احباب دو مرتبہ آپ کی عیادت کے لیے آپ کے دولت خانہ پر حاضر ہوا لیکن آپ نہ مل سکے۔ اکثر خیریت دریافت کرتا رہا، ان سطور کی تحریر کے وقت آپکی حالت تسلی بخش ہے الحمد للہ۔ مجھے بیحد افسوس ہے کہ امرتسر کی حکومت مجرم یا مجرموں کا سراغ لگانے میں ابتک ناکام ہے!!! "عرشی"

اس واجب التعظیم گروہ کے جو اپنے آپ کو پوری بلند آہنگی سے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ظاہر کرتے ہیں، جو خلد و کوثر کی تمام لذتوں کا ٹھیکہ لیے ہوئے ہیں، جن کے تمام ظلم و جور، فتنہ و شر، شرک و کفر اور مکر و فریب محبت رسول کے پردے میں چھپ جاتے ہیں۔ نصرانی، پادری کے پنجے سے نکل گیا، ہندو، برہمن کی قید سے آزاد ہو رہا ہے، خود مختار اسلامی ممالک بھی مذہبی شکاریوں کے چنگل سے رہائی پا چکے ہیں مگر غلام ہندوستان کا بدنصیب مسلمان، نادان و احمق مسلمان، چارپایوں سے زیادہ ذلیل مسلمان ابتک اس بھیڑیئے کی زد میں ہے، جس کو مولوی کہا جاتا ہے، مولوی کی آئے دن کی شرانگیزی اور خون ریزی سے خدا کی زمین تنگ آچکی ہے، مولوی نے تمام دنیا میں توحید کو پھیلانے والے مسلمان کے دل سے کلمہ توحید سننے کی تاب چھین لی ہے ؎

اے محمد گر قیامت سر بروں آری ز خاک ۔ سر برآور ایں قیامت درمیانِ خلق بیں

اندھوں کا اسکول

(۲۰ نومبر ۳۶ء) خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے اندھوں کا اسکول کامیابی سے چل رہا ہے جس میں چھ نابینا اور ایک بینا مولوی صاحب تعلیم پاتے ہیں۔ یکم نومبر سے بعض طلبا کو علم بریل (اندھوں کا علم) کے ذریعہ جغرافیہ، فارسی اور انگریزی کی تعلیم دی جارہی ہے اور لکھنا بھی سکھایا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ میں ابتک حساب کی سلیٹیں (جو بہت قیمتی شے ہے) مہیا کرنے سے قاصر رہا ہوں اسلئے حساب کا سلسلہ شروع نہیں ہوسکا۔ مجھے اللہ عزوجل پر بھروسہ ہے اسلیے اُمید رکھتا ہوں کہ سلیٹیں جلد حاصل کر کے حساب کا سلسلہ بھی شروع کر دیا جائیگا وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

حسب ذیل احباب نے اس ماہ مالی امداد عطا فرمائی جزاہم اللہ۔

بابو چراغ الدین صاحب سادھو ۵؎ ۔ چودہری کرم دین صاحب ۱؎ ۔ مستری غلام محمد صاحب کمیشن بھٹہ للہ ۲؎ ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب ۱؎ ۔ مستری غلام محمد صاحب کمیشن متفرق ۱؎ ۔ منشی حفیظ صاحب ۲؎ ۔ پیسہ فنڈ ۱؎ میزان کل ۱۲؎ ۔ اس رقم سے خرچ کسی صورت میں پورا نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے دُگنی رقم بھی کافی نہیں ہوسکتی لیکن میں بفضلہ تعالےٰ تہیہ کر چکا ہوں کہ حتی الامکان اس کار خیر کو جاری رکھونگا۔

شکریہ ۔ مستری دین محمد صاحب سوداگر ٹائل نے ، کُرتے عنایت فرمائے ۔ سائیں فیروز صاحب نے قریباً پاؤ پختہ [illegible] (۱۱) [illegible] (۱) [illegible] (ادارہ)

مواعظ قرآن

(۲۵)

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۔ اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو وفا کرو۔

کسی مجرم کو امان دیکر اُس کے ساتھ دغا کرنا ایک نہایت مذموم و ناروا بات ہے، مگر مجھے علم نہیں کہ دنیا میں کسی مذہب نے سوائے اسلام کے اس کی تاکید و تائید مذہب کے دائرہ میں کی ہو یا بمعنی دیگر ایک ملکی رسم و مصلحت سے بڑھ کر اسے اوامر و نواہی میں جگہ دی ہو جس پر دنیوی سزا و جزا (جو اس قسم کی رسم بد کا لازمی نتیجہ ہوا کرتا ہے) کے علاوہ اُخروی عقاب و ثواب بھی عائد ہوتا ہو۔ بایں ہمہ بنی عباس نے بنی اُمیہ کے ساتھ جو دغا و فریب کیا؛ سلاطین عجم و ہند نے جس جس طرح دھوکے سے اپنے دشمنوں کو قتل و اعدام کیا؛ محمد علی پاشا مصر نے ملوکان مصر کو دعوت میں بلا کر جس طرح قتل کرایا؛ شریف مکہ نے کعبہ میں جو عہد کیا اور جس طرح اس نے ترکی کے ساتھ غدر کیا اور آخر میں بچہ سقہ اور اس کے ساتھیوں کو غازی نادر شاہ نے امان دیکر قتل کرایا، تاریخ اسلام میں اس کثرت سے اس کی مثالیں ہیں کہ شاید ہی دنیا کی کوئی تاریخ اس بدعہدی کا مقابلہ کر سکے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں تفضل حسین خاں نواب بنگش نے فرخ آباد پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں اور اُن کے بچوں اور عورتوں کے ساتھ جس بیدردی کا سلوک کیا، وہ اس قابل تھا کہ انگریز اگر چاہتے تو بلا خوف و خطر اور بلا لومۃ لائم اس کو بدترین و عبرتناک سزا دیتے۔ جب وہ انگریزی فوج سے بھاگا بھاگا پھر رہا تھا اور اُس کو سر چھپانے کے لیے کہیں جگہ نہ ملتی تھی تو اُس نے میجر بیرو ([illegible]) کو پیام بھیجا کہ وہ اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنے کو تیار ہے بشرطیکہ اس کو امان دی جائے۔ جب وہ گرفتار ہوا تو اُس کا جرم ایسا نہ تھا کہ وہ آسانی سے معاف کر دیا جائے۔ اُس کے ذمہ ۶۲ انگریز عورتوں اور بچوں کے خون ناحق کا الزام تھا۔ کورٹ مارشل ہونے کے بعد اس کو سزائے موت دی گئی۔ مگر جب گورنر جنرل کو اس کی اطلاع ہوئی کہ ایک انگریز افسر اس کو امان دے چکا تھا تو اُنھوں نے لکھا کہ ایک انگریز افسر کا قول و قرار ایسا نہیں ہے کہ اس سے بدعہدی کی جا سکے۔ لہذا اس کی سزائے موت مسترد کی گئی اور خود اس کی خواہش پر اُس کو حفاظت کے ساتھ مکہ بھیجدیا گیا۔ کیا اس کے بعد بھی یہ

لینے کی ضرورت ہے کہ آج کیوں انگریزوں کی سلطنت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا اور ہماری تیرہ بختی میں کبھی آفتاب طلوع نہیں ہوتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ قرآن نے جن معاصی سے ہم کو منع کیا ہے یا جن مسائل پر اس نے مطلق گفتگو نہیں کی ان کو دوسرے مذاہب والے باوجودیکہ ان کے ہاں کوئی ممانعت یا تاکید نہیں چھوڑ چکے ہیں یا ان کے معمول بہ ہیں۔ اور ہم ان کے پیچھے اس سرگرمی سے پڑے ہیں کہ گویا اصل اسلام یہی ہے۔ معمولی معاشرت کی چند باتوں میں مثلاً ایک پردے ہی کو لو۔ قرآن کا حکم ہے کہ جو عورت بدکار ہو اس کو تم گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دو یہاں تک کہ اس کی زندگی ختم ہو جائے۔ سوائے مسلمانوں کی عورتوں کے کسی دوسری قوم کو یہ طرۂ امتیاز نہیں ملا۔ قرآن کہتا ہے کہ عورتیں مردوں کے سامنے جب آئیں تو اپنی آنکھوں کو نیچے رکھیں۔ مسلمانوں نے اس سے ایک قدم بڑھکر عورت کو سر سے پیر تک ایک ایسے خوفناک لباس میں آراستہ کر دیا ہے کہ مرد کا نظر نیچی کرنا کیا معنی اس برقعہ کو دیکھکر اس کے حواس گم ہو جائیں۔ حالانکہ رامائن اور بائبل میں پردہ کی جو کیفیت ہے اس کے عامل ہندو۔ یہودی اور عیسائی نہیں بلکہ ہم ہیں۔ سینٹ پال عورت کے سر کھولنے کا روادار نہیں۔ ان کے لیے گرجہ کے دروازے بند ہیں۔ بلکہ وشتی و ایستر کا جو قصہ بائبل میں ہے وہ ہو بہو ہمارے سلاطین کے حرم کی پردہ داری کا قصہ ہے۔ اور راجودھیا میں عورتیں جس طرح رام لچھمن کو دیکھنے کے لیے اپنے گھروں سے سر نکالتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اسلامی پردہ سے زیادہ سخت پردہ تھا۔ دنیا میں اگر آج اعتقادی جرم میں کوئی سنگسار کیا گیا ہے تو وہ سنہ ۲۶ء میں افغانستان میں کیا گیا ہے۔ غلام فروشی اب تک مکہ کی گرم بازاری کا سبب ہے۔ اور وہیں لاکھوں جانور قربانی میں ذبح کر کے دفن کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ باتیں اگر دوسری قوموں کی معمول بہ ہیں تو اس کا ذمہ دار ان کا مذہب تھا اور یہاں ہم اس پر سرگرم عمل ہیں درآنحالیکہ مذہب نے ان کاموں سے یا تو منع کیا ہے یا ان کو کوئی ذریعہ نجات نہیں بتایا۔ میرے خیال میں سوائے قرآن شریف کے کسی مذہبی کتاب نے یہ نہیں بتایا ہے کہ "لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ" مگر ہمارے اصول میں یہ بات طے پا چکی ہے کہ ہم اپنی طرف سے حج ادا کرا سکتے ہیں۔ اپنے پیر کے ذریعے سے بہشت میں جا سکتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی اپنے کاموں کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اگر اپنے مال کو مستحقین سے بچا کر کسی موٹے تازے پیر کی درگاہ پر وقف کر دیں "فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ"

ہم نے ان باتوں میں تشدد اختیار کر لیا جن کی سند میں قرآن کا ایک حرف نہیں اور ان باتوں سے احتراز کیا جن کو سوائے قرآن کے دوسرے مذہب نے نہیں بتایا۔ دنیا میں وہ کونسی کتاب ہے جس نے ایسی معمولی باتوں کو بھی بتا دیا ہو کہ جب تم کسی کے گھر میں داخل ہو تو مالک کی اجازت سے۔ میرے ایک عزیز نے مجھ سے صرف اس لیے قطع تعلق کر لیا ہے کہ اُن کو ایک بار بے محابا گھر میں گھس آنے سے باز رکھا گیا تھا۔ تم نے قرآن ہی میں یہ پڑھا ہوگا اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ۔ مگر سب سے زیادہ مسلمانوں میں یہ مرض پاؤ گے کہ وہ ہر شخص کے متعلق خواہ وہ دنیا میں کیسے ہی نیک کام کریں بد گمانی رکھیں گے اور اس شدت کے ساتھ کہ گویا وہ اُن کے ہی گھر میں آگ لگا رہا ہے۔ بہرحال اگر تمہارے امراض کے لیے کوئی شفا ہے تو وہ قرآن ہی ہے۔ اُس کی حکمت و موعظت پر عمل کرو اور دین و دنیا کی فلاح حاصل کرو۔ ورنہ جیسی ٹھوکریں کھائے ہو، کھاتے رہو گے۔ حق گو

مدرستہ العمیان کا افتتاحی جلسہ

حسب قرار داد ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء کو اُمت مسلمہ بلڈنگس بیروں دروازہ حکیماں امرتسر میں مدرستہ العمیان کا افتتاحی جلسہ ہونا قرار پایا ہے۔ حامیان کفایت قرآن سے بالخصوص اور مسلمانان ہند سے بالعموم توقع ہے کہ وہ اس مبارک تقریب میں ضرور شامل ہونگے اور اپنے ارادۂ تشریف آوری سے ۲۰ دسمبر ۱۹۳۶ء تک مطلع فرمائیں گے تاکہ اُن کے قیام و طعام کا بندوبست ہو سکے۔

خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے۔ میاں بشیر احمد صاحب بی اے لاہور۔ ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب۔ بابو محمد حسین صاحب پٹھانکوٹ۔ مولانا عبد الکریم صاحب ناقد۔ خواجہ عبد القادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا سیالکوٹ اور سیالکوٹ کے دوسرے زندہ دل احباب سے توقع ہے کہ وہ ضرور تشریف لائیں گے۔ پروفیسر چودہری غلام عباس صاحب ایم اے لدھیانہ۔ میاں امین الدین صاحب لاہور پروفیسر خواجہ دل محمد صاحب ایم اے فیلو پنجاب یونیورسٹی وغیرہ اصحاب کی خدمت میں مودبانہ درخواست ہے کہ تشریف لا کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں اور منظوری سے جلد از جلد اطلاع بخشیں تاکہ پروگرام شائع کرنے میں تاخیر نہ ہو۔

آپ کا خادم (خواجہ) ضیاء اللہ مہتمم مدرستہ العمیان بیروں دروازہ حکیماں امرتسر

بُرہانُ الحق

(از شمس العلماء مولانا حافظ سید محب الحق صاحب پٹنہ)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ

(اور اُس سے ظالم تر کون جس کو اُس کے پروردگار کی آیتوں سے نصیحت کی جائے اور وہ اُن سے مُنہ پھیرلے۔ ہم گنہگاروں سے ضرور بدلہ لینے والے ہیں)

دفتر اہل حدیث سے چند اوراق میرے پاس پہونچے۔ اس کا نام بیان الحق ہے جو بلاغ الحق کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ میں نے اُس کو دیکھا۔ یہ بھی کلمۃ الحق[1] ہی کا فوٹو ہے جو شرعۃ الحق کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے اہل حدیث کے پرچوں میں شائع فرمایا تھا۔

شرعۃ الحق میں پندرہ سولہ سوالات ہیں جو نمبروار قرآن مجید ہی کی صریح آیتوں سے حل کئے گئے ہیں۔ کلمۃ الحق میں مولانا نے کسی ایک نمبر کو بھی باطل نہ کیا۔ پھر اُس کو جواب کہو تو جواب کیا ہوا ہاں جگہ بہ جگہ عبارت نقل کی گئی اور جستہ جستہ جملوں پر طبع آزمائی کی گئی۔

اون سوالوں کے جوابوں سے جو صرف قرآن مجید ہی کی صریح آیتوں سے میں نے دیئے ہیں حافظ عبداللہ صاحب علیہ الرحمۃ غازیپوری[2] کلیتاً متفق تھے وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ فرقہ بازوں کی گواہی فرقہ بندی کے سلسلہ میں معتبر نہیں۔ اس کا فیصلہ خدا کے حضور میں ہو رہیگا۔ مگر مجھے کسی کے اتفاق واختلاف سے بحث نہیں کیونکہ وہ معیار حق نہیں۔ میرے لکھنے کا مطلب صرف اسقدر تھا کہ وہ اُن کے لیئے جو قرآن کی آیتوں کا انکار یا اُس سے اعراض اور چشم پوشی کرتے اور فرقہ پرستی یا انسان پرستی میں مبتلا ہیں شاید سند اور موجب ہدایت ہو۔

غرض نہ کلمۃ الحق میں شرعۃ الحق کا کوئی نمبر باطل کیا گیا نہ بیان الحق میں بجز قرآن کو حدیث مفروضہ سے باطل کرنے اور علماء کی عقیدتمندی سے قرآن کو اُٹھانے کے بلاغ الحق کے مضمون کا

---

[1] مولانا محب الحق صاحب کی کتاب شرعۃ الحق کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے کلمۃ الحق کے عنوان سے اہلحدیث میں ایک سلسلہ مضامین شائع کیا تھا (بلاغ)

[2] بلاغ الحق میں مولانا نے غازیپوری کو اپنا ہمنوا بنایا ہے۔ اہلحدیث میں اس کے خلاف شہادات شائع کی گئی ہیں (بلاغ)

بھی بطلان نہیں کیا گیا۔ چند اعتراضات کیئے گئے وہ شاعرانہ اور چند اتہامات لگائے گئے وہ بے بنیاد۔

کلمۃ الحق کا میں نے جواب دیا نہیں کہ بحث و مباحثہ میرا مسلک نہیں۔ کیونکہ بحث و مباحثہ تو اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلیٰ عِلْم کا جلوس اور ماسوی کی جے کا نعرہ لگانا ہے۔ مگر بیان الحق میں انسان پرستی اور راویوں کے غلو محبت میں کہ "بلائیں[1] زلف جاناں کی اگر لیں گے تو ہم لیں گے" قرآن باطل کیا گیا اور اُس میں تحریف کی گئی تو کوئی زلف کے پھندوں میں پھنسا رہے تو رہے مگر تحریف قرآن کو دیکھ کر سنۃ اللہ یعنی روش قرآنی کے اتباع کی حیثیت سے آپ کے لئے نہیں تو باطناً منکرین قرآن کے لیے تبلیغاً اعلان حق کی ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن پر غلط روایتوں کی جو خاک اوچھالی گئی ہے اور یوں ہمارے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم متہم بنائے گئے ہیں اور آپ کی تبلیغ ناقص اور بیکار قرار دی گئی ہے اور ڈنکے کی چوٹ حلہ کیا گیا ہے کہ آپ خلاف حکم خداوندی یعنی قرآن مجید کے خلاف بھی حکم دیتے تھے العیاذ باللہ۔ دعوٰے کیا گیا کہ آپ نے ایسے احکام دئیے اور اس کی تبلیغ نہ فرمائی اور اپنی ناقص تبلیغ قرآن و قوم کی گمراہی کے لیے چھوڑ گئے۔ نہ قرآن میں ضمیمہ لگایا نہ حاشیہ چڑھایا۔ نہ حفاظ کو یاد کرنے کی ہدایت فرمائی۔ الامان۔ میں نے چاہا کہ قرآن کے چہرہ سے معشوقان مجازی کی زلفوں کو الگ کردوں کہ خدا کے کلام اور رسول کی رسالت کا نور ضوفشاں رہے۔ معبود حقیقی کی تجلی جلوہ آرا ہو کہ معبود مجازی کی چنگاریاں دھیمی پڑ جائیں یہی غرض کتابوں کی تصنیف سے ہے اور گویا یہی غرض ان چند سطروں کی تحریر سے ہے۔

بیان الحق میں مجھے پنڈت محب الحق کا خطاب دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ میرے جملہ کا جواب ہے جو بلاغ الحق سے نقل کیا گیا ہے کہ "تم نے سمجھا کہ قرآن مسلمان پنڈتوں کے سوا کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا حنفی" وہی پرانی عادت کے مطابق میرا ایک جملہ نقل کر دیا گیا۔ اگر پورا مضمون نقل فرما دیا ہوتا تو ظاہر ہو جاتا کہ جو عالم مسلمانوں کو قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس میں تدبر کرنے سے روکتے ہیں کہ یہ معمہ ہے، چیستان ہے، سارے علوم کا مخزن ہے مگر یہ دین ناقص ہے اس سے بہتر تو حدیث کو یاد کرنا اور حدیث کی تلاوت ہے کہ یہ مفصل ہے۔ ثواب رسانی یا عملیات کے لیے پڑھ سکتے ہو مگر احکام و ہدایات سمجھ نہیں سکتے۔ کیا نہیں جانتے کہ جو ناسخ و منسوخ کے رموز سے واقف نہیں اُس کو قرآن پڑھنا اور اُس پر عمل کرنا جائز نہیں ہیں اُن کو یَصُدُّوْنَ

[1] معاذ اللہ (بلاغ)

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سمجھتا ہوں۔ اور یہی شان پنڈتوں کی تھی سُنَّةُ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ کہ اُنھوں نے وید کا پڑھنا پنڈتوں کے سوا کسی کے لیے جائز نہ رکھا تھا۔ اس لیے میں نے اُن کو مسلمان پنڈت لکھا۔ میں نے اُن کو تو لکھا نہیں جو پنڈت کی روش کے نہیں۔ نہ میں نے کسی کا نام لیکر شخصی طور پر لکھا۔ آپ نے مجھے شخصی طور پر پنڈت کا خطاب دیا تو اس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس خطاب پر اس لیے ناز کرتا ہوں کہ یہ تو ہمارے مقدس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس سنت ہے کہ آپ شاعر کہے گئے، کاہن کہے گئے، آپ نے سُن لیا۔ مجھے بھی شاعر، پنڈت اور کیا کیا کہا گیا۔ مجھے بھی، وہی اتباع سے سُن لینا چاہیے وہ الحمدللہ میں نے بھی سُن لیا۔ تبلیغ کی راہ میں آپؐ پر سخت ترین حملے ہوئے، آپؐ نے صبر فرمایا۔ میں چونکہ بلاشرکت غیرے خاص آپ کی اُمت میں ہوں، خالص مسلمان، اس لیے مجھے پنڈت، جاہل اور جھوٹا کہنا تو اُسی کی ایک چھینٹ ہے جو مجھ پر ڈالی گئی ہے۔ الحمدللہ۔ مجھ سا ناچیز بھی اس لائق ہوا کہ تیرہ سو برس کے بعد اُسی تبلیغی راہ میں وہی خاک مجھ پر اوچھالی گئی جو اُس پاک ہستی پر اوچھالی گئی تھی۔ تو اس پر تو مجھے صوفیانہ حال کرنے کو جی چاہتا ہے۔

جناب مولانا! میں نے بلاغ الحق میں لکھا ہے کہ میں نہ اہل قرآن ہوں نہ اہل حدیث نہ اہل فقہ یہ سارے بدعتی نام ہیں۔ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ اور اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (اُس نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ اور میں مامور ہوں کہ میں مسلمانوں سے ہوؤں) کی منشا کے مطابق خالص مسلمان ہوں، چونکہ ہمارے رسول خالص مسلمان تھے۔ آپ ان فرقوں میں سے کسی فرقہ میں داخل نہ تھے۔ میں بھی خالص نبی کی اُمت ہوں بلاشرکت غیرے۔ کسی امام یا علامہ کی اُمت نہیں

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ — مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ — وَالْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللّٰهِ

دین میں رسول کا قول منزل من اللہ قرآن کو اور قرآن کے کامل اتباع کے سبب آپ کے فعل مقدس کو بھی قرآن ہی کے رو سے قرآن ہی سمجھتا ہوں بلاشرکت غیرے، اس لیے قرآن ہی کی اطاعت کو خدا و رسول کی مفروضہ اطاعت سمجھتا ہوں فرض ابدی۔ اور سیاسیات میں بھی قرآن سے فاضل سیاسی احکام کی اطاعت کو بھی من حیث اولوالامر ہونے کے دوسرے اولوالامر کے قائم ہونے تک آپ کی اطاعت مفروضہ سمجھتا ہوں۔ اس لیے دین کے متعلق حدیثیں مطابق قرآن ہیں وہ قرآن میں بلفظ رسول خدا۔ اگر ایسی الفاظ کی صحت رسولؐ تک پہنچتی ہو۔ اور جو مخالف قرآن ہیں

حدود اللہ کو توڑنے والی حاشا رسول کی حدیثیں نہیں۔ ایسی حدیثوں کے قول رسول ہونے کا میں منکر ہوں۔ جتنے امام ہوئے سب نے بعض حدیثوں کو تسلیم کیا اور بعض کی صحت کے منکر ہوئے تو کیا سب منکر حدیث تھے؟ اگر نہیں تھے تو میں منکر حدیث کیونکر ہوا۔ پھر حدیث کے مقابلہ میں قرآن کا انکار کرنے والا اور حدود قرآنی کی اصلاح کرنے والا کیا منکر قرآن نہیں۔ زنا کی سزا قرآن میں سو درّے ہیں۔ حدیث سے اس کی اصلاح کی جاتی ہے کہ سو درّے سے فاضل سال بھر کی جلاوطنی بھی ہے۔ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (جس نے خدا کے حدود سے تجاوز کیا اُس نے اپنے آپ پر ظلم کیا) اسی پر بس نہیں، محصن و محصنہ کے لئے رجم کا حکم تجویز کیا۔ یہ صریح کتاب اللہ کی عدول حکمی ہے یا نہیں؟ کیا ایسے احکام رسول کے ہو سکتے ہیں جو اپنی تبلیغ کے خلاف ہو اور فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی عدول حکمی ہو۔ کیا حدیثیں بھی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ میں داخل ہیں۔ اگر ہیں تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو حدیثوں کے چھنٹے، منتخب کرنے اور بہتیری حدیثوں کو رد کرنے کا کیا حق تھا؟ رجم کے متعلق جو حدیث مولانا نے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی تردید میں پیش فرمائی ہے اوس کا انداز ہی کہہ رہا ہے کہ وہ رسول کی حدیث نہیں ــــ حدیث میں آنحضرت سے ایک سائل پوچھتا ہے کہ آپ کتاب اللہ سے حکم دیں۔ معلوم نہیں وہ سائل کوئی صحابی ہیں یا کوئی یہودی۔ کیونکہ ایسی شرط کی جرأت کس کو تھی؟ دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ ہاں حضور آپ کتاب اللہ سے حکم دیں۔ رسول کا دربار مکتب خانہ نہ تھا۔ پھر یہ شرط تو اس سے کی جا سکتی ہے جو عادتاً کتاب اللہ سے حکم نہ دیتا ہو۔ اس پر آپ بقسمیہ فرماتے ہیں کہ ہم کتاب اللہ سے حکم دیتے ہیں کہ محصنہ زانیہ کو رجم کر دو۔ جو حکم کتاب اللہ کے تیسوں پاروں میں کسی میں نہیں۔ اس کی تعمیل تو کی گئی مگر قرآن کی صحت نہ کی گئی۔ نہ کتابت میں اصلاح کی گئی۔ نہ حفاظ کو ہدایت کی گئی کہ اب اُس بیکار آیت کی تلاوت چھوڑ دو اور اُس کی جگہ اس حدیث کی تلاوت کیا کرو کہ حدیث مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ نہیں تو مَا يُوْحٰى تو ہے۔ آج کتاب اللہ میں داخل نہیں تو تیسری صدی میں حدیثیں جمع ہو جانے کے بعد تو داخل ہو جائیگی۔ کیونکہ آئندہ لوگ کتاب اللہ سے حکم اللہ مراد لیں گے۔ اور حکم اللہ حدیث و فقہ کے سوا اور ہو گا کیا۔ یہ ہے رسول کی اُمت کی حالت اور یہ ہے رسول اور مَآ اُرْسِلَ کی شان و عظمت۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ وما قدروا الرسول

حق قدردہ۔ اے اللہ رحم کر۔ جناب مولانا! حدیث کو تو آپ حکم اللہ مان کر اپنی طرف سے بلا اجازتِ خدا و رسول کتاب اللہ میں داخل فرماتے ہیں۔ تو جب حدیث کتاب اللہ میں داخل ہے تو اس کی حفاظت کا بھی حسب وعدہ خدا ذمہ وار ٹھہرا۔ تو حفاظت کہاں کی۔ موجودہ حدیثیں کتنی حدیثوں سے منتخب ہیں، وہ مجموعہ تو ہے نہیں۔ پھر کتاب اللہ میں لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ۔ باطل تو آمیزش نہیں پاسکتا اور موجودہ حدیثوں میں ہے۔ جب تو ایک دوسرے کی حدیثوں کو باطل کرتے ہوئے فرقے ہیں۔ اُس پر مستزاد یہ کہ حدیثوں میں آج تک بکثرت اختلافات موجود ہیں اور لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ اس آیت نے کھول دیا کہ حدیث مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ نہیں مِنْ غَيْرِ اللّٰهِ ہے۔ اُس سے آپ قرآن کی آیت کو مردود کرتے ہیں۔ ایسے منکرینِ قرآن کا جواب دینا اور تُو تُو مَیں مَیں میں پڑنا تضیعِ اوقات ہے۔

جناب مولانا: بلاغ الحق میں میں نے حافظ عبداللہ صاحب علیہ الرحمۃ کی حق پرستی دکھائی تھی کہ حق کے آگے سر جھکا دینا اُن کی خاص صفت تھی تاکہ انسان پرستوں کے لئے سند ہو۔ میں نے یہ ہرگز نہیں لکھا کہ حافظ عبداللہ صاحب علیہ الرحمۃ پہلے اہل حدیث تھے اور پھر مسلمان ہوگئے تھے۔ ہاں میں نے اُن کی حق پرستی دکھائی تھی کہ اُنھوں نے میری کتاب سے اتفاق کیا اور مولوی عبدالحی صاحب علیہ الرحمۃ ناظم ندوہ سے فرمایا کہ شرعۃ الحق میں تو انکارِ حدیث نہیں تنقید حدیث ہے اور حدیث کی تنقید ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے۔ آپ نے اُن کے قول کو مردود کیا اور اُن کے اہل حدیث ہونے کی شہادت بہم پہنچانے لگے۔

جناب مولانا! لوگ رسول ؐ سے حکم لینے آتے تھے اور موافق نہ پڑا تو اوروں کے پاس فیصلہ خصومات کے لیے جاتے تھے۔ جس کا تذکرہ خود قرآن میں موجود ہے۔ تو خدا نے فرمایا کہ رسول کے فیصلہ کے بعد کسی مومن و مومنہ کو کوئی اختیار باقی نہ رہا۔ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا الخ میں نے لکھا تھا کہ اس سے حدیث کے مَا یُوْحٰی ہونے کی سند نہیں نکلتی۔ آپ نے جواب دیا کہ قضیٰ کے معنی اَمَرَ کے ہیں یہ نہیں لکھا کہ فیصلہ خصومات کے نہیں ہیں۔ تو قضیٰ کے معنی بہتیرے ہیں۔ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ کیا یہاں بھی قضیٰ کے معنی اَمَرَ کے ہیں۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا کیا یہاں بھی قضیٰ کے معنی اَمَرَ کے ہیں؟ کیا قاضی فیصلہ کرنے والے کو نہیں کہتے۔ کیا ہر شخص جو اپنے گھر میں بیوی

بچوں اور نوکروں کا آمر ہے وہ قاضی ہے۔ قضیٰ کے معنی اَمَرَ کے بھی ہیں اور وہ بھی میں نے جو میں نے لکھے ہیں۔ آپ نے قضیٰ کے معنی اَمَرَ کے لئے اور مجھ کو اپنی عنایت سے رسول کے امر کے خلاف کرنے کا مدعی قرار دیدیا اور اس کے متعلق تہدید کی آیت بڑے شد و مد سے پیش کر دی۔ اس کا جواب دینے کو جی نہیں چاہتا بلکہ اس پر افسوس کرنے کو جی چاہتا ہے۔

میری ساری کتاب بھری ہوئی ہے کہ رسول کے حکم کا باغی مردود ہے، سرکش ہے، کافر ہے مگر میں دین میں آپ کے افعال کو اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ کے احاطہ کے اندر بکمال قرآن مجید کی فعلاً تبلیغ سمجھتا ہوں اور آپ کے قولی احکام کو فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ کے احاطہ کے اندر بکمال قرآن مجید کی تبلیغ اتم سمجھتا ہوں اور حدیث کو چونکہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ نہیں سمجھتا اس لیے حدیث کے حکم کو قرآن سے ٹکرانا نہیں چاہتا اور اسی لیے زنا کی آیت پر ایمان لانے کے بعد رجم والی حدیث پر تجدید ایمان نہیں کر سکتا اور اس کو خدا اور رسول کے حکم و ہدایت اور رضا کے خلاف سمجھتا ہوں اور اسلیے منکرین قرآن کے ایسے اتہامات کی پروا نہیں کرتا جو قرآن کو ظنیات سے اوٹھانے، باطل کرنے اور احکام ربانی کو کم و بیش کرنے میں بے باک ہیں، نہ خدا سے ڈرتے نہ رسول سے شرماتے ہیں۔ افسوس ہے ان منکرین قرآن پر جو احبار پرست، راوی پرست، انسان پرست اور شخص پرست ہیں۔ وہ ایک خالص خدا پرست کو رہبان پرست قرار دیکر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے تشبیہ دیتے ہیں جن کو وہ رہبان پرست، مزار پرست سمجھکر اپنے خیال میں کافر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ احبار پرست اور رہبان پرست دونوں ماسوا پرست ہیں اور دونوں کو ماسوا پرستی سے تائب ہو کر خدا پرست ہونا چاہیئے اور ماسوا کو لَآ اِلٰهَ کے سمندر میں ڈوبا دینا چاہیئے۔

اس کے سوا وہ مجھے کبھی فلاں فرقہ میں داخل کرتے ہیں اور کبھی فلاں فرقہ میں باوجودیکہ میں فرقہ شکن ہوں۔ اور آپ اس کو بلاغ الحق کا جواب سمجھتے ہیں۔ کبھی اہل قرآن کہکر اہل قرآن کے خلاف کا جو پشتارہ تو تو میں میں کی صورت میں لگا رکھا ہے اس کو میری گردن میں ڈالنا چاہتے ہیں کیونکہ شرعۃ الحق اور بلاغ الحق کا جواب دینا تو قرآن کا انکار ہوگا اور کھلم کھلا انکار کرنے سے معتقدین کا گروہ تتر بتر ہو جائیگا۔ اس لیے جواب کے معنی یہ سمجھے گئے ہیں کہ کسی فرقہ میں داخل کر کے اس فرقہ کے ہر فرد کے اقوال اور جملوں کا میں جوابدہ بنایا جاؤں۔ کبھی مولوی

احمد الدین صاحب مرحوم پر تنقید اور نامہذب روش کی نمائش کی جاتی ہے۔ وہ تو اپنا نامۂ اعمال ختم کر گئے یہ مولانا اپنے اعمال کی جلدیں مرتب فرما رہے ہیں اور یہ بلاغ الحق کا جواب ہوا۔ کبھی مولوی اسلم صاحب جیراجپوری کی خدمات قرآنی و اسلامی کے صلہ میں بحث و مباحثہ کے کرتب دکھلانے کے لئے تماشبین منتظر کئے جاتے ہیں اور یہ بلاغ الحق کا جواب ہوا۔ کبھی رسالہ ترجمان القرآن حیدر آباد دکن پر حملہ کرنے یلغار کرنے کا الٹیمیٹم دیا جاتا ہے اور یہ بذریعہ پرچہ اہل حدیث براڈ کاسٹ کیا جاتا ہے کہ لوگوں کی نظریں اودہر اٹھی رہیں کہ نہ شرعۃ الحق کو دیکھیں نہ بلاغ الحق کو کہ کہیں قرآن پر ایمان نہ لے آئیں۔ میں نے رسالہ ترجمان القرآن دیکھا نہیں جیسے مولوی احمد الدین صاحب مرحوم کی تفسیر دیکھی نہیں۔ قیاس کہتا ہے کہ رسالہ ترجمان القرآن نے شخصیت پرستی کے خلاف قرآن سے استدلال کیا ہوگا۔ کیونکہ مولانا کو تو قرآن سے چڑھ ہے۔ کہیں قرآن کا نام آئے اور مولانا جواب دینے کو تیار۔ کہ شخصیت پرستی کی جگہ خدا پرستی لے لے تو اہل حدیث کا پرچہ کون خریدیگا۔ غرض مولوی صاحب جو ترجمان القرآن کا جواب آئندہ دینگے تو وہ بلاغ الحق کا جواب ہوگا۔

مولانا! وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (قرآن کو مضبوط پکڑلو اور فرقہ بندی نہ قائم کرو) حکم خداوندی ہے۔ قوم نے عدول حکمی کی۔ اسلام کو فرقہ فرقہ کر دیا اور مغضوب الٰہی ہوئی۔ فرمان خداوندی ہے قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (منادی کردو کہ خدا اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کردے اور ایک سے دوسرے کو لڑا کر آپس کی لڑائی کا مزہ چکھا دے) جس کو یہ فرقہ باز خوب چکھ رہے ہیں۔ پھر بھی خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں ہوتا اور خدا کے کلام کے آگے نہیں جھکتے۔ یہ فرقہ بازی تو خدا کا عذاب ہے۔ یہ احبار پرست اور رہبان پرست فرقے آج اپنی اپنی سی کھکر مست ہولیں کل خدا کے حضور میں ان کو رسول کی فریاد اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا) کا جواب دینا ہوگا۔ قرآن تو یہاں تک چھوٹا کہ زنا کی آیت راوی کی روایت پر اٹھا دی گئی اور یوں وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ (جو لوگ قرآن کو مضبوط دھرے ہوئے ہیں یعنی قرآن سے تمسک پکڑتے اور نماز قائم کرتے ہیں تو وہ مصلح ہیں ان کا اجر ہم

ضائع نہ کریں گے، کی تفصیل کی گئی۔ آج کل تمسک بالکتاب کے معنی قرآن کی آیتوں کو بیکار، لغو اور مذبوح کرنے کے لئے گئے ہیں۔ یہ ہیں فرقہ بازی کے کرشمے۔

جناب مولانا! تاریخوں میں حدیث کو قریب بہ صحت تاریخ ماننے سے کہاں ثابت ہوا کہ تاریخ کی صحیح کتاب یا کوئی کتاب بھی قرآن کی ناسخ، قرآنی حدود کو کم و بیش کرنے والی اور مذہب میں دخیل ہو کر خدا کے قطعی فرمان کو اُٹھا دینے والی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح کیا قرآن کے مقابلہ میں مسدس حالی پیش ہوسکتی ہے۔ حالی مرحوم نے حدیث میں چھان بین کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ اس سے آپ قرآن کے فرمان کو مٹا نہیں سکتے۔ تعجب ہے کہ قرآن کی مخالف حدیثوں کو آپ رسول کی حدیث مانتے ہیں۔ نہ رجم والی حدیث رسول کی ہوسکتی ہے نہ رجم والی روایت حضرت عمرؓ کی۔ چونکہ قرآن کے خلاف ہے اور حدود اللہ میں اختلاف شان رسالت اور شان تبلیغ سے بہت بعید اور بعید تر ہے۔ اُس پر مستزاد کتاب اللہ سے آپ نے مراد حکم اللہ لیا۔ حالانکہ سارے قرآن میں تمام خدا نے کتاب قرآن کو فرمایا ہے۔ آپ نے کتاب اللہ سے مراد حکم اللہ لیا اور اس مراد لینے کی قطعیت بیان نہ فرمائی کہ کس حق سے یہ مراد لیا اور کس آیت سے یہ مراد لینا قطعیت رکھتا ہے۔ کیا لغت میں کتاب کے معنی حکم کے ہیں۔ مولانا کتاب اللہ سے مراد حکم اللہ۔ اور حکم اللہ سے مراد حدیث۔ یعنی خدا سے مراد رسول، اور رسول سے مراد حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلم۔ تو اب رام اور کرشن کے پجاریوں پر کیا اعتراض۔ وہ بھی اپنی اپنی مراد لیے بیٹھے ہیں فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ (تو اُس سے ظالم تر کون جو خدا کی آیتوں کی تکذیب کرے اور اُس سے کترائے۔ تو جو لوگ ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں اس کترانے کے سبب ہم اُن کو بُرے عذاب کی سزا دیں گے) خوف کی جگہ ہے۔

جناب مولانا! وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ جو آپ نے پیش فرمائی ہے تو یہ واضح ہونا چاہئے کہ وَاِلَى الرَّسُوْلِ کی واؤ تفسیریہ ہے۔ یعنی۔ آؤ قرآن یعنی رسول کی طرف۔ کیونکہ قرآن رسول ہی سے مل سکتا تھا دعوۃ الی القرآن تھی۔ قبل از وجود صحاح صحاح کی دعوت نہ تھی۔ مطلب یہ کہ آؤ رسول کے پاس اور اُن سے قرآن لو۔ خدا نے قرآن کی طرف دعوت دی جو آپ پر نازل ہوا اور جس کی آپ نے قولاً اور فعلاً و مصائب

جعیل کر تعمیل فرمائی۔ اس کے خلاف سمجھنا قرآن کی تحریف ہوگی۔ اس لیے یہ دعوت قرآن ابدی رسول کی ابدی دعوت ہے جو بحفاظت خداوندی ہمیشہ باقی رہیگی۔ اس لئے رسول کی اس ابدی رسالت کے ذریعے مجھے حسب اشارہ آپ کے قادیاں کی طرف جھانکنے کی ضرورت ہی نہیں۔ قرآن مجید کلام الٰہی کے رہتے ہوئے مجھے آپ کی طرح اس کی ضرورت نہیں کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کو ظلی رسول سمجھکر سارے علماء کو نبی بروزی تسلیم کرکے اُن کی رایوں سے کلام الٰہی کے پرخچے اڑاؤں۔

دین میں یا من حیثث رسالت حدیث قول رسول نہیں۔ قرآن رسول کے دہن مبارک سے نکلا اس لیے قرآن قول رسول ہے مگر منزل من اللہ۔ اس لیے قول رسول کی اطاعت قرآن کی اطاعت ہے۔ فرمان خداوندی ہے اِنَّہٗ لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر قلیلاً مَّا تُؤْمِنُوْنَ وَلَا بِقَوْلِ کَاھِنٍ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ یہ قرآن تو البتہ قول رسول کریم ہے نہ قول شاعر ہے نہ قول کاہن ہے مگر تم لوگ بہت کم فکر کرتے اور کم ایمان لاتے ہو۔ مگر ہاں پروردگار عالم کا نازل کردہ ہے، یعنی قول رسول ہے مگر منزل۔ حقیقی قول خدا کا ہے اور مجازی رسول کا۔ جیسے خالق خدا ہے اور والدین مجازی ہیں۔ اس کے بعد کی آیت بھی صریح رسول کے متعلق ہے کہ اِذْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ الخ اس لیے رسول سے جبریل مراد لینا بالکل صحیح نہیں۔ ہم قول جبریل کے مامور بھی نہیں۔ وہ تو تنزیل کا ذریعہ ہیں، اور قول شاعر اور قول کاہن صاف اعتراض کی تردید ہے۔

آپ ارقام فرماتے ہیں کہ " اس میں تو اختلاف نہیں کہ حلال وحرام کرنے والا خدا ہے سوال زیر بحث یہ ہے کہ رسول بحیثیت رسالت کسی چیز کو حرام کرسکتا ہے یا نہیں"۔ مولانا اگر بحیثیت رسالت کے معنی بذریعہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے ہیں تو اس میں بھی اختلاف نہیں کہ رسول بذریعہ کلام اللہ حلال وحرام کرسکتا ہے جیسا کہ بذریعہ قرآن حرام وحلال کیا گیا ہے۔ اور اگر من حیث رسالت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے جی سے رسول حرام وحلال کرسکتا ہے یا نہیں تو رسول اس کا مجاز نہیں۔ فرمان خداوندی ہے لَا تُحَرِّمُوا طیبت مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ (خدا کے حلال کئے ہوئے کو حرام نہ کرو) یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ (اے نبی تم کیوں حرام کرو جس کو خدا نے حلال کیا) آپ حرام وحلال کرنے کے مجاز من اللہ نہ تھے۔ نہ خود حلال و حرام کا حکم دیتے تھے بلکہ قرآن میں حلال وحرام کی تلاش فرماتے تھے۔ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ

اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا الخ کہدو کہ قرآن میں تو ہم فلاں فلاں چیزوں کے سوا حرام نہیں پاتے) آپ نے بلاغ الحق تعصب سے دیکھا ہے یا قرآن کی دی ہوئی آیتوں سے بالقصد چشم پوشی فرمائی ہے۔ قرآنی احکام جو آپ صادر فرماتے تھے وہی خدا کا حکم ہوتا اور وہی آپ کا۔ اس لیے یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ یہ آیت جو آپ نے پیش فرمائی ہے وہ اگلی آیتوں کی مخالف نہیں۔ قرآن میں اختلاف نہیں۔ اس کو شرعۃ الحق میں دیکھیے۔ کہاں تک دوہراؤں۔ مسلمانوں کو قرآن آنحضرت علیہ الصلواۃ والسلام سے ملا۔ اسلیئے جو دولتیں قرآن سے ملیں وہ آپ سے ملیں اور یوں سارے احکام و ہدایات ربانی ہم کو آپ کی زبان مبارک اور آپ کے فرمانے سے ملیں۔ اس لیے فرمان خداوندی فرمان رسول ہے۔ من حیث رسالت آپ کا کل فرمان آپ کا تبلیغ کیا ہوا اور تعلیم کیا ہوا قرآن ہے۔ اور اس لیے من حیث رسالت فرمان خدا اور فرمان رسول میں اختلاف اور فرق ناممکن۔ تو جو کچھ بھی قرآن نے حلال و حرام کیا وہ آپ ہی نے حلال و حرام کیا۔ جس بوجھ سے قرآن نے ہلکا کیا وہ آپ ہی نے ہلکا کیا۔ اس لیے فرمان خدا صادر ہوا جو اوپر کی آیت ہے کہ جو رسول پر ایمان لایا کہ آپ خدا کے رسول ہیں اور قرآن ما ارسل ہے اور رسول کی عزت اور مدد کی اور اُس نور کا اتباع کیا جو رسول پر نازل کیا گیا وہ فائز المرام ہوا۔ اس آیت میں بھی قرآن ہی کے اتباع کی ہدایت ہے۔ کیونکہ رسول کا حلال و حرام کرنا اور بوجھ سے ہلکا کرنا وہی تھا جو قرآن نے کیا۔ اسی لئے فرمان ہوا اتباع قرآن کا۔ اِتَّبِعُوا النُّوْرَ ۔ روایتوں کے اتباع کا نہیں رسول کی نسبت قرآن سے ہے تاریخ سے نہیں۔ کیونکہ وہ قطعی ہے اور یہ غیر قطعی۔

جناب مولانا! معاف فرمایئے گا۔ بلاغ الحق کی عبارت تحریفاً نقل فرمائی گئی ہے۔ میں نے لکھا تھا۔ "قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ (انھیں کہدو کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں) سورہ انعام کا اُنیسواں رکوع پڑھ جاؤ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے کیا کیا حرام فرمایا۔ اس کے بعد نمبروار حرام یعنی ممنوعات کی فہرست ہے۔ خدا نے ان چیزوں کی حرمت ایک خاص انداز سے بیان فرمائی ہے اُس کی تفصیل و تشریح کی گنجائش نہیں قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ کا ترجمہ جو میں نے کیا ہے وہ غلط ہے۔ اگر غلط ہے تو صحیح

ترجمہ آپ فرما دیتے اور صحیح ہے تو پھر اعتراض کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان سب نمبروں میں حرام کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظ صاحب نے ان سب معقولات کو حَرَّمَ کا مفعول بہ بنایا ہے۔ میں نے تو ترکیب لکھی نہیں۔ آپ پوچھتے تو میں ترکیب بتا دیتا کہ حَرَّمَ رَبُّكُمْ پر جملہ ختم ہوا اور عَلَيْكُمْ سے دوسرا جملہ چلا۔ یہ سارے ممنوعات حرام ہی کے زیر اثر فرمائے گئے ہیں۔ یہ مفعول بہ تو آپ نے بنایا ہے اور ترکیب آپ نے بیان فرمائی ہے اور یوں شرک نہ کرنے کو حرام قرار دیکر آپ نے بلاغ الحق کی تردید فرمائی ہے اور سارے حرام اور ممنوعات خداوندی کی جو نمبروار بیان کئے گئے ہیں ۔ اگر آپ ان ممنوعات کی حرمت مانتے ہیں تو بحث کیا رہی؟ اگر اس آیت کی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی ہے جیسا کہ تحریر کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے تو مضائقہ نہ تھا۔ اُس کی ترکیب دریافت فرمالی ہوتی ۔ اور اگر حرام کے لفظ پر بحث ہے تو ممنوعات خداوندی اور حرام میں فرق کیا ہے۔ یہ سارے نمبر ممنوعات خداوندی ہیں مگر حَرَّمَ رَبُّكُمْ کے زیر اثر۔

جناب مولانا! آپ نے فرقہ بندی کے جوش میں چند آیتیں پیش فرمائی ہیں کہ رسول کے امر کی مخالفت ممنوع خداوندی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ نے رسول کے امر کی مخالفت کرنے والا مجھے قرار دیا۔ یہ افترا اور اتہام ہے۔ اور بہ ایں بنا مجھے منکر حدیث کا لقب دینا دوسرا اتہام۔ اور فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ کی تہدید اُلٹے مجھ پر ڈھال کر دل کے پھپھولے پھوڑے گئے ہیں۔ کچھ پھوٹے کچھ باقی ہونگے۔

آپ کو پہلے ثابت کرنا تھا کہ احادیث بلفظ رسول ہیں۔ اس میں نہ کوئی موضوع ہے نہ ضعیف۔ راویوں میں نہ کوئی کذاب ہے نہ مفسد۔ نہ دین میں رخنہ ڈالنے والا۔ نہ موضوع بنانے والا۔ اسماء رجال نے جن کو کَذَّابُوْنَ لکھا ہے اور حدیث گھڑنے والا وہ جھوٹ لکھا ہے۔ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقدمہ میں جو حضرت امام بخاری کو منتحل الحدیث لکھا ہے وہ جھوٹ لکھا ہے۔ پھر حدیث کے قول رسول اور کلام اللہ ہونے میں کیا کلام رہا۔ اس کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں کہ کسی ایک حدیث کا منکر کافر ہے اور محب الحق رجم والی حدیث کو قرآن کے خلاف کہکر ٹالتا ہے تو خدا کو مانتا اور رسول کا منکر ہے اسلیے جہنمی ہے۔ آپ نے تو یہ ثابت کیا نہیں اور ثابت کر سکتے نہیں پھر قوم کو دھوکے میں کیوں ڈالتے ہیں۔ خدا سے ڈرنا چاہیے اور کسی سے نہیں۔

میں نے کتاب میں فہرست دیدی ہے کہ چند قسم کی حدیثوں کو میں رسول کی حدیث نہیں سمجھتا۔ مخالف قرآن اور حدود اللہ کی توڑنے والی حدیثیں جو تبلیغ رسول کے خلاف ہیں اور جو جو حدیثیں معیار قرآن کے خلاف ہیں وہ ہرگز رسول کی حدیثیں نہیں ہوسکتیں۔ ایسی حدیثوں سے قرآن کا اٹھانے والا تو منکر قرآن نہ ہوا اور ایسی حدیثوں کو رسول کی حدیث نہ ماننے والا منکر حدیث اور کافر ہو کیونکہ بقول آپ کے قرآن میں کتاب اللہ سے مراد حکم رسول ہے اور قطعی حکم رسول حدیث کے سوا اور ہے کیا۔ کیا یہ مجمل قرآن۔ تو توریت کی طرح قرآن کی تحریف چلنے والی نہیں۔ قرآن بحفاظت خداوندی حفاظ کے سینوں میں جوں کا توں محفوظ ہے اور رہیگا۔

یہ سراسر افترا اور اتہام ہے کہ میں رسول کی نافرمانی کا موید ہوں بلکہ میں رسول کے نافرمان کو کافر اور مردود سمجھتا ہوں۔ یہی میں نے اپنی کتابوں میں بھی لکھا ہے اور یہی آپ سے ملاقات میں بھی کہا تھا۔

مجھ سے اور آپ سے امرتسر میں جو ملاقات مسجد میں ہوئی تھی اور میرے ساتھ مولوی تمنا صاحب عمادی پھلواروی بھی تشریف لے گئے تھے۔ اُس ملاقات کی نسبت آپ نے لکھا ہے کہ "عند الملاقات میں نے اُن سے (یعنی مجھ سے) کہا تھا کہ ان لوگوں نے اپنی ایک آنکھ (حدیث) بند کرلی ہے۔ دوسری آنکھ میں لوہے کی سلائیاں پھیر رہے ہیں۔ یعنی حدیث کا بالکل انکار کرچکے ہیں اور قرآن کو اپنی آرا کا تابع بنا رہے ہیں۔ جس کا ذکر مولانا حالی کے اس شعر میں ہے "قرآن کے بجائے شاعر کی سند کی ایک ہی کہی۔

جناب! افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مجھے آپ کا یہ فرمانا مطلق یاد نہیں۔ مولوی تمنا صاحب سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ پوچھا تو اُنھوں نے فرمایا کہ میں تو موجود تھا۔ مولانا نے یہ ہرگز فرمایا نہ تھا۔ ہاں جو باتیں ہوئی تھیں وہ حسب ذیل ہیں۔ آپ نے اُس کو چھپایا آپ کو بہ ایں منزلت چھپانا نہ تھا

اُس جلسہ میں آپ کے ایک عالم صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ رسول کو مطاع سمجھتے ہیں یا نہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فرمان خداوندی ہے جو رسول کو مطاع نہ سمجھے وہ کافر ہے، مگر مطاع کو سمجھ لینا چاہیئے

اطاعت یا قول کی ہوگی یا فعل کی۔ تو قرآن بھرا ہوا ہے کہ آپ اتباع قرآن کے مامور تھے اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اور قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ هٰذَا بَصَآئِرُ

مِنْ رَّبِّكُمْ (قرآن کا اتباع کرتے رہو۔ اور کہدو کہ ہم تو قرآن کا اتباع کرتے ہیں جو تم سب کے لیے ربانی بصیرت ہے) کامل اتباع کے سبب آپ کے دینی افعال فعلاً قرآن کی تبلیغ تھے۔ یہ آپ کی تبلیغ فعلاً تھی۔ اور رقول کے متعلق فرمان خداوندی ہے فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (قرآن سے حکم دیا کرو جو قرآن سے حکم نہ دے وہ کافر ہے۔) آپ قرآن سے حکم دینے پر مامور تھے اور قرآن ہی سے حکم دیتے رہے۔

اس کی مخالفت کرنے والوں کے لئے وہ تہدید ہے جو میرے آگے پیش کی گئی ہے۔ اگر میں قرآنی حکم کو اُٹھاتا تو یہی رسول کے حکم کو اُٹھانا تھا۔ اُس وقت میں اس تہدید کا البتہ سزاوار ہوتا۔ غرض آپ کا قول و فعل قرآن تھا۔ یہی معنی ہیں اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اور مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ کے۔

سوال کرنے والے مولوی صاحب نے اوس جلسہ میں کچھ اور سوال کرنا چاہا۔ آپ نے یہ کہکر روک دیا کہ جواب تو صاف دے چکے اب پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔

مولانا! آپ نے اس بحث کو تو چھپایا اور مجھے رسول کے احکام کا مخالف قرار دیکر آیتیں پیش فرمادیں۔ آپ کو یہ چاہیئے نہ تھا۔ مولوی کی یہ شان ہوتی تو زیبا تھا مولانا کی تو یہ شان نہ ہونی چاہیئے۔

دوسری دفعہ جب آپ پٹنہ اہل حدیث کانفرنس میں تشریف لائے تھے تو دو اور عالم صاحب بھی آپ کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں آیا ہوں کہ مجھ سے اور آپ سے تصفیہ ہوجائے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ جھگڑا ہی کیا ہے۔ عقیدہ کا اختلاف ہے تو وہ مٹا کب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ سب کا سر خدا کے آگے جھکے کہ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور آپ اس کے مخالف۔ اسی کے ساتھ میں نے وہی تقریر کی جو اُس مسجد میں کی تھی جس کو اوپر عرض کیا۔ اس کے متعلق کچھ دیر تک گفتگو کرتا رہا اور اپنے دانستہ قرآن مجید کی تبلیغ کرتا رہا۔ آپ نے کچھ دیر سُنا اور تشریف لے گئے۔

اپنی کتابوں کے علاوہ کسی تقریر میں بھی میں نے مخالفت امر رسول کو جائز قرار نہیں دیا۔ اتہام ہے اور منکرین قرآن سے ایسے اتہامات کے سوا اور اُمید ہی کیا ہوسکتی ہے؟

جناب مولانا! آپ نے کلمۃ الحق میں جو شرعۃ الحق کا جواب لکھا ہے اُس میں بھی ارقام فرمایا ہے کہ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا کے آخر کا ٹکڑا نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ نے تو شرعۃ الحق کی ہڈیاں توڑ ڈالیں یعنی نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ خدا نے نبی کو مطلع کیا۔ اور وہ قرآن میں ہے نہیں۔ تو یہی وحی خفی ہے اور جب وحی خفی کا ہونا ثابت ہو گیا تو حدیث کے مَایُوْحٰی اور قرآن ثانی ہونے میں عقلاً کیا کلام رہا۔ میں نے بلاغ الحق میں اس کا مفصل جواب دیا ہے مگر اس سے چشم پوشی کی گئی۔ اُس کا جواب نہ دیا گیا نہ وہ باطل کیا گیا۔ اور پھر وہی آیت شدو مد کے ساتھ دوہرائی گئی۔ تو میں اس کے جواب کو کیا دوہراؤں جو جا ہے بلاغ الحق دیکھ لے۔ مگر میں پھر ایک آیت اوس کے جواب میں پیش کر دینا چاہتا ہوں کہ مولانا نے جس سے وحی خفی کا شاخسانہ کھڑا کیا اور اس سے حدیث کو وحی خفی قرار دیا ہے وہ غلط ہے۔ قرآن اس کا حامی نہیں۔

خدا فرماتا ہے یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُکَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَھُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ (تم سے لوگ پوچھتے ہیں کہ اُن کے لیے کیا کیا حلال ہے تو اے رسول کہدو کہ تمہارے لیے ستھری چیزیں حلال کی گئیں اور وہ شکار بھی حلال ہے جو تمہارے لیے اُن شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جن کو تم نے سدھا رکھا ہو اور جس طریق سے خدا نے تم کو شکار کرنا سکھایا ہے اوس طریق سے تم نے اُن کو سکھایا ہو) شکاری کتے کو شکار کرنے کی تعلیم تو قرآن میں سکھائی نہیں گئی تو کیا یہ سکھانے والے پر بھی پوشیدہ وحی کے آپ قائل ہیں۔ مولانا! حقیقت کی نسبت مجاز کی طرف کرنا اور مجاز کی نسبت حقیقت کی طرف کرنا قرآن کی روش ہے مگر یہ سجھائی اُن کو دیتا ہے جو قرآن کی تلاوت لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا اندھے بہرے ہو کر نہیں کرتے۔

جو منکرین قرآن خدا کے حکم میں کہ لَا یُشْرِكُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا اہتیروں کو شریک کرتے ہیں اور اُس کی شریعت نازلہ میں کہ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ بہتیروں کو شریک شریعت کر کے اَمْ لَھُمْ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوْا لَھُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِہِ اللّٰہُ کے مورد بنے اور قرآن کی آیتوں کو منسوخ کرنے اور حدود اللہ کو بھی توڑنے اور گھٹانے بڑھانے کے اپنے کو مجاز من اللہ نہیں مجاز من العلماء سمجھتے ہیں

اُن کا فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے وَاللّٰہُ یَفْصِلُ بَیْنِیْ وَبَیْنَہُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔ اُن کو جب قرآن سے تشفی نہیں ہوسکتی تو میری ہستی کیا ۔ میں تو خدا کا ایک ناچیز گنہگار بندہ ہوں ۔

مولانا جو کچھ آپ نے لکھا سب کا مفصل جواب بلاغ الحق میں موجود ہے ۔ اُن کو باطل نہ کر کے صرف سوال ہی دوہرائے جانا اور اتہامات لایعنی سے اپنے معتقدوں کی چشم تجسس اور چشم تحقیق کو بند کرنا آپ کو زیبا نہیں ۔ اور جب بلاغ الحق میں قرآن کی پیش کی ہوئی آیتیں کافی نہیں تو مجھے خاموش ہو جانا چاہیئے ۔ کیونکہ فرمان ہے فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ذٰلِکَ مَبْلَغُہُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (جو ہمارے قرآن سے روگردانی کرے اور صرف دنیاوی زندگی ہی کا خواہاں ہو اُس سے تم مُنہ پھیر لو) ذکر قرآن کا ایک نام ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔

جناب مولانا! میری عمر اسی ۸۰ ہونے کو آئی ۔ ایک پاؤں اِس دنیا میں ہے تو دوسرا اُس دنیا میں ۔ چل چلاؤ کا وقت ہے ۔ اِس دنیا سے مجھے سروکار نہ رہا ۔ آج ہوں اور کل نہیں ۔ اب آپ کے سوال و جواب سے میں پاک ہو گیا ۔ آپ سے چند ملاقاتیں ہوئی ہیں اُس کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں ۔ آپ کو کوئی نصیحت کرنے والا نہیں تو کچھ میری سُن لیجئے مگر مخلصانہ دل اور مخلصانہ دماغ سے

(۱) فَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْہِ ۔ پہلے استغفار ہے پھر توبہ ۔ تو پہلے سارے مباحث اور نفس پرستی کے سارے کرشموں سے اور عبا و جبہ اُتار کر استغفار کیجئے اور خدا سے معافی کے خواستگار اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ اَنْفُسَہُمْ ۔ پھر آئندہ کے لیے حقیقی توبہ اور اُس پر استقامت کی ضرورت ہے ۔

(۲) مجادلہ اور بحث و مباحثہ کا بازار اُٹھا دیجئے کہ یہ نفس پرستوں کے لین دین کا بازار ہے اور طالب حقیقت و حقانیت کو تدبر فی القرآن کی ہدایت فرمائیے ۔

(۳) حافظ عبداللہ صاحب علیہ الرحمۃ کی طرح حق کے آگے سر جھکا دینے کی عادت فرمائیے کہ یہ اسلام کی اوّل روش ہے ۔

(۴) قرآن کی تلاوت خدا کی حضوری میں اپنے سارے خیالات، خواہشات، اعتقادات اور توہمات سے الگ ہو کر اور ماسوا سے منقطع ہو کر ہدایت، نور، اور رحمت حاصل کرنے اور اُس پر جان توڑ کوششوں سے عامل ہونے کی نیت سے روزانہ کیا کیجئے ۔ قرآنی نور منکشف ہو گا

(۵) مولانا! قرآن کا ترجمہ کر دینا کافی نہیں اور بحث و مباحثہ کے اسناد کی تلاش مضر ہے بلکہ یہ دیکھئے کہ ہم تبشیر میں آتے ہیں یا تنذیر میں۔ دوسرے کون کون سی آیتیں قلب غافل کی غفلت کے سبب عدم تعمیل اور غفلت میں پڑی ہوئی ہیں کہ اُن پر توجہ نہیں، اُن پر عمل نہیں یا اُن پر عمل کرنے کی کوشش نہیں اور اس حال پر دل میں فریاد بھی نہیں۔

مثلاً خدا اور رسول کی مفروضہ محبت جتنی فرض ہے کہ دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ۔ اگر نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے اور وہ کیونکر ہو۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلاً کا کیا مفہوم ہے۔ اور اس تبتّل کی تعمیل کیونکر ہو۔

یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ اور لَا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ۔ خدا کے حضور میں سوچئے کہ یہ حال ہمارا ہے یا نہیں۔ نہیں ہے تو ماتم کی جگہ ہے کہ قرآن کی تعمیل رہی جاتی ہے۔

علیٰ ہذا پاک باطنی کہ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَه اور صدق و اخلاص جو دینی و دنیاوی ہر امر میں مطلوب ہے اس کی باز پُرس تو ضرور ہوگی۔ پھر اگر یہ نہیں ہے تو ماتم کرنا چاہیئے۔ عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ

فکر کرنے کے لیے قرآن میں طویل فہرست ہے اور سینکڑوں آیات اللہ بیان فرمائے گئے ہیں۔ کیا ان میں فکر کرنے سے دنیا بے فکر نہیں ہے؟ دنیا بے فکر ہو تو آپ کو تو نہ ہونا چاہیئے

مولانا! آج آپ کو میرا کہنا بغایت تلخ و گراں گذریگا کیونکہ آپ کا کوئی ایسا مخلص آپ کو جو ٹکانے والا نہیں ہے۔ مگر اگر آپ میری اس عرضداشت پر توجہ فرمائیں گے تو کل خدا کے حضور میں آپ دیکھیں گے نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔

حکیم سنائی نے خوب کہا ہے

عروسِ معنیٔ قرآں نقاب آنگہ بر اندازد
کہ خلوت خانۂ دل را مجرد سازی از غوغا

عرضِ اَمانت

(از حضرت آصغر بی آے)

اَمَانَۃٌ، اَمَنَۃٌ، اَمَانٌ، اَمْنٌ اور اَمَنٌ مصادر ہیں۔ ان کا فعل اَمِنَ یَأمَنُ باب فَعِلَ یَفعَلُ سے تعلق رکھتا ہے۔[1]

لسان العرب میں بذیل اَمن لکھا ہے

اَلْاَمَانُ وَالْاَمَانَۃُ بمعنی، وقد اَمِنْتُ فانا اٰمِنٌ۔ و آمَنْتُ غیری، مِن الامن، و الامان۔ والامن ضِدُّ الخوف۔ والامانۃ ضدّ الخیانۃ۔ والایمان ضدّ الکفر۔۔۔۔۔۔ اَمِنَ فلانٌ یَأمَنُ اَمْنًا و اَمَنًا حکی ھذہ الزجّاجُ وَ اَمَنَۃً و اَمَانًا فھو اٰمِنٌ۔ والامنۃ الْاَمْنُ۔۔۔۔۔۔۔۔ و رجلٌ اَمِنٌ و اَمِینٌ بمعنی واحدٍ وفی التنزیل العزیز "وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ" ای الآمِن۔۔۔۔۔۔ والامینُ المُؤتَمَنُ والامینُ المؤتَمَنُ، مِن الاضداد + ۱۲: ۱۶۰

الجوھری وقد یقال الامینُ المامون۔۔۔۔۔۔۔۔ یقال آمَنَ فلانٌ العدوَّ ایمانًا فَاَمِنَ یَأمَنُ والعدوُّ مُؤمَنٌ + وَاَمِنْتُہٗ علی کذا و ائْتَمَنْتُہٗ بمعنی

۱۶: ۱۶۱۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔ الامانۃ ھھنا[2] الفرائض الّتی افترضھا اللہ تعالی علی عبادہٖ ۱۶: ۱۶۳۔۔۔۔۔۔

الامانۃ ھھنا النّیۃُ التی یعتقدھا الانسان فیما یُظھِرُہ باللسان من الایمان ویُؤدِّیہ مِن جمیع الفرائض فی الظّاھر لان اللّٰہ عزّ وجلّ ائْتَمَنَہٗ علیھا ولم یُظْھِر علیھا اَحَدٌ امِن خلقہٖ۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶: ۱۶۲[3]

[1] اَمَنَ یَأمُنُ (فَعُلَ یَفْعُلُ) اور اَمَنَ یَأمِنُ (فَعَلَ یَفعِلُ) بھی مستعمل ہیں۔

[2] یعنی فی آیۃ "الامانۃ"

[3] ترجمہ:۔ امان اور امانہ کا ایک ہی معنی ہے اور اَمِنْتُ کا یہ مطلب ہے کہ میں امن میں ہوں۔ اور آمنت غیری بھی امن و امان سے ماخوذ ہیں + امن خوف کا اُلٹ ہے (باقی بر صفحہ ۲۶)

کلام اللہ میں لفظ امانۃ کا استعمال :-

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد مبارک ہے :-

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۖ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُ
بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ الآیہ ۲ : ۲۸۳

ترجمہ :- اور اگر تم ہو سفر پر۔ اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا۔ تو ضمانت کی چیز قبضے میں د
گئی (کفایت کریگی)، پس اگر تم میں سے بعض، بعض کو امانت دار سمجھے تو چاہیئے کہ جس
پاس امانت رکھی جائے وہ اپنی امانت کو ادا کر دے اور اللہ (تعالیٰ) اپنے پروردگ
سے ڈرے۔

نیز فرمایا :-

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۲۳ : ۸ ؛ ۷۰ : ۳۲

ترجمہ :- اور (سچے مومن اور جنت کے وارث) وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہ
کی نگہبانی کرتے ہیں۔

یہ ہیں شخصی اور انفرادی امانتیں + اب قومی امانتوں کا ذکر سُن لیجیے۔ فرمان آلہی ہے :-

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵ :- اور امانت خیانت کا اُلٹ ہے۔ اور ایمان ک
کا اُلٹ ہے ..... اَمِنَ فلانٌ یَاْمَنُ اَمْنًا اور اَمَنًا جیسا کہ زجاج نے حکایت ک
وامنۃ و امانا پس وہ اَمِنٌ (بالکل با امن) ہوا۔ اور اَمِنۃ ہے امن ..... اور رج
اَمِنٌ اور امینٌ ہم معنی ہیں۔ (یعنی بہت ہی با امن آدمی) اور ذی عزت وحی میں ارشاد۔
"وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ" (اور قسم اس با امن شہر کی) ای الآمِنُ ..... امین کا معنی ہے مُؤتَمِ
(امانت رکھنے والا) اور امین کا معنی مُؤْتَمَن (جس کے پاس امانت رکھی جائے) بھی ہے جن
الفاظ میں سے ہے ..... جوہری کہتا ہے کہ امین کو مامون بھی کہا جاتا ہے ..... اگر کہا
کہ فلاں نے دشمن کو امان دی تو دشمن مُؤْمَنٌ ہوگا ..... اور امنتہٗ علی کذا و ائتمنہ
ایک ہی معنی رکھتے ہیں ..... اس جگہ امانت وہ فرائض ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے اپ
بندوں پر فرض کیا ہے ..... اس جگہ امانت سے وہ نیت مراد ہے جو انسان باندھتا
متعلق ایمان کے اس اظہار سے جو وہ زبان سے کرتا ہے اور سے یعنی تمام ظاہری (بر صفحہ ۲۷

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۲۷:۸	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ خیانت کرو اللہ سے اور نہ رسول سے ہی (خیانت کرو) اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں درحالیکہ

تمہیں علم بھی ہو۔

یعنی بدعہدی نہ کرو اور رسول کو دھوکا نہ دو اور اجتماعی ذمہ داریوں میں عمداً خیانت نہ کرو

پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۔ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۵۸:۴	یقیناً اللہ (تعالیٰ) تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے اہل لوگوں کو سونپ دو اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔ یقیناً بہت خوب ہے جس کا اللہ (تعالیٰ) تمہیں حکم دیتا ہے۔ یقیناً اللہ سننے والا

دیکھنے والا ہے۔

مطلب یہ کہ ذمہ داریاں ایسے لوگوں کو سونپو جو اُن کے اہل ہوں۔ اہل لوگوں کی ذمہ داری نا اہل لوگوں کے سپرد نہ کرنا۔ اس آیہ مبارکہ میں قومی معاملات کا ذکر ہے۔ قومی امانتیں یقیناً سب سے بڑی ذمہ داریاں ہوا کرتی ہیں[۱]

اس تمہید کے بعد آیہ امانت پر غور و فکر کیا جائے۔ آیہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۳۳:۷۲	یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے "امانت" کو رکھا۔ لیکن اُنھوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اُسے اُٹھا لیا۔ بیشک

بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۶:۔ فرائض کو ادا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امانت میں اُسے امین سمجھا اور اس کے سوا باقی مخلوق پر اُسے ظاہر نہ کیا......

[۱] اس آیہ اور اس سے پہلی آیت میں ملکی اور جماعتی امانات کے ساتھ ساتھ شخصی اور انفرادی امانتیں بھی شامل متصور ہو سکتی ہیں۔

انسان حد سے زیادہ ظلم وجہالت والا ہے۔

آیت بالا سے مندرجہ ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں:۔

(۱) انسان صاحب ارادہ واختیار نے امانت اُٹھائی۔ باقی مخلوق جو بے ارادہ اور بے اختیار تھی اس امانت کی متحمل نہ ہو سکی۔

(۲) امانت ایک ایسی زبردست چیز ہے کہ آسمان۔ زمین اور پہاڑ باوجود عظیم الجثہ ہونے کے اُس سے ڈر گئے۔

(۳) اگر انسان ذمہ داری تو اُٹھائے لیکن ہو بدنیت۔ تو پھر کیا زمین وآسمان اُس کی ذمہ داری اُٹھائیں گے؟ ہرگز نہیں۔

(۴) ایسا اس لیے ہوا کہ ہمارے اعمال دیکھے جائیں لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا

آیت "امانت" پر مندرجہ ذیل آیت بھی نمایاں روشنی ڈالتی ہے:۔

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۵۹ : ۲۱

ترجمہ:۔ اگر ہم یہ قرآن پہاڑ پر اتارتے تو تو اُسے یقیناً دیکھتا دبتے ہوئے اور پھٹتے ہوئے بسبب ہیبتِ الٰہی کے۔ اور یہ ہیں مثالیں جنہیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

یعنی اگر یہ قرآن پہاڑ جیسی قوی ہیکل چیز کے فہم میں آجاتا تو وہ ہیبت الٰہی سے دب جاتا اور پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ چونکہ وہ جذبات وتعقل سے خالی ہوتا ہے اس لیے جلد متاثر ہوتا۔ اور انسان، صاحب اختیار، جذبات کا تابع ہو کر قرآن مجید جیسی عظیم الشان کتاب کا کماحقہٗ اثر نہیں لیتا۔

مفسرین متقدمین کا مفہوم بھی قریب قریب وہی ہے جو اوپر عرض کیا گیا ہے۔

ذیل میں تفسیر کبیر۔ بیضاوی۔ معالم التنزیل۔ خازن اور بحر محیط کے بیانات کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

الأمانة کے معنی ہیں فریضہ۔ سماوات وارض نے باوجود عظیم الجثہ ہونے کے فریضہ اُٹھانے سے انکار کیا اس وجہ سے کہ اُنھیں شعور وادراک نہ تھا۔

انسان نے باوجو حقیر الجثہ اور ضعیف البنیہ ہونے کے امانت کا بوجھ اُٹھایا اس وجہ سے کہ اس میں عقل وشعور تھا۔

اور ظلوم اور جہول اس لیے ہوا کہ قوت غضبی اور قوت شہوی اس پر غالب آجاتے ہیں۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ کہ وہ اُن پر قابو رکھے اور اُنھیں ادھر اُدھر نہ ہونے دے۔

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الخ تعليلٌ للحمل من حيث انّهٗ نتيجة ركالتاديب للضرب وذكرالتوبة فى الوعد اشعارا بان كونهم ظلوما جهولًا فى جبلتهم لايخليهم عن فرطات

مفسرین نے امانت کا مفہوم طاعت و فرائض مقرر کیا ہے۔ جن کے پورا کرنے سے مومن ثواب کے حقدار بن جاتے ہیں۔ اور جن کے ترک کرنے سے منافق اور مشرک گرفتار عذاب ہوجاتے ہیں۔

آیت زیر بحث کے ذیل میں مفسرین نے ارشاد الٰہی فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا، قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ کی طرف اشارہ کرکے لکھا ہے کہ نیکی کرنا اور بدی سے بچنا امانت ہے۔ زمین اور آسمان جو مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ ہیں اُن کے لیے ثواب وعذاب کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہ بحث تو صرف صاحب اختیار مخلوق یعنی انسان کے حق میں کی جاسکتی ہے۔ زمین وآسمان اور جبال کا اشفاق و اباء یہ بتا رہا ہے کہ وہ اس امانت کے اُٹھانے کے قابل نہ تھے۔ ورنہ بے اختیار مخلوق سے اشفاق و اباء اور عصیان ومخالفہ چہ معنی دارد؟

اسی لیے مفسرین نے امانت کا مفہوم نیت، عقل اور مکلف ہونا قرار دیا ہے۔ آسمان اور زمین میں یہ خصائل موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا اُن کا اباء زبانِ قال سے نہ تھا بلکہ زبان حال سے نتیجہ یہ کہ اُن کا اباء، اباء عرض تھا نہ اباء فرض۔ اور وہ بھی بوجہ اشفاق کے، نہ بوجہ استکبار کے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ

ظلوم وجہول کی تشریح مفسرین نے اس انداز میں کی ہے:۔

ظلومًا (لنفسه) جهولًا (بعاقبته)　　　　واللہ اعلم بالصواب

بلاغ:۔ صاحب "لسان العرب" نے حمل امانت کی تشریح میں لکھا ہے۔ جس کا ظاہرو

باطن توحید و تصدیق میں یکساں رہا اُس نے امانت ادا کردی اور جس کا دل مکذب اور زبان مصدق ہے اُس نے امانت کو اُٹھا تو لیا (حَمَلَهَا) لیکن ادا نہ کیا، اور ہر وہ شخص جس کو امین سمجھا جائے اور وہ خائن ہو وہی "حامل" ہے، اور "حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ" میں انسان سے مراد کافر ہے جو تصدیق نہیں کرتا اور وہی ظلوم و جہول ہے جیسا کہ آیت ملحقہ سے ثابت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

(عرض امانت کی غایت یہ ہے) کہ اللہ تعالےٰ اہل نفاق و اہل شرک کو مبتلائے عذاب کرے اور اہل ایمان کی طرف بہ نظر رحمت و غفران متوجہ ہو۔

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت پیغمبرؐ سے حدیث بیان کی ہے کہ

الایمان امانة ولا دین لمن لا امانة له وفی حدیث اخر لا ایمان لمن لا امانة له

ایمان امانت ہے اور جو امانتدار نہیں وہ بیدین ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے جو امانتدار نہیں وہ ایماندار نہیں (انتہی کلامہ)

مفردات راغب میں آیہ "عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ" میں امانت سے مراد کلمہ توحید یا عدالت یا حروف تہجی یا عقل بیان کرکے عقل کو صحیح و مرجح کہا گیا ہے، کیونکہ عقل ہی وہ جوہر ہے۔ جس کے حصول پر معرفت توحید، اجرائے عدالت اور علم حروف کا حصول موقوف ہے بلکہ تمام اخلاق حمیدہ و علوم مفیدہ کا سرچشمہ عقل ہے، اور عقل ہی کے سبب انسان اشرف مخلوقات ہے۔"

آیت امانت میں الانسان سے مراد کل نوع انسان نہیں بلکہ انسانوں کا غالب حصہ مقصود ہے جو کفار و منافقین وغیرہ پر مشتمل ہے، قرآن کی بہت سی آیتوں میں اس لفظ کا استعمال اسی طرح ہوا ہے۔ مثلاً وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ ۔ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُوْرًا ۔ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُوْرًا ۔ قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَآ أَكْفَرَهٗ ۔ يٰٓأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۔ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغٰى، وغیر ذلک من الآیات ۔ يَقُوْلُ الْإِنْسَانُ ءَإِذَا مَا مِتُّ میں لام عہد ہے۔ انسان طالب شر ہے۔ انسان ناشکرگزار ہے۔ انسان بخیل ہے۔ ہلاک ہو انسان کیا ناشکرگزار ہے۔ اے انسان تجھ کو

کس چیز نے اپنے رب کریم سے متعلق دھوکے میں ڈال دیا۔ انسان سچ مچ کھلا ہوا ناشکرگزار ہے۔ انسان ضرور سرکشی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انبیائے کرام، اولیائے عظام اور مومنین صالحین بھی انسان ہیں لیکن ان صفات سے متصف نہیں، اسی طرح "حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ" میں اسی قسم کے انسان مراد ہیں جو امانت کو اٹھا تو لیتے ہیں لیکن ادا نہیں کرتے۔

صرف "امانة" اور "انسان" کی تعریف کر دینے سے بھی مشکل حل نہیں ہوتی جب تک لفظ حمل پر بھی غور نہ کر لیا جائے، چنانچہ اس سے متعلق صاحب منتہی الارب لکھتا ہے۔

وقوله تعالیٰ فابین ان یحملنها... حملها الانسان یعنی اباکردند از خیانت کردن در امانت وخیانت کرد آنرا انسان و مراد از انسان اینجا کافر و منافق است	یعنی زمین و آسمان وغیرہ نے امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور انسان نے امانت میں خیانت کی، انسان سے مراد اس جگہ کافر و منافق ہے۔

صاحب "لسان" بھی اس معنی سے اتفاق کرتا ہے۔

کیا نماز عربی میں ہونا چاہیئے؟

(از جناب محمد عباس صاحب طالب صفوی)

بعض حامیانِ دینِ متین اختلاف رائے کو لعنت سمجھتے ہیں اور بعض مفتیان شرعِ مبین اظہار شکوک پر وہ تمغائے مسلمانی مرحمت فرماتے ہیں جسے اصطلاح عوام میں کفر کہتے ہیں لیکن ہم ایسے خادمانِ قرآن اختلاف رائے کو اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ کا نتیجہ جانتے ہیں اور شکوک کو اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ کا تتمہ سمجھے ہیں۔

اکتوبر کے بلاغ میں نماز کے متعلق ایک بزرگ کا قابل قدر مضمون نظر قاصر سے گزرا اور مجھے یہ دیکھکر مسرت حاصل ہوئی کہ موصوف نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا جو بہت سے دلوں کو بے قرار اور بہت سے دماغوں کو بے چین کئے ہوئے تھا۔

جب ایک شخص جاہل مسلمانوں کو طوطے کی طرح قرآن شریف پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے تو اُس کے دل میں فطرۃً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بغیر معنی سمجھے ہوئے قرآن حکیم کو پڑھنا نجات کے لیے کافی ہے اور جب ایک صاحب ہوش انسان محسوس کرتا ہے کہ قرآن مجید میں بظاہر ترکیب نماز کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا گیا تو اُسے حیرت ہوتی ہے کہ ایک غیر زبان میں معنی سمجھے بغیر نماز پڑھنے سے مقصد صلوٰۃ حاصل کرنا یعنی فحشا اور منکر سے محفوظ رہنا کیونکر ممکن ہے؟

پھر یہ بھی کوئی راز نہیں ہے کہ عربی میں نماز ادا کرنے کے حامی بھی کم ازکم اس امر کے قائل ہیں کہ اگر امام عربی میں نماز ادا کرے تو ماموین کے لیے سکوت کافی ہوگا یعنی وہ عملاً اظہار فرماتے ہیں کہ آیات قرآنی کو پڑھنا واجب نہیں ہے اُن کو سُن لینا بھی کافی ہے بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر آیات قرآنی کا ترجمہ فارسی میں پڑھ لیا جائے جب بھی نماز ہو جاتی ہے (ملاحظہ ہو ہدایہ جلد اول ص۸۳)

آج کی مختصر صحبت میں ہم آپ غور کریں کہ قرآن حکیم کے احکام اس بارہ خاص میں کیا" اور عربی میں نماز پڑھنے کے کیا فوائد اور نقائص ہیں؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اوقات صلوٰۃ کے تعین کے باوجود نماز کی ترکیب کے

میں زیادہ صراحت سے کلام نہیں لیا گیا ہے اور بالعموم اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (نماز قائم کرو) پر اکتفا فرمائی گئی ہے یا پھر نماز کے فوائد بتائے گئے ہیں مثلاً

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت آیت ۴۵)

جو کتاب تمہارے پاس نازل کی گئی ہے اس کی تلاوت کرو اور پابندی سے نماز پڑھو بیشک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے باز رکھتی ہے

لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق آیت ۱۹)

اس کا کہنا نہ ماننا اور سجدے کرتے رہو اور قرب حاصل کرو۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ارکان نماز میں سے صرف چار ارکان یعنی (۱) وضو (۲) تسبیح (۳) رکوع اور (۴) سجدے کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً موجود ہے باقی الحمد پڑھنا یا نہ پڑھنے کی تشریح اور دوسرے ارکان نماز کی تصریح نہیں ہے اور شاید

(۱) اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَكُمْ الخ (۲) وَسَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا (۳) وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ (۴) وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

اسی بنا پر حضرات اہل تشیع کی بعض معتبر احادیث میں انھیں اُمور کو فرض قرار دیا گیا ہے مثلاً

عدۃ من اصحابنا عن محمد بن یعقوب عن محمد بن اسمٰعیل عن الفضل بن شاذان عن حماد بن عیسٰی عن ربعی بن عبد اللہ عن محمد بن مسلم عن احدھما علیھما السلام قال ان اللہَ عز وجل فرض الرکوع والسجود والقرأۃ سنۃ فمن ترك القرأۃ متعمدًا اعاد الصلوٰۃ ومن نسی القرأۃ فقد تمت صلوٰتہ ولا شیٔ علیہ (استبصار جلد اول ص۱۸۳)

ہمارے کئی اصحاب نے محمد بن یعقوب سے اُنھوں نے محمد بن اسمٰعیل سے اُنھوں نے فضل بن شاذان سے اُنھوں نے حماد بن عیسٰی سے اُنھوں نے ربعی بن عبد اللہ سے اُنھوں نے محمد بن مسلم سے اُنھوں نے امام محمد باقر ...... علیہما السلام سے روایت کی ہے کہ اللہ نے رکوع و سجود فرض کیا ہے اور قرأت سنت ہے تو جس نے جان بوجھ کر قرأت ترک کی وہ پھر سے نماز پڑھے اور جو قرأت بھول گیا اس کی نماز تمام ہو گئی اس پر کوئی چیز نہیں ہے۔

لیکن یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن حکیم میں ایک ایسی آیت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے محمد مصطفےٰ صلعم کی معرفت مسلمین کو ایک خاص طریقہ نماز تعلیم فرمایا تھا اور اگرچہ وہ طریقہ قرآن مجید میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے دیگر احکام کے برابر فرض نہ ہو لیکن پھر بھی چونکہ قرآن حکیم میں اس خاص طریقے کے متعلق اشارہ ہے اور چونکہ اجماع اُمت ہے کہ سرور کائناتؐ نماز میں سورۂ فاتحہ اور دیگر سور قرآنی پڑھتے تھے اس لیے جان بوجھ کر قرأت ترک کرنا یقیناً نماز کو باطل کردیگا۔ آیت مبارک درج ذیل ہے

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ آیت ۲۳۱)

پھر اگر تم خوفزدہ ہو تو سوار یا پیدل (جس طرح بن پڑے نماز پڑھ لو) اور جب اطمینان ہو تو جس طرح خدا نے ان باتوں کو سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے اس طرح خدا کو یاد کرو۔

فرض کیجیئے کہ ان حقائق کو نظرانداز کرکے ہر شخص کو اُس کی مادری زبان میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی جائے تو نماز کی uniformity بھی ختم ہوجائیگی اور ایک ایسا طریقۂ اتحاد بھی ہاتھ سے نکل جائیگا جو اقطاع عالم کے مختلف اللسان مسلمانوں کو متحد کیے ہوئے ہے۔ اس کے علاوہ اگر صرف ترجمے پر اکتفا کی گئی اور عربی متن کو ترک کردیا گیا تو کسی زمانے میں ترجمے کی غلطیوں کی وجہ سے انجیل مقدس کی طرح قرآن مجید کی آیات کے معنی مختلف زبانوں میں قطعاً مختلف ہوجائیں گے۔

ایسی صورت میں بہتر و انسب یہ ہے کہ ایران اور ترکی کی کورانہ تقلید کے بجائے اس امر کی کوشش کی جائے کہ عوام کو ان سور قرآنی کے معنوں سے آگاہ کیا جائے جنہیں وہ بالعموم نماز میں پڑھتے ہیں +

ہمارے عقاید

(از جناب چوہدری بشیر احمد صاحب بی آے لاہور)

مسلمانوں میں ایک عرصہ دراز سے یہ غلط فہمی پھیلائی جا رہی ہے کہ ہم "اہل قرآن" ہیں، مولوی عبد اللہ چکڑالوی کے پیرو ہیں، احادیث کے منکر ہیں اور بزرگان سلف کے عقائد و اقوال کے مخالف ہیں۔ چنانچہ گذشتہ دنوں شہر میں یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ اُمت مسلمہ امرتسر، اطاعت رسول کو شرک اور .... سے بدتر[1] قرار دیتی ہے۔

ہم چوہدری بشیر احمد صاحب بی آے لاہور کے شکرگذار ہیں کہ اُنھوں نے فتنہ مذکور کی مدافعت کے لیے، خادمانِ قرآن کے سامنے ایک نہایت ہی معقول تجویز پیش کی ہے اور اس سلسلے میں اُنھوں نے "بلاغ" کے پرانے لٹریچر اور اُمت مسلمہ کے مطبوعات کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے ہمیں ذیل کے "عقاید" ارسال فرمائے ہیں، اور لکھا ہے کہ ہم ان کو ضروری تنقید و تفکر کے بعد "بلاغ" میں مستقل طور پر پیش کرتے رہیں۔ ہم آپ کے ارشاد کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ناظرین بلاغ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ جامع و مانع اختصار کو محفوظ رکھتے ہوئے اس اہم مسئلہ کے متعلق اپنی اپنی آراء و افکار سے اطلاع دیں۔ یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ مدرسۃ العیانِ اُمت مسلمہ کے افتتاحی اجلاس میں مندوبین کے سامنے پیش کر کے، متفقہ عقائد کی اشاعت منظور کر لی جائے (ایڈیٹر)

(۱) ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اُس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں وہی واجب الاطاعت اور قابل عبادت ہے۔ صرف اسی کے احکام بلاچون وچرا تسلیم کیے جا سکتے ہیں تمام انبیاء و رسل اور جمیع مخلوقات اسی کی محتاج ہے۔

---

[1] كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ، یہ وہ کھلا ہوا بہتان ہے، جو ہمارے پرستاران روایت اپنی تحریروں اور تقریروں میں نہایت بے باکی کے ساتھ بار بار دُہراتے ہیں اور سننے والے بغیر کسی لرزہ و غیرت کے سنتے ہیں۔ کوئی غیرت مند مسلمان نہیں جو اُن کو اس ہرزہ سرائی کے عقاب کی طرف متوجہ کرے۔

(۲) ہم فرشتوں، کتب آسمانی اور تمام نبیوں اور رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ جن پر قرآن نازل ہوا اور دین اسلام مکمل ہوا۔

(۳) ہم یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کا حقیقی مصداق قرآن مجید ہے۔ اس کے سوا تمام مجموعۂ احادیث اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث مثل قرآن کے قطعی الثبوت نہیں ہے۔ اور تمام علماء و مفسرین کے اقوال و آراء، تمام فقہاء و مجتہدین کے قیاسات اور اجتہادات اس بنا پر کہ ان کے جواب وہ خود علماء و مفسرین اور فقہاء و مجتہدین ہیں نہ اسلام۔ خارج از بحث سمجھتے ہیں۔

(۴) ہم قرآن حکیم کو خالص وحی الٰہی اور ہدایت و نور مانتے ہیں اور اس کو جمیع ضروریات وحی کے لیے کافی تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے باہر وحی والی ہدایت تلاش کرنا ضلالت و گمراہی خیال کرتے ہیں۔ ہم قرآن شریف کی روشنی میں احادیث نبوی اور اقوال ائمہ و مفسرین اور ارشادات حکماء متصوفین سے حسب ضرورت مستفیض ہو سکتے ہیں۔

ہم حدیث کو قرآن پر قاضی یا حاکم نہیں مانتے نہ اس کو حجت شرعی مانتے ہیں۔ احادیث کی حفاظت کا نہ اللہ تعالےٰ نے نہ رسول کریمؐ نے انتظام کیا اور نہ ان کی حفاظت ہو سکی۔ تاہم ہم محدثین کی نیتوں اور کوششوں کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں اور ہم ہر عمدہ حدیث کو بحیثیت معقول اور احسن ہونے کے سر آنکھوں پر رکھتے ہیں نہ بحیثیت وحی۔

(۵) ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن شریف کے جملہ اوامر و نواہی پر اُن کے نزول کے وقت تا مدت العمر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے عمل کر کے اُمت کو آن پر عمل کرنے کا طریقہ بتا دیا۔ آپ کا اسوۂ حسنہ ان اوامر و نواہی کے متعلق اس اُمت میں نسلاً بعد نسلاً متواتر و متوارث چلا آیا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، جنگ و صلح وغیرہم کے متعلق احکام قرآن مجید میں مجملاً و اصولاً بیان ہوئے ہیں مگر آنحضرتؐ کے اسوہ نے ان کا طریقہ اُن پر عمل کر کے اُمت کو سکھا دیا (بلاغ) بالفاظ دیگر سنت (اسوۂ حسنہ) عمل رسول ہے جو متوارث چلا آیا ہے اور حدیث قول (متعلق بہ امور غیر متذکرہ قرآن) منسوب الی الرسول ہے جس کی صحت ظن اور وجود کتب احادیث پر مبنی ہے۔

(۶) ہم تمام بزرگان دین اور علماء و صلحاء و ائمہ اُمت کو بنظر تعظیم دیکھتے ہیں۔

(۳) ہم بنص قرآن فرقہ بندی کو لعنت اور فرقہ وارانہ ناموں کو ملت اسلامیہ کے لیے فتنۂ عظیم سمجھتے ہیں اور بموجب حکم قرآن اور پیروی رسول کریم اپنے آپ کو مسلم اور اس اُمت کو اُمتِ مسلمہ کے نام سے یاد کیا جانا پسند کرتے ہیں۔ ہمارے عقاید چکڑالوی (اہل قرآن) سے الگ ہیں +

بقیہ مضمون آمدہ از صفحہ ۴۸

أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۱۶	ہاتھ اور اُن کے پاؤں جو کچھ وہ عمل کرتے تھے۔

ہمارے زمانہ میں زبان کا اقبال اور ہاتھ اور پاؤں کے نشانات قطعی شہادت ہیں جن کا انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن قرآن اس سے بھی بڑھ کر ایک اور شہادت کا ذکر فرماتا ہے

شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ الآیہ ۲۴/۲۰	شہادت دیں گے اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں اور اُن کی جلدیں جو کچھ وہ عمل کرتے تھے۔

وہ اپنے جلدوں سے کہیں گے کہ تم ہم پر کیوں شہادت دیتے ہو تو وہ کہیں گے کہ ہمیں تو اللہ بلوا رہا ہے جس نے ہر ایک شے کو بلوایا۔ اور اسی نے بنایا تم کو پہلی بار اور اسی کی طرف رجوع کرنا ہے، اور تم پردہ نہ کرتے تھے اس سے کہ تم پر شہادت دیں گے تمہارے کان اور نہ اپنی آنکھوں اور جلدوں کی نسبت خیال تھا کہ وہ شہادت دیں گی اور یہ بھی ظن تھا کہ اللہ نہیں جانتا بہت چیزیں جو تم کرتے ہو اور یہ وہی تمہارا ظن ہے جو اپنے پروردگار کے حق میں رکھتے ہو۔

اس شہادت کا انتظار علمی دنیا کر رہی ہے اور اس کی تلاش میں ہے (ملاحظہ ہو لفظ "نطق")

فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۲/۱	تو جو کوئی تم میں سے ماہ رمضان کو پائے تو روزہ رکھے

ایسے ممالک میں جہاں ماہ رمضان کی شہادت نہیں روزہ فرض نہیں ہے مثلاً دائرہ منجمد شمالی و جنوبی۔ خط استوا پر آفتاب نصف النہار ہمارے سروں کے اوپر ہوتا ہے اور جتنا کرۂ ارض کا حصہ اس خط سے دُور ہے اتنا ہی بتدریج آفتاب بھی ڈھلتا جاتا ہے، کرۂ ارض کے شمالی اور جنوبی حصہ میں آفتاب اُفق پر رہتا ہے اور اسی پر چکر لگاتا ہے، وہاں ایک دن اس کا ایک چکر ہے جو افق پر ہوتا ہے لیکن یہ دن مسلسل چھ ماہ تک رہتے ہیں اور اسی طرح راتیں ہیں، اگرچہ وہاں کا مقامی وقت بھی متعین ہے اور بارہ ماہ میں سال کی تقسیم ہو سکتی ہے، جس میں ماہ رمضان بھی آ جاتا ہے۔ لیکن دیگر شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی فتویٰ صحیح ہے کہ روزہ ان مقامات پر فرض نہیں +

بیان

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

"شہد" - شہادت معروف ہے - اس سے مراد ایسا امر یا واقعہ ہوتا ہے جو ظاہر اور صاف صاف ممیز ہو، اظہار حق، یا گواہی، ایسے امور کئی قسم کے ہوتے ہیں جو ہمارے حواس ظاہری اور باطنی سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے وہ تمام امور جو ہمیں محسوس اور معقول فی الذہن ہوتے ہیں اُن کا اظہار بے کم و کاست شہادت سے تعبیر ہوتا ہے۔ ہم ایک واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یا کسی کی آواز سُن رہے ہیں، یا کسی شے کی بُو سونگھ رہے ہیں اور علیٰ ہذالقیاس اُن کا اظہار یا وہ کیفیت جو اُن سے ہمارے ذہن میں پیدا ہوتی ہے ایسے اُمور ہیں جو خود ہمارے نفوس پر واضح ہیں اور ہمیں ان کا یقین بھی ہوتا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے ہم ایسے امور میں اپنے نفس پر آپ گواہ ہوتے ہیں، شہادت کا اطلاق "غیب" اور "کتم" و تعالیٰ ہوتا ہے، اسلئے شہادت ایسے امر کے متعلق ہے جو ہم پر ظاہر اور واضح ہو، خواہ کسی صورت میں ہو، شہادت اظہار علم ہے۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ۔ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ
۲۵

اور اُنھوں نے ملائکہ کو جو رحمٰن کے بندے ہیں عورت ذات ٹھہرا رکھا ہے۔ کیا ملائکہ کی پیدائش وہ دیکھ رہے تھے۔ اب اُن کی شہادت ہم لکھ رکھیں گے اور ان سے جواب طلب کریں گے' یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر رحمٰن کا منشاء نہ ہوتا تو ہم اُنھیں کیوں پوجنے لگے تھے۔ اس کا علم تو اُنھیں ہے نہیں اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔

مصری، یونانی، رومی، ایرانی، ہندی اساطیر کے مطالعہ سے ان ممالک کے بُت پرستوں کے عقاید پر روشنی پڑتی ہے۔ ہندوستان میں تو اب بھی یہی مذہب ہے کہ دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا عام ہے، جو محض اُن کی اپنی دماغی اختراع اور دستکاری ہے، مظاہر قدرت پر نظر کرتے ہوئے انسان نے اُنھیں اپنے حالات پر قیاس کیا اور بیشمار دیوتاؤں اور دیویوں کا ایک مجموعہ مرتب ہوگیا۔ عرب کا حال بھی ہندی اصنام پرستی کے مطابق تھا۔ وہ بھی اسی طرح دیوتاؤ

اور دیویوں کے پجاری تھے، ملائکہ (ملاحظہ ہو لفظ "ملک") کو اناث سمجھتے تھے، یہ بات ان لوگوں نے کہاں سے پیدا کی؟ ملائکہ کو پیدا ہوتے تو انھوں نے دیکھا نہیں، اور کسی اور طرح بھی ملائکہ کی پیدائش کا علم نہیں، محض قیاس آرائی ہے جس سے اکثر لوگ اپنے عقائد اختراع اور مضبوط کرتے ہیں۔

اس لفظ کے تحت قرآنی آیات کا مطالعہ کرو تو واضح ہوگا کہ قرآن کی تعلیم نہایت پاک وصاف ہے، جس بات کا ہمیں علم نہ ہوا اور جس کے علم کا اظہار ہم پر کسی ذریعہ سے جو فطرت نے ہمیں عطا فرمایا ہے نہ ہو، اس کے متعلق ایک خام خیال دل میں جما لینا گمراہی ہے۔ انسانیت کے شایاں یہی ہے کہ علیٰ وجہ بصیرت اپنا راستہ دیکھے، کور کورانہ چلنا سخت خطرناک ہے اور ہر قدم پر ٹھوکر کھانا اور گڑھے میں آ رہنا یقینی امر ہے۔ اہل مذاہب اور فرقہ بند تفرقہ پرداز عموماً ایسے ہی عقائد باطلہ کے باعث گمراہ ہو رہے ہیں اور لوگوں کو اپنے ظنیات سے مرعوب کرتے ہوئے گمراہ کر رہے ہیں، تحقیق یہ ہے کہ پہلے اپنے نفوس کو دیکھو، انسان اپنا حال خوب جانتا ہے، اور وہی بات کہو جس کے تم شاہد ہو اور بس، بحر و بر میں فتنہ و فساد اسی لیے برپا ہے کہ لوگ دانستہ یا نادانستہ جھوٹ بولتے ہیں۔ نادانستہ جھوٹ بولنے والے محض مقلد ہوتے ہیں، وہ سُنی سنائی باتیں سچ سمجھتے ہیں اور کبھی اپنے حواس سے کام نہیں لیتے جو فطرت نے خاص غرض کے لیے عطا کیے ہیں اُن کی بہت بڑی شہادت اُن کے آباء و اجداد کی ہوتی ہے کہ ایک روش پر اُنھیں چلتا دیکھا اور اسی روش پر وہ بھی چل رہے ہیں۔ ایسی تقلید ارتقاء انسانی کی نفی کرتی ہے، اگر علیٰ بصیرت یہی راستہ سیدھا ہو تو اسی پر چلنا چاہیے خواہ نخواہ نئے راستہ کی تلاش مقصود نہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ راستہ ایک ہی ہے اور ایک ہی راستہ سیدھا منزل مقصود کو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ اس راستہ کو چھوڑ کر باتباع ہوائے نفس نئے نئے راستے تلاش کرتے ہیں (ملاحظہ ہو لفظ "صراط")

اس لفظ کے تحت قرآن مجید کی چند آیات میں تدبر کرنا چاہیے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰۤئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۳/۱۰	اللہ نے شہادت دی کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور ملائکہ اور اہل علم جو قسط پر قائم ہیں شہادت دیتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور وہی زبردست حکیم ہے، تحقیق اللہ کے یہاں اسلام ہی ایک دین ہے اور اہل کتاب جنہوں نے اس میں

اختلاف پیدا کیا علم کے بعد ہی کیا اور باہمی ضد سے کیا۔

[illegible] کے متعلق

[illegible] شخص کے وہ

[illegible] کا علم نہیں ہوتا

[illegible] ہے اسی طرح

[illegible] صحیفہ فطرت تک

[illegible] شک و ریب کی

[illegible] شخص علی بصیرت کر سکتا ہے

[illegible] شہادتیں اسی سے ماخوذ ہیں، مَلٰٓئِكَةُ

[illegible] کی شہادت مشاہدہ صحیفہ فطرت ہے۔

[illegible] اور اُولُوا الْعِلْمِ [illegible]

مَلَكُوْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [illegible] قیام [illegible] نظام [illegible] قوانین آئینہ میں جن کا اظہار ہمارے حواس ظاہری و باطنی پر ہو رہا ہے، ہمارے تمام علوم اسی صحیفہ فطرت سے ماخوذ ہیں، یہ علوم اور اہل علم بشرطیکہ اُن کی شہادت میں ہوائے نفس کی آمیزش نہ ہو صفائی [illegible] سے شہادت دے رہے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

اگر ہم اپنے علوم کو عبث قرار دیں تو یہ اور بات ہے اور غالباً کوئی دیوانہ ہی ایسا فتویٰ دیگا۔ علوم کا ماخذ، عبث کس طرح ہو سکتا ہے؟ صحیفہ فطرت کی شہادت علمی شہادت ہے، اگر دعوئے توحید پر علمی شہادت کا اعتبار نہ ہو تو جو کچھ انسان اپنے دل میں عقیدہ پیدا کر لے خواہ وہ توحید سو یا خلاف ہو محض عقیدہ ہے اور کوئی شہادت معتبر نہیں ہے۔

آیت زیر بحث ہم معنی ہے آیت ذیل کے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے کہ وہ اللہ بارے میں جھگڑتا ہے بغیر علم اور بلا ہدایت، اور بلا کتاب منیر کے۔

"کتاب منیر" صحیفہ فطرت ہے۔ "ہدایت" وہ الہامی کتب ہیں جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں اور "عل

علوم کو مقدم رکھا کیونکہ کتاب بنیں ...

ت کو مقدم رکھا کیونکہ اسی سے تمام شہادتیں ...

سب سے مقدم چونکہ اللہ ہی کی شہادت ہے اس ...

فرض کرو کہ یہ دعوئ توحید صحیح نہیں، ایک سے زیادہ الٰہ موجود ہیں، چونکہ قرآن صحیفہ فطرت ہی

یات ہیں اور انکا بیان ہے اس لیے اس مفروضہ دعوی کی تردید اس طرح فرماتا ہے کہ

ان فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ ... رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۔ لَا يُسْأَلُ عَمَّا ... لُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ۔ أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ ... ةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۚ الآیۃ	اگر اللہ کے سوا (ارض و سما کا) الٰہ کوئی اور بھی ہوتا تو دونوں (ارض و سما) بگڑ جاتے، اللہ تعالیٰ رب العرش ان (مشرکانہ) باتوں سے پاک ہے جو (نادان) اس کی نسبت کہتے ہیں، وہ جو کچھ کرے

اس سے پوچھنے والا نہیں اور جو وہ کریں ان سے پوچھنے والا ہے۔ کیا انھوں نے اللہ کے سوا

بکڑ رکھے ہیں، ان سے کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو، (اور یہ بھی کہو کہ) یہی بات میرے ساتھیوں

سے پہلوں کی ہے، لیکن بات یہ ہے کہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔

اگر ایک سے زیادہ "الٰہ" ہوتے تو اوّل تو یہ کائنات ظہور میں نہ آتی اور اگر آتی تو اس کا نظام

اور قائم نہیں رہ سکتا تھا، کیونکہ ہر ایک "الٰہ" اپنی مملکت میں اپنا اپنا قانون نافذ کرتا اور

تصادم ... اگر یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ چند "الٰہ" صلح و آشتی سے مل کر اس کارخانہ

... عاقل را نباشد کین و پیکار" یہ ممکن تو ہے، لیکن واجب نہیں،

... کی صفت سے موصوف نہ ہوگا کیونکہ "لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ"

... يُسْأَلُونَ کے تحت ہونگے، ان میں سے کوئی خود مختار نہ ہوگا، ورنہ ...

... پڑیگا جو وہ مشاورت سے وضع کریں، لیکن "الٰہ" وہی ہے

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ کا اطلاق صحیح ہو، شرک کی صورت میں ہر ایک اپنے اپنے افعال کا جوابدہ

اور اگر ... مختلف ہوئے تو بگاڑ لازماً ہوگا اور کائنات میں فساد رونما ہو کر یہ کارخانہ درہم برہم ہو جائیگا۔

یہ دعوی کہ "الٰہ" ایک سے زیادہ ہیں ایسا ہی دلیل کا طالب ہے جیسا کہ دعوی توحید، اس لیے

دعویٰ یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ اللہ ایک ہی اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی اور اللہ نہیں ہے یہ ایسا دعویٰ ہے جو بالکل صاف اور واضح ہے، اس دعویٰ کی تصدیق ایسی شہادت سے ہونی چاہیئے جو ہم پر ایسی ہی صاف اور واضح ہو، یہ دعویٰ خود اللہ تعالےٰ کا ہے اور اس لیے وہی اس کا شاہد بھی ہے ملائکہ کے متعلق اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ لوگوں نے ان کو عورت ذات مقرر کیا ہوا ہے حالانکہ ملائکہ کی پیدائش کے وہ شاہد نہیں ہیں، ہم کسی کو مذکر یا مونث کہتے ہیں تو اُن کی خاص خاص صورتیں ہیں جن کا علم ہمیں ہوتا ہے، اللہ تعالےٰ کی نسبت یہ شہادت دیناکہ وہ ایسا اور ایسا ہے اور ایسا اور ایسا نہیں ہے اسی طرح ہمارے علم پر مبنی ہونا چاہیئے، ہمارا علم ہمارے مشاہدہ سے ماخوذ ہے، اور ہمارا مشاہدہ صحیفہ فطرت تک محدود ہے، ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ، اور یہی ایک ایسی شہادت ہے جس میں شک وریب کی گنجائش نہیں، اللہ تعالیٰ کی یہ شہادت تحریری ہے، اس کا مطالعہ ہر ایک شخص علی بصیرت کر سکتا ہے، یہ شہادت سب سے مقدم اور اصل شہادت ہے، تمام دیگر شہادتیں اسی سے ماخوذ ہیں "مَلٰٓئِکَۃُ اور اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ" کی شہادت بالتبع ہے، اولوا العلم کی شہادت مشاہدہ صحیفہ فطرت ہے۔ مَلَکُوْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اُن کا قیام اور نظام اور قوانین آلہیہ ہیں جن کا اظہار ہمارے حواس ظاہری و باطنی پر ہو رہا ہے، ہمارے تمام علوم اسی صحیفہ فطرت سے ماخوذ ہیں، یہ علوم اور اہل علم بشرطیکہ اُن کی شہادت میں ہوائے نفس کی آمیزش نہ ہو صفائی اور سچائی سے شہادت دے رہے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

اگر ہم اپنے علوم کو عبث قرار دیں تو یہ اَور بات ہے اور غالباً کوئی دیوانہ ہی ایسا فتویٰ دیگا۔ علوم کا ماخذ عبث کس طرح ہو سکتا ہے؟ صحیفہ فطرت کی شہادت علمی شہادت ہے، اگر دعوئے توحید پر علمی شہادت کا اعتبار نہ ہو تو جو کچھ انسان اپنے دل میں عقیدہ پیدا کر لے خواہ وہ توحید کا ہو یا خلاف ہو محض عقیدہ ہے اور کوئی شہادت معتبر نہیں ہے۔

آیت زیر بحث ہم معنی ہے آیت ذیل کے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا ھُدًی وَّ لَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ﴿۸﴾	اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے بغیر علم اور بلا ہدایت، اور بلا کتاب منیر کے۔

"کتاب منیر" صحیفہ فطرت ہے۔ "ہدایت" وہ الہامی کتب ہیں جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں اور "علم"

ایک اہل علم کا مشاہدہ ہے، بحث وہی مفید ہوتی ہے جو عقلی یا نقلی ہو جس کی بنیاد ذاتی علم اور دوسرے علوم پر ہو جس کی تصدیق صحیفہ فطرت کرتا ہو، یہ قرآن مجید کی بے نظیر بلاغت ہے کہ مجادلہ کے لئے انسانی علوم کو مقدم رکھا کیونکہ کتاب منیر پر بحث ختم ہو جاتی ہے، اور شہادت کے لیے اللہ تعالیٰ کی شہادت کو مقدم رکھا کیونکہ اسی سے تمام شہادتیں ماخوذ ہیں۔

سب سے مقدم چونکہ اللہ ہی کی شہادت ہے اس لئے سب سے پہلے اس میں تدبر کرنا چاہیئے، اب فرض کرو کہ یہ دعویٰ توحید صحیح نہیں، ایک سے زیادہ الٰہ موجود ہیں، چونکہ قرآن صحیفہ فطرت ہی کی آیات ہیں اور انکا بیان ہے اس لیے اس مفروضہ دعویٰ کی تردید اس طرح فرماتا ہے کہ

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۔ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ الآیۃ	اگر اللہ کے سوا (ارض وسما کا) الٰہ کوئی اور بھی ہوتا تو دونوں (ارض وسما) بگڑ جاتے، اللہ تعالیٰ رب العرش ان (مشرکانہ) باتوں سے پاک ہے جو (نادان) اس کی نسبت کہتے ہیں، وہ جو کچھ کرے

کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں اور جو وہ کریں ان سے پوچھنے والا ہے۔ کیا انھوں نے اللہ کے سوا اور الٰہ بنا رکھے ہیں، ان سے کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو، (اور یہ بھی کہو کہ) یہی بات میرے ساتھیوں اور مجھ سے پہلوں کی ہے، لیکن بات یہ ہے کہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔

اگر ایک سے زیادہ "الٰہ" ہوتے تو اول تو یہ کائنات ظہور میں نہ آتی اور اگر آتی تو اس کا نظام بگڑ جاتا اور قائم نہیں رہ سکتا تھا، کیونکہ ہر ایک "الٰہ" اپنی مملکت میں اپنا اپنا قانون نافذ کرتا اور ان میں تصادم ہوتا، اگر یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ چند "الٰہ" صلح وآشتی سے مل کر اس کارخانہ قدرت کو چلا رہے ہوں، کیونکہ "دو عاقل رانباشد کین وپیکار" یہ ممکن تو ہے، لیکن واجب نہیں، اور اس لیے ان میں سے کوئی "الٰہ" کی صفت سے موصوف نہ ہوگا کیونکہ "لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ" کا اطلاق اس پر نہ ہوگا اور "هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ" کے تحت ہونگے، ان میں سے کوئی خود مختار نہ ہوگا، اور ان سب کو ایسے آئین وقوانین کا پابند ہونا پڑیگا جو وہ مشاورت سے وضع کریں، لیکن "الٰہ" وہی ہے جس پر "لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ" کا اطلاق صحیح ہو، شرک کی صورت میں ہر ایک اپنے اپنے افعال کا جوابدہ ہوگا، اور اگر وہ اکڑ بیٹھے تو بگاڑ لازماً ہوگا اور کائنات میں فساد رونما ہو کر یہ کارخانہ درہم برہم ہو جائیگا۔

یہ دعویٰ کہ "الٰہ" ایک سے زیادہ ہیں ایسا ہی دلیل کا طالب ہے جیسا کہ دعویٰ توحید، اس لیے

مدعیان شرک سے دلیل طلب کی گئی ہے کہ کوئی علمی دلیل پیش کرو، مشرکین کوئی علمی دلیل پیش نہیں کرسکتے۔ قیاسیات ہیں "چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند" ان قیاسیات کا مجموعہ وہ "اساطیرالاولین" ہیں جو "مائی تھولوجی" سے موسوم ہیں، لیکن ان رام کہانیوں میں بھی ایک ایسی بات ہے جو شرک کی تردید کرتی ہے، یونانی اساطیر میں ایک رب الارباب "ضیاؤ" ہے، مصری افسانوں میں "فتاح" اور ہندی میں "برھما" چاروناچار کثرت پر وحدت کی حکومت تسلیم کرنی پڑتی ہے اور ایک احکم الحاکمین ماننا پڑتا ہے۔

دعویٰ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں، قدیم زمانہ میں جو کچھ مشرکانہ عقائد تھے فی زمانناوہ اور ہی صورت میں ڈھل کر رونما ہورہے ہیں، ابتدا میں مظاہر قدرت پر نظر کرتے ہوئے انسان نے اُن کو اپنے حالات پر قیاس کیا اور اس لیے ان میں "ذہن" اور علم وارادہ وقدرت بھی تسلیم کی۔ لیکن اب مشاہدہ اور تجربہ کا زیادہ تر دخل ہے لیکن جو قیاسی نتائج اخذ کئے جاتے ہیں وہ بہرحال قیاسی ہیں علمی شہادت نہیں ہوسکتے، تاہم بعض حالات میں قیاس سے چارہ نہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ علمی ارتقاء کی ابتداء قیاس ہی سے ہوتی ہے، یہ لوگ نہ تو مشرک ہیں اور نہ موحد، "لاادریت" کے ترانہ سنج ہیں، ان کے نغمات بلاشبہ دلکش ہیں، لیکن ان کا زیادہ تر رجحان "دہریت" کی طرف ہے، بہرحال ان کے مشاہدات اور تجربات نہایت وقیع اور مفید ہیں اور ہمیں ان سے بالکل اتفاق ہے اور قرآنی آیات کی تائید کررہے ہیں، لیکن قیاسی نتائج سے ہمیں اختلاف ہے۔ ڈاروِن، ہیگل، ہکسلے، مل وغیرہ نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ قدیم فلسفہ کائنات کی پیدائش کے متعلق یہ تھا کہ، ابتدا میں بیشمار انواع موجود تھیں اور انہی کی آمیزش سے لامحدود انواع پیدا ہوتی رہیں اور ہورہی ہیں، لیکن مشاہدہ اور تجربہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ بیشمار تو نہیں چند انواع قدیم ہیں، ڈاروِن نے (ابتدا انواع) تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ "نفس واحدہ" سے ہر ایک شے کی ابتداء تسلیم کی جائے تو مناسب ہے ورنہ انواع ابتدا میں بہت نہیں تھیں، وہ لکھتا ہے اور اس نغمہ پر اپنی کتاب ختم کرتا ہے کہ پانی کے کنارہ پر بیٹھ کر گردوپیش کے دلکش نظارہ میں تدبر کیسا دلکش ہے۔ لب دریا سبزہ زار اور گوناگوں اقسام کے اشجار، طائران خوش الحان ان پر نغمہ سرا، بیشمار قسم کے کیڑے ادہر اُدہر چلتے پھرتے نظر آرہے ہیں، پھر اس میں تفکر کہ یہ اعلیٰ درجہ کی شکلیں اور صورتیں جو طبقہ نباتات وحیوانات میں ایک دوسرے سے مختلف مشاہدہ ہوتی ہیں اور جن کی زندگی کا انحصار ایک دوسرے پر ہے، تمام انہی قوانین

کے تحت ظہور میں آئی ہیں جو ہمارے گرد و پیش مصروف عمل ہے' ۔۔۔۔۔ اس نظارہ حیات میں جس میں بہت طاقتیں شامل ہیں شان ہے، یہ روح حیات جو ابتدا میں خالق نے چند نفوس یا نفس واحدہ میں نفخ کی، اور جب سے یہ کرہ ارض قانون کشش ثقل کے تحت چکر کھا رہا ہے اس سادہ ابتدا سے لانہایت اشکال انتہا درجہ کی خوبصورت اور نہایت حیرت انگیز پیدا ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔" جو بات ڈارون نے ہچکچاتے ہوئے کہی ہے قرآن صاف صاف الفاظ میں ارشاد فرماتا ہے کہ کائنات کی پیدائش نفس واحدہ سے ہوئی اور ایسی ہی کائنات کا پیدا کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک نفس کا۔ "لاادریہ" صرف کائنات کے دائرہ کے اندر رہ کر اپنے تجربہ و مشاہدہ کو برہان میں پیش کرتے ہیں، اور یہی مطالبہ قرآن کا ہے، اُن کے مشاہدہ اور تجربہ سے کسی عقلمند کو انکار نہیں، جو کچھ آج تک معلوم ہو چکا ہے اور بلاشبہ یہ قلیل ہی ہے وہ بالکل صحیح ہے اور قرآن اس پر مہر صداقت ثبت کرتا ہے، باقی رہا یہ امر کہ ارض و سما کا خالق بھی کوئی ہے یا نہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے، ہمارا مشاہدہ اور تجربہ نہ اس کی تائید کرتا ہے نہ تردید' اس حد تک تو یہ حضرات سچ کہتے ہیں۔ جب اُنھیں کوئی واضح دلیل مل جائیگی اُن کی راست روی سے توقع ہے کہ منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے'

ملائکہ اور اہل علم کی شہادت صحیفہ فطرت سے ماخوذ ہے، لاادریت ایک مغالطہ میں اُلجھی ہوئی ہے۔ عموماً فیلسوف اور منطقی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے کائنات کی تاریکیوں کو روشن کر رہے ہیں، حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ یا نفوس کو آفاقی نور سے روشن کرتے ہیں، نہ ہمارے نفوس اور نہ کائنات بذاتہ روشن ہے' یہ سب کچھ اس نور سے ظہور میں آتا ہے جو خود روشن ہے اور دوسروں کو روشن کر رہا ہے جیسے ایک مکان میں چراغ۔ اس کی روشنی میں ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں اور ہر ایک شے پر اس کی روشنی پڑتی ہے اور یہ معقول فی الذہن ہے کہ نگاہ پہلے اسی روشنی پر پڑتی ہے اور اس کے بعد اشیاء پر جو بذاتہ تاریک ہیں، لیکن ہم روشنی کو نہیں اشیاء کو محسوس کرتے ہیں، جو لوگ اہل علم نہیں ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ محسوسات بذاتہ روشن ہیں۔ اس لیے اصل شہادت اللہ ہی کی ہے جو لوح کائنات پر ثبت ہے' ہم اسی شہادت کا مطالعہ کرتے ہیں، ہمارے قلب میں یہ قابلیت تو ہے کہ مطالعہ کر سکتے ہیں اور تذکر و تفکر سے صحیح نتیجہ پر پہنچتے ہیں' اس آفاقی اور انفس شہادت کا ماخذ ایک ہی ہے، شہادت ہماری وضع کی ہوئی نہیں ہے کہ ایک خیال ہو جو ہمارے قلب میں پیدا ہوا اور محو ہو گیا' بلکہ یہ شہادت فی الحقیقت موجود ہے اور آفاق میں موجود ہے

اور اسی کا نقش ہمارے قلب میں ہوتا ہے۔

ملائکہ اور اہل علم کی شہادت کے تحت "الہام" بھی ہے، اس موضوع پر بحث اسی لفظ کے تحت کی جائیگی، اہل علم کی شہادت ان کا مشاہدہ ہے، لیکن مشاہدہ کی ابتداءً "الہام" ہی ہے۔ ہمارے تمام علوم وفنون کی ابتدا الہام ہے، اور ان میں ارتقاء تدبر کے ذریعہ ہوتا ہے، تجربہ رفتہ رفتہ اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے، ذکر وفکر ہمیں الہام کدہ بے حرف وصوت کی طرف لے جاتا ہے، ہماری سعی یہاں تک ہے، اس کے بعد جو کچھ مکشوف ہوتا ہے وہ نہ تو ہمارا پیدا کردہ ہے اور نہ ہم پیدا کر سکتے ہیں عالم نباتات میں ہم جو کچھ مشاہدہ کرتے ہیں وہی کچھ ہم بھی کرتے ہیں، دانہ زمین میں بوتے ہیں اور وہ وقت مقررہ پر پھوٹتا ہے، اور شجر بن جاتا ہے اور وقت پر پھل لاتا ہے، ان میں سے ہم کسی شے کو پیدا نہیں کر سکتے، صرف اس قانون پر عمل کرتے ہیں جو نباتات میں عمل کر رہا ہے اور اس کا علم ہمیں مشاہدہ سے ہوتا ہے، قانون ہمارا وضع کیا ہوا نہیں ہے، ہم اسے تسلیم کریں نہ کریں وہ اس سے بے نیاز ہے، البتہ تسلیم کرتے ہوئے اگر اس پر عمل کریں تو فائدہ اٹھاتے ہیں۔

كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۲۶

اللہ ہی میرے اور تمہارے درمیان شاہد ہے اور وہ غفور رحیم ہے، ان سے کہو کہ میں کچھ انوکھا رسول تو ہوں نہیں اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور نہ یہ معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا ہونیوالا ہے میں تو صرف اسی پر چلتا ہوں جو میری طرف وحی ہوتا ہے اور میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ صاف صاف عذاب الٰہی سے ڈرانیوالا ہوں، ان سے یہ بھی کہو کہ دیکھو تو اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کو نہیں مانتے (تو تمہارا کیا حشر ہوگا) حالانکہ (پیش از وقت توریت میں) بنی اسرائیل سے شاہد شہادت اس کے مثل کی دے چکا ہے اور وہ تو ایمان لایا اور تم اکڑ بیٹھے۔

ان آیات کا خطاب بنی اسرائیل سے ہے۔ "شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ" سے مراد حضرت موسیٰ ہیں اور مماثلت توریت وقرآن بوجہ ہدایت اور کلام اللہ ہے اور نیز حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمدؐ میں ہے، جیسا کہ توریت ۱۸ ۱۵ میں مذکور ہے کہ "میں بنی اسرائیل پر ان کے بھائیوں (بنی اسمٰعیل) سے ایک نبی تیری مثل (موسیٰ)

مبعوث فرماؤنگا اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالونگا" الایہ

قرآن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًاۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۲۹/۱۳	تحقیق ہم نے تمہاری طرف رسول اُسی شان کا تم پر شاہد بھیجا جیساکہ فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔
اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ " الآیہ ۱۲/۲	بھلا ایک شخص جو اپنے پروردگار کی (آیات قرآنی) بیّن دلیل پر ہے اور اس سے شہادت پاتا ہے اور اس سے پیشتر (اسی کی مثل) موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت ہے (جو توریت پر ایمان رکھتے ہیں) وہی

لوگ اس کی شہادت پر ایمان لاتے ہیں اور (تمام قوموں میں سے جو شخص اکڑ بیٹھا تو آگ ہی اس کا وعدہ ہے (اے مخاطب) تو اس سے شک وشبہ میں نہ رہ، یہ تیرے پروردگار کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

"بَيِّنَةٍ" سے مراد آیات بینات قرآن ہیں، جو کلام اللہ ہے، اور آنحضرتؐ پر وحی ہوتا رہا، اور ایسی ہی کتاب توریت ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی، دونوں میں مماثلت ہے، حضرت موسیٰ اور آنحضرتؐ دونوں شاہد ہیں، جن کی شہادت وحی پر مبنی ہے۔

مشہور روایت ہے کہ آنحضرتؐ کے ایک صحابی عبدالسلام نے جو قوم بنی اسرائیل سے تھا قرآن اور توریت کی مماثلت پر شہادت دی تھی اور آنحضرتؐ پر ایمان لایا۔ یہ حدیث صحیح ہے، لیکن قرآن کی آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ دراصل "شہید" اللہ تعالیٰ کا نام ہے "وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ" جس کے علم سے کوئی شے پوشیدہ نہیں، اور شہادت اللہ ہی کی معتبر اور سچی ہے، اللہ ہی کی شہادت رسولوں اور نبیوں پر وحی ہوتی ہے، اس لیے بالتبع وہ بھی شہید اور شاہد ہوتے ہیں، اس کا اظہار وہ لوگوں پر کرتے ہیں، جو شخص علیٰ بصیرت اس پر ایمان لاتا ہے وہ اللہ ہی کی شہادت پر ایمان لاتا ہے، توریت میں شہادت موجود ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی کتاب توریت کا مثل اللہ تعالیٰ وحی فرمائیگا، اور جس برگزیدہ نبی کے مُنہ میں اپنا کلام ڈالیگا وہ مثیل موسیٰؑ ہوگا، انجیل تک میں اس کی شہادت ملتی ہے کہ بنی اسرائیل کو ایسے نبی کا انتظار بے صبری سے رہا ہے (مفصل بحث زیر لفظ "مثل" ملاحظہ ہو) آیت ۳/۲ میں اللہ کی شہادت کے تحت ملائکہ اور اہل علم کی شہادت کو یکجا بیان کیا گیا ہے، اہل

علم رسول اور نبی اور وہ تمام حضرات ہیں جو اہل مشاہدہ ہیں، اور صحیفہ فطرت کی آیات بینات سے شہادت اخذ کرتے ہیں، ملائکہ فطرۃً قائماً بالقسط ہیں، اہل علم انسان ہیں اور اُن کی شہادت میں بسا اوقات ہوائے نفس کی آمیزش کا احتمال ہے، اس لیئے اہل مذاہب کی یہ دلیل کہ عموماً بنی نوع انسان توحید کا عقیدہ رکھتے ہیں یعنی کثرت اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ اللہ واحد ہے کوئی توضیح دلیل نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ انسانوں میں تھوڑے اور بہت تھوڑے انسان ایسے ہیں، جو توحید کے شاہد ہیں اور اُن کی شہادت علی شہادت ہے

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا   واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

اہل علم یوں بھی تھوڑے ہیں اور قائماً بالقسط تو بہت کم ہیں، البتہ یہ امر وقعت رکھتا ہے کہ ایسے لوگوں کی شہادت ہمیشہ معتبر سمجھی گئی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جو کچھ وہ خدا کا نام لیکر کہتے ہیں پورا ہو کر رہتا ہے۔ چنانچہ توریت میں (باب ۱۳) مذکور ہے کہ نبی کی شناخت یہ ہے کہ جو کچھ وہ خدا کے نام پر کہے یعنی وحی کے تحت کہے وہ پورا ہوگا، لیکن ہوسکتا ہے کہ شعبدہ باز ساحر بھی نبوت کا دعوےٰ کرے اور وہ بھی اپنا کہا پورا کر دکھائے، دونوں میں ما بہ الامتیاز یہ ہے کہ نبی تو توحید کی طرف دعوت دیگا اور ساحر شرک وکفر کی طرف، توریت کی انہی آیات کی بنا پر بنی اسرائیل نے قرآنی آیات بینات کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ "هٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ" حالانکہ اُن کو دعوت الی الاسلام دی گئی تھی نہ کہ کفر و شرک کی طرف بلایا گیا تھا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ	اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمت معتدل بنایا کہ تم لوگوں پر شہادت دینے والے اور رسول تم پر

شہادت دینے والا ہو۔

نبیوں اور رسولوں کا کام یہی کچھ ہوتا ہے کہ لوگوں کو کفر و شرک کی تاریکی سے نکال کر نور توحید کی طرف لائیں، نہی المنکر اور امر معروف کریں۔ انبیاء اور رسل اول المومنین ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی شہادت پر اُنھیں کامل ایمان ہوتا ہے، شہادت اور بصیرت لازم و ملزوم ہیں، اس لیے وہ دعوت الی الحق علیٰ بصیرت دیتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت نے بھی یہی ارشاد فرمایا کہ "هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۱۲" شرک کا راز اسی کورکورانہ تقلید میں مضمر ہے۔ آنحضرت کی شہادت پر جو لوگ ایمان لائے وہ علیٰ بصیرت لائے اور یہ ایک ایسی بہترین اُمت بن گئی جو لوگوں کو دعوت الی الحق آنحضرتؐ کی طرح علیٰ بصیرت دیتے تھے اور امر معروف اور نہی عن المنکر کرتے اور کر رہے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انبیاء اور رسل کی طرح یہ اُمت "شہید" ہے اور وہی کچھ کام کرتی رہی

ورکرتی ہے جو انبیاء اور رسل کرتے رہے، لیکن اس پر اور اس کے کسی فرد پر نبی اور رسول کا اطلاق نہیں ہوسکتا (ملاحظہ ہو لفظ "نبی")

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۵	اور جو اللہ اور اس رسول کی اطاعت کرے تو ایسے لوگ ان کے ساتھی ہیں جن کو اللہ نے نوازا نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین سے اور نہایت اچھی اُن کی رفاقت ہے۔

یہ آیت اسی آیت ۲ کے مفہوم کو واضح کرتی ہے، رسول ایسی بات بتاتا ہے جس سے لوگ پہلے واقف نہیں ہوتے، اور وہ لوگوں کا معلم اوّل ہوتا ہے "وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ" ۲ اس کی شہادت الہامی علمی ہوتی ہے۔ اس علم کی اشاعت وہ لوگوں میں کرتا ہے، جن کے لیے یہ شہادت محض علمی ہوتی ہے، اور اس لیے وہ بالتبع شہید ہوتے ہیں۔ کولمبس کے دل میں القاء ہوا اور اس نے "امریکہ" دریافت کرلیا، اس کے بعد تمام دنیا کو اس کا علم و یقین ہے کہ "امریکہ" موجود ہے۔ اس دریافت کا فائدہ کولمبس اور عام لوگوں کو یکساں ہے، یہ اللہ تعالےٰ کا قانون ہے اور وضع جہاں اسی طرح واقع ہوئی ہے کہ "غیب" کا اظہار ایک ہی شخص پر ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ عام لوگوں پر،

ان آیات میں اطاعت کا اجر یہ بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگ نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین کے رفیق ہوں گے جن پر اللہ تعالےٰ نے انعام فرمایا، بعض حضرات اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ اور آنحضرتؐ کی اطاعت و فیض سے ہر ایک شخص نبوت کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے، اگر یہ صحیح ہو تو ایسی نبوت محض کسبی ہوگی اور ہر ایک شخص جو اس کا اہل ہو کسب کرسکتا ہے، صحابہ کرام بدرجہ اولیٰ اس کے اہل تھے اور ان کے بعد تابعین صحابہ کرام کی نسبت تو قرآن کی شہادت موجود ہے کہ وہ اللہ اور آنحضرتؐ کی اطاعت میں انتہائی سعی فرماتے تھے، اور اگر عہد نبوت کے حالات اور واقعات پر نظر کی جائے تو جن مشکلات سے یہ مقدسوں کی جماعت عہدہ برآ ہوئی وہ کچھ انہی کا حصہ تھا، لیکن ان میں سے نہ کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نہ وہ "نبی" سے مخاطب ہوئے ہیں، حالانکہ وہ شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ تھے جیسا کہ معلم اوّل آنحضرتؐ ان پر شہید تھے اللہ اور آنحضرتؐ کی اطاعت اسلام کے ہم معنی ہے۔ اس لیے ہر ایک مسلمان کسی کسی نبی کی نبوت کے انکار سے کافر تو ہو نہیں سکتا، بلکہ وہ تو اس امر کا بھی اہل ہے کہ خود نبوت کسب کرے۔

بات اصل میں یہ ہے کہ یہ حضرات "نبوت" کے صحیح مفہوم سے قاصر رہے ہیں، (ملاحظہ ہو لفظ "نبی") اس میں کچھ شک نہیں کہ شخصی ملوکیت اور شخصی نبوت قرون اولیٰ کے ساتھ ساتھ انعام ہی تھی، لیکن آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد شخصی نبوت کا خاتمہ ہوگیا اور ملوکیت بھی رفتہ رفتہ ختم ہوگئی، اب تو شخصی ملوکیت محض بُت پرستی رہ گئی ہے، اور یہی کیفیت ان لوگوں کی ہے جو نبوت پرست ہیں، ذہنی ارتقاء جمہور کو شخصی سرپرستی سے آزاد کر رہا ہے، آنحضرتؐ کی رسالت کا یہ فیض عام ہے کہ ذہن و فہم انسانی کو ارتقاء کے ایسے درجہ پر پہنچا دیا ہے کہ اس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے، اب جو گمراہ ہے وہ بھی علیٰ وجہ بصیرت اور جو راہ راست پر ہے وہ بھی علیٰ بصیرت ہے۔
"قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" ہمیں آنحضرت کی رسالت نے سرپرستی کے جبر واکراہ سے بے نیاز کردیا ہے،
"نبوت" ایک منصب ہے اور صدیقیت وغیرہ درجات ہیں جو عمل سے حاصل ہوتے ہیں،
"وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ"۔ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ادریسؑ کو صدیق کہا گیا ہے (۱۹/۴۱، ۵۶) اور حضرت عیسیٰؑ پلاطوس کی عدالت میں اپنے آپ کو "شہید" کہتے ہیں۔ اور قرآن میں اُن کو شہید کا خطاب ملا ہے، حالانکہ اُن کی والدہ "صدیقہ" ہے (۵/۷۵) اور وہ "نبیہ" بھی نہ تھیں، قرآن میں تمام مومنین کو جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں صدیق اور شہید کا خطاب عطا ہوا ہے، "صدیقیت" "مقام محمود" کے بعد جو آنحضرتؐ کا حصّہ ہے انتہائی درجہ ہے اور اس مقام پر خود انبیاء بھی خال خال نظر آتے ہیں، لیکن صحابہ کرام کے لیے یہ خطاب عام ہے، یہ فیض رسالت آنحضرت ہے، کہ آنحضرتؐ کے ساتھ جن کو معیت حاصل ہے اُن کا مقام اکثر انبیاء سابقین سے بھی اعلیٰ ہے اگرچہ وہ نبی نہیں ہیں۔
عموماً لفظ "شہید" کا اطلاق ایسے لوگوں پر کیا جاتا ہے جو صداقت پر شہادت دیتے ہوئے مارے جاتے ہیں، یہ مفہوم لفظ شہید کا نہیں ہے، لیکن چونکہ ان کا خون ناحق اُن کی شہادت پر مہر صداقت ثبت کرتا ہے اس لیے عام محاورہ میں اُن کو شہید کہا جائے تو کچھ مضائقہ بھی نہیں لیکن قرآنی اصطلاح یہ نہیں ہے۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَ	جس دن شہادت دینگی اُن کی زبانیں اور اُن کے

بقیہ کے لیے دیکھو صفحہ ۳۷

تمہ خاتم النبیین

اب ہم اُن آیات کی طرف رجوع کرتے ہیں، جو قادیانی حضرات کی طرف سے ختم نبوت کے خلاف پیش کی جاتی ہیں اور جن سے مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت ثابت کی جاتی ہے

دلیل اوّل اور اس کی تردید

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (۵ع)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ لوگ ان کے ساتھ جاملتے ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں سے۔ اور یہ لوگ بہت اچھے ہیں، رفیق ہونے میں۔

اس آیت میں یہ دکھلانا مقصود نہیں ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے آدمی صالح یا شہید یا صدیق یا نبی بن جاتا ہے یا نہیں بنتا۔ یا ان میں سے بعض یا کل مراتب پاتا ہے یا نہیں پاتا۔ اس کے لیے تو دوسری سندیں درکار ہونگی۔ اس آیہ مبارکہ میں تو صرف اتنا ہی بتانا منظور ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرنے والے بعد موت کے اعلیٰ رفیقوں میں جاملتے ہیں جو انعام الٰہی میں داخل ہوچکے ہیں، یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کی منعم علیہا جماعت کے ہمراہ ہوجاتے ہیں اور ان کی رفاقت و ہمراہی کوئی ادنےٰ بات نہیں ہے، بلکہ بہت اچھی بات ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے ساتھ ہونے کے معنی وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا سے صاف کردئیے ہیں کہ یہاں صرف رفاقت کا بیان کرنا ہی مقصود ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے برسر حکومت ہوکر دعا مانگی "تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۱۳ع" یعنی اے خدا تو مجھے مسلمان ہی رکھکر فوت کر اور مجھے صالحین کے ساتھ ملادے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صالحین اور اُن کے ساتھ ملحق ہوجانا حقیقی اور پورے طور پر موت کے بعد ہی ہوتا ہے۔ دیکھئے تیرہ سو سال سے اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرنے والے چلے آئے ہیں مگر نبیوں کی معیت کسی کو بھی نہ ملی۔ الغرض اس معیت اور رفاقت والی آیت کو مرزا صاحب کے نبی ہونے کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں۔

دوسرا حوالہ اور اُس کی حقیقت

دوسرا حوالہ جو عام طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ آیت خاتم النبیین ہے۔ اس کے جواب

بات اصل میں یہ ہے کہ یہ حضرات "نبوت" کے صحیح مفہوم سے قاصر رہے ہیں
"نبی") اس میں کچھ شک نہیں کہ شخصی ملوکیت اور شخصی نبوت قرون اولیٰ کے ساتھ
لیکن آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد شخصی نبوت کا خاتمہ ہوگیا اور ملوکیت بھی رفتہ رفتہ خت
شخصی ملوکیت محض بُت پرستی رہ گئی ہے، اور یہی کیفیت ان لوگوں کی ہے جو نبو
ذہنی ارتقاء جمہور کو شخصی سرپرستی سے آزاد کر رہا ہے، آنحضرتؐ کی رسالت کا یہ ف
ذہن و فہم انسانی کو ارتقاء کے ایسے درجہ پر پہنچا دیا ہے کہ اس کا تعلق براہ راست
ہے، اب جو گمراہ ہے وہ بھی علیٰ وجہ بصیرت اور جو راہ راست پر ہے وہ بھی علیٰ بہ
"قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ" ہمیں آنحضرت کی رسالت نے سرپرستی کے جبر و اکراہ سے۔

"نبوت" ایک منصب ہے اور صدیقیت وغیرہ درجات ہیں جو عمل سے حاصل
"وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ"۔ قرآن میں حض
اور حضرت ادریسؑ کو صدیق کہا گیا ہے (۱۹/۵۶) اور حضرت عیسیٰؑ پلاطوس کی عدالت میں
"شہید" کہتے ہیں۔ اور قرآن میں اُن کو شہید کا خطاب ملا ہے، حالانکہ اُن کی والدہ "صد
اور وہ "نبیہ" بھی نہ تھیں، قرآن میں تمام مومنین کو جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہ
شہید کا خطاب عطا ہوا ہے، "صدیقیت" "مقام محمود" کے بعد جو آنحضرتؐ کا حصہ ہے
اور اس مقام پر خود انبیاء بھی خال خال نظر آتے ہیں، لیکن صحابہ کرام کے لیے یہ خطا
یہ فیض رسالت آنحضرت ہے، کہ آنحضرتؐ کے ساتھ جن کو معیت حاصل ہے اُن کا مق
سابقین سے بھی اعلیٰ ہے اگرچہ وہ نبی نہیں ہیں۔

عموماً لفظ "شہید" کا اطلاق ایسے لوگوں پر کیا جاتا ہے جو صداقت پر شہادت
مارے جاتے ہیں، یہ مفہوم لفظ شہید کا نہیں ہے، لیکن چونکہ ان کا خون ناحق اُن کی ش
پر صداقت ثبت کرتا ہے اس لیے عام محاورہ میں اُن کو شہید کہا جائے تو کچھ مضائق
لیکن قرآنی اصطلاح یہ نہیں ہے۔

یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَ	جس دن شہادت دینگی اُن کی زبا

بقیہ کے لیے دیکھو صفحہ ۳۰

تتمہ خاتم النبیین

اب ہم اُن آیات کی طرف رجوع کرتے ہیں، جو قادیانی حضرات کی طرف سے ختم نبوت کے خلاف پیش کی جاتی ہیں اور جن سے مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت ثابت کی جاتی ہے

دلیل اوّل اور اس کی تردید

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا (پ۵)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ لوگ ان کے ساتھ جا ملتے ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں سے۔ اور یہ لوگ بہت اچھے ہیں، رفیق ہونے میں۔

اس آیت میں یہ دکھلانا مقصود نہیں ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے آدمی صالح یا شہید یا صدیق یا نبی بن جاتا ہے یا نہیں بنتا۔ یا ان میں سے بعض یا کل مراتب پاتا ہے یا نہیں پاتا۔ اس کے لیے تو دوسری سندیں درکار ہونگی۔ اس آیہ مبارکہ میں تو صرف اتنا ہی بتانا منظور ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرنے والے بعد موت کے اعلیٰ رفیقوں میں جا ملتے ہیں جو انعام الٰہی میں داخل ہو چکے ہیں، یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کی منعم علیہا جماعت کے ہمراہ ہو جاتے ہیں اور ان کی رفاقت وہمراہی کوئی ادنےٰ بات نہیں ہے، بلکہ بہت اچھی بات ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے ساتھ ہونے کے معنی وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا سے صاف کر دئے ہیں کہ یہاں صرف رفاقت کا بیان کرنا ہی مقصود ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے برسر حکومت ہو کر دعا مانگی "تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ" پ ۱۳ یعنی اے خدا تو مجھے مسلمان ہی رکھ کر فوت کر اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صالحین اور اُن کے ساتھ ملحق ہو جانا، حقیقی اور پورے طور پر موت کے بعد ہی ہوتا ہے۔ دیکھئے تیرہ سو سال سے اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرنے والے چلے آئے ہیں مگر نبیوں کی معیت کسی کو بھی نہ ملی۔ الغرض اس معیت اور رفاقت والی آیت کو مرزا صاحب کے نبی ہونے کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں۔

دوسرا حوالہ اور اس کی حقیقت

دوسرا حوالہ جو عام طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ آیت خاتم النبیین ہے۔ اس کے جواب

بات اصل میں یہ ہے کہ یہ حضرات "نبوت" کے صحیح مفہوم سے قاصر رہے ہیں، (ملاحظہ ہو لفظ "نبی") اس میں کچھ شک نہیں کہ شخصی ملوکیت اور شخصی نبوت قرون اولیٰ کے ساتھ ساتھ انعام ہی تھی، لیکن آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد شخصی نبوت کا خاتمہ ہو گیا اور ملوکیت بھی رفتہ رفتہ ختم ہو گئی، اب تو شخصی ملوکیت محض بت پرستی رہ گئی ہے، اور یہی کیفیت ان لوگوں کی ہے جو نبوت پرست ہیں، ذہنی ارتقاء جمہور کو شخصی سرپرستی سے آزاد کر رہا ہے، آنحضرتؐ کی رسالت کا یہ فیض عام ہے کہ ذہن و فہم انسانی کو ارتقاء کے ایسے درجہ پر پہنچا دیا ہے کہ اس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے، اب جو گمراہ ہے وہ بھی علیٰ وجہ بصیرت اور جو راہ راست پر ہے وہ بھی علیٰ بصیرت ہے۔

"قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" ہمیں آنحضرت کی رسالت نے سرپرستی کے جبر و اکراہ سے بے نیاز کر دیا ہے، "نبوت" ایک منصب ہے اور صدیقیت وغیرہ درجات ہیں جو عمل سے حاصل ہوتے ہیں، "وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ"۔ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ادریسؑ کو صدیق کہا گیا ہے (۱۹/۴۱، ۱۹/۵۶) اور حضرت عیسیٰؑ پلاطوس کی عدالت میں اپنے آپ کو "شہید" کہتے ہیں۔ اور قرآن میں اُن کو شہید کا خطاب ملا ہے، حالانکہ اُن کی والدہ "صدیقہ" ہے (۵/۷۵) اور وہ "نبیہ" بھی نہ تھیں، قرآن میں تمام مومنین کو جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں صدیق اور شہید کا خطاب عطا ہوا ہے، "صدیقیت" "مقام محمود" کے بعد جو آنحضرتؐ کا حصہ ہے انتہائی درجہ ہے اور اس مقام پر خود انبیاء بھی خال خال نظر آتے ہیں، لیکن صحابہ کرام کے لیے یہ خطاب عام ہے، یہ فیض رسالت آنحضرت ہے، کہ آنحضرتؐ کے ساتھ جن کو معیت حاصل ہے اُن کا مقام اکثر انبیاء سابقین سے بھی اعلیٰ ہے اگرچہ وہ نبی نہیں ہیں۔

عموماً لفظ "شہید" کا اطلاق ایسے لوگوں پر کیا جاتا ہے جو صداقت پر شہادت دیتے ہوئے مارے جاتے ہیں، یہ مفہوم لفظ شہید کا نہیں ہے، لیکن چونکہ ان کا خون ناحق اُن کی شہادت پر مہر صداقت ثبت کرتا ہے اس لیے عام محاورہ میں اُن کو شہید کہا جائے تو کچھ مضائقہ بھی نہیں لیکن قرآنی اصطلاح یہ نہیں ہے۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَ	جس دن شہادت دینگی اُن کی زبانیں اور اُن کے

بقیہ کے لیے دیکھو صفحہ ۳۷

تتمہ خاتم النبیین

اب ہم اُن آیات کی طرف رجوع کرتے ہیں، جو قادیانی حضرات کی طرف سے ختم نبوت
لاف پیش کی جاتی ہیں اور جن سے مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت ثابت کی جاتی ہے

دلیل اوّل اور اس کی تردید

ن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین
اللہ علیھم من النبیین والصدیقین
ھدآء والصٰلحین وحسن اولٰئک
یقا (پ۵)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ لوگ
ان کے ساتھ جا ملتے ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا
ہے نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور
صالحوں سے۔ اور یہ لوگ بہت اچھے ہیں
یق ہونے میں۔

اس آیت میں یہ دکھلانا مقصود نہیں ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے آدمی صالح
ہید یا صدیق یا نبی بن جاتا ہے یا نہیں بنتا۔ یا ان میں سے بعض یا کل مراتب پاتا ہے یا نہیں
۔ اس کے لیے تو دوسری سندیں درکار ہونگی۔ اس آیہ مبارکہ میں تو صرف اتنا ہی بتانا منظور
، کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والے بعد موت کے اعلیٰ رفیقوں میں جا ملتے ہیں جو
ام آلہی میں داخل ہو چکے ہیں، یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کی
م علیہا جماعت کے ہمراہ ہو جاتے ہیں اور ان کی رفاقت و ہمراہی کوئی ادنےٰ بات نہیں ہے،
بہت اچھی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ہونے کے معنی وحسن اولٰئک
یقا سے صاف کر دئے ہیں کہ یہاں صرف رفاقت کا بیان کرنا ہی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ
یا تا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بر سر حکومت ہو کر دعا مانگی "توفنی مسلما والحقنی
لصٰلحین" پ۱۳ یعنی اے خدا تو مجھے مسلمان ہی رکھ کر فوت کر اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے
ں سے معلوم ہوتا ہے کہ صالحین اور اُن کے ساتھ ملحق ہو جانا حقیقی اور پورے طور پر
یت کے بعد ہی ہوتا ہے۔ دیکھئے تیرہ سو سال سے اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
اعت کرنے والے چلے آئے ہیں مگر نبیوں کی معیت کسی کو بھی نہ ملی۔ الغرض اس معیت اور رفاقت
ی آیت کو مرزا صاحب کے نبی ہونے کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں۔

دوسرا حوالہ اور اس کی حقیقت

دوسرا حوالہ جو عام طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ آیت خاتم النبیین ہے۔ اس کے جواب

میں عرض ہے کہ خاتم کے معنی ہیں مایختم بہ یعنی جس کے ساتھ کسی شے پر مُہر لگائی جائے کے ساتھ کسی شے کو ختم کر دیا جائے کیونکہ ختم کے معنی ہیں مُہر کردن، تمام خواندن قرآن و بآخر رسانیدن چیزے۔ پس خاتم النبیین کا مطلب یہ ہوا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نبیوں پر مُہر لگ چکی ہے، یا آپ کی آمد سے نبی ختم ہو چکے ہیں ا ظاہر ہے کہ کسی چیز پر مُہر لگانا اُس کو بند کرنا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کفار کے دلوں پر مُہر جس سے ان کا اندر ہی بند ہو جاتا ہے۔ جس پارسل یا لفافے یا دوا پر مُہر لگائی جائے ج اس کی مُہر نہ توڑی جائے وہ مختوم ہی رہیگا۔ مُہر لگانے کے یہ معنی ایسے واضح ہیں کہ خود م بھی اس لفظ کے معنی بند کرنا ہی سمجھتے ہیں۔ اگر مرزا صاحب کے پہلے دعاوی منسوخ ہیں تو کیا مُہر لگانے کے لفظ کے معنی بھی اب غلط ہو گئے ہیں؟ مرزا صاحب ازالہ اوہام پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"حسب تصریح قرآن کریم نبی اُس کو کہتے ہیں جس نے احکام وعقائد دین جبرئیل کے ذریعے سے حاصل کئے ہوں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مُہر لگ گئی ہے۔ کیا یہ مُہر اس وقت (یعنی مسیح کے آنے پر) ٹوٹ جائیگی"۔

اب غور کیجئے کہ مُہر لگنے کے معنی بند ہو جانے کے نہیں ہیں؟ جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے نبیوں کی آمد بند ہو گئی تو مرزا صاحب کی نبوت کے ثبو لیے اب آپ کے پاس کیا باقی رہ گیا؟ اگر قرآن مجید نے کتابوں کا خاتمہ کر دیا تو اس سے مجید پر کوئی عیب نہیں لگتا۔ پھر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیوں کا خاتمہ کر اس سے آپؐ پر کیا الزام آسکتا ہے۔ مرزا صاحب ازالہ اوہام صفحہ ۱۳۰ پر فرماتے ہیں:

"آنحضرت خاتم الانبیاء اور قرآن مجید خاتم الکتب ایک ہی معنی میں ہیں۔ نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب آسکتی ہے نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آسکتا ہے"۔

تیسرے حوالہ پر تبصرہ

تیسری آیت جس کا حوالہ دیا جاتا ہے یہ ہے:۔

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (۲۸)	اللہ وہ ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہد دین حق کے ساتھ تاکہ اس کو اوپر رکھے ہر د

اس آیہ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ق

تک جاری ہے۔ بیچ میں ایک آن کے لیے بھی یہ رسالت باقی نہیں رہیگی۔ خداتعالےٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا ہے۔ قیامت تک جو جو مخالف عقائد اور خیالات اور نئے نئے دین نکلیں گے، قرآن مجید میں پہلے ہی سے ان کی تردید موجود ہے۔ قرآن مجید ہمیشہ تک اور ہر وقت جتنے بھی دین اس وقت ہونگے سب پر غالب رہیگا۔ جب تک قرآن مجید موجود ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت موجود ہے۔ آپ بحکم الٰہی فرماتے ہیں

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ	میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تم کو اس کے ساتھ ڈراؤں اور اس کو جسے یہ پہنچے

یہ قرآن مجید قیامت تک لوگوں کو پہنچتا رہیگا۔ پس اس کے ذریعہ سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ڈراتے رہیں گے اور جس طرح آپؐ ہر وقت بذریعہ قرآن لوگوں کو ڈراتے رہیں گے اسی طرح آپؐ قیامت تک بذریعہ قرآن مجید تمام ادیان پر غالب رہیں گے۔ نہ ایک لمحہ کے لیے آپؐ کا ڈرانا ہی رک سکتا ہے اور نہ ایک آن کے لیے آپؐ کا غلبہ ٹل سکتا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ آج تک تو خود رسول اللہ ہی اس کے مطابق بغیر کسی میں بروز کرنے کے کل ادیان پر غالب چلے آئیں اور اب یہی آیت بروز کے لیے دلیل بن جائے۔ حاشا وکلا۔ اور کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک تو دنیا میں نئے دین پیدا ہوتے آئے ہیں، اب مرزا صاحب کے بعد قیامت تک کوئی نیا دین نہیں پیدا ہوگا؟ اور اگر مرزا صاحب کے بعد بھی نئے دین پیدا ہونگے، تو بتائیے آپ کے خیال کے مطابق بھی مرزا صاحب ان کل ادیان پر کس طرح غالب ہوئے، جو ان کے بعد پیدا ہونگے۔ یہ آیت بھی مرزا صاحب کی نبوت و رسالت کو جڑ سے اکھیڑ رہی ہے لیکن احمدی حضرات ہیں کہ اسی کو مرزا صاحب کی نبوت کے ثبوت میں پیش کر رہے ہیں۔

چوتھا حوالہ اور اس کی تشریح

چوتھی آیت جس کا حوالہ دیا جاتا ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ ہے ؁ یہاں آخرین کا عطف یا تو "اَلْاُمِّیّٖنَ" پر ہے اور یا یُعَلِّمُھُمْ میں جو ضمیر ھُمْ ہے اس پر۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ خداتعالےٰ نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اُمیوں میں رسول مبعوث کیا اور یہی نہیں کہ آپ کو انہی مکہ اور مدینہ والوں میں ہی رسول مبعوث کیا، بلکہ کل عرب بلکہ کل دنیا بلکہ

تا قیامت کل زمانے والوں میں بھی آپؐ ہی کو رسول مبعوث کیا نہ آپ کے غیر کو' اور یہی مطلب ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کا' اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اُمیوں کو بھی کتاب و حکمت سکھاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی' جو انہی میں سے ہیں اور یہ دوسرے لوگ بھی کل دنیا بلکہ کل زمانوں والے لوگ ہیں۔ پس ان دونوں ہی صورتوں سے واضح ہوتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اُمیین کے لیے ہی رسول نہ تھے بلکہ بلکہ کل عرب بلکہ کل دنیا بلکہ کل زمانے والوں کے لیے تا قیامت مبعوث ہوئے ہیں اور ان کو بذریعہ قرآن پاک کتاب و حکمت سکھاتے ہیں اور جہاں قرآن مجید موجود ہے وہاں خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ڈرانے والے اور سکھانے والے موجود ہیں۔ پس جب عرب کی دوسری قوموں میں بلکہ دنیا کی دوسری قوموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنی زندگی میں مبعوث ہوئے تھے' جن میں آپ بہ نفس نفیس کبھی پہنچے ہی نہیں اور وہ بھی آپؐ کے پاس اور آپؐ کے صحابہ کے پاس اسوقت تک نہیں آئے تھے' جیسے لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ سے واضح ہے' اور نہ آپؐ کا کوئی بروزہی وہاں تھا بلکہ آپ خود ہی ان میں بحکم الٰہی مبعوث تھے' اور ان کے معلم تھے' اور تیرہ سو سال تک کے لوگوں میں بھی آپ ہی بحکم الٰہی نبی مبعوث رہے ہیں' اور ان کو سکھاتے رہے ہیں' ظاہری ملاقات یا کسی بروزی نبی و رسول کی اسی آیت کے مطابق کوئی ضرورت نہیں پڑی' تو اب اس زمانہ میں اسی آیت سے کس طرح کسی بروزی نبی کا ثبوت ظاہر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں' ہرگز نہیں! پس یہ آیت بھی مرزا صاحب کی نبوت کے منافی ہے نہ کہ مثبت۔

رسول عالمینؐ

قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل انسانوں کے لیے ہر حال میں رسول ہیں' اور یہ قرآن مجید کل عالمین کے لیے نذیر اور ہدایت اور ذکر ہے اور جن کو قرآن پہنچے اُنھیں رسول اللہ صلعم ہی ڈراتے ہیں۔ یہ سب آیات صریح دلیل ہیں اس بات پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یا اُن کے ساتھ کسی نئے یا پرانے رسول کے آنے کی ضرورت باقی نہیں اور ظاہر ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں بھی بہ نفس نفیس ہر بستی میں نہیں پہنچ سکتے تھے اور ہر وقت ہر جگہ نہیں موجود ہو سکتے تھے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے ہی تمام دنیا کے لوگوں میں مبعوث نہ ہوئے ہوتے تو لازم تھا کہ ہر ہر قریہ میں آپ کے بعد ہی نہیں بلکہ آپ کی زندگی میں بھی نذیر مبعوث ہوتے' کیونکہ اکیلے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس

نفیس ہر وقت اور ہر ایک کے لیے نذیر نہیں ہوسکتے تھے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ
نَّذِيْرًا فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۱۹ اور یہ ظاہر ہے کہ تاقیامت کامل رسول کے ساتھ
اگر کسی اور رسول کی ضرورت باقی ہو تو وہ رسول محدود اور ناقص ہوگا، نہ کہ تاقیامت کامل رسول بیشک
پہلے رسل وانبیاء کی تعلیم اپنی قومی یا مقامی یا وقتی ضروریات کے لیے کافی وکامل ہوتی تھی، مگر کل نوع
انسان کے لیے تاقیامت کامل نہ ہوتی تھی۔ اگر کسی رسول کی تعلیم جسے وہ خدا تعالٰی سے لایا تھا، ایسی کامل
تھی، تو کیوں خدا تعالٰی نے اسکی حفاظت کا وعدہ نہیں فرمایا؟ اور اگر وہ تاقیامت کامل تعلیم محفوظ ہے، تو
اس کامل تعلیم کے ساتھ قرآن مجید کی کیا ضرورت تھی؟ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید ہی کامل کتاب
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامل رسول ہیں۔ قرآن مجید کے بے مثل اور کامل ہونے پر قرآن مجید کی بیشمار
شہادتیں موجود ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی رسول یا نبی کی کوئی بھی ضرورت نہیں
اور بلاضرورت کسی کو رسول یا نبی بنانا دنیا کے لیے بجائے نصیحت کے ایک سزا ہوگی۔ اس سے لازم آئیگا کہ خدا
تعالٰی بلاضرورت لوگوں کو ڈانواڈول اور آئے دن فرقہ بندیوں میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے اور خواہ مخواہ
ان کے کافر بنائے جانے کے لیے نئے نئے سامان پیدا کرتا ہے اور اس سے لوگوں کا جم کر اور مطمئن ہوکر
کامل رسول کی اطاعت کرنا ہی مشکل ہوجائیگا اور بلاضرورت ہر وقت دوسرے آنیوالے کا دھڑکا لگا رہیگا
الغرض تمام نوع انسان کے لیے تاقیام قیامت ایک کامل رسول کی ضرورت ہے، تاکہ ہم بلا کسی مزید خدشہ
کے اطمینان کے ساتھ اس کے پیچھے ہولیں اور بلاضرورت ہمیشہ کے لیے ڈانواڈول نہ رہیں۔ جناب محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی رسول و نبی نے کبھی ایسے کمال کا دعویٰ نہیں کیا۔ سو اگر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو تمام دنیا کو چاہیئے کہ آپ کو بخوشی قبول کرلے اور آپ کے سچے ہونے
میں کسی صحیح الفہم شخص کو انکار بھی نہیں، اس لیے کہ اس سے آپؐ سے پہلے کے تمام رسول و نبی اور تمام
تعلیمیں ناقص قرار پائینگی اور آپ کے بعد اگر سچ مچ نبی و رسول آنے تھے تو آپ کے اس دعوی کمال کے سبب سے
آپؐ کے بعد کے تمام نبی و رسول جھوٹے قرار پائینگے۔ پس اگر خدا تعالٰی ایسے مدعی کمال کو اپنا غضب نازل کرکے
بھسم نہ کر ڈالے بلکہ اسے مہلت دے اور اس کی امداد فرمائے اور اسے ترقی دے اور یوں اس کا کامل رسول
ہونا ممکن ٹھہرائے، بلکہ کروڑوں دلوں پر اس کے دعوے کی صداقت جمادے، بلکہ عملی طور پر بھی کسی کو
اس کے مقابلے میں ایسے دعوی کی جرأت نہ دے اور ایسے دعوے والا صرف وہی ایک ہی شخص ہو اور
دنیا کے لیے ایسے صاحب کمال کی ضرورت بھی ہو، تو ایسی صورت میں ایسے شخص کے لیے دلائل و تائیدات
پیدا کرنا، یا اس کو صادق تسلیم کیے جانے کا موقعہ دینا خدا تعالٰی کی حکمت و رحمت کے سراسر خلاف

ہے۔ اگر خدا تعالیٰ ہے اور وہ ضرور ہے تو لازم ہے کہ ایسے رسول کو جس کے ماننے سے ایسے مفاسد پیدا ہوں کہ پہلی تمام شرائع اور نبی ناقص قرار پائیں اور پیچھے آنیوالے تمام رسل وانبیاء اور ان کی کتابیں باطل ٹھہرائی جائیں اور بالکل امن اٹھ جائے، بالکل جھوٹا ہونے کی صورت میں ہی ہلاک نہ کردے، بلکہ خدا تعالیٰ پر صرف ایک بھی بناوٹی بات کہنے کے ساتھ ہی بلا مہلت اسے مجرموں کی طرح ہلاک کیا جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت فرماتا ہے کہ اس رسول کی پوزیشن ایسی ہے کہ "اگر یہ ہم پر کوئی بات بنا کر کہہ دیتا تو ہم ضرور اس کو داہنے ہاتھ سے پکڑتے اور اس کی رگ جان کو کاٹ ڈالتے۔ پھر کوئی تم میں سے اس کو بچانے والا نہیں ہے" [۲۹]

رسول کامل کی پہچان

اسوقت آپ کے قتل کئے جانے کے پورے اسباب بھی موجود تھے۔ اسوقت مرزا صاحب کے زمانہ کی طرح کوئی امن کی حکومت موجود نہ تھی، آپ دفاعی جنگوں میں بھی ہمیشہ ساتھ رہے۔ آپ پر ایسی حالتیں بھی آئیں کہ آپ کا مرنا بھی مشہور ہوگیا۔ ایک دنیا آپ کے قتل کے درپے تھی، مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے ہاتھوں سے مارے جانے سے ہمیشہ بچائے رکھا۔ اگر آپ معاذ اللہ جھوٹے ہوتے، تو ایسے وقتوں میں کفار آپ کو قتل کرکے آپ کے مفتری ہونے کا فوراً ثبوت بہم پہنچا سکتے تھے۔ الغرض اس آیت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا مدعی اکمال رسول اگر خدا تعالیٰ پر ذرا بھی جھوٹ بولے بلکہ اگر غلطی یا بھول چوک سے بھی اس سے خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولا جائے، تو اس کو تیئیس ۲۳ سال تو علیحدہ رہے ایک آن کے لیے بھی مجرموں کی طرح مارے جانے سے مہلت نہیں مل سکتی۔ یہ دلیل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام نوع انسان کے لیے تاقیام قیامت کامل رسول ہونے کی ہے، جس سے مرزا صاحب کی رسالت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پس یہ پانچواں حوالہ بھی درست نہیں ہے۔ مرزا صاحب کے کسی غلبہ سے جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل رسول ہونے کے قائل ہیں اور قرآن مجید کو سچا کہتے ہیں، جو اپنے کامل اور کافی ہونے کا مدعی ہے، کوئی امان نہیں اٹھتا۔ بلکہ خود مرزا صاحب ہی اگر انھوں نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے، جھوٹے قرار پاتے ہیں۔

اور یاد رہے کہ یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ ہر مفتری ضرور ہی مارا جائے، یا ضرور ہی دنیا کا متاع قلیل نہ پائے، بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمْ	اے رسول تو کہدے بالتحقیق وہ لوگ جو... پر جھوٹ باندھتے ہیں، فلاح نہیں پائیں گے

یونس ۱۱ ع ۱۲ ۱۷

الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۱۱/۱۲

دنیا میں فائدہ اُٹھانا ہے پھر ہماری طرف اُن کا مڑنا ہے، پھر ہم اُنھیں اُن کے کُفر کے سبب سخت عذاب چکھائیں گے۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مفتریوں کو اس دنیا میں متاع ملتا ہے۔ پھر فرمایا کہ

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُمْ مِنَ الْكِتَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا ۱۱/۳

اس سے بڑھکر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ یہ لوگ جو ہیں اُن کو کتاب سے جو اُن کا نصیب ہے پہنچیگا۔ یہانتک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے اُن کو فوت کرتے ہوئے آئینگے تو کہیں گے، جن کو تم خدا کے سوا پکارتے تھے، وہ کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے، وہ ہم سے گُم ہو گئے۔

اس آیت سے بھی مفتریوں کو موت تک اُن کا نصیب ملنا صاف ثابت ہے۔

دنیا اور آخرت کا عذاب

پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ۱۱

اللہ پر جھوٹ باندھنے والوں نے قیامت کو کیا سمجھا ہوا ہے؟ بالتحقیق اللہ آدمیوں پر فضل کرنیوالا ہے لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے۔

پھر فرمایا

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ۱۱/۴

اس سے بڑھکر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اُسکی طرف کچھ وحی نہ کیا گیا ہو اور جو کہے میں ابھی اُتار لیتا ہوں مثل اسکے جو خدا نے اُتارا ہے (اور کیا ہو) اگر تو دیکھے جب ظالم موت کی بیہوشیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلانے والے ہوتے ہیں (کہتے ہیں) اب نکال کرلے جاؤ اپنے آپ کو، آج تم کو رسوائی کا عذاب ملتا ہے بسبب اس کے کہ تم اللہ پر ناحق کہتے تھے۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ممکن ہے کہ مفتری عذاب سے بھی بچے رہیں اور اُنھیں دنیوی سامان بھی ملیں اور ممکن ہے کہ پکڑے بھی جائیں۔

ظہور نبی کے اسباب

کسی رسول کے بعد یا کسی کے ساتھ کسی اور رسول و نبی کے آنے کی ضرورت دو ہی سبب سے ہو سکتی ہے۔ اول یا تو پہلا رسول محدود زمانہ کے لئے ہو اور یا وہ اکیلا کامل اور کافی نہ ہو۔ اب احمدی حضرات بتائیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلعم کو آپ کس قسم کا رسول سمجھتے ہیں جو ان کے بعد یا ان کے ساتھ کوئی اور رسول یا نبی تجویز کرتے ہیں؟ عام طور پر اسکا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت کی غرض تکمیل اشاعت ہدایت ہے لیکن معلوم نہیں اسکا کیا مطلب ہے۔ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ اب مرزا صاحب کے بعد کسی اور اشاعت ہدایت کرنیوالے کی ضرورت باقی نہیں رہی (۲) یہ کہ مرزا صاحب نے کل مذاہب کی اشاعت ہدایت کر دی اور اب مرزا صاحب کے بعد کوئی اور نیا دین پیدا نہیں ہوگا اور یہ دونوں باتیں ہی باطل ہیں۔ اشاعت ہدایت تو تمام امت کے ذمہ ہے۔

اللہ تعالے فرماتا ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۳ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "اختلافات امت کے درمیان فیصلہ کی غرض سے مرزا صاحب کی نبوت و رسالت ہے" اس کے جواب میں عرض ہے کہ مرزا صاحب نے امت کے اختلافات میں قرآن مجید سے فیصلہ کیا ہے یا کسی اپنی وحی سے؟ اگر قرآن مجید کافی ہے اور وہ خود اختلافات کو رفع کرتا ہے تو مرزا صاحب کی رسالت و نبوت کی کیا ضرورت ہے؟ مرزا صاحب نے تو امت میں اعتقادیات میں بھی مزید اختلافات پیدا کر دیئے ہیں۔

آخری گزارش

آخری بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت منہاج نبوت کی تکذیب کرتی ہے اس لیے کہ (۱) مرزا صاحب کے مخالف بڑے زور سے کہتے رہے کہ مرزا صاحب نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مرزا صاحب مدت العمر تک بڑے زور کے ساتھ ان کی تکذیب کرتے رہے پھر بقول احمدی حضرات اخیر میں کہا کہ میں سچ مچ نبی و رسول ہوں۔ اب آپ کل رسل و انبیا میں سے ایک کو بھی بطور مثال پیش کریں کہ جس کو اپنے دعوے کے متعلق ایسا تردد و تذبذب رہا ہو۔ (۲) مرزا صاحب کی تحاری کے ساتھ کی ہوئی پیشگوئیاں بھی غلط نکلیں۔ کسی ایک رسول و نبی کا نمونہ دکھلاؤ جس کی پیشگوئیاں اس طرح غلط ہوئی ہوں (۳) مرزا صاحب نے خدا تعالےٰ کے آگے فیصلے پیش کئے، خدا تعالےٰ نے ان کے خلاف فیصلے دیئے وہ اپنے ہی منظور کردہ بیانات کے مطابق صادق نہیں ٹھہرے۔ نمونہ میں کوئی ایسا رسول و نبی پیش کرو جس پر ایسی واردات ہوئی ہوں (۴) کل رسول و نبی وہبی طور پر ہوئے ہیں۔ مرزا صاحب کی طرح ایک بھی رسول یا نبی بتلاؤ جو اکتساب یا کوشش سے بنا ہو۔ (۵) ایک رسول یا نبی ایسا بتلاؤ کہ جس کے دل کا ایسا حال ہو کہ کشف یا خواب میں خود خدا بن جائے یا جس نے ایسا کیا ہو کہ عیسیٰ کا نام یسوع رکھکر گالیاں دی ہوں۔